انتساب

روح حیدر کے نام

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

خلیل جبران

(1931 1883)

لبنانی فلسفی،شاعر ادیب،ڈرامہ نگار اور مصور جبران خلیل جبران 6 جنوری1883ءکوشمالی لبنان کے دورافتادہ قصبے بشاری میں پیدا ہوئے۔کوہ لبنان کی وادی مقدس کے نام سے مشہور وادی قادسیہ کا چھوٹا سا قصبہ بشاری وادی کے ایک سرے پر واقع ہموار قطعے پر آباد ہے۔بشاری قصبہ عیسائیوں کے ایک قدیم چھوٹے فرقے میرونی عیسائیوں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔میرونی عیسائیوں کے اس قدیم فرقے کا مرکز شام ہے۔حضرت عیسٰی علیہ سلام اور دین عیسوی کے ضمن میں میرونیوں کے عقائد عیسائیوں کے دوسرے فرقوں سے یکسر مختلف ہیں۔ان مختلف عقائد کی چھاپ ان کے ناول ''ابن آدم'' میں صاف دکھائی دیتی ہے۔''ابن آدم'' کوایک لحاظ سے جناب عیسٰی کی مختصر اور میرونی عقائد کے مطابق سوانح حیات بھی کہا جا سکتا ہے۔اور یہ بھی کہ اس ناول سے میرونی عیسائیوں کے عقائد کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

خلیل جبران کا اصلی نام جبران خلیل جبران ہے۔وہ خلیل جبران کے نام سے مشہور ہوئے۔ان کی تاریخ پیدائش کے ضمن میں بہت عرصہ تک اختلاف رائے دیکھنے میں آیا۔خلیل جبران کی شخصیت اوران کے فن پر کام کرنے والے چند حضرات نے ان کی تاریخ پیدائش 6 دسمبر 1883ء لکھی ہے۔جوزف شعبان کی بھی یہی رائے ہے۔البتہ بعض حضرات نے سال پیدائش تو 1883ء ہی لکھا ہے۔لیکن تاریخ پیدائش چھ جنوری۔خلیل جبران نے اپنی تاریخ پیدائش چھ جنوری ہی کو قرار دیا ہے۔سہیل بشروی اور جوجینکس کی تصنیف خلیل جبران داستان حیات میں بھی چھ جنوری 1883ءان کا یوم پیدائش تحریر کیا ہے۔6 دسمبر کے مقابلے میں چھ جنوری کی تاریخ اس لیے مستند ہے کہ اس تاریخ ولادت کو امریکہ کی یونیورسٹی آف میری

لینڈ میں قائم خلیل جبران ریسرچ اینڈ سٹڈیز پروجیکٹ کی بھی سند حاصل ہے۔جبران کے والد خلیل جبران قصبہ بشاری میں محصولات جمع کرنے کا کام کرتے تھے۔دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی چند ایکڑ اراضی اور اخروٹوں کے ایک باغ کے مالک تھے۔ان کی والدہ کاملہ رحمت میرونی پادری استفیان رحمت کی صاحب زادی تھیں۔راسخ العقیدہ کاملہ رحمت کی پہلی شادی اپنے چچا زاد حنا عبدالسلام رحمت کے ساتھ ہوئی۔شادی کے کچھ عرصہ بعد عبد السلام رحمت برازیل میں وفات پا گئے۔بعد ازاں کاملہ رحمت کی شادی جبران کے والد خلیل جبران سے ہوگئی۔جبران کے سوتیلے بھائی بطروس عبدالسلام رحمت کے بیٹے تھے۔کاملہ رحمت کی جبران سے شادی کے بعد تین بچے پیدا ہوئے۔1883ء میں جبران،1885ء میں ماریانہ اور

1887ء میں سلطانہ۔

اپنے دوسرے خاوند خلیل جبران کے والد کے برعکس کاملہ ایک مہربان،شفیق اور محبت کرنے والی خاتون تھی۔جب کہ خلیل جبران کے والد قمار باز،بادہ نوش شخص کی شہرت رکھتے تھے۔ان کے ساتھ گھریلو زندگی بسر کرنا بہت ہی دشوار تھا۔لیکن کاملہ ایک مثالی بیوی کی حیثیت سے کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔اپنے والد کے مقابلے میں جبران اپنی والدہ کے زیادہ قریب تھے۔انہیں اپنی والدہ سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا۔عربی اور فرانسیسی بولنے والی کاملہ رحمت نے بلاد عرب بالخصوص لبنان و شام کی لوک کہانیاں اور بائبل کے قصے کچھ اس طرح جبران کو سنائے کہ ان سے جبران کے فنکارانہ تخیل کو جلا ملی۔

قدامت پسند میرونی عیسائیوں کے پادری کی صاحب زادی ہونے کی وجہ سے کاملہ رحمت راسخ العقیدہ خاتون تھیں۔وہ عیسائیوں کے اس قدیم فرقے کی ایک عبادت گاہ سینٹ سائمن کے گرجا میں نن بھی رہ چکی تھیں۔خلیل جبران پر والدہ کے

مذہبی عقائد کی گہری چھاپ تھی۔ میرونیوں کو عیسائیوں کا ایسا فرقہ کہا جاتا ہے۔ جو متصوفانہ رسومات پر عمل کو فرض زندگی کہتے ہیں۔

1860ء میں ہونے والی خانہ جنگی کے جو بھیانک اثرات لبنان پر قائم ہوئے۔ وہ جبران کے ہوش سنبھالنے تک جوں کے توں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی بھر اہل لبنان کو فرقہ واریت اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے تشدد سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔ پانچ سال کی عمر میں جبران کو دیہات کے ایک ایسے سکول میں داخل کرایا گیا۔ جس کا انتظام میرونی چرچ کے ہاتھ تھا۔ جہاں اگلے دو سالوں کے دوران انہوں نے تمام مذہبی گیت اور مناجات زبانی یاد کر لیے۔ ان کے ناولوں النبی اور ابن آدم کے مطالعہ سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے بائبل کا بہت عمیق مطالعہ کیا تھا۔ ان کی تحریروں پر عرب صوفیا شعراء اور دوسرے مفکرین کا بھی گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ وہ نہ صرف قدیم لبنانی علماء کے کام سے واقف تھے بلکہ نور علم سے اپنے ذہن کو منور کرنے کے لیے انہوں نے عیسائیت اور اسلام کے علاوہ بدھ مت، یہودیت، کنفیوشس، ہندومت اور دوسرے مذاہب کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے روسو، طشے اور ایمرسن کے حقیقی ماخذوں کا بھی گہرا جائزہ لیا۔

خلیل جبران لبنان کی خونین تاریخ اور تباہ کن فرقہ وارانہ فسادات کے نتائج کو کبھی نہیں بھول پائے۔ اپنے وسیع مطالعہ کے سبب وہ مذہب کی اساسی وحدت پر یقین کا برملا اظہار کرتے۔ یہی وہ فکر ہے، جس کے اظہار میں انہوں نے کبھی تامل محسوس نہیں کیا۔ مذہبی تعصب سے کوسوں دور جبران انسان کو صحیح معنوں میں انسان بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے وضع کردہ ضابطہ اخلاق کے مخالف نہیں تھے۔ نہ ہی انہیں کسی خاص مذہب یا فرقے سے نفرت تھی، انہیں ایسے لوگوں سے شدید نفرت تھی، جو مذہبی عقائد یا مذہبی و لسانی تعلق کو تعصب کی بنیاد ٹھہرا کر ایسی تنگ

نظری کو ہوا دیتے جو انسانی معاشروں کو تباہ کرنے کا باعث بنتی۔ ابتدائی دور میں انہوں نے جتنی تحریریں لکھیں وہ عربی زبان میں ہیں۔ عربی کے ایک صاحب طرز ادیب کے طور پر انہوں نے جتنا لکھا، اس نے جدید دور کے عرب لکھاریوں کو نئے اسلوب نگارش سے آشنا کیا۔ ''ٹوٹے ہوئے پر'' عربی کے بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ The prophet ''النبی'' ان کی پہلی انگریزی تصنیف ہے، اپنے موضوع خیالات کے اعتبار سے اسے انگریزی نثر کا شاہکار قرار دیا گیا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے پورے انگریزی ادب میں ''النبی'' جیسی نثر اب تک نہیں لکھی جا سکی۔ حالانکہ انگریزی جبران کی مادری زبان نہیں تھی۔

عربی، انگریزی اور فرانسیسی روانی سے بولنے اور لکھنے والے خلیل جبران نے اپنی عربی شاعری کا بیشتر حصہ عمر کے ابتدائی حصے میں لکھا، ان کی زبان سادہ اور عام فہم تھی۔ اس طرح انگریزی زبان میں کی گئی شاعری بھی فن کارانہ کمال کا شاہکار ہے، ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے عربی، انگریزی اور فرانسیسی میں سے جس زبان کو بھی اظہار کا ذریعہ بنایا ہے، اس زبان کے بھاری بھرکم اور ثقیل الفاظ استعمال کرنے کے بجائے سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے۔ اس سے جہاں ایک نئے اسلوب کی بنیاد پڑی۔ وہیں ان کی فکر کو بھی وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی،

1860 کی دھائی میں فرقہ وارانہ عصبیت کی کوکھ سے جنم لینے والے پر تشدد ہنگاموں سے تباہ حال لبنان میں حصول روزگار کے ذرائع محدود تھے۔ جس سے دیگر علاقوں کی طرح وادی قادسیہ کے مختلف خاندانوں میں بھی یورپ اور امریکہ کی طرف نقل مکانی کی سوچ پروان چڑھی۔

1895ء میں جب خلیل جبران ابھی بارہ سال کے تھے۔ اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہہ کر امریکہ منتقل ہو گئے۔ پر تشدد ہنگاموں سے تباہ حال لبنان کے مقابلے میں کاملہ رحمت کو اپنے بچوں کے لیے امریکہ آزادی کی سرزمین کے طور پر پسند آیا۔ اور

وہ یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ تیزی سے ترقی کے مراحل طے کرتے امریکی معاشرے میں بلوغت کے سال گزارنے اور جدید تعلیم سے فیض پانے نے ان کی فن کارانہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ انیسویں صدی کی آخری نصف دہائی اور بیسویں صدی کی پہلی تین دھائیاں کھلے اور ترقی یافتہ امریکی سماج میں گزارنے کے باوجود وہ اپنے مادر وطن لبنان اور بالخصوص شمالی لبنان کی وادی مقدس کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بھول پائے۔ ان کی نثر اور شاعری کی طرح مصوری میں بھی بنیادی حیثیت لبنان اور اہل لبنان ہی کو حاصل رہی۔ اپنی پہلی تحریر سے آخری تحریر کی آخری سطر تک وہ ایک سچے لبنانی کی حیثیت سے اہل لبنان کو پیغام محبت دیتے رہے۔ ان کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے ان کی شخصیت سے کامل آگاہی ضروری ہے۔

1895ء میں امریکہ آنے والے تارکین وطن میں جبران کا خاندان بھی شامل تھا۔ امریکہ آنے کے بعد ان کے خاندان نے ایلس آئی لینڈ میں ایک تکلیف دہ شب گزارنے کے بعد بوسٹن کی طرف کوچ کیا۔ اور پھر یہی شہر ان کی مستقل قیام کی جگہ بنا۔ جبران کی والدہ کاملہ رحمت نے پھیری والوں کی طرح گھر گھر جا کر اشیاء فروخت کرنے کے علاوہ سلائی کڑھائی کر کے بچوں کی گزر اوقات کا سامان مہیا کیا۔ بوسٹن کے کوئنسی سکول برائے طلباء میں جبران کا داخلہ عمل میں آیا تو اس مرحلہ پر سکول کی انتظامیہ نے جبران خلیل جبران کے نام کو مختصر کر کے خلیل جبران کر دیا، جبران بوسٹن میں گزرے ابتدائی دو برسوں کی تلخیوں، غربت، اور نسل پرستی کو زندگی بھر نہیں بھول پائے۔ اس شہر میں انہوں نے ماڈلنگ بھی کی۔ لیکن اسے بطور پیشہ اپنانے سے انکار کر دیا۔

1897ء میں جب جبران کی عمر 15 سال تھی تو ان کی ایک تصویر کو عمر خیام کی رباعیات کے مجموعے کے سرورق کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس اعزاز نے جبران پر گہرا اثر ڈالا۔

1902ء میں وہ ایک بار پھر اپنے مادر وطن لبنان پہنچے، جہاں انہوں نے ''مدرستہ الحکمت'' میں داخلہ لیا۔

''مدرستہ الحکمت'' 1875ء میں ایک میرونی پادری یوسف الدبس نے قائم کیا تھا۔اس میں داخلہ لینے کا مقصد عربی میں اپنے خیالات کے اظہار میں قدرت حاصل کرنا تھا۔''مدرستہ الحکمت'' میں تعلیم نے ان کی فکری اٹھان میں بنیادی کردار ادا کیا۔اس درس گاہ میں ان کے استاد فادر یوسف حداد تھے۔فادر یوسف حداد کی رہنمائی میں انہوں نے کلیلہ ودمنہ، مقدمہ ابن خلدون، المتنبی کی شاعری کے علاوہ توریت کا بھی مطالعہ کیا۔''مدرستہ الحکمت'' میں قیام کے دوران انہوں نے فطری سائنسوں مختلف اقوام کی تواریخ، رسوم، کردار اور اخلاقیات کا عمیق مطالعہ کیا۔جو آگے چل کر ان کی فکری اٹھان میں معاون ثابت ہوا۔

خلیل جبران کی تصور محبت پر فرانسیسی ادیب فرانس مراش کی گہری چھاپ ہے۔ مراش کی فکر سے متاثر جبران زندگی بھر ''دنیا محبت کے دم سے آباد ہے'' کی فکر کے علم بردار رہے۔

''مدرستہ الحکمت'' میں ہی وہ مراکش کے ہم عصر ادیب اسحاق سے متعارف ہوئے۔اصلاح کی اساس فطرت کو قرار دینے والے ادیب اسحاق نے عرب دنیا کو جگانے میں جو کردار ادا کیا۔اسے خلیل جبران آگے چل کر بڑھاتے ہوئے دکھائی دیے۔

''ٹوٹے ہوئے پر'' جبران پہلی محبتوں کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔اس ناول نے انہیں عرب خواتین کے اولین محافظ کا خطاب دلوایا۔''النبی'' اور ''ابن آدم'' یہ دونوں ناول میرونی عیسائیوں کے عقائد کی تبلیغ اور اس عقیدہ پر قائم معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ جو جبران کا خواب تھا،''زرد پتے'' شمالی لبنان میں جاگیر دارانہ استحصال میں جکڑے لوگوں کے بنیادی مسائل کو اجاگر کرتا ہے۔''جنت ارضی'' میں

بھی انہوں نے شرف آدمیت، انسانی حقوق، محبت اور احترام کو موضوع بنایا۔

ان کے عربی اور انگریزی زبانوں میں لکھے گئے لگ بھگ 218 افسانوں کا دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان میں بھی ترجمہ ہوا۔ جبران کی عربی و انگریزی شاعری کی طرح ان کے خطوط، حکایات، اقوال اور فلسفہ کو بھی ہر زبان میں قدر دانوں کی وسیع تعداد حاصل ہوئی۔

کمال فن کے عروج پا لینے والے خلیل جبران 10 اپریل 1931ء کو اس دنیا فانی سے حیات ابدی کے سفر کی طرف روانہ ہوئے۔ 23 جولائی 1931ء کو ان کا تابوت لبنان لے جانے کے لیے بحری جہاز پر رکھا گیا۔ 21 اگست کو ان کی میت لبنان پہنچی، تو اسے سرکاری طور پر وصول کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اسی شام میت کو ان کے آبائی گاؤں بشاری لے جایا گیا۔ جہاں 23 اگست کو صنوبروں کے سائے تلے دفنایا گیا۔

خلیل جبران بیسویں صدی کے ان عظیم صاحبان فکر میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے زندگی بھر تعصب و جہالت، استحصال اور آمریت کے خلاف جد وجہد کی، آفاقیت، اتحاد اور شخصی آزادی پر یقین کامل رکھنے والے جبران نے زندگی کی اڑتالیس بہاریں دیکھیں، نصف صدی سے دو سال کم جینے والے جبران نے اپنی عمر کے مقابلے میں کہیں زیادہ لکھا۔ لیکن ان کی ہر تحریر، شعر اور مصوری کا نمونہ اپنی مثال آپ ہیں۔

''کلیات خلیل جبران'' مرتب کرتے وقت اس امر کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں ان کی وہ تمام تحریریں شامل کر لی جائیں، جن کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیابی حاصل کر پایا، اس کا فیصلہ تو جبران سے محبت کرنے والے اردو قارئین ہی کریں گے۔ لیکن میں اپنی حد تک قدرے مطمئن ہوں،

خلیل جبران کے کام کے اردو تراجم کو از سرِ نو مرتب کرنے میں جناب ڈاکٹر مبارک علی، ظہور احمد خان، عزیز نیازی ایڈووکیٹ اور میرے بھیا ابو۔ پیرزادہ سید فاروق حسین ایڈووکیٹ نے میری بطور خاص رہنمائی فرمائی، میں ان کا شکر گزار ہوں۔

حیدر جاوید سید

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ناول

النبی

(۱)

وہ..... منتخب اور محبوب..... وہ جو اپنے عہد کی صبح ذوق تھا۔ دوبارہ برس تک شہر حرفہ میں اپنے جہاز کا منتظر رہا۔ جو ایک دن آنے والا تھا اور اس کو اس کے وطن کی طرف لیجانے والا تھا۔

اور بارھویں برس ماہ عیلول کے ساتویں دن جب بستی کے لوگ اپنی کھیتیاں کاٹ رہے تھے۔

اس نے شہر کے باہر پہاڑیوں پر چڑھ کر سمندر کی طرف نظر کی۔

کہر کے دھندلے دامن میں اس نے اپنے جہاز کو آتے دیکھا۔

اس وقت اس کے دل کے دروازے کھل گئے۔

اس کی مسرت نے سمندر کی پہنائی پر اپنے پر پھیلا دیئے۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنی روح کے سکون مطلق میں وہ دعا کرنے لگا۔

مگر جب وہ پہاڑی سے اتر رہا تھا تو اس پر ایک اداسی طاری ہوئی۔ اس کے دل میں یکا یک خیال آیا۔

میں یہاں سے مسرور بے غم کیوں کر جا سکوں گا۔ اے کردگار، میں اس بستی سے رخصت نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ ایک زخم اور اپنی روح پر نہ لگالوں۔

غم واندوہ اور آسائش کا ایک طویل زمانہ میں نے اس شہر پناہ کے اندر گزرا ہے۔

میری تنہائی کی راتیں بہت طویل تھیں مگر بے آرام نہ تھیں۔

پھر کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے رائج اور اپنی تنہائی اور اس آسائش سے جو اس حال میں حاصل ہوتی ہے۔ بغیر متاسف ہوئے بغیر آنسو بہائے، رخصت ہو سکے۔

اپنی روح کے اتنے ٹکڑے میں ان انگلیوں میں پھینکے ہیں۔

اور میرے ارمانوں کی اس قدر اولاد ان پہاڑیوں کے آغوش میں کھیل رہی ہے۔

کہ اب یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں اپنی روح پر ایک وزن رکھے۔بغیر یا اپنے دل میں ایک خلش پیدا کئے بغیر بازگشت کرسکوں؟

یہ کوئی لباس تو نہیں جس کو میں آج اپنے جسم سے اتار کر پھینکتا چاہوں تو بلا تکلف پھینک دوں؟

مجھے تو اپنی پوست کھال اپنے ہی ہاتھوں سے نوچ کر پھینک دینی ہے۔

مجھے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کا خون نچوڑنا ہے۔

یہ بستی کوئی محض تخیل و تصور نہیں کہ میں اس کو چھوڑ رک۔۔۔بھلا کر۔۔دل سے مٹا کر۔۔۔چلا جاؤں۔

یہ تو میرا دل ہے،میرے دل کا مقصود ہے جس کو خواہش کامگار اور طبیب کامران نے خوش کام بنایا تھا۔

لیکن..... میں ٹھہر بھی تو نہیں سکتا۔

سمندر جو آخر کار سب ہی کو اپنی گود میں کھینچ کر،اپنے سینے سے لپٹالیتا ہے، مجھے بلا رہا ہیل۔

آخر مجھے اپنی کشتی میں سوار ہونا ہی پڑیگا۔۔اس لئے کہ قیام۔۔جبکہ رات کی ساعتیں شعلہ بہ دامن ہوں۔

ایک جمود ہے۔۔حرکت سے محروم۔۔ایسا جیسے ہو برف کی طرح منجمد اور شفاف ہو کر ایک سانچہ میں بند ہو جائے۔

قیام۔۔ممکن نہیں۔

کاش کہ میں، جو کچھ یہاں ہے وہ سب، اپنے ساتھ لے جا سکتا۔

مگر کیونکر؟

آواز جس کے شانوں پر زبان لگاتی ہے خود اڑ سکتی ہے۔مگر زبان کو ساتھ نہیں لیجا سکتی.....وہ مجبور ہے کہ تنہا آکاش کی جستجو میں پرواز کرے۔

اور اسی طرح عقاب

وہ جب آفتاب کی کرنوں کو اپنے طاقتور پروں سے کاٹتا ہے اور نور کے اس پھیلے ہوئے جال میں الجھتا ہوا.....اڑتا ہے تو اپنے آشیانے کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا.....

اس طرح سوچتا ہوا۔۔مغموم اور مسرور بھی۔۔جب وہ دامن کوہ میں اترا تو پھر اس نے سمندر کی طرف دیکھا،اس نے دیکھا کہ اس کا جہاز ساحل کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔

اس نے جہاز کے ملاحوں کو جہاز کے عرشے پر کھڑے دیکھا۔

وہ سب ملاح اس کے ہم وطن تھے،اسی کے دیس والے تھے۔

اس کی زبان خاموش تھی مگر اس کی روح نے بے اختیار ان ملاحوں کو پکارا۔

میری اس زندہ جاوید ماں کے بیٹو،موجوں کے شہسوارو۔

کتنی دفعہ میں نے تمہیں اپنے عالم خواب میں تصور، کی موجود پر تیرتے دیکھا ہے۔

اب تم میری بیداری کی حالت میں میری طرف آئے ہو جو عالم رویا سے بھی زیادہ گہرا اور وسیع ایک عالم ہے۔

ہاں، چلنے کو میں تیار ہوں،

میرا اشتیاق سفر اپنے بادبانوں کو چڑھاتے ہوئے ہوا کے جھونکوں کا منتظر ہے۔

بس،ایک سانس اور۔۔اس خاموش فضا میں،بس ایک محبت کی نگاہ واپسیں،

پھر میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔۔۔سمندروں کے مسافروں کا ہم سفر مسافر،

اور تو اے مہا ساگر! اے مادر خوابیدہ!

تو کہ تیری ہی آغوش میں چشموں اور دریاؤں کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔

میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ

''پہلے اس سے کہ اس بستی کی زندگی کے دریا کا پانی چند قدم اور گزر سکے، یا اس سر سبز وادی میں ایک لمحہ اور اپنا ترنم جاری رکھ سکے۔

''میں تیرے پاس آ جاؤں گا.....

ایک بے حد و نہایت قطرہ..... ایک حد و نہایت سمندر میں.....

وہ جب آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ دور دور سے بہت سے آدمی، مرد اور عورت، اپنے کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کو چھوڑ کر شہر کے دروازے کی طرف چلے آ رہے ہیں۔

اس نے ان آوزیں سنیں۔

وہ سب اسی کا نام لیکر پکار رہے تھے۔

اور کھیتوں میں چلا چلا کر ایک دوسرے کو جہاز کے آنے کی خبر سنا رہے تھے۔

اس نے اپنے دل سے کہا۔

کیا یوم فراق ہی، یوم وصال ہوگا۔

اور کیا کہا جائے گا کہ میری شام ہی میری صبح تھی؟

''اور میں کیا دے سکوں گا اس شخص کو جس نے میرے لئے اپنا ہل کھیت میں پڑا چھوڑ دیا؟

کیا ایسا ممکن نہیں کہ میرا دل پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت بن جائے۔

تا کہ میں اس کے میوے کو ان لوگوں میں دونوں ہاتھوں سے تقسیم کر سکوں؟

کیا ایسا ممکن نہیں کہ میرا ذوق تمام ایک پہاڑی چشمے کی طرح بہنے لگے؟

''تا کہ یہ لوگ اس سے اپنے پیالے بھر لیں؟

''کیا میں ایک مورچنگ نہیں بن سکتا؟

''کہ لوگوں کی انگلیاں اس سے مس کریں..... اور اس کی موسیقی فضا میں پھیل جائے؟

''یا میں ایک بانسری نہیں بن سکتا کہ اسکا سانس ان کی روحوں میں گزر جائے؟

''وہ کیا دولت ہے..... کہاں ہے..... جو میں نے اپنی خاموشیوں میں پائی اور جس کو اب میں تقسیم کرسکوں؟

اگر آج میری فصل کے کٹنے کا دن ہے تو کس کھیت میں میں نے تخم پاشی کی تھی؟

''اور کس گزرنے ہوئے..... بھولے ہوئے زمانے میں؟

''اگر یہی وہ ساعت ہے جب مجھے اپنی قندیل اٹھا کر بلند کرنی ہے۔''

''تو کیا اس قندیل میں وہی شعلہ روشن ہوگا جو میرے اندر ہے؟

''شاید، بے نور اور تاریک ہوگی میری قندیل جب وہ بلند کی جائے گی۔

''مگر مجھے معلوم ہے کہ شب کا خبردار اس میں تیل ڈال کر اس کو روشن کردے گا۔''

''اس طرح کہ بلندی پر اس کا شعلہ ہر طرف کی ہواؤں کا مقابلہ کرسکے۔''

''یہ سب کچھ اس نے کہا مگر اور بھی بہت کچھ تھا اسکے دل میں جو کہا نہ جاسکا۔''

''اس لئے کہ وہ خود اپنے رازوں کو کیونکر زبان پر لاتا؟''

اور جب وہ شہر میں داخل ہوتو سب لوگوں نے اس سلام کہا اور سب یک زبان چلائے۔

بستی کے سب ساہوکار، تاجر، زمیندار حکما اور شیوخ اگلی صف میں کھڑے ہوگئے۔

انہوں نے کہا۔

''ابھی ہم سے جدنہ ہو''

ابھی ہم سے دور نہ جا

''جب ہماری شام ہو چکی تھی تب تو ہمارے لئے ایک نصف النہار لے کر آیا۔''

''اور تیری جوانی نے ہمیں کیسی کیسی خوابیں دیکھنا سکھائیں۔''

''تو ہمارے درمیان اجنبی تو نہیں ہے نہ مہمان ہے۔''

''جبکہ تو ہماری ہی اولاد ہے، ہمارا ہی محبوب ہے۔''

''ابھی ہماری آنکھوں کو اپنے دیدار کا بھوکا نہ بنا۔''

شیخوں اور مرشدوں نے اس سے کہا۔

سمندر کی موجوں کو ہمارے اور اپنے درمیان حائل نہ کر۔

اور نہ ہی اس عہد زندگی کو جو تو نے ہمارے پاس گزارا ہے، ماضی حوالے کر!

''ایک روح کیطرح تو ہمارے درمیان گزرا ہے۔

تیرے عکس قد نے ہمارے چہروں کو روشن کیا ہے۔

تیری پرنور پیشانی نے ہماری جبینوں کو نورانی بنایا ہے۔

بہت ہم نے تجھے پیار کیا مگر ہماری محبت بے زبان تھی وہ پردوں میں چھپی رہی۔''

''مگر آج وہ سے باہر آ کر تجھے پکار رہی ہے اور تیرے روبرو بے نقاب موجود ہے''

''اور ہوتا بھی یہی ہے..... ہمیشہ..... کہ محبت اپنی گہرائی سے بے خبر رہتی ہے تا آنکہ فراق کی ساعت آ جائے۔

(2)

اور بھی بہت سے آئے اور سب نے اس سے التجائیں کیں مگر اس نے کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے اپنا سر جھکا لیا، اور جو لوگ اس کے قریب تھے انہوں نے اس کے سینے پر آنسو گرتے دیکھے۔

پھر اس کے ساتھ سب لوگ خانقاہ کے صحن میں داخل ہوئے۔

وہاں اعتکاف خانہ سے ایک عورت نکلی، جس کا نام عارفہ تھا اور اہل بصیرت میں

سے ایک تھی۔

اس نے اس عورت کی طرف دیکھا۔ انتہائی لطف و شفقت اس کی نظر میں تھا۔ اس لئے کہ یہی عورت تھی جس نے سب سے پہلے اس سے کہا تھا، تو سچا ہے۔

اس وقت جب کہ اس بستی میں آئے اس کو ایک ہی دن گزرا تھا۔

اس عورت نے کہا۔

''اے برگزیدہ ابتداء سے واقف اور انتہا کے جویاں!

''بہت زمانہ تک تیری نظروں نے اپنے جہاز کو ڈھونڈا۔

''اور اب تیرا جہاز آ گیا۔

اور تجھے جانا ضرور ہے۔

''تیرے دل میں وطن کا اشتیاق بہت قوی ہے۔

وہ وطن جہاں تیرے دل کی بڑی بڑی تمنائیں مرکوز ہیں۔

''پس نہ ہماری محبت تجھے روک سکتی ہے۔

نہ ہماری ضرورت تیری راہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔''

''صرف اتنا ہم چاہتے ہیں کہ رخصت ہونے سے پہلے تو ہم سے دو باتیں کر لے۔

''ہم کو اپنی ''حقیقت اعلیٰ'' سے ایک حصہ کر۔

''ہم تیرے عطیہ کو اپنے بچوں کے سپرد کر جائیں گے۔''

''اور پھر وہ بچے اپنے بچوں کے۔''

''اس طرح تیری امانت ہمیشہ ہماری نسلوں میں محفوظ رہے گی۔''

''اپنی تنہائی اور خلوت میں نے ہماری زندگی کا مطالعہ کیا۔''

''اپنی بیداری میں تو نے اس طرح ہماری نگہداشت کی، جیسے ماں سوتے ہوئے بچے کی نگرانی کرتی ہے۔۔۔ جیسے وہ خواب میں بچہ کو روتے اور مسکراتے دیکھتی

ہے۔

''بس اب تو ہمارا راز ہم پر ظاہر کر دے۔

''اور ہمیں بتا دے۔۔۔وہ سب کچھ، جو تو نے دیکھا ہے موت اور حیات کے درمیان۔''

اس نے جواب دیا۔

بستی والو، میں تم سے کس چیز کا ذکر کروں، سوائے اس چیز کے جو اب بھی تمہاری روحوں میں لرزاں اور متحرک ہے۔''

عورت نے کہا۔

''ہمیں محبت کے متعلق کوئی بات بتا۔''

تب اس نے سر اٹھا اور لوگوں کی طرف دیکھا۔

ایک گہری خاموشی سب پر طاری ہوگئی۔

بہت بھاری آواز سے اس نے کہا۔

جب محبت تمہیں اشارہ کرے تو اس کے پیچھے جاؤ۔

باوجودیکہ اسکے راستے مشکل اور دشوار گزار ہیں۔''

''اور جب وہ تمہیں اپنے پروں میں لپیٹ لے تو برضا و رغبت لپٹ جاؤ۔''

''اور پروانہ کرو اگر اس تلوار کی نوک جو اس کے پروں میں پوشیدہ رہتی ہے۔ تمہیں زخمی کر دے۔

''اور جب وہ تم سے بات کرے تو اس کی بات کا یقین کر لو۔''

''خواہ اس کی آواز تمہارے تمام مرغوب خوابوں کو منتشر کر دے..... اس طرح جس طرح نسیم شمالی باغیچہ کو ویران کر ڈالتی ہے۔

یاد رکھو کہ محبت تمہارے سر تاج رکھتی ہے تو ساتھ ہی تمہیں سولی پر بھی چڑھا دیتی ہے۔

''جس طرح وہ تمہاری روح کے سبزہ زار کو شادات رکھتی ہے اسی طرح وقتاً فوقتاً اس سبزہ زار کی بہت سی بے کار اور خودگھاس کو تراشتی اور چھانٹی بھی رہتی ہے۔

''تو ساتھ ہی ساتھ..... عین اس وقت وہ اس شجر کی ان جڑوں تک بھی پہنچتی ہے جو زمین کے سینے سے لپٹی ہوئی ہیں اور ان کو ہلا کر ڈالتی ہے۔

''اناج کے پولوں اور گھٹلیوں کیطرح وہ تم کو سمیٹ لیتی ہے۔''

وہ تمہیں عریاں کرنے کے لئے اس طرح جھاڑتی ہے۔ جس طرح غلے کی شاخیں دانہ نکالنے کے لئے جھاڑی جاتی ہیں۔''

''پھر وہ تمہارے پھٹکتی ہے تاکہ تمہارے دانے بھوسی سے علیحدہ ہو جائیں۔''

''پھر وہ اس مغز کو اپنی مقدس آگ کے حوالہ کرتی ہے تاکہ تم کارساز حیات کے مبارد دستر خوانوں کے قابل ایک مقدس روٹی بن جاؤ.....

''یہ سب عمل محبت تم پر کرے گی اور جب تم اپنے دل کا راز جانو گے۔''

''اور تب اس راز کو جانکر تم قلب حیات کا ایک جزو بن جاؤ گے۔

''لیکن اگر تم ڈر گئے اور تم نے صرف محبت کو اور محبت کا عیش ہی تلاش کیا۔''

''تب تو بہتر ہے کہ تم اپنی عریانی کو ڈھانک کر محبت کا عیش ہی تلاش کیا۔''

''تب تو بہتر یہ ہے کہ تم اپنی عریانی کو ڈھانک کر محبت کے کھلیان سے نکل جاؤ۔''

''نکل جاؤ..... اور ایسی دنیا میں چلے جاؤ جہاں کوئی موسم نہیں ہوتا کوئی نور نہیں ہوتا کوئی زوق نہیں ہوتا اور نہ کوئی صاحب ذوق ہوتا ہے۔''

''وہاں بھی تم ہنسو رگے تو..... مگر..... اپنے حصہ کی پوری ہنسی نہ ہنس سکو گے''

''تمہارا تبسم نامکمل اور تمہارے قہقہے آدھے ہوں گے۔''

''تم وہاں رو بھی سکو گے۔ مگر اپنے حصے کے سب آنسو نہ بہا پاؤ گے، بہت سے آنسو باہر آنے سے پہلے خشک ہو جائیں گے۔''

''محبت تم کو کچھ نہیں دیتی سوائے اپنے!''

''اور محبت تم سے کچھ نہیں لیتی، سوائے اپنے..... سوائے اس جوہر لطیف کے جو اسی کا ہے۔

''محبت قبضہ نہیں کرتی نہ اس پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔''

''اس لئے کہ محبت خود ہی اپنے لئے بس ہے۔''

''جب تم محبت کرو تم کو یہ کہنا چاہیے کہ، ''وہ میرے دل میں ہے۔''

''بلکہ کہو تو یہ کہ ''میں اس کے دل میں ہوں۔''

''اور کبھی یہ نہ سمجھو کہ تم محبت کو راستہ بتا سکتے ہو۔''

''وہ تم کو راستہ بتاتی ہے۔ بشرطیکہ تم کو اس قابل پائے۔''

''پھر اگر تم محبت کرو، اور خواہش اور تمنائیں بھی رکھو تو پگھل کر پانی ہو جاؤ۔۔۔ بہتے چشمے کی طرح۔۔۔

''جو شب کی ظلمت کو اپنا نغمہ سناتا ہے۔''

''پھر اس درد کو پہچانو جو اس چشمے کے اندرونی کا ذوق بے حد پیدا کرتا ہے۔''

''اور محبت کے متعلق جو کچھ علم تم کو حاصل ہو جائے اسی سے مجروح ہو جاؤ۔

''اپنے زخموں سے خوش ہو کر۔۔ گویا کہ تم اپنے عیش میں مست ہو۔۔ خون بہنے دو۔''

طلوع آفتاب کے وقت اس طرح بے دار ہو جاؤ کہ گویا تمہارا دل ایک پرند ہے۔

''جو اپنے پر کھولے ہوئے آمادہ پرواز ہے۔''

''اور شکر کرو کہ محبت کرنے کا ایک دن تمہیں نصیب ہوا۔''

''دوپہر کو جب تم آرام کرو تو اس آسائش کی ساعت میں بھی محبت کے کیف بے نہایت سے لطف اندوز ہوتے رہو۔''

''دن بھر کی محبت کے بعد شام کو اپنے گھر آؤ۔۔ محبت کے احسان مند اور شکر گزار ہو کر۔''

''پھر شب کو اس طرح اپنی آنکھیں بند کرو کہ تمہارا دل محبوب کے لئے دعاؤں سے معمور ہو۔''

''اور تمہارے لبوں پر مدح و توصیف کی ایک راگنی رقص کر رہی ہو۔''

(3)

پھر عارفہ نے کہا۔

''اور مناکحت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اے میرے آقا۔''

اس نے جواب دیا۔

''تم ۔۔۔ مرد اور عورت ۔۔ ساتھ ہی ساتھ پیدا ہوئے اور ہمیشہ ساتھ ہی ساتھ زندگی بسر کرو گے۔''

''اور پھر جب موت کا فرشتہ اپنا سفید پر پھیلا کر تمہاری زندگی کے خاکستر کو اڑا دیگا۔''

''اس وقت بھی تم ساتھ ہی ساتھ رہو گے۔''

ہاں کردگار کائنات کے حافظے میں بھی ہم ہمیشہ ہی ساتھ رہو گے۔

''مگر تمہارے اتصال میں کچھ کچھ فصل بھی ہونا چاہیئے۔

''تا کہ آسمان کی آزاد ہوائیں اس فصل کے درمیانی خیال میں رقص کر سکیں۔''

''ایک دوسرے سے محبت تو کرو مگر اپنی جنسی محبت کو اپنے لئے زنجیر نہ بنالو۔''

''بلکہ اپنی محبت کو تم دونوں ایک متحرک سمندر بناؤ۔''

''جو تم دونوں کی روحوں کے درمیان ۔۔ اس طرح جیسے دو ساحلوں کے درمیان ۔۔ موجزن رہے ۔۔۔

''ایک دوسرے کے پیالوں کو بھرو مگر دونوں ایک پیالے سے اپنی پیاس نہ بجھاؤ۔

''اپنا اپنا لقمہ ایک دوسرے کو دو، مگر ایک ہی روٹی کو دونوں مل کر نہ کھاؤ۔

''باہم مل کر، ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ۔۔۔ رقص کرو، گاؤ عیش

کرو۔"

"لیکن ایک دوسرے سے آزاد بھی رہو۔"

"جس طرح دوتارہ کے دوتار، جو بہ یک وقت ایک ہی راگ سے مرتعش ہوتے ہیں، لیکن ایک دوسرے جسے جدا رہتے ہیں۔"

"اپنا دل بخش دو، مگر ایک دوسرے کو نہیں۔"

"اس لئے کہ وہی ید قدرت جو تمہیں زندگی عطا کرتا ہے، تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کا بھی حق رکھتا ہے۔"

"زندگی کی گرمی اور سردی میں شانہ بشانہ کھڑے رہو۔"

"مگر بالکل مل نہ جاؤ۔"

"جس طرح مسجد کے ستون جو ایک دوسرے کی مدد سے ساری عمارت کا وزن برداشت کرتے ہیں مگر اپنی اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے جدا قائم رہتے ہیں۔"

"یا جیسے شاہ بلوط اور صنوبر جو ایک ہی جھرمٹ میں، ایک ہی کنج میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی ہوا اور ایک ہی زمین میں نشو پاتے ہیں مگر ایک دوسرے کی شاخون کے سایے میں پرورش نہیں پا سکتے۔"

(4)

پھر ایک عورت نے جس کو گود میں بچہ تھا، کہا۔

"ہمیں بچوں کے متعلق کچھ بتا۔"

اس نے کہا۔

"تمہارے بچے تمہارے بچے نہیں ہیں۔"

"وہ قوت، حیات اور جذبہ آفرینش کی اولاد ہیں۔"

"وہ اس زندگی کی اولاد ہیں جس کی فطرت خود اپنی نمو کے لئے بے قرار رہتی ہے۔"

''وہ تمہارے واسطے سے بھیجے جاتے ہیں مگر تمہاری ملکیت نہیں ہوتے۔''

''تم اپنی محبت انکو دو، جس قدر دے سکو، جس قدر دینا چاہو، مگر اپنا تخیل انکے حوالے نہ کرو۔''

''اس لئے کہ ان کو تمہارے تخیل کی ضرورت نہیں۔۔ک۔۔اپنا تخیل اپنے ساتھ لاتے ہیں۔''

''تم ان کے جسموں کو اپنے گھروں میں آسائش پہنچاؤ لیکن انکو روحوں کو آزاد چھوڑ دو۔''

''اس لئے کہ ان کی روح اس گھر میں رہتی ہے جس کو ''فردا'' کہتے ہیں۔۔۔

''وہ گھر اس ''ماضی'' اور ''امروز'' سے دور رہے جس میں تم سکونت رکھتے ہو۔'

''اس گھر میں تم نہیں جا سکتے، اس گھر کا تصور بھی تمہارے ذہن میں نہیں سما سکتا۔''

''تم چاہو تو ان کے قدم بقدم چلنے کی کوشش نہ کرو۔

''اس لئے کہ زندگی پسپا نہیں ہو سکتی، اس کا قدم پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔''

''نہ وہ گزرے ہوئے کہ کیسا تھ ٹھہر سکتی ہے۔''

''تم سب کمانیں ہو، جس سے تمہارے بچے تیروں کیطرح نکل کر فضا میں اپنا راستہ پیدا کرتے ہیں۔

''ان تیروں کے نشانے کو دیکھنے والا ایک تیر انداز ہے جو اپنے بازو کی قوت سے ان کمانوں کو کھینچتا ہے اور جھکاتا ہے اپنی پوری طاقت سے کھینچتا ہے تا کہ اس کے تیر زیادہ فاصلہ طے کر سکیں اور زیادہ تیز جا سکیں۔''

''وہ تیر انداز ہمیشہ اپنے تیر افق مستقبل کی طرف پھینکتا ہے۔''

''پس تم اس تیر انداز کے سامنے رضا و رغبت کیساتھ جھک جاؤ۔

''اس لئے کہ جس طرح وہ اڑتے ہوئے تیروں سے محبت کرتا ہے اسی طرح وہ ان کمانوں سے بھی رضامند رہتا ہے جو مضبوط اور کارآمد ہوں۔''

(۵)

پھر بستی کے ایک ساہوکار نے کہا۔

کچھ ہمیں بھی بتا۔۔داد و دہش کے متعلق۔

اس نے کہا۔

جب تم اپنی املاک کو تقسیم کرتے ہو۔

تو کوئی بڑا کام تو نہیں کرتے۔

ہاں۔ جب تم اپنے کو اور اپنے نفس کو بخش دیتے ہو تب واقعی تم داد و دہش کرتے ہو۔''

تمہارے مقبوضات ہیں کیا؟

سوائے ان اشیاء کے جن کو تم عمر بھر حفاظت کرتے رہتے ہو اور ڈرتے ہو کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں اور کل کو تمہارے کام نہ آسکیں۔

اور کل

اس ضرورت سے زیادہ محتاط کتے کے لئے، کل کیا تحفہ لائے گی جو آج ایک لق و دق ریگستان کی ریت میں اپنی چائی ہوئی ہڈی نہایت احتیاط کے ساتھ دبا دیتا ہے اور خود قافلے کے پیچھے پیچھے گزرا چلا جاتا ہے۔''

''اور احتیاج کا اندیشہ ہی کیا؟''

''اندیشہ خود احتیاج ہے۔''

''پیاس کا اندیشہ۔۔اس وقت جب کہ تمہارا کنواں پانی سے بھرا ہوا ہے۔۔۔۔ بجائے خود ایک کبھی نہ تسکین پانیوالی پیاس ہے۔''

''کچھ وہ ہیں جو اپنے بہت سے مقبوضات میں سے تھوڑا سا دیتے ہیں۔''

''اور وہ احسان کرنے اور امتیاز پانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔''

''ان کے دل کی پوشیدہ خواہشیں ان کے تحفوں کو گندہ کر دیتی ہیں۔''

''کچھ وہ ہیں جن کا مقبوضہ بہت تھوڑا ق ہے اور وہ سب دے ڈالتے ہیں۔''

''کچھ وہ ہیں زندگی اور زندگی کی نعمتوں کی کثرت پر ایمان لاتے ہیں۔''

''ان کی جھولی کبھی خالی نہیں رہتی۔''

''کچھ وہ ہیں جو دیتے ہیں اور دے کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کی مسرت ان کی فیاضی کا انعام ہے۔

''کچھ وہ ہیں جو دیتے ہیں اور دیکر ملول ہوتے ہیں۔ وہ ملال کی سزا ہے۔''

''اور کچھ وہ ہیں جو دیتے ہیں اور دیکر ملال سے آشنا نہیں ہوتے نہ مسرت کو تلاش کرتے ہیں۔''

''نہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ دنیا حسن و ثواب ہے۔''

''اور نیک عمل نیکوں کا حصہ ہے۔''

''وہ اس طرح دیتے ہیں جس طرح سامنے وادی میں آس کا درخت بے پرواہ ہو کر اپنی مہک ساری فضا میں بکھیرتا ہے اور ان کی آنکھوں کے پردوں سے وہ زمین کی طرف دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔''

''مانگتے کو دینا کار ینک ہے۔''

''مگر نیک تر کام یہ ہے کہ بغیر مانگے، سمجھ کر دیا جائے۔''

''داتا کو دینے سے زیادہ، پانے والے کو تلاش کرنے کی زحمت مسرور کرتی ہے۔''

''پھر کیا، ہے کوئی ایسی چیز جس کو تم بچا کر رکھنا چاہو؟''

جو کچھ تمہارے پس ہے وہ سب ہی کسی دن تقسیم ہو جائے گا۔

''پس آج دو۔''

''کہ دینے کا لطف تم کو حاصل ہو نہ کہ تمہارے وارث کو۔''

''تم اکثر کہا کرتے ہو میں دوں گا مگر مستحق کو۔''

''لیکن تمہارے باغ کے درخت اور تمہاری چراگاہ کے گلے تو ایسا نہیں کہتے

''وہ اپنا سب کچھ دے ڈالتے ہیں۔۔اسی لئے کہ یہی عمل ان کی زندگی کی ضامت ہے۔''

''وہ نہ دیں تو فنا ہو جائیں۔۔۔''

''یقیناً جو کوئی دن اور رات سے اپنا حصہ پاتا ہے وہ تم سے بھی ہر چیز پانے کا مستحق ہے۔''

''اور جو کوئی زندگی کے سمندر سے اپنی پیاس بجھانے کا حق رکھتا ہے وہ یقیناً تمہارے چھوٹے سے چشمے سے بھی اپنا پیالہ بھرنے کا مستحق ہے۔

''اور تمہاری حقیقت کیا ہے کہ لوگ سینہ کوبی کرتے ہوئے تمہارے سامنے آئیں اور اپنی عزت نفس کے چہرے سے نقاب اٹھائیں تا کہ ان کے استحقاق کو عریاں اور ان کی خودداری کو بے نقاب دیکھ سکو۔''

''پہلے تو یہ دیکھو کہ تم خود بھی اس عزت کے مستحق ہو کہ تم کو کسی حاجب روا بنایا جائے۔''

''حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے سب چشمے ایک دوسرے کو پانی دیتے ہیں۔''

''ایک زندگی دوسری زندگی کو سہارا دیتی ہے۔''

''اور ایک روح دوسری روح کو۔''

''اور ایک فطرت دوسری فطرت کو۔''

''اور تم جو اپنے کو دانا سمجھتے ہو تم تو محض ایک شاہد اور ناظر ہو کہ زندگی کا یہ لین دین کھڑے ہو کر دیکھا کرو۔''

''اے پانے والو''تم سب پالنے والے ہو، اور سائل بھی ہو۔۔تشکر کا ایسا بار اپنے ذمے نہ لو جو تمہارے اور دینے والوں کے کاندھوں پر جوا بن کر جم جائے۔''

''دینے والے کی نیت کی رفعت اور بلندی کے ساتھ خود بھی بلند ہو جاؤ۔جس

طرح کسی کے مضبوط بازوؤں کے سہارے کوئی کمزور یا بیمار کھڑا ہو جاتا ہے۔"

اس لئے کہ اپنی مقروضیت اور احسان مندی کا بہت زیادہ لحاظ کر کے گویا تم دینے والے کی اس فیاضی پر شبہ کرتے ہو جس کی ماں زمین ہے اور جس کا باپ وہ داتا ہے جو ہمیشہ بے مانگے دیتا ہے۔"

"پھر تم ایسے کہاں کے ہو یا تمہارا دینے والا کہاں کا ہے کہ وہ فطرت کے عمل کو اپنی طرف منسوب کر لے۔"

(6)

پھر ایک بوڑھے بھٹیارے نے کہا۔

"ہم سے کھانے پینے کی کچھ باتیں کر۔"

اور اس نے کہا۔

"کیا اچھا ہوتا کہ تم صرف زمین کی مہک سونگھ کر زندہ رہ سکتے۔"

"جس طرح وہ درخت جو صرف سورج کی روشنی سے زندگی پاتا ہے۔"

"لیکن اگر تمہاری فطرت مجبور کرتی ہے، کہ تم اپنی غذا دوسروں کا خون کر کے حاصل کرو۔"

"اور اگر تم مجبور ہو کہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے ماؤں کے بچوں کو دودھ سے محروم کر دو۔"

تو کچھ ایسا کرو کہ تمہارا یہ فعل بھی عبادت میں داخل ہو جائے۔

"تمہارا دسترخوان ایک قربان گاہ بن جائے۔ جس پر جنگل کے معصوم اور پاک رہنے والے جاندار تمہارے پاکیزہ تر وجود پر معنوی قربان کئے جائیں۔

"جب تم ایک حیوان کے گلے پر چھری پھیرو تو اپنے دل میں کہو کہ۔"

"وہی قوت جو تجھے ذبح کرتی ہے مجھے بھی ذبح کرتی ہے۔"

"میں بھی تیری طرح فنا ہو جانے والا ہو۔"

''اس لئے کہ جس قانون قدرت نے تجھے میری غذا بنایا، وہی مجھ کو مجھ سے قوی تر کی غذا بنائے گا۔''

''تیرا اور میرا خون سوائے اسکے کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ میری اور تیری رگوں سے نکل کر کسی دوسری شجر فطرت کی آبپاری کرے۔''

''کسی اور کی زندگی کو تقویت پہنچائے۔''

''کسی اور کے کمزور جسم کو مضبوط بنائے۔''

''کسی اور کی رگوں میں دوڑے۔''

''اور جب تم ایک سیب کو اپنے دانتوں کے نیچے کچلو تو اپنے دل میں کہو کہ۔''

''تیرا تخم میرے جسم میں سرسبز رہے گا۔''

''تیرا عرق میرے جسم میں تازہ رہے گا۔''

''اور تیرے آئندہ کھلنے والے شگوفے میرے دل کے اندر پھولیں گے۔''

''اور تیری آئندہ کھلنے والے شگوفے میرے دل کے اندر پھولیں گے۔''

''اور تیری نکہت میرے سانس کیساتھ پھیلے گی۔''

''اور اس طرح ہم دونوں.....تو اور میں.....ایک دوسرے کی زندگی میں شریک ہوکر پھلیں پھولیں گے۔''

اور ہم دونوں کے تخم کو آسمان کی ہوائیں سارے جہاں میں اڑا کر لے جائیں گی۔

اور اس تخم سے سیب کے ہزاروں جنگل سرسبز ہوں گے۔

اور جب خزاں کے موسم میں تم اپنے باغ کے انگوروں کو جمع کرو تا کہ ان کی شراب بنائی جائے تو اپنے دل کو یاد دلاؤ کہ۔

''میں ایک انگور کا ایک کھیت ہوں۔''

''میرا وجود بھی انگوروں کا ایک باغیچہ ہے۔''

''اور میرے پھل بھی شراب بنانے کے لئے توڑے جائیں گے۔''

''اور تازہ شراب کی طرح مجھے بھی کسی خم کے اندر بند رکھا جائیگا۔

''اور پھر جب تم موسم سرما میں شراب کے خم کھولو تو ہر پیالہ کیساتھ تمہاری اعماق روح میں، ایک موسیقی، ایک ترنم، ایک نغمہ، ایک گیت ایسا پیدا ہو کہ تم مست ہو جاؤ۔''

''اور مست ہو کر اپنی مستی میں فنا ہونے پر آمادہ ہو سکو۔''

''اپنے اس ترنم میں تم خزاں کے دنوں کو یاد کرو۔''

''انگوروں کے باغوں کو یاد کرو۔''

''اور یاد کرو کہ اس طرح شراب بنائی گئی تھی۔''

''اور کس طرح آئندہ بنائی جائے گی۔''

''جیسے انگوروں کی شراب، ویسے تمہاری شراب۔''

''اور بھول نہ جاؤ کہ اگلی صبح کو تمہارے بجائے کچھ اور صہبا نواز اس محفل میں آئیں گے جو پھر انگوروں سے شراب نکالیں گے۔۔۔ اور اس کے بعد خود ان شراب دوسروں کے لئے نکالی جائیگی۔''

''اوروں کی مٹی سے ان کے ساغر بنے تھے اور ان کی مٹی سے کل آنے والوں کے ساغر بنائے جائیں گے۔''

(۷)

پھر ایک دہقان نے کہا۔

''ہم کو محنت کے متعلق کوئی نکتہ بتا۔''

اس نے کہا۔

''تم محنت کرتے ہو، اس لیے کہ زمین اور زمانہ کیساتھ جو زمین کی روح ہے۔۔۔ قدم بقدم چل سکو۔''

''اس لئے کہ کاہل ہونا ایسا ہے جیسے دنیا کے موسموں سے نا آشنا ہو جانا۔''

''جیسے زندگی کے اس جلوس سے علیحدہ ہو کر پیچھے رہ جانا جو انتہائی تفاخر و نیاز مندی کے ساتھ ایک وجود بے کراں کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے۔''

''جب تم محنت کرتے ہو تو تم ایک بانسری بن جاتے ہو جس کے قلب سے نکلی ہوئی ساعت شماری کی آواز ایک لازوال موسیقی بن کر حیات انسانی پر چھا جاتی ہے۔''

''تم میں سے کون ہے جو نیستان میں ایک خاموش اور بے صدا گھاس کا تنکا بن جانا پسند کریگا۔''

''جبکہ تمہارے دوسرے تنکے اور نرکل ایک موسیقی سے لبریز فضا میں ہم آواز ہوں۔''

''تم سے کہا گیا ہے کہ محنت ایک لعنت اور جفاکشی ایک مصیبت ہے۔''

''مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ جب تم محنت کرتے ہو تو تم کائنات کے اس اعلیٰ ترین مقصد کو پورا کرتے ہو جس کے لئے تم اسی دن نامزد کر دیئے گئے تھے جس دن وہ مقصود عظیم پیدا ہوا تھا۔''

''اور محنت کے واسطہ سے زندگی کو محبوب بنا لینا، زندگی کے عزیز ترین رازوں سے واقف ہو جانا ہے۔''

''لیکن اگر تم اپنی تکلیف کی حالت میں، اپنی پیدائش کو زحمت و صعوبت اور زندگی کے احتیاج کو ایک لعنت سمجھتے ہو، جو تمہاری پیشانی پر لکھ دی گئی ہے۔''

''تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اس لکھی ہوئی لعنت کو، تمہاری پیشانی کے پسینے کے علاوہ اور کوئی چیز دھو نہیں سکتی۔''

''تم سے لوگ کہتے ہیں کہ زندگی ایک ظلمت ہے۔''

''اور تمہاری بے عملی تم کو بے عمل لوگوں کا ہم آواز بنا دیتی ہے۔''

''ہاں، زندگی یقیناً ایک ظلم ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔۔۔ مگر،

''جب اسکی طلب ہو۔''

''اور طلب اندھی ہوتی ہے۔ مگر۔''

''جب علم ہو۔''

''اور علم خود بین ہوتا ہے۔ مگر۔''

''جب محنت ہو۔''

''اور محنت بے نتیجہ ہوتی ہے۔ مگر''

''جب محبت ہو۔''

''اور جب محض محبت کی وجہ سے محنت کرتے ہو تو اپنے کو اپنے سے، اپنے وجود ظاہر کو اپنے وجود باطن سے اور ایک کو دوسری سے اور عالم سے وابستہ کر لیتے ہو۔''

''اور محبت کے ساتھ محنت ہے کیا۔''

ا''وہ ایسی بات ہے کہ گویا تم اپنے دل کے تار نکال کر ان سے ایک کپڑا بنو۔''

''تا کہ اس سے تمہارے محبوب کا لباس بنایا جائے۔''

''گویا اپنے محبوب کی آسائش کیلئے ایک مکان تعمیر کر رہے ہو۔ جس کی اینٹیں تم اپنے خون سے جماتے ہو۔''

''یا تو یا تم اپنے محبوب کی خاطر زمین پر تخم پاشی کر رہے ہو یا اپنے پریم کی انتہائی مسرت کے ساتھ کھیتی کاٹ رہے ہو۔''

''یا تو یا تم کائنات کو اپنی روح سے معمور کئے دیتے ہو۔''

''اور پھر تم دیکھتے ہو کہ تمہارے یس تمام اعمال تمہارے گرد کھڑے ہوئے تمہاری کامیابیوں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔''

''میں نے اکثر تم کو کہتے سنا ہے۔۔۔ اس طرح کہ گویا تم عالم خواب میں بول رہے ہو۔۔۔

کہ وہ شخص جو سنگ مرمر کے حسین مجسمے بناتا ہے اور اپنے فن کے زور سے اپنی روح کو پتھر کے اندر اتار دیتا ہے اس شخص کے مقابلے میں ضرور عالی مقام ہے جو محض زمین کھودتا ہے اور کاشت کاری کرتا ہے۔"

"اور وہ نقاش جو آسمان کی بلندیوں سے قوس قزح کو کھینچ لے آتا ہے اور کپڑے کے ایک ٹکڑے پر انسان کی صورت میں اس کی جھلک پیدا کر دیتا ہے۔ اس شخص سے افضل ہے جو ہمارے پاؤں کے لئے محض جوتیاں بنایا۔"

"مگر میں..... حالت خواب میں نہیں بلکہ نصف النہار کیوقت اور کامل بیداری کی حالت میں..... کہتا ہوں کہ۔"

"ہوا عظیم الشان اور سرفراز شاہ بلوط کیساتھ جس قدر شیریں زبان ہے۔ اسی قدر چھوٹے سے، بے قیمت، گھاس کے تنکے کیساتھ بھی ہے۔"

"اور افضل وہی ہے جو ہوا کو اپنی محبت کے جادو سے موسیقی کا ایک آسمانی گیت بنا دے۔"

"محنت درحقیقت، محبت کا ایک مظہر عظیم ہے..... نظر آنے والی شکل میں!

"محبت جسم ہے جس کے اندر محنت روح ہے۔"

"اور اگر تم محبت کی وجہ سے بھی محنت نہیں کر سکتے بلکہ صرف بادل ناخواستہ محنت کرتے ہو تو بہتر ہے کہ تم اپنا کام ترک کر کے کسی مندر کے دروازے پر بیٹھ رہو۔ اور ان لوگوں سے بھیک مانگ لیا کرو جو اپنے کھیتوں سے خوش دل واپس ہوتے ہیں تا کہ دیوتا کے درشن کریں۔"

"اس لئے کہ اگر تم بے دلی سے اپنی روٹی پکاتے ہو تو کڑوی پکاتے ہو۔"

"جو صرف ان ہی لوگوں کے پیٹ کی آگ بجھا سکتی ہے۔ جو انسان نہیں ہوتے اور محض نیم انسان ہوتے۔

"اور تم انگوروں کو خوش دلی کیساتھ نہیں نچوڑ سکتے تو وہ شراب زہر آلود ہو جائیگی۔

تمہاری بے دلی زہر بن کر اس شراب میں مل جائے گی۔

''اور اگر تم فرشتوں کی طرح آسمانی گیت بھی گاؤ، مگر تمہارا گیت محبت اور محنت کی چاشنی سے محروم ہو تو سننے والوں کے کانوں میں تمہارا گیت روئی بن کر گھس جاتا ہے۔ تاکہ وہ فطرت کی کوئی آواز نہ سن سکیں۔''

(8)

پھر ایک عورت نے کہا۔

''ہم سے غم اور مسرت کا کچھ ذکر کر۔''

اور اس نے جواب دیا۔

''تمہاری مسرت اور حقیقت تمہارا غم ہے جس کا نقاب اتار دیا گیا ہے۔''

''وہ کنواں جس کے اندر تمہارے قہقہے کی آواز گونجتی ہے، وہی تو ہے جس کے اندر تمہارے آنسو گرے ہیں۔''

''اور اس کے سوا ہو کیا سکتا ہے۔''

''جس قدر زیادہ غم تمہارے اندر جاگزیں ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ گنجائش مسرت کے لئے پیدا ہوتی ہے۔''

''کیا وہ پیالہ جو تمہاری شراب سے لبریز ہے وہی پیالہ نہیں ہے جو کمہار کے آوے میں جلایا گیا تھا۔؟''

اور کیا وہ بانسری جس کا نغمہ تمہاری روح کو تسکین دیتا ہے۔ وہی بانس کا ٹکڑا نہیں ہے جس کا مغز چاقو سے کھود کر نکالا گیا تھا؟ اور جس کا سینہ چھری سے کریدا گیا تھا؟''

''جب تم مسرت سے معمور ہو تو اپنے دل کی گہرائی میں بغور دیکھو۔''

''تم پاؤ گے کہ وہی چیز تمہارے دل کو رنج دے رہی ہے جو تمہیں مسرور بھی کرتی ہے۔''

''جب تم مغموم ہو، تو پھر اپنے ہی دل کے اندر دیکھو۔''

''تم پاؤ گے کہ وہی چیز تمہارے دل کو رنج دے رہی ہے جو تمہیں مسرور بھی کرتی ہے۔''

''جب تم مغموم ہو، تو پھر اپنے ہی دل کے اندر دیکھو۔''

''تم دیکھو گے کہ تم درحقیقت اسی چیز کے لئے ملول ہو جو تم کو مسرت عطا کرتی ہے۔''

''تم میں سے بعض کہتے ہیں، مسرت غم سے بہتر ہے۔''

اور بعض کہتے ہیں۔ نہیں تم برتر ہے''

''میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ دونوں نا قابل تفریق ہیں۔ نا قابل امتیاز ہیں۔''

ساتھ ہی ساتھ دونوں آتے ہیں، اور جب ایک تمہارے دسترخوان پر موجود ہو تو یقین جانو کہ دوسرا تمہارے بستر میں سو رہا ہوگا۔

''سچ یہ ہے کہ تم ترازو کی وہ ڈنڈی ہو جو ان دونوں پلوں کو اٹھائے رہتی ہے۔''

''جب زندگی کا خزانہ دار ترازو کو ہاتھ میں لے کر اپنا سونا چاندی تولتا ہے تو پلڑے ہلتے ہیں۔''

''اور ڈنڈی اس کے ہاتھ کے نیچے ہوتی ہے جو خزانہ دار ہے۔''

(9)

پھر ایک معمار آگے آیا۔

اس نے کہا۔ ہم کو کچھ مکانوں اور عمارتوں کے متعلق بتا۔''

وہ مسکرایا، مسکرا کر اس نے کہا۔

''بستی میں مکان بنانے سے پہلے، اپنے تصورات کا ایک باغ لگاؤ۔''

''اس لئے کہ جس طرح تمہارا جسم شام کے وقت گھر کی طرف آتا ہے اسی طرح تمہاری آوارہ گرد روح بھی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لیتی ہے۔''

''تمہارا اصلی گھر تمہارا جسم ہے۔''

''وہ سورج کی روشنی میں پھیلتا ہے اور رات کی خاموشی میں سوتا ہے۔''

''اس کے اندر ایک عالم رویا بند ہے۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے اس گھر میں خوابیں نہیں دیکھی جاتیں؟''

''اور کیا گھر کا وہ رہنے والا جو شہر سے باہر پہاڑوں اور وادیوں کیطرف جاتا ہے تو خوابیں دیکھے بغیر جاتا ہے۔''

''کاش کہ تمہارے یہ اجسام سب میری مٹھی کے اندر آ جاتے اور میں ان کو ایک دہقان کی طرح جنگلوں اور کھیتوں میں بکھیر دیتا۔''

''کاش کہ پہاڑ کی وادیاں تمہاری سڑکیں ہوتیں اور تمہارے سب راستے سرسبز کھیتوں کے راستے ہوتے۔''

''تا کہ انگور کے باغوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے اور اپنے جسم پر زمین اور مٹی کی مہک لئے ہوئے گھروں کو واپس آتے۔''

''مگر ابھی یہ ہونا نہیں ہے۔''

''تمہارے باپ دادا کچھ ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے اور خوف زدہ ہو کر کچھ اس قدر بدحواس ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے باپ دادا کے قریب ہی رہنا سکھایا۔''

''ابھی چند روز وہ خوف باقی رہے گا۔''

''ابھی چند روز تمہاری شہر پناہ تمہارے آتش دانوں اور کھیتوں کے درمیان حائل رہے گی۔''

''اور مجھے بتاؤ۔۔۔اے اہل حرفہ!۔۔تمہارے ان گھروں میں ہے کیا؟''

''اور کیا چیز ہے جسکو تم دروازوں میں قفل ڈال کر حفاظت کرتے ہو۔'

''کیا تمہیں سکون قلب حاصل ہے۔۔وہ ذوق طلب جو تمہاری قوت کا مظہر عظیم ہے۔''

''کیا تمہارے دلوں میں ماضی کی یا دموجود ہے؟ وہ جو دلوں کی بلندیوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے جس طرح دریا کا ایک پل۔''

''کیا تم حسن رکھتے ہو؟ وہ حسن ازل جو دل کو اینٹ اور پتھر سے جدا کر کے کوہ مقدس کی طرف لے جاتا ہے۔''

''مجھے بتاؤ ہے تمہارے گھروں میں کوئی ایسی جنس؟''

''یا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں۔۔۔سوائے آسائش کے۔''

''آسائش وہ چور جو پہلے تمہارے گھر میں مہمان بن کر آتا ہے، پھر میزبانی کرنے لگتا ہے اور پھر مالک بن کر بیٹھ جاتا ہے۔''

''پھر وہ تم سے کھیلتا ہے اور تمہاری اعلیٰ خواہشوں کو زبردستی اپنا کھلونا بنالیتا ہے۔۔۔مار مار کر۔۔باندھ باندھ کر۔''

''اس کے ہاتھ ریشم کی طرح نرم مگر اس کا دل فولاد ہے۔''

''وہ تمہیں اپنے گیت سنا سنا کر، بچوں کی طرح سلا دیتا ہے۔''

''تاکہ تمہارے بستر کے پاس کھڑے ہو کر جسم فانی کی کمزوریوں پر حقارت کے ساتھ طعنہ زن ہو۔''

''وہ تمہاری عقل سلیم پر استہزا کرتا ہے اور پھر اس کو نرم گدوں میں اس طرح لپیٹ دیتا ہے جس طرح شیشہ کے نازک برتن لپیٹے جاتے ہیں۔''

''سچ ہے کہ آسائش کی طلب اور تمنا روح کے جذبہ اعلیٰ کا خون کر ڈالتی ہے۔''

''اور پھر اس کے جنازہ کو مسکراتے ہوئے کاندھا دیتی ہے۔''

''مگر اے فضاء بسیط کے بچو، تم کو سکوت کی حالت میں مضطرب ہوتے ہو۔''

''تم کو کوئی چور نہ پکڑ سکے گا نہ بہکا سکے گا۔''

''تمہارا گھر زندگی کے جہاز کا لنگر نہ ہوگا۔۔نہ لنگر کی طرح قائم۔''

''تمہارا گھر بادبان ہوگا۔۔اور بادبان کی طرح متحرک''

''آسمان کی آزاد ہوائیں اس کیساتھ کھیلیں گی''

''وہ زخم کے اوپر کی پیپ سے بھری ہوئی کھال نہ ہوگا۔''

''بلکہ وہ آنکھ کا باریک پردہ ہوگا جو آنکھ کی حفاظت کرے گا۔

تمہارے لئے ضروری نہ ہوگا کہ اپنے اس گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے کے لئے اپنے پروں کو سمیٹو اپنے سروں کو جھکاؤ تاکہ وہ چھت سے نہ ٹکرا جائیں۔

''نہ تم اس خوف میں مبتلا ہو کر اپنا سانس روکو سانس روکو کہ کہیں گھر کی دیوار یا محراب شق ہو کر گر نہ جائے۔''

''تم ان مقبروں میں زندگی بسر نہ کروگے جو مردوں نے زندوں کیلئے بنائے ہیں''

''اور تمہارے گھر کتنے ہی شاندار خوبصورت اور مضبوط ہوں مگر ان کے اندر تمہاری طلب صادق بند نہ ہو سکے گی۔''

''اس لئے کہ وہ جو ایک جوہر بے حد نہایت تمہارے اندر ہے۔''

''وہ آسمان کی وسعت میں اپنا مقام رکھتا ہے۔''

''اس کے گھر کا دروازہ صبح صادق کی روشنی ہے۔''

اور شب کی موسیقی سے معمون سکون میں چمکتے ہوئے ستارے، اس کے بچے ہیں۔

(۱۰)

پھر ایک جولاہے نے کہا۔

''ہم کو لباس کے متعلق کوئی نکتہ بتا۔''

اس نے کہا۔

''تمہارا لباس تمہارے حسن حقیقی پر بھاری پردے ڈال کر اس کی نظروں سے دور کر دیتا ہے۔''

''لباس تمہارے حسن کو چھپا دیتا ہے لیکن تمہارے وجود کی زشت روئی کو نہیں چھپا

سکتا۔"

"اور باوجودیکہ تن کو لباس سے ڈھانک کر تم اور آزادیاں چاہتے ہو جو پردہ خفا میں حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہارا لباس بجائے اس کے کہ تم کو اپنے پردوں کے پیچھے آزاد ہونے کا موقع دے تمہارے لئے بیڑی اور زنجیر بن جاتا ہے۔"

"کاش کہ لباس کی رکاوٹ کم ہوتی یا بالکل نہ ہوتی۔"

"اور تمہارے جسم کی کھال سورج اور ہوا سے براہ راست متصل اور مانوس ہوتی۔"

"اس لئے کہ نفس حیات، سورج کی روشنی ہے اور زندگی کی قوت کھلی ہوا کے اندر ہے۔"

"تم میں سے بعض کہتے ہیں کہ بادشمال ہمیں لباس پہننے پر مجبور کرتی ہے اسی نے ہمارے جسم پر کپڑا لپیٹ دیا ہے۔

"ہاں میں کہتا ہوں، ہاں بادشمال نے تمہارے جسموں پر کپڑا لپیٹ دیا ہے۔"

"مگر اس نے کپڑے کا سوت بے شرمی کے چرخے پر کاتا اور قوت حیات کے تمام اعصاب کو کچل کر اور نرم کر کے اس کپڑے کے تاروں میں ملا دیا۔"

"اور جب بادشمال نے اسی طرح تمہارے حجاب فاسد کو کپڑے پہنا دیئے تو وہ جنگل میں جا کر خوب ہنسی۔"

"اس حقیقت کو بھول نہیں کہ وہ شرم و حجاب جو جسم کے لباس اور برہنگی سے متعلق ہے صرف گناہ گاروں اور بدنصیبوں کی آنکھ کے لئے ایک پردہ بنایا گیا ہے۔"

"پھر جب تمہارے جسموں کے اندر گناہ اور بدی باقی نہ رہے تو شرم حجاب کے یہ پردے کیا ہیں اگر محض ایک زنجیر۔۔فطرت کی آزادیوں کو باندھنے والی۔۔اور ایک گناہ کی بیماری نہیں ہے۔ جو دلوں کو ناپاک، ایمانوں کو خراب اور انسانوں کی فطرت کو آلودہ کرتی ہے۔"

''اور بھولو نہیں''

''کہ زمین تمہارے ننگے پاؤں اپنے جسم سے مس ہوتے محسوس کر کے مسرور ہوتی ہے۔''

''اور صحرا کی ہوا تمنا رکھتی ہے کہ تمہارے کھلے ہوئے بالوں سے کھیلے!''

(۱۱)

پھر ایک سوداگر نے کہا۔

''ہمیں خرید و فروخت کے متعلق کوئی مشورہ دے۔''

اور اس نے جواب دیا۔

''تمہیں زمین اپنے تمام میوے اور پھل اور اپنی تمام پیداوار نذر کرتی ہے۔''

''اور اگر تم اس کے تحفوں سے اپنی جھولیاں بھر لو تو پھر تم کبھی محتاج نہیں ہو سکتے۔''

''اگر تم میں اتنی صلاحیت ہے ان کے تحفوں کی تقسیم اور ان کا تبادلہ کر سکو تو یقیناً تم ہمیشہ احتیاج سے محفوظ اور کثرت میں آسودہ رہو گے۔''

''لیکن اگر یہ تبادلہ اور تقسیم محبت اور انصاف سے بیگانہ ہے تو بلاشبہ تم میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کے اندر حرص پیدا ہو گی اور باقی سب بھوکے مریں گے۔''

''سمندر اور کھیت اور باغوں میں محنت کرنیوالو۔''

''جب تم بازار میں کپڑا بننے والوں اور برتن والوں سے ملو تو۔''

''انصاف والے آقا کا نام لے کر۔ ۔جو دنیا کے ہر سودے کا حساب لکھتا ہے۔''

''اپنی اس ترازو کو پاک کر لو جس میں قیمت کے مقابلے میں قیمت اور پونجی کے مقابلے میں پونجی تولی جاتی ہے۔''

اور ان چالاک تہی دستوں کو اپنے سودے میں دخل نہ دینے دو جو صرف اپنی چالاک اور طرار زبان کے شیریں الفاظ تمہاری محنت کے معاوضے میں پیش کرتے ہیں۔''

''ایسوں سے تم کو انصاف کہہ دینا چاہیے۔''

''ہمارے ساتھ کھیتوں میں آؤ جہاں ہل چل رہے ہیں۔''

''یا ہمارے بھائیوں کیساتھ سمندروں پر جاؤ اور اپنے جال پانی پر بچھاؤ۔''

''اس لئے کہ زمین اور سمندر تمہارے لئے بھی اسی قدر فیاض ہیں جس قدر کہ ہمارے لئے۔ اور اگر گانے والے اور ناچنے والے اور بانسری بجانے والے آئیں تو ان کا مال بھی خریدو۔

''اس لئے کہ وہ بھی دنیا کے میوے کی حلاوت اور پھولوں کی مہک سمیٹ کر لاتے ہیں۔''

''جو مال وہ تمہارے لئے لیکر آتے ہیں۔ وہ باوجودیکہ تخیل وتصور کی دنیا میں تیار کیا جاتا ہے لیکن تمہاری روح اور تمہاری وجود لطیف کیلئے لباس وغذا ہے۔''

''اور پہلے اس کے تم بازار سے چلو یہ دیکھ لو کہ کوئی بیوپاری یا گاہک خالی ہاتھ تو نہیں رہ گیا۔''

''اس لئے کہ دنیا کا کارساز اور تمہارا آقا اپنی فضائے ملکوتی میں اطمینان کے ساتھ آرام نہ کر سکے گا جب تک کہ تم میں سے ہر کمترین کی ضرورتیں پوری نہ ہوگئی ہوں۔''

(12)

پھر بستی کے کوتوال نے اس کو اپنی طرف مخاطب کیا۔

''ہم سے جرائم اور سزاؤں کے متعلق کچھ بیان کر۔''

اور اس نے کہا۔

''جب تمہاری روح کا لنگر ٹوٹ جاتا ہے۔''

''اور جب ہی تم اپنی تنہائی اور بے کسی کی حالت میں دوسروں کو گزند پہنچاتے ہو''

''اور دوسروں کو گزند پہنچا کر تم درحقیقت اپنے ہی کو گزند پہنچاتے ہو۔''

''اپنا ہی نقصان کرتے ہو۔''

''پا اس گناہ کے کنارے کیلئے تم کو سعادت مندوں کے دروازے پر دستک دیکر انتظار کرنا چاہیے۔''

''تمہارا نفس اعلیٰ ۔۔وہ جو تم میں سے بدترین گناہ گاہ کے اندر بھی موجود ہوتا ہے۔

''وہ نفس اعلیٰ ایک سمندر ہے۔

''جس کا پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔''

''اور جو اپنی سطح پر ہر تیرے والے کو تیراتا ہے۔''

''بلکہ تمہارا نفس اعلیٰ سورج کی مثل ہے۔''''

''کہ وہ نہ چھچھوندر کی عادت سے واقف ہے نہ سانپ سوراخ کو ڈھونڈتا ہے۔''

''مگر وہ تمہارے وجود میں تنہا مقیم نہیں ہے۔

''بہت کچھ تمہارے وجود میں جزو بشریت ہے۔''

''اور بہت کچھ ابھی خام ہے۔''

''اور جو کچھ تمہارے وجود میں جزو بشریت ہے اس کا اب میں ذکر کرتا ہوں۔''

''اسی لئے کہ وہی ۔نہ کہ وہ ظلمت کا ذرا سا بالشتیا تمہارا نفس اعلیٰ جو حالت خواب میں بھی متحرک رہتا ہے وہی جرم اور اسکی سزا سے آشنا ہے۔

''اکثر میں نے تم کو اس طرح ایسے لوگوں کا ذکر کرتے سنا ہے جنہوں نے خطا کی ہو۔''

''کہ گویا وہ تم میں سے نہیں ہے۔''

''بلکہ تمہاری دنیا میں مداخلت بے جا کرنے والے اجنبی ہے۔''

''مگر، میں تم سے کہتا ہوں کہ جس طرح مقدس اور پارسا، ایمان والے اس نفس

اعلیٰ سے بلند تر نہیں ہو سکتے جو تمہارے اندر ہے۔"

"اسی طرح گناہ گار اور کمزور بھی اس نفس ادنیٰ سے پست تر نہیں گر سکتے جو ان کے اندر ہے۔"

"اور جس طرح درخت کا وہ ایک پتہ بھی جو سوکھ کر زرد ہو جاتا ہے۔ درخت کے تمام پتوں اور شاخوں میں شامل رہتا ہے۔"

"اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ درخت کا جزو نہیں ہے، یا خارج از درخت ہے۔"

"اسی طرح گناہ گار بھی کوئی گناہ ایسا نہیں کرتا۔ جس کی ذمہ داری میں تمہارا ضمیر خفی شریک نہ ہو۔"

"ایک جلوس کی طرح تم سب اپنے نفس اعلیٰ کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہو۔"

"تم راہ بھی ہو اور راہرو بھی ہو۔"

"اور جب اس جلوس میں سے کوئی ایک شخص ٹھوکر کھا کر گرتا ہے تو وہ دوسروں کو اسی طرح خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے جس طرح راستے میں پڑا ہوا پتھر۔

"اور اگر اس گرنے والے کو اس کے تیز قدم ساتھی نہیں اٹھاتے اور گرا ہوا چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔"

"تو گویا دانستہ بعد کے آنے والوں کیلئے ایک سنگ راہ چھوڑ جاتے ہیں۔"

"اور یہ بھی سن لو۔ خواہ میرے الفاظ تمہارے دلوں پر کتنے ہی گراں گزریں۔"

"کہ مقتول اپنے قتل کے جرم میں خود بھی شریک ہوتا ہے۔"

"اور جو کوئی لوٹا گیا ہے وہ خود بھی اپنی تباہی کے الزام سے بری نہیں ہے۔"

"پاک باز اور بے گناہ مجرم اور گناہ گار کے افعال کی ذمہ داری میں ضرور شریک ہیں۔"

"اور کوئی نیکوکار نہیں جس کے ہاتھ بدکاروں کی بدکاری سے ملوث اور آلودہ نہ ہوں۔"

''اسی طرح اکثر مجرم اسی شکار کا ہدف بنتا ہے جسکو وہ ایذا پہنچاتا ہے۔''

''اور اکثر وہی خطاوار جو سزا پاتا ہے بظاہر بے خطا ہوتا ہے اور معصوموں کی خطاؤں کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے۔

''تم انصاف سے بے انصافی کو اور گناہ گاروں سے بے گناہوں کو جدا نہیں کر سکتے۔

''اس لئے کہ وہ آفتاب کے روبرو شانہ بشانہ ہیں۔''

''جس طرح کالی اور سفید ڈوری باہم لپٹی ہوئی ہو۔۔۔ پیچ در پیچ۔۔۔''

''اور جب کالی ڈوری ٹوٹ جاتی ہے تو جولاہا سارے تھان کو پھر درست کرتا ہے اور اپنے اس چرخے کو بھی دیکھتا ہے جس سے وہ کمزور تار نکلے تھے۔''

''اگر تم میں سے کوئی بے وفا بیوی کے جرم کو انصاف کی ترازو میں تولنا چاہے۔''

تو اس کو چاہے کہ وہ عورت کے شوہر کے دل کو بھی اسی ترازو کے پلے میں رکھ دے۔''

''اور اس عورت کو روح کے ساتھ مرد کی روح کو بھی پیمانے سے ناپ لے۔''

''اور پھر وہ شخص جو مجرم کی کمر پر تازیانہ مارنے کھڑا ہو ذرا اس انسان کی روح کو بھی جانچ لے جو ستم رسیدہ کہا جاتا ہے۔''

''اور اگر تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ حق و انصاف کا نام لے کر کسی مجرم کو سزا دے اور گناہ کے درخت پر انصاف کی کلہاڑی چلائے۔''

''تو اسکو چاہیے کہ ایک نظر اس درخت کی جڑ کو بھی دیکھ لے۔''

''اور جب وہ زمین کے نیچے دبی ہوئی جڑ کو دیکھے گا تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ زمین کی خاموش اور تاریک گہرائی، اچھے اور برے ثمر اور بے ثمر کی جڑیں باہم لپٹی ہوئی ہیں۔''

''اور انصاف کرنے والے حاکمو! اگر تم چاہتے ہو کہ حق کے مطابق فیصلہ کرو اور

سزائیں دو۔''

''تو تم اس شخص کے خلاف کیا فیصلہ دو گے جو اپنے ظاہری اعمال میں نیکوکار ہے۔ مگر جس کی روح چور ہے۔''

''جس کا عمل فریب اور ظلم سے خالی نہیں مگر۔''

''جو خود بھی دوسروں کے فریب کا شکار اور دوسروں کے ظلم کا مظلوم ہے۔''

''اور تم ان لوگوں کو کس طرح تعزیر کرو گے جن کی پشیمانی انکے گناہوں سے بھی زیادہ ہے۔''

''کیا پشیمانی بھی اسی قانون کے ماتحت ایک سزا نہیں ہے جس قانون پر تم عمل کرتے ہو؟''

''لیکن یہ سزا ایسی ہے کہ تم چاہو بھی تو اس کو بے گناہ پر عائد نہیں کر سکتے۔''

''نہ گناہ گار کے دل سے اس کی جدا کر سکتے ہیں۔''

''پشیمانی بغیر بلائے رات کی تاریکی میں آتی ہے تا کہ سوتے ہوئے، جاگ جائیں۔''

''اور جاگ کر اپنے نفس کا مطالعہ کریں۔''

''وہ ضمیر کی شمع کو تمہارے اندر روشن کرتی ہے۔''

''اور تم جو انصاف کے اصول کو سمجھنے کے مدعی ہو کس طرح تم انصاف اور حق کے بنیادی اصول کو سمجھ سکو گے تاوقتیکہ تم انسان کی گناہ گار زندگی سے بھی اس قدر واقف نہ ہو جس قدر کہ تم اپنے خیال میں اس کی نیکیوں سے آگاہ ہو۔''

''اس وقت تم کو معلوم ہو گا کہ سر بلند اور سرنگوں دونوں ایک ہی ہیں۔''

''گویا ایک ہی انسان ہے۔ اور ایک ہی اس کا نفس ہے۔''

''جو صبح اور شب کے درمیان اس طرح قائم ہے کہ اس کے ایک طرف شب تاریکی میں اس کا نفس ادنیٰ نمایاں ہے اور دوسری طرف صبح کی روشنی میں اس کا نفس

اعلیٰ جلوہ ریز ہے۔''

''اور وقت تم کو معلوم ہوگا کہ معبد کی محراب کا بلند پتھر اس کی بنیاد کے پتھر سے ذرا بھی بلند تر نہیں۔''

''تم اس شخص کو کیا سزا دو گے جو دوسرے کے جسم کی جان، اپنی تلوار سے نکالتا ہے۔''

''مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی روح کو بھی قتل کر ڈالتا ہے۔''

''اور تم اس شخص پر کس طرح مقدمہ قائم کرو گے۔

(13)

پھر ایک قانون ساز نے کہا۔

''ہمارے قانون کے متعلق تو کیا کہتا ہے۔''

اس نے کہا۔

''تم کو قانون بنانے اور عائد کرنے میں کیسا مزا آتا ہے۔''

''مگر تم کو اسکے توڑنے اور اس کی خلاف ورزی کرنے میں اور بھی زیادہ مزا آتا ہے۔''

''سمندر کے کنارے کھیلتے ہوئے بچوں کی طرح۔''

''جو بڑی محنت سے، بڑے شوق کے ساتھ، ریت کے گھروندے بناتے ہیں۔ اور پھر ہنس ہنس کر انکو مٹا دیتے ہیں۔''

''مگر تم جس قدر گھروندے ہنس ہنس کر توڑتے ہو، اسی قدر زیادہ سمندر تمہارے کھیلنے کے لئے ریت لاتا ہے۔''

''تم اس ریت سے پھر نئے گھروندے بناتے ہو اور پھر ان کو توڑ ڈالتے ہو۔''

''سمندر پھر تمہارے لئے اور بہت سا ریت لے کر آتا ہے۔''

''اور جب تم اپنے گھروندوں کو توڑتے وقت ہنستے ہو، تو وہ بھی تمہارے ساتھ ہنستا

ہے۔''

''مگر ان انسانوں کا کیا حال ہوتا ہے۔''

''جن کے نزدیک زندگی سمندر نہیں ہے اور نہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین ریت کے گھروندے ہیں۔''

''بلکہ جو زندگی کو ایک مستحکم چٹان سمجھتے ہیں اور ان کا قانون گویا سنگ تراش کی ایک چھینی ہے جس سے وہ چٹان پر اپنے وجود معنوی کے نقوش کھودتے ہیں۔''

''مگر کتنی جلدی وہ اپنے بنائے ہوئے نقوش کو بنا بنا کر مٹاتے ہیں۔''

''ہر نئے نقش کو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مکمل ہے۔''

''اور پھر ہر نقش تازہ ایک تازہ نقش کا محتاج پایا جاتا ہے۔''

''ان چٹانوں والوں کی زندگی سب سے زیادہ استوار ہے۔''

'وہ دوسروں کو جب اپنے سے مختلف دیکھتے ہیں تو سمجھ نہیں سکتے، مگر کڑھتے ہیں۔''

''اس اپاہج کا کیا حال ہوتا ہے جو رقص کرنے والوں کو رقص کرتے دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتا ہے۔

''وہ اس لئے اپنی لنگڑی ٹانگ اور اپنے توٹے ہوئے ہاتھ اور اپنی پھوٹی ہوئی آنکھ کی خوبیوں پر دلیلیں لاتا ہے۔'

''اس بیل کو کیا کہیے گا جو اپنے کاندھوں کے جوئے سے اتنی محبت کرتا ہے کہ جنگل کے ہرن اور نیل گائے کو قابل تحقیر آوارہ گرد اور ناکارہ سمجھتا ہے۔''

''اس بوڑھے سانپ کا کیا حال ہوتا ہے جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کینچلی نہیں اتار سکتا اور دوسرے نوجوان سانپوں کو کینچلی بدلتے دیکھ کر ننگا اور بے شرم سمجھتا ہے۔''

''اور وہ جو ضیافت میں ۔۔۔ اکثر بن بلائے بھی ۔۔۔ قبل از وقت آتا ہے، اور خوب کھاتا ہے اور کھاتے کھاتے تھک کر ۔۔۔ جب زیادہ کھانے سے معذور ہو جاتا ہے۔ تو اٹھ کر چلا جاتا ہے مگر کہتا ہے کہ یہ ضیافتیں قباحتیں ہیں اور یہ میزان قانون کی

خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔''

''جن کی ضیافتوں میں لوگوں کے معدوں بھاری اور ہاضمے خراب ہو جاتے ہیں۔
''

''میں ایسے لوگوں سے کیا کہوں، سوائے اس کے کہ۔۔۔''

''تم بھی سورج کی روشنی میں کھڑے تو ہو مگر تمہارے چہرے دوسری طرف اور تمہاری پشت سورج کی طرف ہے۔''

''تم صرف اپنا سایہ دیکھتے ہو۔۔۔سورج کا چہرہ نہیں دیکھتے۔۔اور وہی سایہ تمہارا قانون ہے۔''

''تمہارے خیال میں سورج کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ پرچھائیاں بناتا ہے۔''

''پھر یہ کیا ہے کہ تم اصل قانون کو۔۔جو سورج کے اندر ہے۔۔صرف اسی قدر مانتے ہو کہ اس کی پرچھائیں کو زمین پر ڈھونڈتے ہو۔''

''اور اسی پرچھائیں کے پیچھے بھاگتے چلے جاتے ہو۔''

''مگر اب میں ان لوگوں سے ایک بات کہتا ہوں۔''

''جو سورج کی طرف منہ کر کے چلتے ہیں۔''

''تم کو زمین کی پرچھائیاں کسی طرح نہ پکڑ سکیں گی۔''

''تم جو ہوا کے ساتھ ساتھ اپنی مسافت طے کرتے ہیں۔''

''تمہارے لئے قطب نما کی حاجت نہیں۔''

''انسان کے بنائے ہوئے قوانین کیوں کر تم کو پابند کر سکتے ہیں۔''

''جب کہ تم جوئے کو اپنے کندھے سے اتار پھینک دو۔؟

''اور کسی شخص کے بنائے ہوئے قید خانے کے دروازے پر نہ جا آ۔''

''تم کیوں کسی قانون سے ڈرو، اگر تم آزاد ہو کر رقص کرو اور کسی انسان کی بنائی ہوئی زنجیروں میں نہ الجھو۔''

''اور کس کی مجال ہے کہ تم پر مقدمہ قائم کرے۔ اگر تم اپنا لباس ظاہر پھاڑ کر پھینک دو۔''

''مگر اس کو کسی راہرو کے راستے میں نہ ڈالو۔''

''اے اہل حرفہ، تم نقارہ پر کپڑا لپیٹ کر اس کی آواز کو دبا سکتے ہو۔''

''تم سارنگی کے تاروں وک ڈھیلا کر کے، اس کی موسیقی کو فنا کر سکتے ہو۔''

''مگر تمہاری مجال نہیں کہ آسمان کے چکاوے کو حکم دے سکو کہ تو مت گا۔''

(14)

پھر ایک خطیب نے سوال کیا کہ ہمیں آزادی کے متعلق کچھ بتا۔ اس نے کہا۔

''شہر کے دروازوں پر، اور اپنے گھروں کے آتش دانوں کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے میں نے تم کو اپنی آزادی کو پوجا کرتے دیکھا۔''

جس طرح غلام اپنے آقا کے روبرو عجز جھکاتے ہیں۔۔۔۔

''اور جب وہ انکو قتل کرتا ہے تب بھی اس کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔''

''ہاں مندر کے باغیچے میں اور شہر پناہ کے سایہ میں، میں نے ان کو جو تمہاری قوم میں سب سے زیادہ آزاد کہے جاتے ہیں، اپنی آزادی کا غلام دیکھا ہے۔۔۔''

''اس طرح کہ اس آزادی کا جوا ان کے کندھوں پر رکھا تھا۔''

''اور اسی آزادی کی زنجیریں انکے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔''

''اور جب میں نے یہ دیکھا تو میرے دل کے زخم اندر ہی اندر رہنے لگے۔''

''اس لئے کہ تم آزاد تو جب ہی ہو سکتے ہو جب آزادی حاصل کرنے کی خواہش کو بھی تم اپنے لئے ایک پابندی اور زنجیر سمجھنے لگو۔

''اور جب تم آزادی کا نام اس طرح لینا چھوڑ دو کہ گویا وہی تمہارے سفر کی منزل مقصود اور وہی تمہاری تمناؤں کی تکمیل ہے۔

''بے شک تم اس وقت آزاد ہو گے جب تمہارے دن افکار سے آزاد اور تمہاری

راتیں احتیاج اور غم سے خالی ہوں۔"

"مگر اس سے بھی، آزاد تم اس وقت ہو گے جب کہ افکار و آلام تمہاری زندگی سے لپٹے ہوئے ہوں مگر تم ان سب سے اپنا دامن چھڑا کر گزر جاؤ۔ عریاں، قید و بند سے بری اور بے پرواہ۔

"اور کیونکر تم اپنی رات اور اپنے دن کی پابندیوں سے چھٹکارا پاؤ گے تاوقتیکہ تم ان زنجیروں کو نہ توڑ ڈالو۔ جن سے تم آغاز حیات ہی کے وقت اپنی زندگی کے نصف النہار کو باندھ دیا تھا۔

فی الواقع جس کو تم آزادی کے نام سے پکارتے ہو۔ وہ ان ہی زنجیروں میں سے سب سے زیادہ مضبوط ایک زنجیر ہے۔

"اس کی کڑیاں سورج کی روشنی میں چمکتی ہیں۔"

"اور وہ چمک تمہاری نظروں کو خیرہ کرتی ہے۔"

"اور وہ کیا چیز ہے جس کو ترک کر کے تم آزاد ہو سکتے ہو۔"

"وہ تمہارے ہی وجود کے چند ٹکڑے ہیں۔"

"اگر زندگی کا وہ قانون جس کو تم منسوخ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہو، غیر منصفانہ ہے۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ تم اس سے آزاد ہو جاؤ۔

تو یہ بھی یاد رکھو کہ وہ قانون تمہارا ہی مرتب کیا ہوا ہے۔"

"اور تم اپنے حاکموں کی پیشانیوں کو دھو رک جو کچھ ان پر لکھا ہے اس کو مٹا سکتے ہو۔"

"خواہ تم پیشانیوں کے ان نقوش پر ساتوں سمندر بہا دو۔

"اور اگر تم اس بادشاہ کو تخت سے اتارنا چاہتے ہو جو خود مختار سخت گیر اور ظالم ہے۔

"

تو پہلے اس کی فکر کرو کہ اس بادشاہ کا وہ تخت جو تمہارے اندر قائم ہے اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے۔

''اس لئے کہ کوئی ظالم حاکم، اپنی آزاد اور آزادی کی طالب، یا آزادی پر فخر کرنیوالی رعایا پر حکومت نہیں کر سکتا۔

''جب تک کہ خود رعایا کی آزادی میں ظلم کے عناصر کی آمیزش نہ ہو۔''

''اور جب تک کہ خود رعایا کی عزت نفس محکومیت کے عجز اور بے شرمی سے ملوث نہ ہو۔''

''اور جب تک کہ رعایا کی یہ بے شرمی حاکم کی حکومت کو تقویت نہ پہنچائے۔''

''اور اگر زندگی کا کوئی تردد ہے جس کو تم اپنے سے دور کر دینا چاہتے ہو۔''

''تو یاد رکھو کہ وہ تردد کسی دوسرے نے تم پر حاوی نہیں کیا۔''

''بلکہ خود تم نے اس کو اپنے اوپر عائد کیا ہے۔''

''اور اگر کوئی خوف ہے جس کو تم مٹانا چاہتے ہو تو اس کا مقام خود تمہارے ہی دل میں ہے۔''

''وہ خوف ہرگز اس شخص کی وجہ سے نہیں ہے جس سے تم خوف زدہ ہو۔''

''بے شک سب چیزوں کی آمیزش تمہارے ہی اندر ہے۔ مطلوب اور نامرغوب، محبوب اور دشمن۔۔۔

''پھر جب سایہ باقی نہ رہے اور روشنی ہی باقی رہ جائے۔''

''تب وہ روشنی بھی ایک بلند تر روشنی کا سایہ بن جاتی ہے۔''

''اور اس طرح جب تمہاری آزادی اپنی زنجیروں سے آزاد ہوتی ہے تو پھر ایک عظیم تر، بلند تر، کامل تر، آزادی کی زنجیریں پہن لیتی ہے۔''

(15)

پھر ایک عورت جوان ان سب کی باتیں سن رہی تھی اور وہ خاموش تھی، کہنے لگی۔

''ہمیں عقل اور جذبے کے متعلق کوئی بات بتا۔''

اور اس نے کہا۔

''تمہاری روح اکثر ایک میدان کارزار بن جاتی ہے جب تمہاری عقل سلیم اور تمہارا فہم خواہشوں اور محرو رجذبات سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔

''کاش کہ میں تمہاری روحوں کے اندر داخل ہو کر ان لڑنے والوں کے درمیان مصالحت کرا سکتا۔''

میں ثالث بالخیر بن سکتا۔''

''میں تمہارے عناصر کے اس مناقشہ اور مجادلہ کو ایک نغمہ وحدت میں منتقل کر سکتا۔''

''تمہارا فہم اور تمہارے جذبات دونوں تمہاری سمندر پر تیرنے والی روح کے دو پتوار ہیں۔''

''اور اگر تمہارے بادبانوں یا پتواروں میں سے ایک بھی پھٹ جائے یا ٹوٹ جائے تو پھر تم موجوں کے سینے پر نے اختیار اور لاچار ہو کر بہا کرو گے۔''

''یا سمندر کی سطح پر بے سہارے، موجوں کے طمانچے کھایا کرو گے۔''

''اس لئے کہ تنہا عقل ایک ایسی قوت ہے جو حرکت اور عمل کو روکتی ہے۔''

''اور جذبہ بغیر عقل کے ایک شعلہ ہے جو ایسی آگ لگاتا ہے کہ اپنے کو بھی جلا ڈالتا ہے۔''

''مگر حرکت اور عمل کا ضامن وہی ہے۔''

''پس ایسا کرو کہ تمہاری روح تمہاری عقل کو اس بلندی پر پہنچا دے جہاں جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔''

''تاکہ وہ دونوں مل کر اپنا نغمہ چھیڑیں۔''

''تمہارے بے عملی کو عمل کے میدان میں لائیں۔''

''اور بے لگام عمل کا توازن درست رکھیں۔

''اور اپنی روح کو اجازت دو کہ وہ عقل کو جذبہ کا رہنما بنائے۔''

''تاکہ تمہارا جذبہ ہر روز اپنی آگ میں جل کر پھر اسی آگ سے پیدا ہوا کرے۔''

''اور قفس کی طرح اپنی راکھ میں اپنی زندگی محفوظ رکھے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی قوت فیصلہ اور اپنی خواہشوں کو اس طرح نوازو کہ گویا دو عزیز مہمان تمہارے گھر میں مقیم ہیں۔''

''ایسا تم تو یقیناً نہ کرو گے کہ ایک مہمان کی دوسرے سے زیادہ مدارات کرو۔''

''اس لئے کہ جو میزبان دو میں سے ایک مہمان کی زیادہ مدارات کرتا ہے وہ بالآخر دونوں کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔''

''پہاڑیوں کی وادیوں میں جب تم سایہ دار درختوں کی شاخوں کے سائے میں بیٹھو اور پھیلے ہوئے کھیتوں اور سبزہ زاروں کے سکون اور آسودگی میں اپنا حصہ بانٹو۔''

''تو اس وقت تمہارا دل فطرت کی خاموش اور پرسکون آغوش میں کہے۔''

''عقل مطلق ہماری ہی عقل میں راحت پاتی ہے۔''

''اور پھر جب طوفان آئے اور ہوا کا زبردست بازو جنگلوں کو ہلا ڈالے اور بجلی کی چمک اور بادل کی گرج، آسمان کی عظمت کا اعلان کرے۔''

''تب تمہارا دل مرعوب ہو کر کہے۔''

''عقل مطلق جذبہ کے دوران خون میں متحرک ہوتی ہے۔''

''اور جب کہ تم اس عقل مطلق کی فضائے بسیط میں ایک نفس حیات ہو۔''

''اور جب کہ تم اس کی وسعت لامتناہی میں۔۔۔اس کے صحرائے عظیم میں کسی تن اور درخت کا محض ایک پتہ ہو۔''

''تو تم کو زیبا یہ ہے کہ عقل سے راحت پاؤ اور جذبہ کے اندر حرکت کرو۔''

پھر اس مجمع سے نکل کر ایک اور عورت آئی۔

اس نے پکارا۔

''ہم سے کچھ درد کا حال بیان کر۔''

اس نے کہا۔

''تمہارا درد گویا اس صدف کے ٹوٹنے کی تکلیف ہے۔ جس کے اندر تمہارا فہم بند ہے۔''

وہ ایک حیات اعلیٰ ولادت کا دردزہ ہے۔

جس طرح ضروری ہے کہ ایک پھل کا سخت چھلکا ٹوٹے تا کہ اس کا مغز باہر آ سکے۔

''جس طرح ضروری ہے کہ شگوفے کا سینہ چاک ہوتا کہ پھول کی پتیاں باہر آ سکیں۔''

''اسی طرح ضروری ہے کہ تم بھی اپنے صدف کے ٹوٹنے کا دکھ برداشت کرو۔''

''اور اگر تمہارا دل اس قابل ہو کر زندگی کے روزانہ پیش آنے والے معجزوں کو دیکھ سکے۔''

''تو تمہارے لئے تمہارا دکھ تمہاری مسرتوں سے کچھ کم دل نواز نہ ہوگا۔''

''اور دل کی فضا کے ان موسموں کو تم اسی طرح قبول کر لوگے۔ جس طرح تم اپنے کھیتوں کے لئے موسموں کا تغیر پسند کرتے ہو۔''

''پس جب غم کا سخت اور تکلیف وہ موسم تم پر گزرے گا تو تم سنجیدگی اور استقامت کیساتھ اپنی اس حالت کا مطالعہ کرو گے۔

''تمہارا بہت سا دکھ صرف تمہارا ہی انتخاب ہے۔''

''وہ درحقیقت ایک کڑوی دوا ہے جو تمہارے نفس خفی امراض کا علاج کرنے کیلئے

تمہارا طبیب تمہیں پلاتا ہے۔''

''پس طبیب پر بھروسہ کرو، اور اس کی دوا خاموشی اور سکون قلب کے ساتھ پی جاؤ۔''

''اس لئے کہ جراح کا ہاتھ خواہ کتنا ہی بھاری اور سخت ہو۔ مگر وہ دست قدرت کے اشاروں پر کام کرتا ہے۔''

''اور طبیب جو پیالہ تمہارے لئے لاتا ہے۔ اس سے خواہ تمہارے لب جل ہی جائیں۔

''مگر ہے وہ اسی مٹی اسے بنا ہوا۔ جسکو کمہار نے اپنے آنسوؤں سے نرم کیا تھا۔''

(17)

پھر ایک شخص بولا۔

''ہمیں کچھ اسرار خودی کے متعلق بتا۔''

اس نے کہا۔

''خاموشی اور سکون کی حالت میں تمہارا دن اور رات کے تمام رازوں سے واقف ہوسکتا ہے۔''

''مگر تمہارے کان منتظر رہتے ہیں کہ تمہارے دل کا علم ان تک پہنچے۔''

''تم چاہتے ہو کہ وہ راز جو تمہارے دل میں ہمیشہ واضح رہتا ہے۔ الفاظ کے سپیکر میں تمہارے کانوں تک بھی آئے۔

''تم چاہتے ہو کہ اپنے تصور کے عریاں جسم نے اپنی انگلیوں کو مس کرسکو۔''

''اور بہتر ہے کہ ایسا ہی ہو۔''

''تمہاری روح کی گہرائی کا چشمہ ضروری ہے کہ لبریز ہو کر چھلکے۔''

''اور شور مچاتا ہوا سمندر کی طرف دوڑے۔''

''تب سمندر کی بے پایاں گہرائی کے خزانے تمہاری آنکھوں کے سامنے روشن ہو

جائیں گے۔"

"مگر نا معلوم خزانوں کو کسی ترازو میں تولنے کی کوشش نہ کرو۔"

"نہ اپنے علم کی گہرائی کو لکڑی یا ڈوری کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرو۔"

"اس لئے کہ تمہارا وجود معنوی ایک ایسا سمندر ہے۔ جو بے پایاں اور ناپید کنارا ہے۔"

"یہ نہ کہو کہ میں نے حق کو پالیا"

"بلکہ صرف یہ کہو کے میں راستہ چلتے چلتے ایک جگہ اپنی روح سے دوچار ہوا"

"اس لئے کہ روح کے راستے بہت ہیں"

"اور وہ نہ ایک مقررہ راستے پر چلنے کے لئے مجبور ہے"

"نہ جنگل کے ایک پودے کی طرح یا بگل ہے"

"روح جب پھلتی اور پھولتی ہے تو اس طرح پھولتی ہے جس طرح ہزار پتیوں والا کنول"

(18)

پھر ایک معلم نے کہا:

"کچھ تعلیم اور تعلیم کے متعلق ہمیں ہدایت کر۔"

اس نے جواب دیا۔

"کوئی شخص تم کو کوئی ایسا علم نہیں بتا سکتا جو خود تمہارے اند۔۔۔ تمہارے ادراک کے افق پر۔۔۔ نیم خوابیدہ موجود نہ ہو۔"

"وہ مدرس جو مسجد کی دیواروں کے سایہ میں یا مدرسے کی محراب کے نیچے شاگردوں کے ساتھ علم کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اپنا علم ان کو نہیں دیتا ، بلکہ صرف اپنا ایمان اور اپنی محبت ان کو عطا کرتا ہے۔"

"اگر وہ صاحب فہم ہے تو تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے خانہ عقل میں گھس آؤ۔"

''بلکہ خود تمہارے دل کے آستانہ کی طرف تم کو راستہ بتاتا ہے۔''

''ایک نجومی خلاء بسیط اور اجرام فلکی کے متعلق اپنے علم کا تم سے ذکر تو کرتا ہے۔''

''مگر تم کو وہ کان نہیں دے سکتا ہے جو اسکے نغمے کو فضا میں بلند کرتی ہے۔''

''اور وہ جو ریاضی اور علم اعداد شمار کا ماہر ہے۔''

''وہ تمہیں وزن اور پیمانے کے قاعدے تو بتا سکتا ہے۔''

''مگر وہ وزن اور پیمانے کی وسعت میں تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔''

''اس لئے کہ کسی شخص کے من کی موج کسی شخص کی بصیرت، دوسروں کی نظر کو پرواز نہیں دے سکتی۔''

پاس جس طرح تم میں سے ہر ایک، عقل کل کے وسیع علم میں فرداً فرداً بہ اندازہ اہلیت اپنی جگہ پاتا ہے۔''

اسی طرح تم میں سے ہر ایک دنیا اور ماورائے دنیا کے متعلق اپنا علم سب سے جدا رکھتا ہے۔''

''یہ علم مشترک نہیں ہوتا۔''

''اس کی وسعت اپنے اندر انسانوں کے اشتراک کو توہین آمیز سمجھتی ہے۔''

(19)

پھر ایک نوجوان آگے بڑھا۔

اس نے کہا۔

''دوستی اور یاری کے متعلق ہمیں کچھ بتا۔''

اس نے جواب دیا۔

''تمہارا دوست وہ احتیاج ہے جو پوری ہوگئی ہو۔''

''وہ تمہارا کھیت ہے جس میں تم محبت کی تخم پاشی کرتے ہو۔''

''اسی کھیتی کو تم اشکر اور امتنان کے ساتھ کاٹتے ہو۔''

''وہ تمہارا دسترخوان اور تمہارے گھر کا آتش دان ہے۔''

''اس لئے کہ تم اپنی بھوک لیکر اس کے پاس جاتے ہو۔اور اپنے لئے آسائش اس سے طلب کرتے ہو۔''

''اور جب تمہارا دوست اپنے دل کی بات تم سے کہتا ہے۔تو تم کو نہ اپنے دل کی نہیں متردد کرتی ہے۔نہ تم اس کو اپنی ہاں سے محروم رکھتے ہو۔''

''اور وہ جب خاموش ہوتا ہے تب بھی تمہارا دل اسکے دل کی گفتگو سننے سے عاری نہیں ہوتا۔''

''اس لئے کے بغیر الفاظ کی مدد کے دوستی کے افکار،تمام خیالات،تمام خواہشات ،تمام توقعات،تمام ارادے پیدا ہوتے ہیں۔''

''اور ان سے دوستوں کے لئے ایک مسرت حاصل ہوتی۔۔۔۔بے طلب۔''

''جب تم دوست سے جدا ہونے لگو تو رنج نہ کرو۔''

''اس لئے جو کچ جو چیز اس کے اندر تمہیں عزیز ہے ممکن ہے کہ اس کی غیبت میں وہ چیز زیادہ واضح ہو جائے۔''

''جسطرح پہاڑ۔۔جب اس پر تم چڑھ رہے ہو۔۔۔اپنی ہیت مجموعی میں اتنا صاف نظر نہیں آتا۔جتنا دامن کوہ سے سربلند نظر آتا ہے۔''

''اور دوستی کا کوئی کا کوئی مطلب نہ ہونا چاہیے،سوائے اس کے کہ،تم دوست کیساتھ ایک مشرک روحانی گہرائی میں شریک ہو جاؤ۔''

''اس لئے کہ محبت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بھید واضح ہو جائے۔''

''جو محبت صرف یہ چاہتی ہے وہ محبت نہیں،ایک جال ہے پھیلا ہوا۔''

''جس میں اکثر وہ پھنستی ہیں جو بے نتیجہ ہوتی ہیں۔''

''جو کچھ تمہارے اندر بہتر اور اعلیٰ تر ہے وہی دوست کو دو۔''

''اگر وہ چاہتا ہے کہ تمہارے مد کے جزو کو بھی دیکھے۔''

''تو اس کو اپنے دریا کی طغیانی بھی دکھا دو۔''

''اس لئے کہ دوست ہی تمہارا کیا ہے جس کو تم صرف اس لیے ڈھونڈتے رہو کہ اس کی صحبت میں تم اپنا خالی وقت گزار سکو۔ وہ ساعتیں جو تم پر گراں ہیں۔''

''بلکہ دوست کو تو اس وقت ڈھونڈو جب تم بیداری عمل کا وقت گزارنا چاہو۔''

''اس لئے کہ دوست کا کام تو یہ ہے کہ تمہارے تقاضوں اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کرے۔

''نہ یہ کہ تمہارے اوقات کے خالی کاسہ کو بھرا کرے۔''

''اور دوستی کی حلاوت میں اپنے تبسم کو ملا دو، اور اپنی مسرتوں کو مشترک کر لو۔''

''اس لئے کہ جب زندگی کی معطر شبنم دل پر گرتی ہے۔ تب ہی اس کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ تر و تازہ ہو جاتا ہے۔''

(20)

اور پھر بستی کے اہل علم و فضل میں سے ایک نے کہا۔

''کچھ ذوق گفتار کے متعلق ہمیں بتا۔''

اس نے کہا۔

''تم اس وقت بولتے ہو جب تمہارے افکار سکون سے محروم ہو جاتے ہیں۔''

''اور جب تم اپنے دل کی خاموش تنہائی میں ٹھہرنا امکان سے باہر پاتے ہو۔''

''اس وقت تم اپنے لبوں پر آ بیٹھے ہو جہاں زبان اور آواز سے تم کھیلتے ہو۔''

''اور تمہاری گرفتار کے ہجوم میں اکثر تمہارے افکار پامال اور قتل ہو جاتے ہیں۔''

''اس لئے کہ 'تفکر' فضائے بسیط کا ایک پرندہ ہے۔''

''اور گفتار کے قفس میں اپنے پر تو کبھی کبھی کھولتا ہے۔ مگر اڑ نہیں سکتا۔''

''تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو باتونی لوگوں کی طرف صرف اس لئے جاتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات کی تنہائی سے ڈرتے ہیں۔''

''ان کے افکار کی تنہائی، ان کی روح کی عریانی سے ان کو خبردار کرتی ہے۔''

''اور اس منظر سے وہ بھاگنا چاہتے ہیں۔''

''اس عریانی کو وہ بھلا دینا چاہتے ہیں۔''

''اس لئے وہ جلدی جلدی اور بہت سی باتیں کرتے ہیں۔''

''اور کچھ ایسے بھی ہیں جو بولتے ہیں بغیر علم یا دور اندیشی کے۔''

''اور بر سر راہ ایسے حقائق کو نادانستہ بے نقاب کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی سمجھ نہیں سکتے۔''

''اور کچھ ایسے ہیں جو اپنے اندر ''حق'' کو روشن اور زندہ رکھتے ہیں۔''''

''مگر اس کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے۔''

''اس کی عریانی کو لباس کا جامہ پہنا نہیں سکتے۔''

''اس کو دل کی خلوت سے زبان کی جلوت میں لانے کی یا تو ہمت نہیں رکھتے۔''

''یا مختار نہیں ہیں اور مجبور ہیں۔''

''یا چاہتے نہیں باوجود یکہ کر سکتے ہیں۔''

''ایسوں کے سینے میں روح بیان خاموش رہتی ہے۔''

''مگر وہ خاموشی شعریت سے لبریز ہوتی ہے۔''

''جب تم بازار میں یا کسی گلی میں اپنے دوست سے ملو تو اپنی روح کو اجازت دو کہ وہ تمہارے لبوں کو متحرک اور تمہاری زبان کی رہنمائی کرے۔''

''تا کہ تمہاری زبان پر ندائے حق بولے۔''

''اور تمہارے دوست کے کانوں میں تمہارے دل کی حقیقت اعلیٰ اس طرح ایک پر کیف یادگار رہو، جس طرح آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں کیف شراب باقی رہ جاتا ہے۔''

''اس وقت جبکہ بادہ ناب بے رنگ ہو چکتا ہے اور مینائے مے ٹوٹ چکتی ہے۔''

پھر ایک جوتشی نے کہا۔

''آقا میرے..... کچھ ایام حیات کے متعلق بھی فرما۔''

اس نے کہا۔

''تم چاہتے ہو کہ اپنی زندگی کے وقت کو ناپ لو۔''

''حالانکہ وہ ناپا یا تولا نہیں جا سکتا۔''

''تم چاہتے ہو کہ وقت اور موسم کے مطابق اپنے عمل اور اپنی روح کا راستہ تجویز کرو۔''

''تم سمجھتے ہو کہ وقت ایک دریا ہے۔ جس کے کنارے پر بیٹھ کر تم بہتے ہوئے پانی کی سیر کر سکتے ہو۔''

''مگر تمہارے اندر جو ایک چیز ہے۔۔۔ جس پر وقت کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔۔۔ اس کو معلوم ہے کہ زندگی میں وقت اور ساعت کا کوئی حساب نہیں۔''

''اور اس کو معلوم ہے کہ گذشتہ کل آج کے اندر محض ایک نقش ماضی ہے۔ بے اصل۔ اور آئندہ کل آج کا ایک خواب ہے۔ تصور فریب۔

اور اسے معلوم ہے کہ تمہارے اندر جو شے نغمہ پیرا اور متفکر ہے وہ بھی اسی ایک ساعت اول کی حدود میں مقیم ہے جس ساعت اول میں آسمان پر ستارے بکھیرے گئے تھے۔''

''تم میں سے کون ہے جو یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اندر محبت کرنے کی اہلیت، لا انتہا موجود ہے۔''

''مگر کون ہے جو یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہی محبت جو انتہا ہے وہ اس کے محدود وجود کے اندر محدود پابند ہے۔۔۔ اس کے افکار یکے بعد دیگرے۔۔۔ کسی مقرر سلسلہ

میں ۔۔حرکت نہیں کرتے نہ اس کے اعمال سی معین ترتیب میں ایک دوسرے کے متعاقب پیدا ہوتے ہیں ۔۔۔

''اور کیا محبت کی طرح وقت بھی غیر منقسم اور لامتناہی نہیں ہے ۔اور ایک بے قید رفتار نہیں ۔''

''لیکن اگر تم مجبور ہو کہ اپنے افکار کے اندر وقت کو موسموں اور زمانوں میں تقسیم کرو۔

تو ہر موسم کو تمام دوسرے موسموں پر محیط کرلو۔''

''اور اپنے آج کو ماضی کی یاد سے اور مستقبل کی امیدوں سے بغل گیر ہونے دو۔''

(22)

پھر بستی کے چودھریوں میں سے ایک نے کہا۔

''ہم کو نیک و بد کا فرق بتا۔''

اس نے کہا۔

''جو کچھ تمہارے اندر نیک ہے اور خوب ہے اس کا تو میں ذکر کرسکتا ہوں۔''

''مگر جو کچھ زشت اور بد ہے اس کے متعلق کیا کہوں۔''

''اس لئے کہ بد رسوائے اس نیک کے اور کیا ہے ۔جس کی صورت کو اشتہا اور خواہش کے کرب نے مسخ کرڈالا ہو۔''

''یعنی واقعہ یہ ہے کہ جب نیک بھوکا ہوتا ہے تو وہ اندھیرے غاروں میں بھی اپنی غذا تلاش کرتا ہے اور جب وہ پیاسا ہوتا ہے تو وہ گندہ پانی بھی پی لیا ہے۔''

''تم اسی وقت تک نیک ہو جب تک تم اور تمہارا وجود معنوی ہم نفس ہے۔''

''لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو ضروری نہیں کہ تم بد ہو جاؤ۔''

''اس لئے کہ اگر گھر کے اندر گھر والے متفق نہ بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اس کے

اندر چور داخل ہو جائیں۔"

"ممکن ہے کہ گھر کے اندر کا نفاق محض گھر کے اندر ہی محدود ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ ہو۔"

"جیسے کہ یہ ممکن ہے کہ کسی جہاز کا پتوار ٹوٹ جائے اور پھر بھی وہ سمندر پر جھکولے لیتا رہے"

اور ضروری نہیں کہ وہ سمندر کی تہہ میں غرق ہی ہو جائے۔"

"تم اس وقت تک نیک ہو جب تک اپنے وجود کا کوئی حصہ دوسروں کو دیسکو۔"

"اور نہ تم صرف اس لئے بد ہو سکتے ہو کہ تم اپنے لئے کچھ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہو"

"اس لئے کہ جب تم دنیا یا فطرت سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو تو تمہارا حال اس درخت کی جڑ کا سا ہوتا ہے جو مجبور ہے کہ زمین کے اندر زمین سے لپٹی رہے اور زمین کے سینہ سے اپنی غذا حاصل کرے۔"

"وہ یہ نہ کرے تو کیا کرے۔"

"یقیناً درخت کے پھل کو اس کی جڑ سے یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ تو بھی میری طرح ہو جا۔۔رس سے بھرا ہوا۔۔۔اور یہ کہ

"تو بھی میری طرح دوسروں کو اپنی نعمت تقسیم کر۔۔اس لئے کہ جس طرح پھل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نعمتیں دوسروں کو دے اسی طرح جڑ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی غذا حاصل کرے۔"

"تم نیک ہو جب تم بیداری کی حالت میں متکلم ہو۔"

"لیکن اگر تم خواب کی حالت میں بھی بڑبڑاتے رہو تو یہ ضروری نہیں کہ تم بد سمجھے جاؤ۔"

"ایک لڑکھڑاتی زبان بھی، اگر غیر مسلسل گفتگو کرے تو وہ ماؤف و مجہول نہیں

ہے۔"

"اسی طرح جب تم اپنی منزل کی طرف مردانہ وار قدم بڑھاؤ تو تم ضرور نیکو کا رہو۔۔۔مگر۔"

"تم بدکار نہیں کہے جا سکتے اگر تم منزل کی طرف لنگڑاتے ہوئے جاؤ۔"

"وہ لوگ بھی جو لنگڑا کر چلتے ہیں، بہر حال آگے ہی بڑھتے ہیں۔"

"اور وہ لوگ بھی جو بالکل نہیں چل سکتے وہ درماندہ بھی منزل کے خواب دیکھتے ہیں۔"

"البتہ تم کہ قوی اور تیز گام ہو۔ اس کا خیال رکھو کہ کبھی لنگڑوں کیسامنے خود بھی نہ لنگڑانے لگو۔۔۔یہ سمجھ کر کہ مروت یا مہربانی اسکی متقاضی ہے۔"

"پس تم بڑھے چلو۔۔اور لنگڑوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ اس لئے کہ وہ بھی تمہاری ہی منزل کی طرف آ رہے ہیں۔"

"اور تمہاری رفتاری سست بھی ہو تو اپنے کو لنگڑا نہ سمجھو۔"

"تمہاری زندگی کے ہزاروں پہلو وہ ہے جو نیکی کے حامل ہیں۔"

"اور یہ ضروری نہیں کہ تم نیک ہو تو لازماً بد ہو جاؤ۔

"زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہہ دیگا کہ تم کاہل ہو اور گم کردہ راہ۔"

"مگر گم کردہ راہ ضرور نہیں کہ خود بھی گم ہو جائے۔"

"افسوس ہے کہ ہرن کچھوے کو تیز رفتاری نہیں سکھا سکتا۔"

"مگر وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ رفتار سب اسی کیلئے ہے اور کچھوے کے حصے میں کچھ بھی نہیں۔"

"پس نیک و بد کے امتیازات میں الجھنے والو، حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ جو تمہارے اندر خواہشوں کا ایک رجحان ہے۔۔کسی وجود عظیم کی طرف۔"

"وہ نیکی کا اصل ہے۔"

''اور وہ رجحان تم سب میں موجود ہے۔''

''فرق صرف اتنا ہے کہ بعض کے اندر وہ رجحان ایک بہت تیز بہتے ہوئے دریا کی مثل ہے۔''

''جو اپنی پوری طاقت سے سمندر کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔۔ پہاڑیوں کے تمام راز اور جنگلوں کی تمام موسیقی اپنی گود میں لئے ہوئے۔''

''اور بعض کے اندر وہ چھوٹا سا چشمہ ہے جو کچھ دور بہہ کر زمین کے کسی نشیب میں رک جاتا ہے۔اور وہیں اس کو چوس لیتی ہے۔''

''سمندر تک وہ اکثر نہیں پہنچ پاتا۔لیکن اس کا بہاؤ ہمیشہ سمندر کی طرف ہوتا ہے۔''

''پس وہ شخص جس کو قوت طلب زیادہ ہے کبھی ایسے شخص سے جو کمزور ہے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ تو کیوں سست اور مجہول ہے،اور تیرے قدم کیوں رکتے ہیں۔''

''اس لئے کہ جو لوگ واقعی نیک ہوتے ہیں۔وہ کبھی کسی ننگے سے یہ سوال نہیں کرتے کہ ''تیرے کپڑے کہاں ہیں'' نہ وہ کسی خانماں برباد سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا گھر کیوں اجڑ گیا۔

(23)

پھر ایک مرشد نے سوال کیا۔

''ہمیں دعا کے متعلق کچھ بتا۔''

اس نے کہا۔

''تم اپنی مصیبت اور احتیاج کی حالت میں دعا کرتے ہو۔''

''کاش کہ تم کمال مسرت اور انتہائی خوش حالی میں بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے۔''

''اس وقت جب تمہارے دل میں مسرتوں کا ہجوم ہوتا تم اس چھوٹے سے مہمان

کیلئے بھی کوئی جگہ اپنے خلوت خانہ میں نکالتے۔''

''دعا ہے کہ، سوائے اس کے کہ وہ ایک کیفیت ہے جب انسان اپنے کو فضاء بسیط میں پھیلا دیتا ہے۔۔بچھا دیتا ہے۔''

''اور اگر تم اپنی ظلمت کو بھی کسی خلا میں پھینک کر آسودہ ہو جاتے ہو۔''

''تو تمہارے لئے اپنے نور کو بھی پھیلا دینے میں ضرور ایک حقیقی مسرت ہونی چاہیئے۔''

''اور اگر تمہارے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اس وقت جب تمہاری روح تم کو دعا کی طرف بلائے تم اپنے بہتے ہوئے آنسو لیکر اس کی طرف جاؤ۔''

''تو پھر کیا اچھا ہو کہ تمہاری روح تم کو بار بار اکسائے اور بڑھائے۔''

''اور تم بار بار اس منزل کی طرف جاؤ۔ اپنے آنسو اور اپنی آہیں لے کر۔

''اور بار بار اس سفر سے ہنستے اور مسکراتے واپس آؤ۔''

''جب تم دعا میں مشغول ہوتے ہو۔۔گم ہو جاتے ہو۔۔تو یاد رکھو کہ تم فضا میں بلند ہو کر ان لوگوں کی روحوں سے متصل ہو جاتے ہو جو عین اس لمحے میں دست بدعا ہوں اور جن سے سوائے اس عالم کے تم پہلے کبھی نہ مل سکے ہو۔''

''پس دعا کے معبد میں تمہارا قدم سوائے اس کیف و وصال اور اتحاد شیریں کے اور کسی غرض سے نہ رکھا جائے۔!''

''اس لئے کہ اگر تم اس معبد میں صرف مانگنے اور لینے ہی کے لئے جاتے ہو تو غالب یہ ہے کہ تمہیں کچھ بھی نہ ملے گا۔''

''اور اگر تم اس معبد میں محض اپنے عجز کا مظاہرہ کرنے کے لئے جاتے ہو تو تم کو شرما کر واپس کرنا ہوگا۔''

''اور اگر تم اس معبد میں دوسروں کے حق میں سفارش کرنے کے لئے جاتے ہو تو تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ تمہاری بات سنی جائے۔''

''پس تمہارے لئے کافی یہ ہے کہ تم اس نامعلوم معبد میں نامعلوم طریقہ پر جاؤ۔''

''میں تمہیں زبان کے لفظوں سے مانگنے کا کوئی طریقہ نہیں بتا سکتا مجھے معلوم نہیں۔''

''اس معبد میں کوئی تمہارے الفاظ کو نہیں سنتا جب تک کہ وہ الفاظ وہی نہ ہوں جو اس معبد کی روح القدس تمہاری زبان سے ادا کرائے۔''

''اور میں تمہیں سمندروں اور کوہ صحرا کی دعائیں سکھا نہیں سکتا۔''

''مگر تم ۔۔ کہ تمہارے لئے کوہ صحرا پیدا ہوئے ہیں خود ہی ان کی دعاؤں کو اپنے دلوں میں پا سکتے ہو۔''

''اور اگر تم رات کی تاریکی میں سننے کی کوشش کرو تو تم سمندر کی موجوں اور صحرا کے درختوں کو یہ کہتے سنو گے۔''

''اے معبود ہمارے، تو ہمارا ہی وجود پر ان ہے اور ہم تیرا عکس حقیقیت ہیں۔''

''تیری ہی رضا ہمارے اندر ہے جو حکم دیتی ہے۔''

''تیرا ہی جذبہ طلب ہمارے اندر ہے جو ہمیں طلب سکھاتا ہے۔''

''تیرا ہی تقاضہ وہ ہے جو ہماری راتوں کو۔۔ جو تیری راتیں ہیں۔۔ دن بنا دیتا ہے۔۔ وہ دن جو تیرے ہی دن ہیں۔۔۔۔؟

''ہم تجھ سے کچھ نہیں مانگ سکتے۔ اس لئے تو ہماری ضرورتوں سے ان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے واقف ہوتا ہے۔''

''تو ہماری ضرورت ہے۔ تجھ ہی سے ہماری احتیاج ہے۔''

''اور جب تو ہم کو اپنے وجود سے ایک حصہ دے ڈالتا ہے تو وہ سب کچھ دے ڈالتا ہے جو ہم کو ملنا چاہیے۔ پھر ہم کیا مانگیں۔''

(24)

پھر ایک بن باسی جو سال میں ایک دفعہ بستی کی طرف آیا کرتا تھا۔ آگے بڑھا اس

نے کہا۔

''ہم سے کچھ عیش کا ذکر کر۔''

اور اس نے جواب دیا۔

''عیش آزادی کا ایک گیت ہے۔''

''مگر وہ بجائے خود حقیقی آزادی نہیں ہے۔''

''وہ تمہاری تمناؤں کا شگوفہ ہے۔''

''مگر وہ ان کا ثمر نہیں ہے۔''

''وہ ایک اسیر قفس کا پر پرواز ہے۔''

''مگر وہ فضائے پرواز نہیں ہے۔۔نہ پرواز ہے۔''

''کچھ شبہ نہیں کہ عیش آزادی کا ایک گیت ہے۔''

''اور میں مسرور رہوں گا۔ اگر تم کو اپنے دل کی امنگوں کیساتھ یہ گیت گاتے سنوں۔''

''مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنا دل اس گیت کے حوالہ کر دو۔''

''اسے بعض نوجوان اس طرح تلاش کرتے ہیں کہ گویا وہی حاصل زندگی ہے۔''

''پھر ان پر تم لوگ نکتہ چینی کرتے ہو اور ان کو جھڑکتے ہو۔''

''میں نہ ان پر نکتہ چینی کرتا ہوں، نہ ان کو جھڑکنا پسند کرتا ہوں۔''

''بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ عیش کو جاری رکھیں۔''

''اس لئے کہ جب وہ عیش کو پائیں گے تو تنہا نہ پائیں گے۔''

''اس کی سات بہنیں ہیں اور ان سات میں سے جو سب سے کم حسین ہے وہ بھی عیش سے زیادہ خوب صورت ہے۔''

''کیا تم نے اس شخص کا قصہ نہیں سنا جو درخت کی جڑوں کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ان ہی جڑوں میں چھپا ہو دفینہ اس کے ہاتھ آیا۔۔اور تم میں سے اکثر لوگ

عیش رفتہ کو اس طرح پچھتا کر دیا کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک گناہ تھا۔ جس کے مرتکب وہ نشہ اور بدمستی کی حالت میں ہوئے تھے۔''

''مگر پچھتانا تو ایسا ہے جیسے دل کی آنکھوں پر زبردست پٹی باندھ دی۔۔۔''

''وہ گناہ کی سزا نہیں ہے۔

''چاہیے تو یہ کہ وہ لوگ اپنے عیش رفتہ کو شکرگزاری کیساتھ اس طرح یاد کریں جس طرح دو سال گزشتہ کی سرسبز کھیتی کو یاد کرتے ہیں۔''

''لیکن اگر ان کا دل صرف پچھتانے اور افسوس کرنے ہی سے تسکین پاتا ہے تو ان کو اسی طرح تسکین پانے دو۔''

''اور تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اب نہ تو اتنے نوجوان ہیں کہ عیش کو تلاش کریں اور نہ اتنے معمر ہیں کہ عیش رفتہ کو یاد کر سکیں۔''

''تلاش اور یاد ان کو اس قدر خوفزدہ کرتی ہے کہ وہ عیش سے ہر حالت میں نفرت کیساتھ گریز کرنے لگتے ہیں۔''

تاکہ ایسا نہ کر وہ روح اعلیٰ کو نظر انداز کر دیں۔ یا اس کو دکھ پہنچائیں۔

''مگر ان کا ترک لذت بھی عیش ہی کی ایک صورت ہے۔''

''اور اس طرح وہ بھی کانپتے ہوئے ہاتھوں سے درخت کی جڑیں کھود دیتے ہیں مگر دفینہ پا لیتے ہیں۔''

''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو اپنی روح کو عیش سے محروم کر سکتا ہے۔''

کیا جب طوطی رات کی خاموشی میں اپنا گیت گاتی ہے یا جب کرمک شب تاب رات کی تاریکی میں چمکتا ہے تو وہ اپنی روح کو آزردہ کرتا ہے۔''

''اور کیا تمہارا شعلہ یا تمہاری آگ کا دھواں ہوا کے کاندھے پر گراں ہو سکتا ہے۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ روح ایک بندتالاب یا جوہڑ ہے جس کے پانی کو تم ایک لکڑی

سے متلاطم کر سکتے ہو۔"

"اکثر یہ ہوتا ہے کہ تم ترکت لزات کے جوش میں درحقیقت اپنی خواہشوں کو اپنے وجود کے کسی تاریک گوشے میں چھپا دیتے ہوں اور سمجھتے ہو کہ ان کا چھپا دینا ہی ان کا ترک کر دینا ہے۔"

"مگر کسے معلوم ہے کہ وہ جس کو تم آج بظاہر ترک کرتے ہو۔ وہی کہیں کل کے دامن میں چھپا ہو بیٹھا نہ ہو منتظر اور آمادہ۔"

"اور روح تو کجال، تمہارا جسم فانی بھی اپنی فطرت وراثت، یعنی اپنی ضرورتوں سے بے خبر نہیں رہتا اور تم اس کو بھی کبھی دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"تمہارا جسم تمہاری روح کا بریط ہے۔ جس کے تاروں پر اس کی موسیقی رقص کرتی ہو۔"

"مگر تمہارے اختیار میں ہے کہ اس بریط سے چاہے ایک دل نواز راگ پیدا کر دیا ایک بے سرا شور۔"

"اور اب تم دل میں سوچ رہے ہو گے کہ ہم کیونکر امتیاز کر سکیں کہ عیش میں اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔"

اپنے کھیتوں میں اور اپنے باغوں میں جاؤ"

"وہاں تم کو معلوم ہو گا کہ شہد کی مکھی کے لئے حقیقی عیش یہ ہے کہ وہ پھولوں سے شہد چوسے۔"

"اور پھولوں کا عیش یہ ہے کہ وہ اپنا شہد مکھیوں کی نذر کریں۔"

"اور پھولوں کے لئے مکھی محبت کی پیغمبر ہے۔"

"اور دونوں کے لئے طلب و تسلیم شرط انبساط ہے۔

"اے اہل حرفہ اپنے عیش میں شہد کی مکھیوں اور پھولوں کی داستان کو نہ بھول جاؤ۔

''ہمیں حسن کا کوئی تصور بتا۔''

ایک شاعر نے مجمع سے آگے بڑھ کر اس کو مخاطب کیا۔

اسنے کہا۔۔

''تم حسن کو کہاں پاؤ گے اور کس طرح پاؤ گے۔

''الا یہ کہ وہ خود ہی تمہیں راستے میں مل جائے یا تمہاری رہنمای کے لئے کوئی اشارہ کرے۔''

''اور تم کس طرح اس کا ذکر زبان پر لاسکو گے۔''

''الا یہ کہ وہ تمہاری ہی زبان سے اپنی گفتار کا چشمہ جاری کرے۔''

''مجروح اور ازیت نصیب کہتے ہیں کہ۔''

''حسن مہربان ہے اور اسکی گرفت بہت نرم ہے۔''

''ایک شرمائی ہوئی نوجوان عورت کی طرح جو اپنے پہلوٹے کو گود میں لئے ہو۔''

''وہ آنکھیں نیچے کئے ہمارے درمیان گزرتا ہے۔''

''اور بعض کہتے ہیں۔''

''نہیں حسن طاقت کا ایک خوفناک دیوتا ہے۔''

''ایک طوفان کی طرح وہ ہمارے قدموں کے نیچے زمین کو اور ہمارے سروں کے اوپر آسمان کو ہلا ڈالتا ہے۔''

''اور وہ جو تھکے ہوئے اور فرو ماندہ ہیں، کہتے ہیں۔''

''حسن ایک مدھم آواز ہے ایک ہلکا اگ ہے جو ہماری روح کے اندر آہستہ آہستہ ترنم پیدا کرتا ہے۔''

''اس کی آواز ہماری خاموشیوں میں اسطرح جھجکتی ہوئی اٹھتی ہے جس طرح مدھم روشنی اندھیرے میں۔''

''مگر جو لوگ بے چین ہیں اور اضطراب ذوق میں مبتلا وہ کہتے ہیں۔''

''ہم نے اس کو پہاڑ کی وادیوں میں گرجتے سنا ہے۔''

''اور اسکی گرج کے ساتھ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور بڑے بڑے پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ اور شیروں کی وادیوں میں گرجتے سنا ہے۔''

''شب کیوقت بستی کے چوکیدار کہتے ہیں۔''

''حسن صبح کو مشرق سے بیدار ہوکر آئے گا۔''

''اور دوپہر کے وقت کھیتوں میں مزدور اور راستوں پر مسافر کہتے ہیں۔''

''ہم نے غروب آفتاب کے وقت۔ حسن کو آسمان کے دریچے سے زمین کیطرف جھانکتے دیکھا ہے۔''

''اور موسم سرما میں وہ لوگ جن کے دروازے پر برف کے انبار لگے ہوتے ہیں کہتے ہیں۔''

''حسن موسم بہار کیساتھ پہاڑیوں پر رقصاں اور وادیوں میں کھیلتا ہوا آئے گا۔''

''اور موسم گرم کی تپش میں کھیت کاٹنے والے کہتے ہیں۔''

''ہم نے خزاں کے گرے ہوئے پتوں میں اس کو رقص کرتے دیکھا ہے۔''

''اور ہم نے اسکی زلفوں میں برف کے سفید گالے الجھے ہوئے دیکھے ہیں۔''

''تم لوگ کس کس عنوان سے حسن کا ذکر کرتے ہو۔''

''لیکن درحقیقت تم حسن کا ذکر ہی کب کرتے ہو۔۔۔''

''تم تو محض اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کا ذکر کرتے ہو جو پوری نہیں ہوئیں۔''

''مگر حسن ضرورت اور خواہش نہیں ہے۔''

''وہ صرف ایک کیف ہے۔ ایک کیف اعلیٰ۔''

''وہ پیاسے کے خشک ہونٹ اور سائل کا پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے۔''

''بلکہ وہ دل ہے۔۔۔ جوش طلب سے پر اور گرمایا ہو۔۔۔''

''وہ ایک روح ہے۔۔۔ مسحور ارشید۔''

''نہ وہ معبد کی کوئی مورتی ہے جس کو تم دیکھ سکو۔''

''نہ وہ کوئی گیت ہے جس کو تم سن سکو۔''

''بلکہ وہ ایک نقش تصور ہے جس کو تم آنکھ بند کر کے دیکھ سکتے ہو۔''

''ایک راگ ہے جس کو تم کان بند کر کے سن سکتے ہو۔''

''نہ کسی پنجے میں الجھا ہوا پر ہے۔''

''بلکہ ایک باغیچہ ہے۔۔سدا بہار۔''

''فرشتوں کی ایک سنگت ہے جو ہمیشہ فضا میں منڈلاتی رہتی ہے۔۔'' اے اہل حرفہ حسن حیات ہے۔یعنی جب وہ اپنا مقدس چہرہ بے نقاب کر دے۔''

''مگر تم مظہر حیات ہو۔۔اور تم ہی وہ نقاب جو اس کے چہرے کو چھپائے ہوئے ہے۔''

''جس ابدالاباد ہے جو ہمیشہ اپنا عکس آئینہ حیات میں دیکھتا ہے۔''

''اور تم ہی حسن ابد ہو اور تم ہی آئینہ حیات ہو۔''

(26)

پھر ایک ملا نے کہا۔

''ہم سے مذہب کا کچھ ذکر کر۔''

اس نے کہا۔

''تو کیا آج میں نے سوائے مذاہب کے کچھ اور بھی بیان کیا ہے۔''

''کیا تمہارے ان اعمال وخیالات سے جن کا میں ذکر کرتا رہتا ہوں، مذہب کوئی الگ چیز ہے۔''

اور کیا وہ بھی اعمال خیالات سے بعید ہو مذہب سے خارج ہے۔''

''ہر لمحہ روح کے اندر پیدا ہونے والا وہ نقش حیرت ہو جو ہر حال میں ایک نمود رکھتا ہے۔تم پتھر توڑ رہے ہو تب بھی اور تم گھر کے کام کر رہے ہو تب بھی۔۔کیا وہ مذہب

کے سوا کچھ اور ہے۔''

''کون ہے جو اپنے اعمال کو اپنے ایمان سے جدا کر سکے۔''

''یا اپنے اشغال کو اپنے عقائد سے الگ رکھ سکے۔''

''کون ہے جو اپنی زندگی کی ساعتوں کو اپنے سامنے پھیلا کر کہے۔''

''یہ ساعت خدا کیلئے ہے، یہ میری روح کے لئے یہ میرے جسم کے لئے۔

''تمہاری تمام ساعتیں پرند کے بازو ہیں جو زندگی کی فضا میں تمہاری حرکت کے ساتھ متحرک رہتے ہیں۔''

''وہ گروہ جو اپنے اخلاق حسنہ کو اس طرح استعمال کرتا ہے جس طرح ایک عمدہ پوشاک۔۔اس گروہ کے سب لوگ اگر ننگے ہی رہیں تو بہتر ہے۔''

''تا کہ ہوا اور سورج ان کی کھال میں سوراخ کر دیں۔''

''اور وہ شخص جو اپنے عمل کو اصولوں یا کسی مخصوص علم الا اخلاق کے ماتحت رکھتا ہے۔''

''وہ گویا اپنے حسین پرند کو ایک قفس میں بند کر دیتا ہے۔''

''قدرت کا آزاد نغمہ وہ نہیں ہے جو قفس کی تیلیوں اور تاروں سے ٹکرا کر باہر آ سکے۔''

''اور وہ شخص جس کے لئے عبادت ایک دریچہ ہے۔۔کہ وہ کبھی کھول دیا گیا اور کبھی بند کر دیا گیا۔''

''اس شخص نے اپنی روح کا آشیانہ دیکھا ہی نہیں ہے۔۔وہ محل جس کے دریچے مشرق سے مغرب تک کھلے رہتے ہیں۔''

''تمہاری روزانہ زندگی کا ماحول، جس کے اندر تم کھاتے ہو پیتے ہو۔۔سوتے ہو۔۔تمہارا معبد اور تمہارا مذہب ہے۔''

''جب کبھی تم اس معبد میں داخل ہو تو اپنی ساری پونجی اپنے ساتھ اندر لے آتے

ہو۔۔بل، بھٹی، کلہاڑی ہتھوڑا، بانسری،،

''نیز وہ سب سامان جو تم نے اپنی ضروریات یا اپنے عیش کے لئے تیار کیا ہو۔''

''اس لئے کہ اس دنیائے تسلیم میں تم اپنی کامیابیوں سے بلند تر جا سکتے ہو۔ نہ اپنی ناکامیوں سے پست تر گر سکتے ہیں۔''

''اور اپنے ساتھ تمام انسانوں کو لے جاؤ۔''

''اس لئے کہ نہ تو تم ان سب کی امیدوں اور آرزوں سے بلند تر اڑ سکتے ہو۔، نہ ان کی مایوسیوں سے پست تر گر سکتے ہو۔''

''اور اگر تم اپنی وجہ حیات کو پہچاننا چاہتے ہو تو معمے حل نہ کرو۔''

''بلکہ اپنے گردوپیش دیکھو۔''

''غالباً تم اس بانی حیات کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پاؤ گے۔''

''فضا میں دیکھو۔''

''غالباً تم اس کو بادلوں میں بجلی کے دامن میں ہنستا ہوا پاؤ گے۔''

''تم اس کو برق کے دامنا میں بازو پھیلائے اور چادر باران کے ساتھ زمین پر اترتے دیکھو گے۔''

''تم پھولوں میں اس کو مسکراتے اور درختوں کے پتوں میں اس کو اشارے کرتے پاؤ گے۔''

''اس کا پالینا اتنا مشکل نہیں۔ جتنا تم نے اس کو بنا دیا ہے۔''

''مذہب کا نیا ہیولا نہ بناؤ۔''

''مذہب صرف پیش پا افتادہ زندگی ہے۔۔۔اور کچھ بھی نہیں۔''

''اس کو نئے کپڑے نہ پہناؤ۔''

''اس کی تصویروں میں رنگ نہ بھرو۔''

''اس کی فطرت کا رنگ وہی ہے جو تمہاری فطرت کا۔''

''اور یہ تمہارے لئے بالکل کافی ہے۔''

(27)

''اچھا تو اب کچھ موت کا بھی حال سنا دے۔''

ایک فقیر نے کہا۔

''تم چاہتے ہو کہ موت کا راز معلوم کرو؟

اس نے سوال کیا۔

پھر اس نے کہا۔

''مگر تم کیوں کر اس راز کو پاؤ گے تاوقتیکہ تم قلب زندگی اس کی جستجو نہ کرو۔''

''وہ قلب زندگی کا ایک دفینی ہے۔۔۔مگر وہ اتنا کھلا ہوا راز ہے جس قدر کہ زندگی۔''

''مگر لو جس کی آنکھیں صرف رات ہی کو روشن ہوتی ہیں دن کے نور کا راز کیوں کر سمجھے''

''اگر تم موت کا راز معلوم کرنا چاہتے ہو تو زندگی کے لئے ،اور جو کچھ زندگی میں ہے۔اس کے لئے اپنے دل کا دروازہ کھول دو۔''

''اس لئے کہ موت اور زندگی بالکل ایک ہی چیز ہیں ایک نوع ہیں۔''

''جس طرح سمندر اور دریا۔''

''تمہاری ہی امیدوں اور خواہشوں کی گہرائی میں دریائے حیات کے متعلق تمہارا خاموش علم مستور ہے۔''

''اور جس طرح برف کے انبار کے نیچے، درخت کا بیج ، دبا ہوا موسم بہار کے خواب دیکھتا ہے۔''

''اور آنے والے عہد کا منتظر رہتا ہے۔۔اپنی آغوش میں زندگی کیسارے خوابوں پر بھروسہ کرو۔''

''ان ہی کے اندر ربدالاباد کا دروازہ پوشیدہ ہے۔''

''موت کا خوف تمہارے دلوں میں ایسا ہے جیسے اس چرواہے کا دغدغہ جو اپنے حاکم کے روبرو کھڑا ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ شفقت کا ہاتھ اسکے سر پر رکھے گا۔ مگر پھر بھی گھبراتا اور ڈرتا ہے۔

''لیکن کیا اس چرواہے کے کانپتے ہوئے جسم کے اندر مسرت کی حرارت موجود نہیں ہے۔''

''کیا ہر حال میں اس کا خوف اس کی مسرت پر غالب نہ آجائے گا۔''

''اور موت ہے کیا۔''

''سوائے اس کے کہ برف کے ایک تودے کی طرح تمہارا جسم دھوپ میں کھڑا ہو اور خورشید عالم تاب اس کو گھلا کر بہا دے۔''

''ہو گھل کر پھر ویسا ہی پانی ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا۔''

''اور وہ دریا پھر سمندر کی وسعت اور گہرائی میں اپنے فضا کر دے۔''

''اور دم نکلنے کے معنی کیا ہیں۔''

''سوائے اس کے کہ نفس اپنی مضطربانہ آمد و رفت سے آزاد ہو کر فضا میں پھیل جائے۔''

''اور بغیر کسی پابندی کے اڑتا پھرے۔ جستجو میں۔ کمال مطلق کی۔''

''پھر جب تم دریائے خاموشی سے ایک گھونٹ پی لو گے تمہارا نغمہ اسی دن ماورائے حیات کی بلندیوں پر پھیل جائے گا۔''

''اور جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ گے۔''

''اس وقت دراصل پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو گی۔''

''اور زمین کو تم اپنی آغوش میں لپیٹ لے گی۔''

اس وقت تمہاری فطرت رقص شروع کرے گی۔ محیط ابد میں۔

ان ہی باتوں میں شام ہوگئی۔

اور عارفہ نے کہا۔

''مبارک ہے یہ دن اور یہ جگہ تیری روح ہم سے ہم کلام ہوئی۔''

اس نے کہا۔

''تو کیا میں صرف کہنے والا ہی تھا۔''

''کیا میں سننے والا نہ تھا۔''

یہ کہہ کر وہ معبد کی سیڑھیوں سے اترا اور تمام لوگ اس کے پیچھے چلے۔ اور وہ اپنے جہاز کے پاس پہنچ گیا۔

جہاز کے عرشیہ پر کھڑے ہو کر اس نے پھر اہل حرفہ کے مجمع پر ایک نظر کی۔

اور بلند آواز سے کہا۔

''اے اہل حرفہ، ہوا مجھ سے کہتی ہے کہ میں اب تم سے رخصت ہو جاؤں۔''

''گو کہ میں اتنا جلد باز نہیں ہوں، جتنی کہ ہوا ہے۔''

''تاہم جانا تو اب مجھے ضرور ہے۔''

''میرے پاس ہوا کی موجیں دعوت لیکر آ رہی ہیں۔''

''میں کیوں کر اس دعوت کو رد کروں''

''مگر آخری سلام سے پہلے دو دو لفظ تم سے کہنا چاہتا ہوں۔''

''ہم جیسے آوارہ گرد جو ویران راستے اور لق و دق صحرا ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔''

''ہم جس جگہ اپنی زندگی کا ایک دن ختم کرتے ہیں وہاں دوسرا شروع نہیں کرتے۔

''اور آفتاب کبھی کسی صبح کو ہمارا مسکن ایک ہی جگہ نہیں پاتا۔''

''وہ غروب کے وقت ہم کو ایک جگہ چھوڑتا ہے اور طلوع کے وقت کسی دوسری جگہ

پاتا ہے۔''

''اس وقت بھی جب دنیا محوِ خواب ہوتی ہے ہم جیسے مسافر چلتے رہتے ہیں۔''

''ہم ایک سخت جان درخت کے تخم ہیں۔''

''اور ہماری فطرت کی تکمیل میں یہ عادت ودیعت ہے کہ ہم حوالے ہوں اور ہوا ہی میں منتشر ہو جایا کریں۔''

''بہت مختصر زمانہ تھا جو میں نے تم لوگوں کیساتھ گزارا۔''

''اور بہت مختصر تھے وہ الفاظ جو میں نے تم سے کہے۔''

''اور بہت مجمل تھا وہ پیام جو میں نے تم کو پہنچایا۔

''لیکن اگر میری آواز تمہارے کانوں میں اور میری محبت تمہارے دلوں میں معدوم ہونیلگے تو میں پھر تمہاری طرف آؤں گا۔

''اور پھر ایک دفعہ وہی پیام تم کو سناؤں گا۔

''ہاں جب سمندر کی موجیں اس ساحل کی طرف واپس ہوں گی۔تو میں ان ہی کیساتھ پھر آؤں گا۔''

''اور خواہ موت میرے وجود پر پردے ڈال دے اور سکوت عظیم مجھے اپنی گود میں لپٹا لے۔''

لیکن میں پھر بھی ایک دفعہ اور تمہارے ادراک میں اپنی جگہ تلاش کرلوں گا۔

''اور میں جانتا ہوں کہ میری گفتگو نا کام نہ ہوگی۔''

''اور وہ مستقبل جو تم سے اتنا ہی قریب ہے جس قدر کہ ماضی دور ہے۔''

وہ مستقبل میرے پیام کو زیادہ صاف الفاظ میں ایسے انداز گفتار کے ساتھ جو تمہارے خیالات سے نسبت قریب رکھتا ہو۔۔واضح اور روشن کردے۔''

''اگر میرے پیام میں حق موجود ہے۔۔حق کا ایک شائبہ بھی موجود ہے۔''

تو یقیناً تم اس کو مستقبل کی پیشانی پر چمکتا ہوا پاؤ گے۔

''میں ہوا کے جھونکوں اور موجوں کے جھکولوں کے ساتھ جاتا ہوں۔''

''مگر اہل حرفہ عدم کی خلا میں نہیں، بلکہ حیات کی مضبوط چٹانوں پر۔''

''پس اگر آج کا دن تمہاری احتیاج اور میری محبت کو پورا نہیں کرتا۔''

''تو آج کے دن کو تم آئندہ کے اور ایک دن کے آنے کا وعدہ سمجھو۔''

''انسانوں کی ضرورتوں میں تغیر ہوتا رہتا ہے مگر ان کی محبت میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

''نہ ان کی یہ خواہش ۔۔۔۔ کہ ان کی محبت انکی ضرورتوں کو پورا کرے۔ متغیر ہوسکتی ہے۔''

''پس یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں ۔۔تمہاری ہی طرح ۔۔

''محبت اور محبت کی احتیاج میرے بھی دل میں ہے۔''

''اس لئے میں اس ،سکوت عظیم کے دامن میں آرام لے کر بار بار تمہاری طرف واپس آتا رہوں گا۔

وہ کہر جو طلوع آفتاب کیوقت اپنی جگہ شبنم کو چھوڑ کر اڑ جاتا ہے وہی کہر اوپر جا کر سمٹ جاتا ہے اور سمٹ کر بادل بن جاتا ہے اور بادل بن کر بار بار برستا ہے۔''

اور میرا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

''رات کی خاموشی اور تاریکی میں میں تمہاری سڑکوں پر پھرتا رہا ہوں۔''

''اور میری روح اکثر تمہارے گھروں میں داخل ہوئی ہے۔''

''اور جب تم سوئے ہوئے ہوتے تھے تو میں اکثر تمہارے سرہانے کھڑے ہو کر مسکراتا رہا ہوں۔''

''میں نے تمہارے سرہانے کھڑے ہو کر۔۔۔ جب تم سویا کرتے تھے۔۔ دعائیں مانگی ہیں۔''

''تمہارے دل میرے دل کے اندر دھڑکے ہیں۔''

''اور تمہارا سانس میرے سانس سے بغل گیر ہوتا رہا ہے۔''

''اور تمہاری نظریں میری آنکھوں میں سمائی ہیں۔''

''پس میں تم سب کو پہچانتا ہوں۔''

''میں تمہاری مسرت اور تمہارے درد سے واقف ہوں''

''سوتے میں اکثر جو خواب تم نے دیکھے وہ میرے خواب تھے جو بیداری کی حالت میں میں دیکھا کرتا تھا۔''

''اور میں تمہارے درمیان اس طرح رہا ہوں جس طرح پہاڑوں کی گود میں ایک لبریز جھیل۔''

''پہاڑ کی چوٹیوں کا عکس میں نے تمہارے اندر، تمہارے تصورات کی ڈھلوان چٹانوں پر اور تمہارے افکار اور تمہاری تمناؤں کے گزرتے ہوئے قافلوں میں پیدا کیا۔''

''میری خاموشیوں میں تمہارے بچوں کا تبسم دریا کی طغیانی کی طرح داخل ہوتا تھا اور تمہارے نوجوانوں کے ارمان موجوں کی طرح آتے تھے۔''

''اور جو میرے وجود کی گہرائیوں میں دریا اور وہ موجیں آج تک اپنا گیت گا رہی ہیں۔''

''مگر ایک چیز اور بھی۔۔۔ جو اس تبسم سے شیریں اور ان تمناؤں سے قوی تر تھی میرے اندر داخل ہوئی۔''

''وہ خود تمہارا لاانتہا وجود تھا۔''

''وہ وجود محکم۔۔۔ جس کے اندر تمہارا جسم محض مٹھی بھر گوشت اور پسوست ہے۔''

''وہ وجود جس کے ساز کے نغموں میں تمہارا ترنم ایک خفیف دھمک سے کچھ زیادہ نہیں۔''

''اسی وجود بے نہایت کے اندر تم بے نہایت اور بے کراں بن جاتے ہو۔''

''اور اسی کے اندر میں نے تمہاری اصل کو پہچانا اور اس اصل سے محبت کرنا

سیکھا۔''

''کتنے فاصلے محبت طے کرتی ہے، جب وہ اپنی منزل پر پہنچتی ہے۔''

''کونسی تمنا، کونسی توقع کونسا تصور ہے، جو اس فاصلے سے زیادہ فاصلے طے کر سکے۔''

''شاہ بلوط کے ایک دیوقامت اور استوار درخت کیطرح جس پر پھولوں کی بیل پھیلی ہوتی ہے۔تمہارے اندر وہ جو محکوم قائم ہے۔''

''اسی کی قوت تمہیں زمین پر قائم رکھتی ہے اور اسی کی مہک تمہیں خلائے بسیط میں بلند کرتی ہے۔''

''اور اسی کی ہدایت میں تم حیات جاوداں پاتیہو، تم سے کہا جا چکا ہے کہ تمہاری زنجیر کی ہر کڑی کمزور ہے۔''

''لیکن یہ تو صرف نصف حقیقت ہے۔''

''تمہاری زنجیر کی ہر کڑی جس قدر کمزور ہے اسی قدر مضبوط بھی ہے۔''

''کسی ایک حقیقت یا جزوی عمل سے تمہاری مجموعی اہلیت کا اندازہ کرنا ایسا ہے جیسے سمندر کی طاقت کا اندازہ اس کی سطح کے جھاگوں یا بلبلوں سے کیا جائے۔''

''ہاں، تم سمندر ہو۔''

''بڑے بڑے جہاز تمہارے ساحل پر مدوجزر کا انتظار کرتے ہیں۔''

''لیکن تم سمندر کی طرح اپنی حدود کے اندر بند ہو۔''

''تم اپنے مدوجزر کی رفتار کو تیز کرنے پر قادر نہیں ہو۔۔۔تاہم مدوجزر تمہارا ہے۔''

''تم دنیا کے موسموں کی مثل ہو۔''

''کہ سرما بہار کو آنے نہیں دیتا۔''

''مگر بہار اسی کے اندر بیٹھی مسکراتی ہے اور بے صبر نہیں ہوتی۔''

''یہ نہ سمجھو کہ میں یہ سب باتیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم بعد کو آپس میں ایک دوسرے سے کہو۔ دیکھا، اس نے ہماری کس قدر تعریف کی، وہ صرف ہماری خوبیوں ہی کو دیکھ رہا تھا۔''

''تم میرے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''میں درحقیقت ان ہی الفاظ میں تم سے باتیں کرتا ہوں جو خود تمہارے ہی اندر پیدا ہوتے ہیں۔''

''جن کے معنی تمہارے ہی اندر محفوظ ہیں۔''

''اور علم کا جو سرمایہ الفاظ ہمارے لئے لے کر آتے ہیں وہ ہے کیا۔؟

''اس علم کے مقابلے میں جو بغیر الفاظ کے ہم کو عطا ہوتا ہے۔''

''تمہارے اور میرے الفاظ کے ہم کو عطا ہوتا ہے۔''

''تمہارے اور میرے الفاظ یاد ماضی کے رکے ہوئے پانی کو موجیں ہیں جو عہد گزشتہ کے بند پانی میں پیدا ہوا کرتی ہیں۔''

''عہد قدیم کی تاریکیوں کی وہ موجیں ہیں جن کا دامن عہد جدید کے نور سے صرف کبھی کبھی چھو جاتا ہے۔''

''اہل عقل وفہم جن کی کشتیاں ان موجوں پر سوار آتی ہیں۔''

''تم کو اپنے عقل وفہم سے حصہ دیتے ہیں۔''

''مگر میں خود تمہاری عقل سے اپنا حصہ لینے آیا تھا۔''

''اور دیکھو، میں نے وہ پایا جو عقل وفہم سے بھی برتر اور افضل ہے۔ یعنی روح کا وہ شعلہ قدیم جو تمہارے اندر روشن ہے۔''

''تم جب اس شعلہ ازل کی وسعت سے بے خبر ہو کر اپنی عمر کے اختصار کے ماتم کرتے ہو تو نہیں سمجھتے کہ۔''

''ایک حیات تازہ ہے، ہر حیات قدیم کے ساتھ جو ان اجسام فانی میں سرگرم جستجو

ہے جو قبر کے خوف سے کانپ رہے ہیں۔''

مگر میری دنیا میں قبروں کا نام و نشان بھی نہیں۔''

''مگر میری دنیا میں نہ موت ہے، نہ قبر نہ مقبرہ نہ کفن۔''

''یہ تمہارے پہاڑ اور میدان کے گہوارے ہیں زندگی کی صرف پہلی ہی سیڑھی ہیں۔''

''جب تم ان میدانوں اور کھیتوں سے گزرو جہاں تم نے اپنے باپ دادا کو سپرد خاک کیا تھا تو تفکر کرو۔۔۔''

''تم ان میدانوں اور کھیتوں میں ماضی کو سوتے ہوئے اور مستقبل کو رقص کرتے پاؤ گے۔''

''اور مستقبل کا دامن تمہارے بچوں کے ہاتھ میں ہوگا۔''

''اکثر تم بھی رقص کرتے ہو اور طرح زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہو۔''

''مگر تم جانتے نہیں کہ رقص کے اندر بھی کچھ ہے جس کو رقص کرنا چاہیے۔''

''میرے علاوہ بہت سے تمہاری طرف آئے۔''

''جنہوں نے تم سے سنہری وعدے کئے۔''

''اور ان وعدوں کے عوض میں تم نے ان کو اپنا ایمان، اپنی دولت اور اپنی قوت نذر کر دی۔''

''میں تمہارے لئے کوئی کامل وعدہ بھی لے کر نہیں آیا۔''

''لیکن تم نے میرے ساتھ اتنا فیاضی کی جتنی کہ کبھی مجھ سے پہلے آنے والوں کے ساتھ نہ کی تھی۔''

''اس لئے کہ تم نے مجھے زندگی کا ایک عمیق تر کیف اعلیٰ عطا کیا۔''

''یقیناً کسی انسان کیلئے اس تحفے سے زیادہ قیمتی کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔''

''یعنی جب وہ تحفہ اس کی زندگی کے مقاصد کو خشک اور پیاسے ہونٹوں میں بدل دیا

اور ساتھ ہی اس کی ساری زندگی کو آبِ مصفا کا ایک چشمہ بنا دے۔"

"اور اس طرح میں نے تمہارے درمیان آبرو پائی اور انعام پایا۔"

"جب میں اس چشمے پر پیاسا آتا ہوں۔ تو میں اس کے شفاف پانی کو اپنے سے بھی زیادہ پیاسا پاتا ہوں۔"

"اس کی پیاس یہ ہے کہ وہ بے چین رہتا ہے کہ کوئی پیاسا اس کو پیئے۔ یعنی وہ مجھے پیتا ہے۔ جب میں اس کو پیتا ہوں۔"

"تم میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ میں مغرور یا شرمیلا محبوب ہوں۔"

"اور اس لئے تمہارے تحفوں کو قبول نہ کروں گا۔"

"ہاں مغرور ہوں..... جب سوال ہو تحفہ قبول کرنے کا۔"

"اور باوجود یہ کہ میں نے پہاڑیوں میں جنگلی بیر کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔"

"حالانکہ تم چاہتے تھے کہ میں تمہارے دسترخوان پر بیٹھوں۔"

"اور باوجود یکہ میں معبد کی چھوکھٹ پر سویا ہوں۔"

"حالانکہ تم بہت خوشی سے مجھے اپنے گھر کے نرم بستروں پر جگہ دیتے۔"

"لیکن کیا میرے دن اور میری رات، اور میری تکلیف اور میری راحت کے متعلق تمہاری محبت آمیز توجہ ہی وہ چیز نہیں ہے۔ جس نے ہر غذا کو میرے منہ میں شیریں بنا دیا۔ اور میری نیند کو بہت دل نواز خوابوں سے معمور کر دیا۔"

"میں تمہیں دعائیں دیتا ہوں اس لئے کہ۔"

"تم نے بہت کچھ دیا اور کبھی یہ محسوس نہ کیا کہ تم کیا کچھ دے رہے ہو۔"

"بے شک وہ کار خیر جو اپنے لئے اچھے اچھے اور شاندار نام تجویز کرتا ہے ایک لعنت اپنے بطن سے پیدا کرتا ہے۔"

"اور وہ کار خیر جو اپنے لئے اچھے اچھے اور شاندار نام تجویز کرتا ہے ایک لعنت اپنے بطن سے پیدا کرتا ہے۔"

''اور تم سے بعض نے مجھے خلوت پسند سمجھا۔۔ گویا کہ میں نے اپنی تنہائی میں مست ہوں۔''

''انہوں نے کہا، یہ شخص تو جنگل کے درختوں سے بیٹھا ہو مشورے کیا کرتا ہے اور انسانوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''یہ تو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر ہماری بستی کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔''

''یہ تو غاروں میں اپنی دنیا ہم سے الگ بناتا ہے۔''

''یہ سچ ہے کہ میں پہاڑوں پر چڑھتا اور تنہائی کے دور دراز مقامات پر پھرا کرتا تھا۔''

''مگر میں تم کو کیوں کر دیکھ سکتا۔۔۔ کیونکر تمہارا مطالعہ کر سکتا اگر تم کو بلندی اور فاصلے سے نہ دیکھتا۔۔''

''کوئی کیونکر کسی کے قریب ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ اس سے دور نہ ہو۔''

''اور یہ بھی سچ ہے کہ میں جنگل کے درختوں سے مشورے کرتا رہا اور غاروں کی تاریکی میں بیٹھا رہا۔''

''مگر درخت تو فطرت کی اولاد نرینہ ہیں۔۔۔ ان سے بہتر فطرت سے واقف ہے۔ اور ان سے بہتر کون میرے اور فطرت کے درمیان واسطہ بن سکتا تھا۔''

''اور غاروں کی تاریکی میں میں نے جو کچھ تمہارے متعلق دیکھا اور تمہارے گھروں کی روشنی میں میں کیونکر دیکھ سکتا۔''

اور بعض نے تم میں سے مجھے پکارا۔۔ زبان سے نہیں کسی اور طرح۔''

''اے اجنبی عسیر الحصول بلندیوں کے تمنائی تو ان چوٹیوں پر کیوں بیٹھا ہے جہاں عقاب اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔''

''تو اس جستجو میں کیوں سرگرداں ہے جو دسترس سے باہر ہے۔''

''کیا تو طوفان کو اپنی گود میں پکڑ کر بٹھا لینا چاہتا ہے۔''

''کیا تو آسمان کے تیز پرندوں کو اپنا جال میں پھنسا چاہتا ہے۔''

''نیچے، چوٹیوں سے اتر ہمارے اندر شامل ہو جا۔۔۔

''اپنی بھوک کو ہماری روٹی سے مٹا۔''

''اور اپنی پیاس کو ہماری شرفب سے تسکین دے۔۔''

''انہوں نے اپنی روح کی خلوت میں یہ باتیں کہیں۔''

''مگر وہ باتیں کس طرح میرے کانب تک بھی پہنچیں۔''

''میں نے دیکھا کہ انکی خلوت کامل نہیں تھی۔''

''اگر وہ کامل ہوتی تو وہ معلوم کر لیتے کہ جس چیز کی جستجو مجھے آوارہ کر رہی تھی۔ وہ تمہاری ہی عافیت اور تمہارا ہی درد تھا۔''

''اور میں تمہارے ہی اس وجود حقیقی کو ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ جو آسمان پر کھیلتا ہے۔''

''مگر شکاری خود بھی شکار تھا۔''

''اس لئے کہ میرے بہت سے تیر میری کمان سے نکل کر میرے ہی سینے میں لوٹ آئے۔''

''اور ان جس کو تم ہوا پر دوڑتے دیکھتے تھے وہ زمین پر بھی رینگتا تھا۔''

''اس لئے کہ جب میرے پر آسمان پر پھیلتے تھے تو اس کا سایہ زمین پر ایک کچھوے کی طرح حرکت کرتا تھا۔''

''اور میں جو ایمان والا تھا متزبزب بھی تھا۔''

''اس لئے کہ اکثر نے اپنی انگلی اپنے ہی زخم کے اندر ڈالی۔''

''تا کہ میں تمہارے حال سے زیادہ واقف ہو سکوں۔''

''اور آج اس علم کی بنا پر جو مجھے حاصل ہوا ہے میں کہتا ہوں کہ۔''

''غاروں کی تاریکی اور پہاڑوں کی چوٹیاں اور عقاب کے گھونسلوں تمہای دسترس سے بھی باہر نہیں ہیں۔'

''مگر یہ بات تمہیں معلوم نہیں۔''

''بلکہ وہ جو تمہارا وجود حقیقی ہے وہ پہاڑوں سے بلند تر اور ہوا سے وسیع تر ہے۔''

''وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو سردی سے بچنے کیلئے دھوپ میں رینگتی ہو یا اپنی حفاظت کے لئے تاریک سوراخوں میں گھس جاتی ہو۔''

''بلکہ وہ چیز وہ آزاد روح، کچھ ایسی ہے کہ دنیا کو اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔۔۔ رنج، غم مسرت، راحت درد، محبت، دشمنی سبکو اپنے پروں پر لپیٹے ہوئے آکاش میں ہر لمحہ متحرک ہے۔''

''اور اگر تم کہتے ہو کہ میرے یہ الفاظ مبہم اور مجمل ہیں۔''

''تو ان کو یوں ہی رہنے دو۔''

''ان کو واضح کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو۔''

''یہ الفاظ اپنے معانی کا دفتر خود ہی تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے۔''

''الفاظ بھی انسانوں کی طرح ایک زندگی رکھتے ہیں۔

''اور ان کی زندگی میں ایک وقت ضرور آتا ہے جب وہ خود ہی عریاں ہو جاتے ہیں۔''

''ہر چیز کی ابتداء مبہم اور دھانی ہوتی ہے۔''

''آغاز کی صورت غیر معین ہوتی ہے۔''

''ایک سایہ ہوتا ہے ایک دھواں ہوتا ہے جسم اور صورت سے محروم۔''

''مگر اس آغاز کا انجام ایسا نہیں ہوتا۔''

''وہ مبہم اور دھانی حالت میں ایک صورت حاصل کرتی ہے۔''

''اور پھر ایک دن وہ صورت تکمیل ہوتی پاتی ہے۔''

''پس میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے محض اپنی ابتداء سمجھ کر یاد رکھو۔''

''اور تنہا کا، صبر اور ایمان کے ساتھ انتظار کرو۔''

''زندگی کا سارا تماشہ ایک ظلمت عدم میں پیدا ہوتا ہے۔''

''اور کوئی ایسا آئینہ نہیں جس میں اس کا آغاز اپنا عکس ڈال سکے۔''

''مگر آئینہ ظلمت کے انحطاط کی ایک منزل ہے۔''

''اس منزل کے آگے ایک نور ہے۔۔۔پھر ایک نور۔۔پھر ایک اور نور۔''

''یہ سب منزلیں تمہاری زندگی کی ہیں۔''

''اور جب تم مجھے یاد کرو تو میں چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ بھی یاد رہے۔''

''کہ تمہارے اندر جو عنصر سب سے زیادہ کمزور اور منتشر نظر آئے وہی سب سے زیادہ قوت اور استحکام کی علامت ہے۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تمہارے گوشت و پوست کو جو سبتا تمہارے جسم کا قوی ترین حصہ ہے تمہارا سانس قوی بناتا ہے اور قوت بخشتا ہے۔''

''مگر سانس ہی بظاہر سب سے زیادہ کمزور اور غیر استوار ہے۔''

''اور وہ جس نے تمہارے شہروں اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس سب کی بنیاد ڈالی تھی کیا محض ایک خواب نہ تھا۔''

''جس کو تم سب بھول گئے۔''

''اور اسی خواب کی ریشمی ڈوری یہ تمہارا سانس ہے۔''

''اگر تم سانس کے مدوجزر کو سمجھ سکو تو پھر تم کسی چیز کی جستجو نہ کرو گے۔''

''تمہارا عمل مکمل ہو جائے گا۔''

''اور اگر تم خواب آغاز کی اسی ڈوری کو اپنی عقل کی انگلیوں میں پھانس لو تو پھر تمہاری کوئی حاجت باقی نہ رہے گی۔''

''مگر ابھی تم نہ دیکھتے ہو نہ سنتے ہو، نہ دیکھ سکتے ہو نہ سن سکتے ہو۔''

''اور بہتر بھی یہی ہے۔

''جو نقاب تمہاری آنکھوں پر پڑی ہوئی ہے اس کو وہی اٹھائے گا جس نے ڈالا

تھا۔"

"اور جو مٹی تمہارے کانوں میں بھری ہوئی ہے اس کو اسی ہاتھ کی انگلیاں نکالیں گی جس نے وہ مٹی بھری تھی۔"

"پھر وقت آئے گا کہ۔"

"تم دیکھو گے۔"

"اور تم سنو گے۔"

"اور اس وقت تم کو کچھ افسوس نہ ہو گا کہ تمہاری نظر کیوں کمزور تھی اور تم کیوں بہرے تھے۔"

"اس لئے کہ اس دن موجودات کا راز تم پر واضح ہو جائیگا۔"

"تمہیں اپنے آغاز خفی کا انجام جلی معلوم ہو جائے گا۔"

"اور تم ظلمت کو بھی۔۔ جو تمہارا آغاز تھا۔۔ اتنا ہی مبارک و مسعود سمجھو گے جتنا کہ نور کو۔۔ جو تمہارا انجام ہے۔"

(29)

یہ سب کچھ کر اس نے اپنے گرد نظر کی۔

اس نے دیکھا کہ اس کے جہاز کے ملاح اپنے چپوؤں پر ہاتھ رکھے کھڑے ہیں۔

اور کبھی کھلے ہوئے بادبانوں کی طرف دیکھتے ہیں۔

اور کبھی سمندر کی وسیع سطح پر اپنی حد نظر تک۔

اور پھر اس نے کہا۔

میرے جہاز کا ناخدا کس قدر صبر والا ہے۔

باد موافق چل رہی ہے۔

چپو ساکت ہیں اور ہاتھ کا اشارہ چاہتے ہیں۔

مگر وہ خاموشی کیساتھ میرا انتظار کر رہا ہے۔

میرے تمام ملاحوں نے جن کے کان سمندر کی موسیقی سے آشنا ہیں کس قدر توجہ سے میری سب باتیں سنی ہیں۔

اب میں ان کو زیادہ انتظار نہ کراؤں گا۔

میں تیار ہوں۔

''پہاڑیوں کا چشمہ سمندر تک پہنچ گیا۔

''اور بچہ اپنی ماں کی گود میں واپس جاتا ہے۔''

''رخصت۔ اے اہل حرفہ،، آج کا دن ختم ہوا۔

''اور اگر آج کا ایک دن ہمارے لئے کافی نہ تھا۔''

''تو ہم پھر ادھر آئیں گے۔

''پھر ملیں گے۔''

''اور پھر سب مل کر داتا کیسامنے ہاتھ پھیلائیں گے اور کہیں گے۔''

''اور دے اور بہت سا دے اے داتا، ابی کاسہ بھرا نہیں ابھی جھولی خالی ہے۔''

''پس بھول نہ جانا میں پھر تمہارے پاس آوں گا۔

''کچھ عرصہ بعد چند ہی روز بعد۔

''میرا ذوق پھر ایک جسم کی ترتیب کے لئے خاک اور جھاگ کا خمیر تیار کرے گا۔

''

''اور چند ہی روز بعد،، جب میں آکاش کے کاندھے پر ایک لمحہ آرام سے چلوں گا۔''

''پھر ایک عورت مجھے اپنے بطن سے پیدا کرے گی۔''

''رخصت، رخصت تم اور اس جوانی سے جو میں نے تمہارے ساتھ بسر کی رخصت۔''

''کل ہی تو ہم سب کو ایک عالم رویا میں ایک دوسرے سے آشنا ہوئے تھے۔''

''تم اپنی تنہائی میں میرے لئے اپنے گیت گا رہے تھے۔''

''اور میں تمہارے لئے آسمان پر ایک مینار بنا رہا تھا۔''

''آج ہم بیدار ہو چکے ہیں اب ہماری نیند باقی نہیں اور سورج اونچا ہو چکا ہے۔''

''دن ڈھلنے لگا اور اس لئے ہم کو جدا ہونا ضرور ہے۔''

''مگر اس ماضی کی ہلکی روشنی میں ہم پھر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں گے۔''

''پھر بہت سی باتیں کریں گے۔''

''پھر تم میرے لئے اپنا گیت گاؤ گے۔ پہلے گیت سے بھی زیادہ دل نواز۔''

''اور پھر میں تمہارے لئے آسمان پر ایک مینار بناؤں گا۔ پہلے مینار سے بھی بلند تر۔''

''یہ کہہ کر اس نے ملاحوں کی طرف اشارہ کیا۔''

(30)

ملاحوں نے لنگر اٹھا لیا۔

اور جہاز مشرق کی طرف حرکت کرنے لگا۔

اس وقت بستی والوں کے مجمع سے ایک شور بلند ہوا جو رات کی ابتدائی ظلمت کے سینے کو چیرتا ہوا سمندر کی سطح پر گزر گیا۔

صرف ایک عورت عارفہ جو خاموش تھی۔ اس کے لبوں سے نہ کوئی آہ نکلی۔

نہ اس نے حرف وداع زبان سے نکالا۔

''اس کی آواز نے بستی والوں کی آواز میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔''

''وہ جہاز کے بادبانوں پر نظر جمائے رہی تا کہ آنکہ وہ کہر میں غائب ہو گئے۔''

''اور جب سب لوگ منتشر ہو گئے تب بھی وہ دیر تک ساحل پر کھڑی رہی۔''

''اور اس کا دل گئے ہوئے مسافر کے ان الفاظ کو بار بار دہراتا تھا۔''

''چند ہی روز بعد۔۔ جب میں آکاش کے کاندھے پر ایک لمحہ آرام لے چکوں گا۔۔ پھر ایک عورت مجھے اپنے بطن سے پیدا کرے گی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

زرد پتے

(۱)

شیخ عباس شمالی لبنان کے ایک گاؤں میں رہتا تھا۔غریب دیہاتوں پر اسے وہی اقتدار حاصل تھا جو رعایا پر بادشاہ کو ہوتا ہے۔ان کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں ایک مکان ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بالشتیوں کے بیچ میں کوئی دیو کھڑا ہے۔اس کا طرز زندگی ،قدر ممتاز تھا جس قدر ممتاز غریبی سے امیری ہوتی ہے اور اس کا اخلاق ان کے اخلاق سے اسی حد تک مختلف تھا جس حد تک طاقت کمزوری سے مختلف ہوتی ہے۔

اگر شیخ عباس ان بے مایہ کسانوں سے کوئی بات کہتا تو وہ سر تسلیم اس طرح خم کر دیتے گویا ان کی تمام عقلی قوتیں تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہیں اور اس کی زبان انہیں کی ترجمانی کر رہی ہے اور اگر ان پر ناراض ہوتا تو مارے خوف کے لرزنے لگتے اور اس کے سامنے سے اس طرح بھاگتے جیسے خزاں کے زرد پتے ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر اڑتے ہیں۔وہ اگر کسی کے کلے پر طمانچہ مار دیتا تو پٹنے والا شخص اور بے حس وحرکت کھڑا رہتا گویا یہ آفت آسمانی آفت تھی۔اس لئے آنکھ اٹھا کر یہ دیکھنے کی جرات کرنا کہ طمانچہ کس نے مارا ہے۔کفر ہے اور اگر وہ کسی پر مسکرا دیتا تو سب کہتے:

''یہ نوجوان کتنا خوش نصیب ہے کہ شیخ عباس اس پر مہربان ہو گیا۔''

ان غریبوں میں شیخ عباس کی اطاعت کا یہ جذبہ اور اس کی سنگ دلی کا اس درجہ خوف صرف اس وجہ سے تھا کہ شیخ طاقتور تھا اور وہ کمزور بلکہ اس کا ایک سبب ۔۔اہم سبب ۔۔یہ بھی تھا کہ وہ غریب تھے اور شیخ کے دست نگر۔۔جن زمینوں میں وہ کھیتی باری کرتے اور جن جھونپڑیوں میں وہ رہتے سہتے تھے،وہ سب شیخ عباس کی ملکیت تھیں۔اسے یہ تمام جائیداد اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی تھی جس طرح ان غریبوں کو اپنے باپ دادا سے محتاجی و بدبختی ورثہ میں ملی۔وہ اس کی نگرانی میں زمین

بوتے اور جوتتے تھے اور اس کی نگرانی میں کھیت کاٹتے تھے لیکن اپنی ساری محنت و مشقت کا معاوضہ انہیں کیا ملتا تھا، تھوڑا سا غلہ جو انہیں بھوک کے چنگل سے بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ ان میں سے اکثر تو جاڑوں کا طویل موسم ختم ہونے سے پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہو جاتے اور ایک دینار یا ایک مکیال گندم قرض لینے کے لئے یکے بعد دیگرے شیخ کیسامنے جا کر روتے اور گڑگڑاتے تھے۔ شیخ عباس انکی ضرورت خوشی خوشی پوری کر دیتا کیونکہ جانتا تھا کہ آئندہ فصل پر ایک دینار کے دو دینار ہو جائیں گے اور ایک مکیال گندم کے دو مکیال۔

اس طرح وہ قسمت کے مارے شیخ کے قرض تلے دبے رہتے تھے۔ اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور تے۔ اس کے غیظ و غضب سے کانپتے اور اس کی رضا جوئی کے طلب گار رہتے تھے۔

(2)

موسم سرما آندھیوں اور برف باریوں کو ہمیشہ کی طرح اپنے جلو میں لے آیا۔ کھیتوں اور وادیوں میں کائیں کائیں کرتے کوؤں اور بے برگ و بار درختوں کے سوا کچھ نہ رہا۔ اس گاؤں کے غریب باشندے نے شیخ عباس کے اجناس خانوں کو غلے سے اور مٹکوں کو انگور کے رس سے بھر کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ لے دب کے اب انہیں ایک اکام یہی کام رہ گیا تھا۔ کہ الاؤ کے پاس بیٹھ کر بیتی باتیں یاد کریں۔ ادھر ادھر کے واقعات ایک دوسرے کو سنا کر زندگی کے دن بسر کریں۔

دسمبر کا مہینہ اور اس کے ساتھ بوڑھا سال خاکستری فضا میں اپنے آخری ٹھنڈے سانس بھر کر گزر گیا اور وہ رات آ گئی جس میں زمانہ نئے سال کے بچہ کو تاج پہنا کر ہستی کے تخت پر بٹھاتا ہے۔

مدہم روشنی روپوش ہو گئی اور تاریکیوں نے وادیوں میں اپنی چھاؤنی بنالی۔ برف شدت سے پڑھنے لگی اور ہوا برف کو اپنے ساتھ لے ہانپتی کانپتی پہاڑ کی بلندیوں

سے نیچے اترنے لگی تا کہ نشیبی حصوں کو پر کر دے۔ درخت اس کی ہیبت سے کانپنے لگے اور زمین اس کے قدموں میں تڑپنے لگی۔ ہوا کے جھونکوں نے اس دن کی پڑی ہوئی اور اس رات کی پڑنیوالی برف کو گڈمڈ کر دیا۔

یہاں تک کہ میدان نیلے اور راستے اور سفید صفحہ کی مثال ہو گئے۔ جس پر موت مبہم سطریں لکھتی ہے اور مٹا ڈالتی ہے۔ کہر نے وادی کے کنارے پھیلے ہوئے گاؤں کو ایک دوسری سے الگ کر دیا۔ مکانوں اور جھونپڑیوں کی کھڑکیوں سے آتی ہوئی مدہم روشنیاں چھپ گئیں۔ کسانوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ مویشی چارہ کی ناندوں کے قریب ہو بیٹھے۔ کتے کونے کھدروں میں جا چھپے اور رسائیں سائیں کرتی ہوئے ہوا کے سوا جو غاروں کے کانوں میں گونج رہی تھی، کچھ باقی نہ رہا۔ چنانچہ اس کی ہیبت ناک آواز وادی کی گہرائیوں سے اٹھتی اور پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی۔ گویا فطرت بوڑھے سال کی موت پر غضب ناک ہے اور جھونپڑیوں میں چھپی ہوئی زندگی سے ان کا انتقام لینے کے لئے کھڑی ہو گئی ہے۔ پالے کا جاڑ اور شدید خنکی اس کے ہتھیار ہیں جن کے ذریعے وہ دشمن پر حملہ کر رہی ہے۔

اس خوف ناک رات اور اس ہیجان انگیز فضا میں ایک بائیس سالہ نوجوان اس چڑھائی پر جا رہا تھا جو قز حیا کے ہیکل سے شیخ عباس کے گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ سردی نے اس کے جوڑ جوڑ کو خشک کر دیا تھا۔ بھوک اور خوف نے اس کی قوتیں سلب کر لی تھیں۔ اور برف نے اس کے سیاہ کپڑوں کو اس طرح چھپا دیا تھا گویا اسے مرنے سے پہلے ہی دفنا دینا چاہتی ہے۔ وہ آگے قدم بڑھاتا تھا لیکن ہوا اسے پیچھے دھکیل دیتی تھی۔۔ یعنی نہیں چاہتی تھی کہ اسے زندہ مخلوق کے مکانوں میں دیکھے۔ دشوار گزار راستہ اس کے پاؤں پکڑ لیتا تھا۔ وہ دو چار قدم چلتا اور گر پڑتا۔ اٹھا اور مدد کے لئے چلاتا۔ سردی کے مارے اسکی آواز بیٹھ جاتی اور وہ خاموش و لرزاں کھڑا ہو جاتا۔ گویا جنگ آزما عناصر کے مقابلے میں اس کی وہی حیثیت ہے جو گہری غم او

رانتہائی مایوسی میں کمزور کی امید کی ہوتی ہے یا پھر یہ کہ وہ ایک شکستہ چڑیا تھا، جو دریا میں گر پڑے اور تند تیز موجیں اسے گہرائیوں میں لیجائیں۔

نوجوان چلتا رہا موت اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ آخر کار اسکی قوتیں جواب دے گئیں۔ ارادہ میں اضمحلال پیدا ہو گیا۔ خون رگوں میں جم گیا اور وہ برف میں گر کر خوف ناک آواز میں چلانے لگا جس اس کے جسم کی باقی ماندہ قوت حیات کی حامل تھی۔۔ اس خوف زدہ کی آواز تھی جو موت کے سائے کو اپنے سامنے کھڑا دیکھے۔۔ اس مایوس مرنے والے کی آواز تھی جسے تاریکی فنا کر دے اور آندھی کا ایک جھکڑ جہنم میں پھینکنے کے لئے اڑا لے جائے۔

(3)

اس گاؤں کی شمالی جانب، کھیتوں میں ایک چھوٹی سی تنہا جھونپڑی تھی جس میں راحیل نامی ایک عورت اپنی بیٹی مریم کے ساتھ رہتی تھے۔ جس کی عمر اٹھارہ برس سے زیادہ تھی۔ راحیل سمعان کی بیوہ تھی جو پانچ برس ہوئے جنگل میں مقتول پایا گیا لیکن قاتل ہنوز لاپتہ تھا۔

دوسری مفلس بیواؤں کی طرح راحیل بھی زندہ رہنے کے لئے محنت مزدوری کرتی تھی چنانچہ فصل کٹنے کے زمانہ میں وہ گھر سے نکلتی اور کھیتوں میں جا کر گندم کے بچے کچے دانے سمیٹتی۔

خزاں کا موسم آتا تو باغوں میں پڑے ہوئے پھل جمع کرتی اور سردیوں میں چرخہ کاتتی چند پیسوں یا سیر سوا سیر جو کے عوض کپڑے سیتی۔ اس کے تمام کام صبر، استقلال اور توجہ سے انجام پاتے تھے۔

اس کی بیٹی مریم حسین و خاموش طبع لڑکی تھی جو کام کاج اور گھر داری میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی۔

اس خوف ناک رات میں، جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ راحیل اپنی بیٹی کیساتھ

آتش دان کے پاس بیٹھی تھی۔ جس کی حرارت پر سردی نے غلبہ پا لیا تھا اور دہکتے ہوئے انگاروں کو راکھ نے چھپا دیا تھا۔ ان کے سروں نے نزدیک ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا، جس کی کمزور شعاعیں تاریکی کے دل میں در آ رہی تھیں۔ جس طرح دعا کے وقت غمزدہ، مفلس کے کلیجہ میں تسکین کی پرچھائیاں در آتی ہیں۔

رات آدھی ہوگئی۔ وہ دونوں بیٹھی باہر سنسناتی ہوئی ہوا کا شور سن رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لڑکی اٹھتی، چھوٹی سی کھڑکی کھول کر تاریک فضا کو دیکھتی اور پھر عناصر کی غضب ناک سے ڈرتی، گھبراتی، اپنی جگہ آ کر بیٹھ جاتی۔

ایک دفعہ لڑکی چونکی۔ گویا گہری نیند سے بیدار ہوئی ہے اور خوف زدہ ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرا کر کہنے لگی۔

اماں سنا، کوئی آدمی مدد کے لئے چلا رہا ہے۔

ماں نے اپنا سر اٹھایا اور تھوڑی دیر کان لگانے کے بعد بولی۔

نہیں بیٹی ہوا کی سنسناہٹ کے سوا کوئی آواز مجھے نہیں سنائی دیتی۔

لڑکی نے کہا۔

''میں نے ابھی ایک آواز سنی ہے جو ہوا کی سنسناہٹ سے زیادہ گہری اور آندھی کے شور سے زیادہ تلخ تھی۔''

یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول کر تھوڑی دیر کان لگائے اس کے بعد بولی۔

''اماں، وہ آواز پھر میرے کانوں میں آئی ہے۔''

ماں یہ کہتی ہوئی بے چین ہو کر کھڑکی کی طرف دوڑی۔

''ہاں، اب کے میں نے بھی سنی ہے۔ آؤ دروازہ کھول کر دیکھیں۔ کھڑکی بند کر دو۔ کہیں چراغ ہوا سے بجھ نہ جائے۔

یہ کہہ کر ایک لمبیل سے چادر لپٹی اور دروازہ کھول کر ہمت اور احتیاط سے قدم باہر نکالا۔ مریم دروازہ پر کھڑی رہی۔ ہوا کی موجیں اس کے کندھے ہوئے سر کے

بالوں سے کھیل رہی تھیں۔

راحیل برف کو اپنے قدموں سے پھاڑتی، چند قدم چلی اور کھڑی ہو کر پکارنے لگی۔

یہ کون چلا رہا ہے؟ مدد کے لئے پکارنے والا کہاں ہے۔''

کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے دو تین بار یہی الفاظ دہرائے اور جب بگولوں کے شور کے سوا کوئی جواب نہ ملا تو ہوا کے تند و تیز جھونکوں سے اپنا چہرہ بچاتی اور ادھر ادھر دیکھتی، دل کڑا کر کے آگے بڑھی، وہ تیر کی سی تیزی سے چلی جا رہی تھی کہ اس نے برف پر کسی کے پاؤں کے نشانات دیکھے۔ اس خوف سے کہ ہوا انہیں کہیں مٹا نہ دے۔ وہ انتظار و اضطراب کے عالم میں انتہائی سرعت کے ساتھ نقوش قدم کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک جسم برف پر اس طرح پڑا ہے جیسے سفید کپڑے پر سیاہ پیوند لگا ہو۔ وہ آگے بڑھی اور اس پر سے برف ہٹائی۔ اس کے سر کو اپنے گھٹنوں کا سہارا دے کر اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا اور یہ دیکھ کر کہ اس کا دل بہت ہی آہستہ سہی لیکن دھڑک رہا ہے جھونپڑی کی طرف منہ کیا اور چلائی۔

''آؤ مریم میری مدد کے لئے آؤ، میں نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔''

مریم گھر سے نکلی اور سردی اور خوف سے کانپتی ہوئی اپنی ماں کے نقش قدم پر ہو لی۔ جب وہ اس جگہ پہنچی وہ ایک نوجوان کو برف پر بے حس و حرکت پڑے دیکھا تو آہ بھر کر درد و غم سے چلا اٹھی۔ راحیل نے اجنبی کی دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کر کہا۔

ڈرو نہیں بیٹی یہ زندہ ہے۔ اس کے دامن دونوں طرف سے پکڑ لو تا کہ ہم اسے گھر لے چلیں۔

ان دونوں عورتوں نے جوان کو اٹھایا۔ ہوا انہیں بڑھنے سے روک رہی تھی اور برف ان کے قدم پکڑے لیتی تھی۔ گھر پہنچ کر انہوں نے اسے آتش دان کے پاس

لٹا دیا۔ ماں اسے کے جڑے ہوے اعضاء کی مالش کر کے انہیں گرمی پہنچانے لگی اور بیٹی اپنے دامن سے اس کے گیلے کپڑوں اور ٹھنڈی انگلیوں کو خشک کرنے لگی۔ چند منٹ کے بعد اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے قدرے حرکت کی۔ پلکیں ہلیں اور اس نے ایک گہری آہ بھری۔ جس نے دردمند عورتوں کے دل میں اس کی صحت و سلامتی کی امید پیدا کر دی۔ مریم نے اس کے ٹوٹے ہوئے جوتے کے بند کھولنے اور بھیگی ہوئی عباء کو اتارنے کے بعد کہا:

''اماں اس کے لباس کو دیکھنا، پادریوں کے لباس سے کتنا ملتا ہے۔''

راحیل نے تھوڑی سی خشک لکڑیاں آتش دان میں ڈالتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور تعجب سے کہنے لگی:

''پادری ایسی خوف ناک رات میں گرجا سے نہیں نکلا کرتے۔ پھر کیا بات ہے جو اس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا؟

لڑکی نے شبہ دور کرتے ہوئے کہا:

''مگر اماں، اس کے تو داڑھی مونچھیں کچھ نہیں حالانکہ پادریوں کی ڈاڑھی تو بڑی گھنی ہوتی ہے۔

ماں نے نوجوان کی طرف دیکھا۔ مادرانہ شفقت اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اس نے کہا:

''بیٹی اس کے پاؤں اچھی طرح خشک کر دو۔ خواہ یہ پادری ہو یا مجرم،

راحیل نے لکڑی کی الماری کھول کر اس میں سے ایک چھوٹی سی ٹھلیا نکالی جو شراب سے بھری ہوئی تھی اور تھوڑی سی شراب ایک مٹی کے آبخورہ میں نکال کر اپنی بیٹی سے کہنے لگی۔

''مریم ذرا اس کے سر کو سہارا دینا میں نے اسے تھوڑی سی شراب پلانا چاہتی ہوں تا کہ اس کے جسم میں ذرا گرمی آئے۔

راحیل نے آبخورہ کا کنارہ نوجوان کے ہانٹوں سے لگایا اور تھوڑی سی شراب اسے پلائی۔

نوجوان نے بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور پہلی مرتبہ اپنے بچانے والوں کو دیکھا۔ ایک لطیف اور غمگین نظر سے جو حسین معرفت اور شکریئے کے ساتھ ساتھ نکل رہی تھی۔۔ اس شخص کی نظر سے جو موت کے چنگل سے بچ جانے کے بعد زندگی کا لمس محسوس کرے۔۔ نا امیدی کے بعد امین کی نظر سے۔۔ اس کے بعد اس نے اپنی گردن جھکائی اور اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے یہ کلمے ادا ہوئے:

''اللہ تم دونوں کو برکت عطا کرے۔''

''بیٹا جب تک تم میں اچھی طرح طاقت نہ آ جائے، باتوں سے اپنا جی ہلکان نہ کرو اور خاموش رہو۔''

اور مریم بولی!

''بھائی اس تکیہ کا سہارا لے لو اور انگیٹھی سے ذرا قریب ہو جاؤ۔''

نوجوان نے آہ بھرتے ہوئے تکیہ کا سہارا لیا اور تھوڑی دیر بعد راحیل نے شراب سے گلاس بھر کر اسے دوبارہ پلایا پھر اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی:

اس کی عباء کو سکھانے کے لئے انگیٹھی کے قریب رکھ دو۔''

مریم نے عباہ کو آگ کے پاس رکھ دی اور پھر بیٹھ کر اسے شفقت و ہمدردی سے دیکھنے لگی۔

گویا اپنی نگاہوں سے اس کے کمزور جسم یں حرارت اور قوت پھونک دینا چاہتی ہے۔

راحیل دو روٹیاں اور شہد سے بھرا ہوا پیالہ لے کر آئی جس میں تھوڑے سے خشک پھل بھی تھے اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے چھوٹے نوالے بنا کر اسے کھلانے لگی جس طرح ماں اپنے بچے کو کھلاتی ہے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب نوجان نے ذرا بشاشت محسوس کی تو فرش پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے زرد چہرے پر آگ کی گلابی شعاعیں پڑ رہی تھیں او اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ سر ہلاتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔

''رحم اور بے رحمی انسان کے دل میں اسی طرح جنگ آزما رہتے ہیں جیسے اس رات کی تاریک فضا میں عناصر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں لیکن رحم بے رحمی غالب آئے گا۔ اس لئے کہ وہ صفات خداوندی میں سے ہے او رصبح ہونے پر اس رات کی خوف ناکیاں ختم ہو جائیں گی۔''

نوجوان ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا اور اس کے بعد دھنسی ہوئی آواز میں جو بڑی مشکل سے سنائی دی رہی تھی۔ کہنے لگا۔

''انسانی ہاتھ سے مجھے موت کے منہ میں دھکیلا اور انسانی ہاتھ نے مجھے بچایا۔ کتنی شدید ہے انسان کی بے رحمی اور کتنی بے پناہ ہے اس کی شفقت و مہربانی۔''

راحیل نے ایک آواز میں جس میں سکون کی شیرینی کے ساتھ مادرانہ محبت شامل تھی، کہا

''بیٹا ایسی خوف ناک رات میں تم نے گرجا سے نکلنے کی جرات کیسے کی جس سے ڈر کر بھیڑیئے غاروں میں بیٹھ گئے اور عقاب چٹانوں میں جا چھپے۔''

نوجوان نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گویا پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے دل کی گہرائیوں میں لوٹا دینا چاہتا ہے۔ اس کے بعد کہا۔

''لومڑیوں کیلئے بھٹ ہیں اور پرندوں کے گھونسلے لیکن آدم کی اولاد کیلئے کہیں سر ٹکانے کی جگہ نہیں۔''

راحیل نے کہا۔

''یہی بات مسیح ناصری نے اپنی متعلق کہی تھی۔ جب ایک حواری نے ہر حال میں ان کے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی تھی۔''

نوجوان نے جواب دیا۔

''اور یہی بات ہر وہ شخص کہے گا جو اس جھوٹ، ریا کاری اور فتنہ فساد سے بھرے ہوئے زمانہ میں حق وصداقت کی پیروی کرنی چاہے گا۔''

راحیل خاموش ہوگئی اور اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر تردد آمیز لہجہ میں بولی:

''لیکن گرجا میں تو بہت سے بڑے بڑے کمرے ہیں، سونے چاندی سے لبریز خزانے ہیں، غلہ اور شراب سے بھرے ہوئے قبے ہیں، موٹے تازے میڈھوں اور بچھڑوں سے بھری ہوئی باڑیں ہیں اور پھر ایسی کیا بات ہے جو تم یہ ساری چیزیں چھوڑ کر اس ڈراؤنی رات میں گرجا سے نکلے؟''

نوجوان نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا:

''میں نے ان تمام چیزوں پر لات ماری دی اور گرجا سے نکل آیا۔''

راحیل نے کہا:

''راہب گرجا میں ایسا ہے جیسے میدان جنگ کا سپاہی۔ اس کا سردار اسے برا بھلا کہتا ہے اور وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے اسے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے بلکہ میں نے یہ سنا ہے کہ آدمی، اس وقت تک راہب ہو نہیں سکتا، جب تک ارادہ فکر، رغبت اور نفس کی ہر خواہش سے بے تعلق نہ ہو جائے نیز یہ کہ نیک بشپ اپنے حلقہ بگوشوں سے کوئی ایسا کام نہیں لیتا جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ پھر قزحیا کے بشپ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ تم اپنی زندگی آندھیوں اور برف باریوں کے حوالے کر دو۔''

نوجوان نے جواب دیا:

''کوئی شخص اپنے مذہبی پیشوا کے نزدیک راہب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس اندھے اور بہرے آلے کی شان نہ ہو جائے جس میں ہو نہ قوت۔ میں گرجا سے اسی لئے نکلا

کہ اندھا آلہ نہ تھا بلکہ دیکھنے اور سننے والا انسان تھا۔

راحیل اور مریم اسے غور سے دیکھنے لگیں۔ گویا انہوں نے اس کے چہرے پر ایک مخفی راز پالیا ہے جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماں نے متعجب ہوتے ہوئے پوچھا:

''کیا دیکھنے اور سننا والا انسان ایسی رات میں نکل سکتا ہے جو آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کر دے۔''

نوجوان نے ایک آہ بھری اور اپنا سر سینہ کی طرف جھکا دیا۔ گہری آواز میں اسنے کہا۔

''مجھے گرجا سے نکال دیا گیا۔''

راحیل نے خوف زدہ لہجہ میں پوچھا:

''نکالا دیا گیا''

یہی الفاظ ایک آہ کے ساتھ مریم نے دہرائے۔

نوجوان نے اپنا سر اٹھایا، ان دونوں پر حقیقت کے اظہار سے وہ شرمندہ تھا۔

اسے خوف تھا، کہیں اس کے حال پر ان کی مہربانی نفرت اور حقارت سے نہ بدل جائے لیکن اس نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں شوق دریافت کے ساتھ شفقت کی شعاعیں موجیں مار رہی ہیں۔ گھٹی ہوئی آواز میں اس نے کہا:

''ہاں مجھے نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ میں اپنے ہاتھوں اپنی قبر نہ کھود سکا۔ اس لئے کہ میرا دل جھوٹ اور ریاکاری کی پیروی سے اکتا گیا۔ اس لئے کہ میرے نفس نے فقیروں اور مسکینوں کے مال سے گلچھرے اڑانا گوارا نہ کیا۔ اس لیے کہ میری روح جہالت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوموں کی خیرات کو اپنی خوش کامی کا ذریعہ بنانے سے باز رہی۔۔ مجھے گرجا سے نکال دیا گیا اس لئے کہ میرے جسم نے ان وسیع کمروں میں کوئی راحت نہ پائی جنہیں جھونپڑیوں میں رہنے والوں نے تعمیر

کیا ہے۔ اس لیے کہ میرے خوف نے یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں سے کندھے ہوئے آٹے کی روٹی قبول نہ کی۔ اس لئے کہ میری زبان اس دعا کے نہ ہلی جسے بشپ سادہ لوح اہل ایمان کی دولت کے عوض فروخت کرتا ہے۔ مجھے گرجا سے ناپاک کوڑھی کیطرح نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ میں راہبوں اور پادریوں کو اس کتاب کی آیتیں سناتا تھا جس نے انہیں راہب اور پادری بنایا۔''

نوجوان خاموش ہوگیا اور راحیل اور مریم اسے دیکھتی رہیں۔ وہ اس کی گفتگو پر متعجب تھے ان کی نگاہیں اس کے حسین و غمگین چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح دیکھتی تھیں گویا بزبان خاموشی ان انوکھے اسباب کے متعلق پوچھ رہی تھیں جن کی بنا پر نوجوان ان تک پہنچا۔ آخر کار ماں کے دل میں جستجو کا شوق بیدار ہوا اور اس نے محبت کی نگاہ سے نوجوان کو دیکھ کر پوچھا۔

''بیٹا تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟۔۔۔ کیا زندہ ہیں؟

''نوجوان نے جواب دیا اس طرح کہ دردناک گھٹن کی وجہ سے اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

میرا نہ باپ ہے نہ ماں، بہن ہے نہ وطن''

راحیل نے متاثر ہوکر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور مریم نے اس گرم آنسو کو چھپانے کیلئے جو دل سوزی کی اس کی پلکوں سے ٹپکا دیا تھا اپنا منہ صحن کی طرف کرلیا۔ نوجوان نے ان دونوں کی طرف دیکھا جس طرح شکست خوردہ اپنے بچانے والے کو دیکھتا ہے۔ اس کی روح ان کی نرم دلی سے کھل کر اٹھی جس طرح چٹانوں میں لہلہانے والا پھول کھل اٹھتا ہے۔ جب سحر کی دیوی اس کے دل میں شبنم کے قطرے ٹپکاتی ہے۔ سر اٹھا کر اس نے کہا:

''میری عمر ابھی سات برس کی تھی نہ ہونے پائی تھی کہ میرے ماں باپ کا انتقال ہوگیا۔ جس گاؤں میں پیدا ہوا تھا، اس کے ایک کاہن نے مجھے قزحیا کے ہیکل

میں پہنچا دیا۔ راہب مجھ سے بہت خوش ہوئے اور مجھے گرجا کے مویشیوں کا چرواہا بنا دیا جب میں پندرہ برس کا ہوا تو انہوں نے یہ سیاہ موٹے کپڑے مجھے پہنائے اور قربان گاہ کیسامنے لے جا کر کہا۔ اللہ اور اس کی پاکیوں کی قسم کھا کر کہو کہ میں ہمیشہ مفلسی، اطاعت اور پاک بازی کی زندگی بسر کروں گا۔'' میں نے ان کے کہے ہوئے یہ الفاظ دہرائے۔ اس سے پہلے کہ میں ان کے معنی ومفہوم سے واقف ہوتا، مفلسی اطاعت اور پاک بازی کی حقیقت سمجھتا۔ اس تنگ دشوار گزار راستے کو دیکھتا۔ جس پر وہ مجھے چلانا چاہتے تھے۔ میرا نام خلیل تھا۔ اس کے بعد سے تمام راہب مجھے بھائی مبارک کہنے لگے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے کبھی بھائیوں کا سا سلوک نہیں کیا۔ وہ مزے سے گوشت اور مرغن غذائیں کھاتے لیکن مجھے باسی روٹی اور خشک پھل کھلاتے، خود معطر شرابوں اور شربتوں سے خوش کلام ہوتے لیکن مجھے باسی روٹی اور خشک پھل کھلاتے، خود معطر شرابوں اور شربتوں سے خوش کلام ہوتے لیکن مجھے آنسو ملا پانی پلاتے۔ خود نرم وگداز مسہریوں پر سوتے لیکن مجھے خنزیروں کی باڑے کے برابر ایک سرد اور تاریک کمرہ میں سنگین فرش پر سلاتے تھے۔ میں اکثر اپنے دل سے کہتا تھا۔ میں کب راہب بنوں گا کہ ان خوش نصیبوں کی مسرتوں میں شرکت کرسکوں، ان کی لذتوں اور خوش کامیوں کے قابل بن سکوں۔ میرا دل مرغن غذاؤں کی مہک سے محروم نہ رہے۔ شراب کی رنگ رنگیاں، میرا کلیجہ نہ سلگائیں اور بشپ کی آواز سے میری روح نہ لرزے۔ لیکن میری ساری تمنائیں، میرے خواب باطل تھے۔ میں برابر جنگل میں مویشی چراتا تھا، اپنی پیٹھ پر بھاری پتھر لادتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے زمین کھودتا تھا۔ میں یہ سب کچھ کرتا تھا اور روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے، ایک تنگ اور تاریک ٹھکانے کے واسطے، کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ گرجا کے علاوہ بھی کوئی ایسی جگہ ہوسکتی ہے جہاں میں رہ سکوں۔ راہبوں نے اپنی زندگی کے سوا ہر چیز کو کفر بتایا تھا اور میری روح کو یاس واطاعت کے زہر سے اس حد تک مسموم کر

دیا تھا کہ میں گمان کرنے لگا تھا۔ یہ دنیا غم اور بدبختی کا سمندر ہے اور گرجا راحت و سلامتی کا ساحل۔"

خلیل زرا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے مرجھائے ہوئے خدوخال شگفتہ ہوئے۔ اور وہ اس طرح دیکھنے لگا گویا اس جھونپڑی میں کوئی حسین شے اس کے سامنے کھڑی ہے لیکن راحیل وہ مریم اب بھی خاموش بیٹھی۔ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا:

"مشیت الٰہی۔ جس نے میرے والدین کو مجھ سے جدا کیا اور مجھے یتیم بنا کر گرجا میں بھیج دیا۔ یہ نہ ہوئی کہ میں اپنی ساری زندگی اس اندھے کی طرح گزاروں جو پر خطر راستوں پر چل راہ ہو۔ اللہ نے گوارا نہ کیا کہ میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک ایک بدقسمت اور مقید غلام رہوں۔ اس نے میری آنکھیں کھولیں اور چمکتی ہوئی روشنی مجھے دکھائی۔ میرے کان کھولے اور حقیقت کو بولتے ہوئے سنوایا۔"

راحیل نے اپنا سر ہلایا اور کہا:

"کیا اس روشنی کے علاوہ بھی کوئی روشنی ہے جو سورج تمام انسانوں پر ڈالتا ہے۔ کیا آدمی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ لے۔"

خلیل نے جواب دیا:

"حقیقی روشنی وہ ہے جو انسان کے باطن سے پھوٹ کر اس کے نفس کی تاریکیاں اس پر واضح کرتی ہے اسے زندگی سے فرصت حاصل کرنی سکھاتی ہے۔ روح کے نام پر اسے نغمہ ساز کرتی ہے لیکن حقیقت اس عالم کی ان تمام حسین چیزوں کی طرح ہے جو اپنے دلکش اثرات اسی شخص پر ظاہر کرتی ہے۔ جسے بے رحم جھوٹ کی تاثیرات کا علم ہو۔ حقیقت وہ مخفی جذبہ ہے جو ہمیں زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونا سکھاتا ہے اور جس کے اثر ہم یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ یہ مسرتیں ساری دنیا کیلئے عام ہو جائیں۔"

راحیل نے کہا۔

''بہت سے ہیں جو اس مخفی جذبہ کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں جس کے نور سے ان کے دل روشن ہیں اور بہت سے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ جذبہ اس ناموس کا پورتو ہے جسے اللہ نے انسان کے کئے تجویز کیا ہے لیکن ان لوگوں کی زندگی مسرتوں سے یکسر خالی ہوتی ہے اور مرتے دم تک یہ لوگ قسمت کا شکار رہتے ہیں۔''

خلیل نے جواب دیا۔

''باطل ہیں وہ تمام اعتقادات اور تعلیمیں جو انسان کو اس کی زندگی میں بدقسمت بنائیں اور جھوٹے ہیں وہ سارے جذبے جو اسے مایوسی ادسی اور بدبختی کی طرف لیجائیں، انسان کا حق ہے کہ وہ زمین پر کامیاب زندگی بسر کرے، کامرانی کی راہوں سے باخبر ہو اور ہر جگہ سعادت کی تبلیغ و تلقین کرے جو کوئی اس زندگی میں نہ دیکھ سکے گا۔ ہم اس دنیا میں ذلیل جلاوطنوں کی حیثیت سے نہیں لاعم بچوں کی حیثیت سے آئے ہیں تا کہ زندگی کے اسرار و محاسن سے ازلی و ابدی روح کی عبادت سیکھیں اور اپنے نفس کی باریکیوں سے واقف ہوں یہی ہے وہ حقیقت جسے مسیح ناصری کی تعلیمات پڑھنے کے بعد میں نے سمجھا یہی ہے وہ نور جس نے میرے باطن سے پھوٹ کر دنیا اور دنیا والوں کو میرے سامنے ایک تاریک غار کی حیثیت سے پیش کیا۔ جس کی گہرائیوں سے ڈراؤنی پرچھائیاں مجھے موت کی نیند سلانے کیلئے نمودار ہو رہی تھیں اور یہی ہے وہ مخفی راز جسے جنگل کی دل فریبیوں نے مجھ پر منکشف کیا۔ جب میں درختوں کے سائے میں بھوکا پیاسا بیٹھا روتا اور آہیں بھرتا تھا۔

چنانچہ ایک دن جبکہ میری روح اس آسمانی شراب سے مخمور تھی۔ میں نے ہمت کی اور ان راہبوں کے پاس جا کر جو گرجا کے بغیچہ میں پیٹ بھرے حیوانوں کی طرح اینڈ رہے تھے، اپنے افکار ان کیسامنے بیان کرنے شروع کئے اور کتاب مقدس کی وہ آیات سنائیں جن سے ان کی ذلالت اور گمراہی کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے ان سے

کہا، ہم اس خلوت میں اپنی زندگی فقیروں اور مسکینوں کی خیرات کے بل پر کیوں بسر کریں؟ ان کی پلکوں کے آنسو اور ماتھے کے پسینہ سے گندھے ہوئے آٹے کی روٹی کیوں مزے لیکر کھائیں، ان سے چھینی ہوئی زمینوں کے غلہ سے کیوں لذت اندوز ہوں؟ ہم مستی و بیکاری کیسائے میں کیوں زندہ ہیں؟ ان قبیلوں سے کیوں دوری اختیار کریں جو معرفت کے محتاج ہیں؟ **ملک** کو اپنے نفس کی قوتوں اور بازوؤں کی طاقتوں سے کیوں محروم رکھیں؟ مسیح ناصری نے تمہیں بھڑیوں بھیڑ بنا کر بھیجا تھا پھر وہ کونسی تعلیمات ہیں، جنہوں نے تمہیں بھیڑیوں میں بھیڑ بنا دیا؟ تم انسانوں سے کیوں الگ تھلگ رہتے ہو جب اللہ نے تمہیں بھی انسان بنایا ہے؟ اگر تم کاروان حیات کے راہ گیروں پر فضیلت رکھتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں تعلیم دو، اگر وہ تم پر فوقیت رکھتے ہیں تو ان میں گھل مل کر ان سے تعلیم حاصل کرو؟ حیرت ہے کہ تم محتاجی سے ڈرتے ہو اور امیروں کی زندگی بسر کرتے ہو۔ اطاعت سے بھاگتے ہو اور انجیل کے خلاف بغاوت کرتے ہو۔ پاک دامنی سے بچتے ہو اور تمہارے دل نفسانی خواہشوں سے لبریز ہیں۔ تم اپنے جسموں پر جبر کرتے ہو لیکن درحقیقت اپنی روحوں کو کچلتے ہو، تم اپنے تئیں دنیا والوں سے بلند ظاہر کرتے ہو لیکن تمام آدمیوں سے زیادہ حریص ہو۔ تم زہد و ورع کی نمائش کرتے ہو لیکن ان حیوانوں کی مثال جو معرفت سے بیگانہ، کھیت چرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ آؤ ہم گرجا کی وسیع زمینیں محتاج غریبوں کو واپس کر دیں اور وہ تمام دولت ان کی جیبوں میں ڈال دیں، جو ہم نے ان سے حاصل کی ہے، آؤ ہم **ملک** کے ہر گوشہ میں پھیل جائیں۔ جس طرح پرندوں کے جھلڑ الگ الگ ہو جاتے ہیں اور ان کمزور قبیلوں کی خدمت کرے جنہوں نے ہمیں طاقت ور بنایا ہے۔ اس **ملک** کی اصلاح کریں جس کی خیرات پر ہم زندہ ہیں اور اس بدقسمت قوم کو سورج کی روشنی کیلئے مسکرانا، آسمانی عطیون اور زندگی و آزادی کی عظمتوں سے شادکام ہونا سکھائیں۔

جوانسانیت کی پیروی کرتی ہے۔وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو ہمیں انسانوں میں رہ کر اٹھانی پڑیں گی، اس راحت سے زیادہ حسین و بزرگ ہوں گی جس کے ہم رہبانیت کی زندگی میں خوگر ہو گئے ہیں۔وہ مہربانی وہ ہمدردی جس سے ہم کسی عزیز کا دل اپنے ہاتھوں میں لیں گے، اس فضیلت سے زیادہ بلند ہوگی جو گرجا کے گوشوں میں چھپی ہوئی ہے۔اور تسکین اور تشفی کا وہ ایک کلمہ جو ہم کسی کمزور، مجرم اور درماندہ سے کہیں گے، ان طویل نمازوں سے زیادہ مقدس ہوگا جو ہم ہیکل میں بار بار ادا کرتے ہیں۔

خلیل دم لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھہر گیا۔اس کے بعد اس نے راحیل اور مریم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پرسکون لہجہ میں میں کہنے لگا:

''یہ اور ان سے ملتی جلتی باتیں میں راہبوں سے کہہ رہا تھا اور وہ سن رہے تھے۔ تعجب کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے، گویا انہیں یقین نہ آتا تھا کہ مجھ جیسا نوجوان میں کھڑے ہو کر اس قسم کی جرات آمیز باتیں کر سکتا ہے۔یہاں تک کہ جب میں خاموش ہو گیا تو ان میں ایک راہب میرے پاس آیا اور دانت پیس کر کہنے لگا:

''کیوں رے خبیث، تجھے ہمارے سامنے اس قسم کی باتیں کرنے کی جرات ہو گئی، پھر دوسرا آیا اور مجھ پر طنز کیا:

''کیا تو نے یہ حکمت ان بھیڑ بکریوں اور خنزیروں سے سیکھی ہے جن کے ساتھ اپنی عمر گزاری ہے۔''

آخر میں ایک اور آیا اور دھمکی دی۔

''کمینے سرکش، تو دیکھے گا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔''

اس کے بعد وہ میرے پاس سے بھاگ گئے جیسے تندرست کوڑھی سے بھاگتا ہے۔ان میں سے کچھ بشپ کے پاس گئے اور میری شکایت کی۔سورج غروب

ہونے پر بشپ نے مجھے ملایا اور نہایت سنگدلی کے پاس گئے اور میری شکایت کی۔ سورج غروب ہونے پر بشپ نے مجھے بلایا اور نہایت سنگدلی کے ساتھ برا بھلا کہہ کر مسرور راہبوں کو حکم دیا کہ میرے کوڑے لگائیں۔ جب وہ کوڑوں سے میرے جسم کو چھلنی کر چکے تو اس نے مجھے پورے ایک مہینہ قید میں رکھنے کا حکم دیا اور راہب خوش ہوتے قہقہے لگاتے مجھے ایک سرد تاریک کوٹھڑی میں لے گئے۔

ایک مہینہ تک میں اسی قید میں پڑا رہا، اس عالم میں کہ روشنی سے بالکل محروم تھا کیڑے مکوڑوں کے رینگنے کے سوا مجھے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ مٹی کے سوا کوئی چیز ہاتھ لگانے کو نہ تھی۔ معلوم نہ ہوتا تھا کہ رات کب ختم ہوئی اور سورج کس وقت طلوع ہوا۔ اس راہب کے قدموں کی چاپ کے سوا کوئی آواز نہ سناء دیتی تھی۔۔ جو آتا او رسوکھی روٹی کے پھپھوندی لگے ٹکڑے اور سرکہ کہ ملے پانی کا ایک آبخورہ میرے پاس رکھ کر چلا جاتا۔ جب میں قید سے آزاد ہوا اور راہبوں نے میرے جسم کی ناتوانی اور چہرے کا پیلا پن دیکھا تو سمجھے کہ میرے نفسی میلانات میرے باطن میں گھٹ کر مر چکے ہیں اور یہ کہ بھوک پیاس اور تکلیفوں سے انہوں نے اس جذبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو اللہ نے میرے دل میں پیدا کیا تھا۔ دن راتوں کے نقش قدم پر گزرتے رہے اور میں تنہائی کے اوقات میں اپنی ذہنی قوتوں کو ان چیزوں کے سوچنے سمجھنے میں صرف کرتا رہا جو راہبوں کو روشنی دکھائیں اور زندگی کے نغمہ سے انہیں آشنا کریں لیکن میرا یہ تمام سوچ بچار، میرا یہ تمام غور و فکر بے سود ثابت ہوا۔ اسلئے کہ طویل زمانے نے ان کی آنکھوں پر جو دبیز پردہ تان دیا تھا اسے گنتی کے دن چاک نہیں کر سکتے تھے اور جہالت نے مٹی کے جو تودے ان کے کانوں میں ٹھونس دیے تھے وہ پختہ ہو کر سنگین ہو چکے تھے اور انہیں نرم و نازک انگلیوں کا لمس زائل نہیں کر سکتا تھا۔"

ٹھنڈے سانسوں سے لبریز خاموشی کے بعد مریم نے سر اٹھا کر اپنی ماں کی طرف

دیکھا، گویا اجنبی سے بات کرنے کی اجازت چاہتی ہے۔ اس کے بعد غمگین نگاہوں سے خلیل کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا:

''کیا تم نے راہبوں کے سامنے پھر اس قسم کی باتیں کیں جو انہوں نے تمہیں گرجا سے نکال دیا اور ایسی خوفناک رات میں جو انسان کو دشمنوں پر بھی شفیق و مہربان ہونا سکھاتی ہے۔''

آج شام کو جب آندھی نے زور پکڑا اور عناصر فضا میں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو گئے تو میں ان راہبوں سے ہٹ کر جو آگ کے گرد بیٹھے ہاتھ تاپ رہے اور مختلف واقعات اور ہنسنے ہنسانے والی کہانیوں کے کہنے سننے میں مصروف تھے۔ ایک طرف بیٹھ گیا اور انجیل کھول کر ان اقوال پر غور کرنے لگا جو روح کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور فطرت کی غضب ناکی اور عناصر کی سنگ دلی سے اسے بے خوف کر دیتے ہیں۔ جب راہبوں نے دیکھا کہ ان سے دور ایک گوشے میں بیٹھا ہوں تو انہوں نے میری تنہائی کو مذاق کا ذریعہ بنالیا ان میں سے چار آ کر میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ میں نے ان کی کوئی پروا نہ کی بلکہ کتاب بند کر کے کھڑکی میں سے جھانکنے لگا۔ میری اس بے پروائی پر وہ غصہ سے تڑپ اٹھے اور میری طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ گویا میری خاموشی نے ان کے جذبات کو سرد کر دیا ہے۔ ازراہ طنز ان میں سے ایک بولا۔

''مصلح اعظم! کیا مطالعہ فرمایا جا رہا ہے؟''

میں نے بولنے والے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا بلکہ انجیل کھولی اور یہ آیت با آواز بلند پڑھی۔

''وہ ان لوگوں سے جو بپتسمہ کے لئے آئے تھے کہہ رہا تھا، اے سانپوں کی اولاد، اگر کوئی تمہیں آنے والے غضب سے بچنے کی تعلیم دے تو تم ایسے کام کرو جو توبہ کے لائق ہوں اور اپنے دل میں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارا باپ ابراہیم ہے کیونکہ میں تم سے کہتا

ہوں کہا اللہ ان پتھروں سے بھی اولاد ابراہیم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اب کہ کلہاڑا درخت کی جڑ پر رکھ دیا گیا ہے، ہر وہ درخت جو بہتر پھل نہ لائے گا کاٹ کر آگ میں ڈال دیا جائیگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا، پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔، اس نے جواب دیا، جس کے پاس کپڑے ہوں اسے چاہیے کہ جس کے پاس کپڑے نہ ہوں، اسے دے دے اور جس کے پاس روٹی ہو اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

جب میں نے کلمات پڑھے جو یوحنا معمدان کے ہونٹوں سے نکلے تھے، تو راہب ایک لمحہ کیلئے خاموش ہو گئے۔ گویا کسی مخفی ہاتھ نے ان کی روح کو دبوچ لیا ہے لیکن وہ پھر اپنی اصلی حالت میں آ گئے اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ ان میں سے ایک بولا:

''ہم نے یہ کلام کئی مرتبہ پڑھا ہے اس لئے ایک ہم ایک مویشی چرانے والے کے محتاج نہیں ہیں کہ وہ یہ فقرے ہمیں سنائے۔''

میں نے جواب دیا:

''اگر تم نے یہ آیات پڑھی ہیں اور انہیں سمجھا ہے تو پھر ان برف میں دبے ہوئے گاؤں کے رہنے والے سردی سے کیوں سکڑے جا رہے ہیں۔ بھوک سے کیوں تڑپ رہے ہیں اور تم یہاں ان کی خیراتوں سے کیوں مزے اڑا رہے ہو، ان کے انگوروں کے رس سے کیوں خوش کام ہوتے ہو؟ انکے مویشیوں کا گوشت کیوں کھا رہے ہو؟

ابھی یہ الفاظ پوری طرح میرے ہونٹوں سے ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک راہب نے میرے منہ پر طمانچہ مارا گویا میں نے جو کچھ کہا حماقت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد دوسرے راہب نے میرے لات ماری۔ تیسرے نے میرے ہاتھ سے کتاب چھین لی اور چوتھے نے بشپ کو آواز دی وہ تیز تیز قدم اٹھا آیا، اور جب راہبوں نے اسے یہ ماجرا سنایا تو مارے طیش کے تن گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں اور غصہ سے کانپنے لگا۔ آخر کار وہ بلند آواز میں چلایا: اس بدمعاش باغی کو گردن پکڑ کر گرجا

سے باہر دھکیل دوتا کہ فطرت کے اصول اپر مشیت خداوندی کی تعمیل کریں۔

اس کے بعد اس کفر کی زہرناکیوں کے خوف سے اپنے ہاتھ دھو ڈالو جو اس کے کپڑوں سے چمٹا ہوا ہے اور اگر یہ واپس آ کر روئے پیٹے توبہ تلا کرے تو بھی گرجا کا دروازہ اس پر نہ کھولا جائے کیونکہ سانپ پنجرے میں قید ہونے سے کبوتر نہیں بن جاتا اور علیق باغ میں بوئے جانے سے انجیر کا پھل نہیں لاتا۔''

یہ سن کر راہبوں نے مجھے پکڑ لیا اور بے دردی کیساتھ مجھے گرجا سے نکال کر ہنستے ہوئے واپس ہو گئے۔ دروازہ بند کئے جانے سے پہلے میں نے سنا، ان میں سے ایک ان الفاظ میں میری ہنسی اڑا رہا تھا۔ کل تک تو بادشاہ تھا اور تیری رعیت بھیڑ بکریاں تھیں۔ اور خنزیر لیکن اے خود ساختہ مصلح آج ہم نے تجھے معزول کر دیا۔ اس لئے کہ تو نے نظام حکومت میں خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ اب جا اور بھوکے بھیڑیوں اور اڑتے کوؤں پر حکومت کر۔ انہیں بتا، کہ وہ اپنے غاروں اور گھونسلوں ل میں کس طرح زندگی بسر کریں۔

خلیل نے ایک گہرا سانس لیا اور منہ پھر کر اس کو دیکھا جو انگیٹھی میں دہک رہی تھی۔ ایک ایسی آواز جو اپنی شیرینی کی وجہ سے جراحت کار تھی، اس نے کہا:

''اس طرح میں گرجا سے نکالا گیا اور اپنے تئیں راہبوں نے مجھے موت کے حوالے کر دیا۔ مجبوراً میں چل کھڑا ہوا اس عالم میں کہ کہر راستے کو میری نگاہوں سے پوشیدہ کر رہی تھی۔ آندھی کے جھکڑ میرے کپڑوں کو پھاڑے دیتے تھے اور آسمان سے گرنے والی برف میرے پاؤں پکڑے لیتی تھی۔ یہاں تک کہ میری قوتیں جواب دے گئیں اور میں زمین پر گر کر اس مایوس کی طرح چلانے لگا جیسے یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اس کی پکار، ڈراؤنی موت اور اندھیرے غاروں کے سوا کوئی نہیں سن رہا۔ لیکن برف اور آندھی کے پیچھے سے تاریکی اور بادلوں کے پیچھے سے ایتھر اور تاروں کے پیچھے عالم ممکنات کی ہر شے کے پیچھے سے ایک قوت نے جو تمام معرفت اور تمام

رجعت سے، میری پکار سنی اور نہ چاہا کہ زندگی کے باقی ماندہ اسرار سمجھنے سے پہلے مر جاؤں۔ چنانچہ اس نے تم دونوں کو بھیجا کہ مجھے جہنم اور نیستی کی گہرائیوں سے نکال لاؤ۔

نوجوان خاموش ہوگئے اور دونوں عورتیں اسے توجہ، حیرت، اور شفقت سے دیکھتی رہیں۔ گویا انکی روحیں اسکے ذہنی اسرار سے واقف ہوگئی ہیں اور عرفان وشعور میں انہوں نے اس کے ساتھ شرکت کر لی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد راحیل نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ بڑھایا اور نرمی وملائمت سے اس کے ہاتھ کو مس کر کے کہا:

اس حالت میں کہ آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے۔

''جسے اللہ حق کی مدد کے لئے انتخاب کرتا ہے۔ اسے مظالم فنا کر سکتے ہیں۔ نہ برف باریاں اور آندھیاں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہیں۔''

اور مریم نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

''برف باریاں اور آندھیاں پھولوں کو فنا کر سکتی ہیں بیجوں کو نہیں مار سکتیں۔''

''تسکین وتسلی نے خلیل کے زرد چہرے کو روشن رک دیا جس طرح صبح کی شعاعیں مخفی خطوط کو روشن کر دیتی ہیں، اس نے کہا:

اگر تم مجھے سرکش اور کافر نہیں سمجھتیں، جیسا کہ راہبوں نے سمجھا تو وہ بدسلوکی، جس سے میں گرجا میں دوچار ہوا، اس ابتلا کی طرف ایک اشارہ ہوگی جو معرفت کی اعلیٰ منزل پر پہنچنے سے پہلے قوموں کو پیش آتی ہیں۔ اور یہ رات جس میں قریب تھا کہ میں موت کے منہ کا نوالا بن جاؤں۔ ان باغیانہ ہنگاموں کی تصویر ہوگی جو آزادی اور مساوات سے پہلے ظہور میں آتے ہیں۔ اس لئے کہ حساس عورت کے دل سے انسانی سعادت پھوٹتی ہے اور اس کی شریف روح کے جذبات سے انسانی جذبات جنم لیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے تکیہ کا سہارا لے لیا اور ماں بیٹیوں نے مناسب نہ سمجھا کہ گفتگو

جاری رکھی جائے۔ انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں وہ نیند جھوم رہی ہے جو سفر کی تکان کے بعد راحت و آرام ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔

چند منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ خلیل نے آنکھیں بند کیں اور اس بچہ کی طرح سو گیا جو اپنی ماں کی محبت بھری آغوش میں آسودہ ہو۔ راحیل اور مریم آہستہ سے کھڑی ہوئیں اور اپنے اپنے بستروں پر جا بیٹھیں۔ وہ نوجوان کو اس طرح دیکھ رہی تھیں گویا اس کے پژمردہ چہرہ میں ایک کشش ہے جو ان کی روحوں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے اور ان کے دلوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ماں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ گویا اپنے آپ سے بات کر رہی ہے:

''اس کی بند آنکھوں میں ایک عجیب قوت ہے جو بزبان خاموشی روح کے میلانات کو بیدار کر رہی ہے۔

اور بیٹی نے کہا۔

''اماں، اسکے ہاتھ مسیح کی اس تصویر کے ہاتھوں سے ملتے جلتے ہیں جو گرجا میں ہے۔''

ماں نے پھر سرگوشی کی:

''اس کے غمگین چہرے سے عورت کی نرمی اور مرد کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔''

نیند کے بازو ان دونوں عورتوں کی روح کو نوجوان کی دنیا میں اڑا لے گئے۔ انگیٹھی کی آگ بجھ کر راکھ کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ چراغ کا تیل بھی خشک ہوگیا اور اس کی روشنی آہستہ آہستہ مدہم ہو کر فنا ہوگئی لیکن خوف ناک آندھی اب بھی شور مچا رہی تھی۔ تاریک فضا برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے زمین پر بکھیر رہی تھی اور ہوا کے تیز و تند جھونکے انہیں دائیں بائیں اڑائے لئے جا رہے تھے۔

(4)

اس رات کو دو ہفتے گزر گئے۔ بادلوں سے گھری ہوئی فضا کبھی ساکن ہو جاتی کبھی

ہیجان میں آ کر وادیوں کو کہر سے بھر دیتی اور ٹیلوں کو برف میں کفنا دیتی۔ خلیل نے اس دوران میں تین مرتبہ ارادہ کیا کہ ساحل کی طرف چلا جائے لیکن ہر مرتبہ راحیل نے از راہ لطف و مہربانی یہ کہہ کر اسے روک لیا:

''بیٹا اپنی زندگی کو دوبارہ اندھے عناصر کے حوالے نہ کرو بلکہ یہیں سکونت اختیار کر لو۔ جو روٹی دو آدمیوں کا پیٹ بھرتی ہے، تین آدمیوں کیلئے بھی کافی ہو سکتی ہے۔ اس انگیٹھی کی آگ تمہارے جانے کے بعد بھی اسی طرح روشن رہے گی جس طرح تمہارے آنے سے پہلے جلتی تھی۔ بیٹا ہم محتاج ضرور ہیں لیکن اور تمام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ اللہ ہمیں پیٹ بھر کے روٹی دے دیتا ہے۔''

لیکن مریم لطیف نگاہوں اور خاموش آہوں کے ذریعے اس سے التجا کرتی کہ وہ جانے کے ارادہ سے باز رہے۔ اس بنا پر کہ جب سے خلیل زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار، اس حقیر جھونپڑی میں آیا تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک ایسی بلند قوت کا وجود محسوس کرنے لگی تھی جو اس کے دل کو زندگی و روشنی اسے معمور اور اس کی روح کی انتہاء پاکیزگیوں میں ایک نئے اور دل کش جذبہ کو پیدا کر رہی تھے۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ ایک ایسا عجیب جذبہ محسوس کیا تھا جو دوشیزہ کے معصول دل کو گلاب کے اس سفد پھول کی مثال بنا دیتا ہے جس کی خصوصیت ہے کہ شبنم کے قطرے پی کر فضا کو معطر کر دے۔

انسان کے باطن کا کوئی جذبہ اس مخفی جذبہ سے زیادہ پاک اور شیریں نہیں ہے جو عالم خود فراموشی میں دوشیزہ کے دل میں اثر انداز ہو کر اس کے سینہ کی خلاؤں کو طلسمی نغمہ سے بھر دیتا ہے اور اس کے دنوں کو شاعروں کے خوابوں اور راتوں کو پیغمبروں کی مثال بنا دیتا ہے۔ فطرت کے ان رازوں میں سے کوئی راز اس میلان سے زیادہ قوی اور زیادہ حسین نہیں ہے جو دوشیزہ کے سکون روح کو ایک مستقل حرکت سے بدل کر، اپنے عزم سے بیتے ہوئے دنوں کی یاد کو فنا اور اپنی حلاوت سے آنے والے

زمانہ کی امیدوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

جذبات کی قوت اور احساس قوت کے اعتبار سے لبنانی دوشیزہ ہر قوم کی دوشیزہ پر امتیاز رکھتی ہے۔ اس کے کہ سادہ تربیت اسکی عقل کو بالیدگی سے محروم کر دیتی ہے اور قوت ادراک کو ترقی کرنے سے روک دیتی ہے۔ اس کی روح اپنے میلانات کی چھان بین میں مصرف رہتی ہے اور دل اپنے رازوں کے علم و عرفان میں مشغول۔ لبنانی دوشیزہ اس چشمہ کی مثال ہے جو زمین کے سینہ سے پھوٹ کر نشیبی حصوں میں بہتا ہے لیکن اسے راستہ نہیں ملتا کہ وہ نہر کی شکل میں خوشی کے راگ گاتا سمندر میں جا ملے اور خاموش جھیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں چاند اور ستاروں کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔

خلیل نے بھی محسوس کر لیا کہ مریم کی روح اس کی روح کے گرد منڈلا رہی ہے اسے معلوم ہو گیا کہ وہ مقدس آگ جو اس کے دل کو محیط ہے، مریم کے دل کو بھی تپش آشنا کر چکی ہے۔ پہلے پہل تو خوشی سے وہ اچھل پڑا جیسے گمشدہ بچہ اپنی ماں کو پا کر خوشی سے اچھل پڑتا ہے لیکن پھر اسے خیال آیا اور وہ اپنی اس جلد بازی و فریفتگی پر خود کو ملامت کرنے لگا۔ اس نے گمان کیا کہ دو روحوں کی یہ مفاہمت کہر کی طرح فنا ہو جائیگی۔ جب زمانہ کا بے رحم ہاتھ اسے گاؤں سے نکال باہر کرے گا۔ چنانچہ اکثر وہ اپنے دل سے کہتا:

"یہ مخفی اسرار کیا ہیں، جو ہم سے کھیلتے ہیں اور ہم غافل ہیں؟ یہ بیڑیاں کہاں ہیں جو کبھی تو ہمیں دشوار گزار راستوں پر لے جاتی ہیں اور ہم اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ان پر چلنے لگتے ہیں اور کبھی سورج کے سامنے کھڑا کر دیتی ہیں اور ہم خوشی خوشی کھڑے ہو جاتے ہیں جو کبھی تو ہمیں پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچا دیتی ہیں اور ہم مسرور ہو کر مسکرانے لگتے ہیں اور کبھی وادی کی گہرائیوں میں پھینک دیتی ہے اور ہم دردناک ہو کر چلانے لگتے ہیں۔ یہ زندگی کیا ہے جو ایک دن تو دوست کی طرح ہم سے گلے ملتی

ہے اور دوسرے دن دشمن کی طرح ہمارے طمانچہ مار دیتی ہے، لیا میں کل تک گرجا کے پادریوں میں اچھوت اور مظلوم نہ تھا؟ کیا میں حقیقت کی خاطر، جسے اللہ نے میرے سینہ میں پیدا کیا، تکلیفیں اور بولیاں ٹھٹھولیاں برداشت نہ کرتا تھا؟ کیا میں نے راہبوں سے نہیں کہا تھا کہ سعادت خان انسان میں خدا کی مشیت ہے؟ تو پھر یہ خوف کیسا؟ میں کیوں اپنی آنکھیں بند کروں اور کیوں اپنا منہ اس روشنی کی طرف سے پھیروں جو اس دوشیزہ کی آنکھوں سے نکل رہی ہے۔ میں مردود ہوں اور فقیر، لیکن انسان کیا روٹی پر ہی جیتا ہے؟ کیا زندگی اطاعت وفاداری کا نام نہیں ہے؟ کاے تنگی وفراخی کے درمیان ہم ان درختوں کی مثال نہیں ہیں جو گرمی اور جاڑے کے درمیان ہوں لیکن راحیل کیا خیال کرے گی جب اسے معلوم ہو گا۔ سکوت و خاموشی کے عالم میں گرجا سے نکالے ہوئے نوجوان کی روح اس کی اکلوتی بیٹی کی روح سے ہم آہنگ ہوگئی ہے اور اس ہم آہنگی نے ان دونوں کی روحوں کو نور اعلیٰ کے دائرہ سے قریب تر کر دیا ہے۔ وہ کیا کرے گی جب یہ حقیقت اسکے علم میں آئے گی کہ وہ نوجوانوں جسے اس نے موت کے چنگل سے چھڑایا تھا۔ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کا رفیق حیات ہو جائے اور اس گاؤں کے سادہ لوح کیا کہیں گے جب انہیں پتہ چلے گا کہ ایک نوجوان جو گرجا میں پلا بڑھا اور وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان کے گاؤں میں آیا اور اس لئے کہ ایک پری دوشیزہ کے پہلو میں زندگی بسر کرے، کیا وہ اپنے کانوں میں انگلیاں نہ دیں گے جب میں ان سے کہوں گا وہ شخص جس نے ان کے ساتھ رہنے کے لئے گرجا کو چھوڑ دیا۔ اس پرندے کی مثال ہے جو قفس کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی اور آزادی کی کھلی فضا میں آ جائے۔ شیخ عباس، جو ان بے چارے کسانوں میں اس طرح زندگی بسر کرتا ہے جیسے غلاموں میں بادشاہ، کیا کہے گا جب میری کہانی اس کے کانوں تک پہنچے گی؟ اور گاؤں کا پادری میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا جب لوگ اس کے سامنے وہ باتیں دہرائیں گے جو

میرے گرجا سے نکالے جانے کا سبب ہوئیں؟

خلیل اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا اور آتش دان کے پاس بیٹھا آگ کے ان شعلوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جو اس کے جذبات سے مشابہ تھے لیکن مریم اسے درزیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، اس کے چہرہ سے اس کے خیالات کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اپنے سینہ میں اس کے افکار کی صدائے بازگشت گونجتے سن رہی تھی، اس کے وسوسوں کی پرچھائیاں اپنے دل کے گرد منڈلاتے محسوس کر رہی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ خلیل کھڑکی کے پاس کھڑا تھا جو اس وادی کی طرف کھلتی تھی جہاں درخت اور چٹانیں برف میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی جیسے مردے کفن میں۔ مریم آئی اور اس کے پاس کھڑی ہوگئی اور کھڑکی سے فضا کو دیکھنے لگی۔ خلیل اس کی طرف متوجہ ہوا جب اس کی نگاہیں مریم کی نگاہوں سے چار ہوئیں تو اس نے ایک آتش ناک آہ بھری اور منہ پھیر کر اپنی آنکھیں بند کرلیں گویا اس کی روح جسم سے علیحدہ ہو کر نہایت تیزی کیساتھ ابد کی گہرائیوں میں جا رہی ہے۔ اس کلمہ کی جستجو کرتے ہوئے جو ابھی شرمندہ اظہار نہیں ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد مریم نے حوصلہ کر کے اس سے پوچھا:

''جب برف پگھل جائے گی اور راستے کھل جائیں گے تو تم کہاں جاؤ گے۔''

اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور دور افق پر نگاہیں جما کر جواب دیا۔

''میں کہاں جاؤں گا؟ یہ مجھے خود معلوم نہیں۔''

مریم کی رح لرز اٹھی اور اس نے آہ بھر کر کہا:

''تم اسی گاؤں میں ہمارے پاس کیوں نہیں رہتے، کیا یہاں کی زندگی اس غریب الوطنی کی زندگی سے بہتر نہ ہوگی۔''

مریم کے الفاظ اور آواز کے ترنم نے خلیل کے دل کو مضطرب کر دیا۔ اس نے جواب دیا۔

''اس گاؤں کے رہنے والے، گرجا سے نکالے ہوئے شخص کو اپنا ہمسایہ بنانا قبول نہ کریں گے۔ انہیں گوارا نہ ہوگا کہ وہ اس فضا میں سانس لے جس میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں ان کے نزدیک راہبوں کا دشمن خدا اور کے نیک بندوں کا باغی ہے۔''

مریم نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور خاموش کھڑی رہی۔ جراحت کار حقیقت نے اسے گانگا کر دیا تھا۔ خلیل نے اپنے سر کو سہارا دے کر کہا۔

''مریم ان گاؤں کے باشندوں نے راہبوں اور کاہنوں سے ہر اس شخص کے خلاف بغض و عناد کی تعلیم حاصل کی ہے جو اپنی ذات کے متعلق سوچتا ہے چنانچہ یہ سب کے سب انہیں کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں کی طرح ان تمام افراد سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے اگر میں اس گاؤں میں رہا اور یہاں کے رہنے والوں سے میں نے کہا، بھائیو آؤ ہم راہبوں اور پادریوں کی خواہش کے مطابق نہیں، اپنی مرضی کیمطابق عبادت کریں کیونکہ خدا اس جاہل کا معبود نہیں بننا چاہتا جو دوسرے کی تقلید کرے۔ تو وہ کہیں گے کہ کہ یہ ملحد ہے اس لئے اس اقتدار کی مخالفت کر رہا ہے جو اللہ نے اپنے راہبوں کو تفویض کیا ہے۔ اور اگر میں نے ان سے کہا کہ بھائیو اس آواز کو غور سے سنو جو تمہارے دلوں سے آ رہی ہے اور اس روح کے ارادہ پر عمل کرو جو تمہاری گہرائیوں میں موجود ہے۔ تو ہو کہیں گے کہ یہ شیطان ہے اور ہمیں ان وسائل سے روگرداں کر دینا چاہتا ہے جو اللہ نے زمین و آسمان کے درمیان قائم کئے ہیں۔

خلیل نے اس وقت مریم کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور ایسی آواز میں جو قرئی تاروں کی جھنکار سے ملتی جلتی تھی، کہا:

''لیکن مریم اس گاؤں میں ایک ایسی طلسمی قوت ہے جس نے مجھ پر قابو پا لیا ہے اور میری روح سے چھٹ گئی ہے۔ وہ بلند قوت جس نے میرے دل سے راہبوں کے ظلم و جور کو بھلا دیا ہے اور ان کی سنگ دلی کو میرے لئے خوش گوار بنا دیا ہے۔ اسی

گاؤں میں میں نے موت کو اپنے روبرو دیکھا ہے اور اسی گاؤں میں میں روح خداوندی سے بغلگیر ہوا۔ اس گاؤں میں کانٹوں میں گھرا ہوا ایک پھول ہے جس کا حسن میرے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور جس کی خوشبو میرے کلیجہ کو معطر کر رہی ہے ہے تو کیا میں اس پھول کو چھوڑ دوں اور ان تعلیمات کی تبلیغ و تلقین کرتا ہوا چلا جاؤں جن کی بنا پر مجھے گرجا سے نکالا گیا یا اس پھول کے پاس ٹھہرا رہوں اور ان کانٹوں کے درمیان جو اس پھول کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اپنے افکار و تصورات کے لئے اپنے ہاتھوں قبر کھودوں، مریم بتاؤں میں کیا کروں۔''

مریم نے یہ الفاظ سنے اور اس کے جسم میں ایک ارتعاش پیدا ہوا جس طرح نسیم سحر کی لطیف موجوں سے سون کا پھول لہلاتا ہے اس کے دل کی شعاعیں اس کے ذہن سے جھلکنے لگیں اور اس نے کہا اس طرح کہ شرم کی زبان پکڑے لیتی تھی۔

''ہم دونوں ایک عادل اور مہربان مخفی قوت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ خود کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیں۔''

اسی لمحہ سے خلیل کے جذبات مریم سے گھل مل گئے اور وہ دونوں ایک بھڑکتا ہو اشعلہ بن گئے جس سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور جس کے گرد خوشبو مہک رہی تھیں۔

(5)

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ موروثی شرافت سے چمٹے ہوئے خاندان، قوم کے خلاف کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں سے ساز باز کر کے ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا عہدہ پیمان کر لیتے ہیں۔ یہ ایک پرانا روگ ہے جس نے انسانی سماج کی گردن میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ یہ روگ ہرگز اوائل نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس دنیا سے جہالت کا خاتمہ ہو کر ہر مرد کی عقل حکمران اور ہر عورت کا دل کاہن نہ ہو جائے۔

موروثی شریف زادہ اپنے محل کی تعمیر کمزور فقیروں کے اجسام سے کرتا ہے اور

کاہن ہیکل کی بنیاد اطاعت کیش اہل ایمان کی قبروں پر رکھتا ہے۔ میرے بے چارے کسان کے بازوؤں کو جکڑتا ہے اور کاہن اپنا ہاتھ اس کی جیب کی طرف بڑھاتا ہے۔۔ حاکم کسانوں کو تیوری چڑھا کر دیکھتا ہے اور پادری انکی طرف مسکراتے ہوئے متوجہ ہوتا ہے۔۔۔ اور چیتے کی تندمزاجی اور بھیڑیئے کے دانت نکوسنے میں بھیڑ غریب کا کام تمام ہو جاتا ہے۔۔۔ حاکم قانون کی تعمیل کی طرف بلاتا ہے اور کاہن مذہب کی پیروی کی طرف اور ان دونوں کے درمیان جسم فنا ہو جاتے ہیں اور روحیں مضمحل۔

لبنان میں۔۔۔ اس کوہستانی علاقہ میں، جو سورج کی روشنی کے اعتبار سے غنی، لیکن نور معرفت کے لحاظ سے محتاج ہے۔ موروثی شریف اور کاہن اس کمزور اور مفلس کے خلاف متحد ہو گئے ہیں، جو کھیت بوتا اور کاٹتا ہے۔ اس لیے کہ اپنے جسم کو پہلے کی تلوار اور دوسرے کی لعنت سے بچائے۔

لبنان میں موروثی شریف زادہ اپنے محل کے پاس کھڑے ہو کر اہل لبنان سے بلند آواز میں کہتا ہے۔

''سلطان نے مجھے تمہارے جسموں کا مربی بنایا ہے۔''

اور کاہن قربان گاہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلاتا ہے۔

''اللہ نے مجھے تمہاری روحوں کا سرپرست بنایا ہے۔

لیکن اہل لبنان، وہ خاموش رہتے ہیں اس لئے کہ مٹی میں لتھڑے ہوئے دل نہیں ٹوٹتے اس لئے کہ مردے نہیں روتے۔

چنانچہ شیخ عباس اس گاؤں کا مربی، حاکم اور امیر تھا، اسے گرجا کے پادریوں سے محبت تھی اور وہ ان کی تعلیمات و رسوم کی حفاظت کرتا تھا، اس لئے کہ پادری اس کے کھیتوں اور باغوں کے نگہبانوں میں احساس معرفت کو فنا اور تسلیم و اطاعت کے جذبات کو بیدار کرنے میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔

اس دن شام کو۔۔جبکہ خلیل اور مریم بارگاہ محبت کے قریب پہنچ گئے تھے اور راحیل ان کی روح کے اسرار سے آشنا ہو کر، ان کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔گاؤں کا پادری الیاس شیخ عباس کے محل میں پہنچا اور اسے اطلاع دی کے نیک سیرت راہبوں نے ایک باغی سرکش نوجوان کو گرجا سے نکال دیا ہے اور وہ ملحد دو ہفتے سے اس گاؤں میں پناہ گزین ہے چنانچہ اس وقت وہ سمعان کی بیوہ راحیل کے ہاں موجود ہے۔

پادری الیاس نے شیخ عباس کو یہ خبر سنانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ تاکیداً کہا:

''وہ شیطان جسے گرجا سے نکال باہر کیا گیا، اس گاؤں میں رہ کر فرشتہ نہیں بن سکتا اور انجیر کا وہ درخت جسے باغبان نے کاٹ کر آگ میں ڈال دیا ہو، آتش دان میں ہوتے ہوئے اچھا پھل نہیں دے سکتا، اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ گاؤں گھناؤنی بیماریوں کے جراثیم سے پاک رہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نوجوان کو اسی طرح اپنے گھروں اور کھیتوں سے نکال دیں جس طرح راہبوں نے اسے گرجا سے نکالا ہے۔''

شیخ عباس نے مستفسرانہ لہجہ میں کہا:

''آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ نوجوان اس گاؤں میں گھناؤنی بیماری کی طرح رہے گا؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اسے یہیں رہنے دیں اور باغوں کا رکھوالا یا مویشیوں کیلئے چرواہا بنا دیں؟ ہمیں اس وقت کام کرنے والوں کی اشد ضرورت ہے۔اس لئے اگر ایک قوی بازو نوجوان ہمارے ساتھ آتا ہے تو ہمیں اس خوش رکھنا چاہیے نہ یہ کہ اسے نکال باہر کریں۔''

پادری کی ہنسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔اس نے اپنی بھروں ڈاڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہا:

اگر یہ نوجوان کام کے لئے موزو ہوتا تو پادری اسے کیوں نکالتے جبکہ گرجا کی

زمین وسیع اور مویشی بے شمار ہیں۔ گرجا کے ایک گدھے ہنکانے والے نے، جو کل رات میرے ہی پاس ٹھہرا تھا، مجھے بتایا کہ یہ نوجوان راہبوں کے سامنے کفر کے کلمے دہراتا تھا اور اس انقلابی لہجہ میں دہراتا تھا جو اس کی جہالت و خباثت پر دلالت کرتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ جرات کی اور راہبوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر ان سے کہا:

''گرجا کی زمینیں، باغ اور سارا مال و متاع، اس گاؤں کے غریب باشندوں کو واپس کر دو اور دنیا کے مختلف حصوں میں بٹ جاؤ کہ یہ نماز اور عبادت سے بہتر ہے۔ اسی گدھے والے نے مجھے بتایا کہ ملامت آمیز سرزنش، کوڑوں کی مار اور قید خانہ کی تاریکی بھی اس کے حواس بجا نہ کر سکی۔ اس کے برخلاف وہ شیطان برابر نشو و نما پاتا رہا جو اکی روح پر مسلط تھا۔ جس طرح ڈلاؤ کی گندگی سے ناپاک کیڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

شیخ عباس ایک دم کھڑا ہو گیا اور اس چیتے کی طرح جو حملہ سے پہلے دو چار قدم پیچھے ہٹتا ہے۔ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا دانت پیستا اور غصہ سے کانپتا رہا اس کے بعد دروازہ کی طرف گیا اور بلند آواز میں اپنے نوکروں کو آواز دی، تین خام آئے اور اسکے سامنے مودب کھڑے ہو کر حکم کا انتظار کرنے لگے۔ شیخ عباس نے گرجتے ہوئے کہا:

''بیوہ راحیل کے ہاں راہب کے لباس میں ایک مجرم نوجوان ہے ابھی جاؤ اور اسے گرفتار کر کے ہمارے سامنے حاضر کرو اور اگر راحیل مزاحمت کرے تو اسے چٹیا پکڑ کر، برف پر گھسیٹتے ہوئے لے آنا، باغی کا ساتھی بھی باغی ہے۔''

خادموں نے سر جھکایا اور اپنے آقا کے حکم کے لئے تیزی سے روانہ ہو گئے لیکن عباس اور کاہن وہیں بیٹھے اس امر پر گفتگو کرتے رہے کہ باغی نوجوان اور راحیل کو کیا سزا دی جائے۔

دن چھپ گیا اور رات، برف میں کفنائی ہوئی ان جھونپڑیوں پر اپنی پرچھائیاں پھیلاتی ہوئی آ گئی۔ اس سرد تاریک فضا میں ستارے اس طرح نمودار ہوئے جس طرح نزع اور موت کی تکلیفوں کے پردے سے بقائے دوام کی آرزو ظہور میں آتی ہے۔ کسانوں نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں اور چراغ جلا کر آگ تاپنے کے لئے آتش دان کے پاس بیٹھ گئے، رات کی ان پرچھائیوں سے بے پرواہ ہو کر جوان کے مکانوں کے گرد چکر لگا رہی تھیں۔

اس وقت جبکہ راحیل، اس کی بیٹی مریم اور خلیل کی لکڑی کی چوکی کے گرد بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے، دروازہ کی کنڈی بجی اور شیخ عباس کے نوکر داخل ہوئے راحیل نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور مریم مارے خوف کے چونک پڑی۔ لیکن خلیل خاموش بیٹھا رہا گویا اس کی بزرگ روح ان لوگوں کے آنے پہلے ہی ان کی آمد کی اطلاع پا کر ہوشیار ہو گئی تھی۔ ان میں سے ایک خادم آگے بڑھا اور بیدردی سے اپنا ہاتھ خلیل کے کندھے پر رکھ کر کرخت لہجہ میں بولا:

''کیا تو ہی گرجا سے نکالا ہوا نوجوان ہے؟''

خلیل نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

''ہاں میں ہی ہوں کہئے کیا بات ہے۔''

وہی خادم بولا:

''ہم تجھے گرفتار کر کے شیخ عباس کے حضور حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ذرا ہچر مچر کی، تو ذبح شدہ بھیڑ کی طرف برف پر گھسیٹتے ہوئے لئے جائیں گے۔''

راحیل ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور پیشانی پر شکن ہو گئی۔ لرزتی ہوتی آواز میں کہا:

''انہوں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی بنا پر انہیں شیخ عباس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ تم انہیں کس لئے گرفتار کر کے لے جانا چاہتے ہو؟''

اور مریم نے کہا، اس طرح کہ امید اور رحم طلبی کا نغمہ اس کی آواز میں شامل تھا:

''یہ تنہا ہیں اور تم تین تین، اس لئے تمہارا انہیں ذلیل کرنے اور تکلیف پہنچانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا ان بزدلی ہے۔''

خادم کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور اس نے چلا کر کہا:

''کیا اس گاؤں میں کوئی ایسی عورت بھی ہے جو شیخ عباس کے حکم سے انحراف کرے؟''

یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک مضبوط رسی نکالی اور خلیل کی مشکیں کسنے کے ارادے سے آگے بڑھا، نوجوان کھڑا ہوگیا، اس کا چہرہ بالکل متغیر نہ ہوا بلکہ اس کا سر اونچا رہا، جیسے بگولوں کے سامنے سنگین قلعہ، اس کے لبوں پر غمگین تبسم نمودار ہوا اور اس نے کہا:

''بھائیو، مجھے تم سے ہمدردی ہے، اس لئے کہ ایک کمزور آنکھوں والے کے ہاتھ میں ایک طاقتور اندھا آلہ ہو، وہ تم پر ظلم کرتا ہے اور تمہارے بازوؤں کی قوت سے کمزوروں کو پیستا ہے۔ تم جہالت کے غلام ہو، اور جہالت حبشی کے چہرے سے زیادہ سیاہ اور سب چیزوں سے زیادہ ظلم و سنگ دلی کی فرمانبردار ہے۔ کل تک تم جیسا تھا اور کل تک تم مجھ جیسے ہو جاؤ گے لیکن اس وقت میرے اور تمہارے درمیان ایک گہرا غار ہے، جو میری آواز کو جذب کر رہا ہے اور تم پر میری حقیقت ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم سن سکتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو۔ لو آؤ، میں حاضر ہوں میری مشکیں کس لو اور جو تمہارا جی چاہے میرے ساتھ سلوک کرو۔''

آنے والوں نے یہ بات سنی اور ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان کے جسم پر پھریری آئی اور وہ نوجوانوں کو تھوڑی دیر تک حیرت و استعجاب سے دیکھتے رہے۔ گویا اس کی آواز کی شیرینی نیان کے جسموں سے حرکت چھین لی ہے اور ان کے بلند میلانات کو بیدار کر دیا ہے، جو ان کے دل کی گہرائیوں میں سو رہے تھے لیکن یک لخت وہ چونک پڑے۔ گویا شیخ عباس کی آواز ان کے کانوں میں گونج رہی ہے اور

انہیں وہ فرض یاد دلا رہی ہے جس کی تکمیل کیلئے انہیں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور نوجوان کی مشکیں کس لیں۔ خاموشی کیساتھ وہ گھر سے نکلے، انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے دل کے ہر گوشہ میں کوئی الم ناک چیز کھٹک رہی ہے۔ راحیل اور مریم ان کے ساتھ ساتھ ہولیں۔ وہ خلیل کے پیچھے پیچھے عباس کے مکان کی طرف جا رہی تھیں۔ جس طرح بیت المقدس کی لڑکیاں مسیح کے پیچھے پیچھے تھیں۔ جب ظالم انہیں کو بلجلہ کی طرف لے جا رہے تھے۔

(7)

خبریں عام طور پر اہم ہوں، یا معمولی، جہاں تک چھوٹے چھوٹے گاؤں کا تعلق ہے، فکر کی سی تیزی سے پھیلتی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ غریب کسان اجتماعی زندگی کے لگاتار مشاغل سے دور رہتے ہیں اور یہ دوری انہیں واقعات کی تحقیق و تلاش میں ہمہ تن مصروف رہنے سے باز رکھتی ہے جو ان کے محدود دائرہ میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جاڑوں میں جب کھیت اور باغ برف کے لحافوں میں محو خواب ہوتے ہیں اور ٹھٹھری ہوئی خوف زدہ زندگی آتش دانوں کے آس پاس گوشہ گیر ہو تو گاؤں والوں میں خبریں معلوم کرنے کا یہ شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے تاکہ خالی دن خبروں کی تاثیرات سے مشغلہ اور سردار تیں ان پر تبصرہ کرنے میں بسر ہو جائیں۔

چنانچہ شیخ عباس کے آدمیوں نے خلیل کو گرفتار کیا ہی تھا کہ خبر چھوت کی بیماری کی طرح سارے گاؤں میں پھیل کر دیہاتیوں میں شوق دریافت کو بھڑکا گئی وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر منتشر فوج کی طرح چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر آنے لگے۔ گرفتار شدہ نوجوان ابھی شیخ عباس کے گھر پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کا شاندار دیوان خانہ مرد، عورتوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ تماشائی شوق اضطراب کے عالم میں بار بار اپنی گردنیں اٹھا رہے تھے کہ ایک نظر گرجا سے نکالے ہوئے کافر کو دیکھ لیں اور بیوہ راحیل اور اس کی بیٹی مریم کو بھی جن کی خبیث روحوں نے گاؤں کی فضا

کو جہنمی بیماریوں سے زہر آلودہ کرنے میں اس نوجوان کا ساتھ دیا تھا۔

شیخ عباس ایک بلند کرسی پر رونق افروز ہوا اور اس کے برابر کرسی پر پادری الیاس پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا۔ کسان اور خادم، سراپا انتظار کھڑے تھے، ان کی نگاہیں مشکیں کسے نوجوان پر جمی تھیں۔ جوان کے درمیان اس طرح سر اونچا کئے کھڑا تھا جیسے وادیوں میں بلند پہاڑ۔ راحیل ارمریم اسکے پیچھے کھڑی تھیں۔ خوف ان کے دلون پر طاری تھا اور لوگوں کی بے رحمی نگاہیں انکی روحوں کو برما رہی تھیں۔ لیکن خوف اس عورت کے جذبات پر کیا اثر کرسکتا ہے جس نے حق کو دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہولی اور بے رحم نگاہیں اس دوشیزہ کے دل کو کیا متاثر کرسکتی ہیں جس نے محبت کی آواز سنی اور بیدار ہوگئی۔

شیخ عباس نے نوجوان کی طرف دیکھا اور موجوں کے شور سے ملتی جلتی آواز میں اس سے پوچھا:

''تیرا نام کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''خلیل!''

شیخ نے دربارہ سوال کیا:

''تیرے عزیز و اقارب کون ہیں اور وہ وطن کہاں ہے؟''

خلیل نے کسانوں کی طرف نگاہ کی جو انہیں ذلت حقارت سے دیکھ رہے تھے اور کہا:

''یہ مظلوم فقیر و مسکین میرے عزیز و اقارب ہیں اور یہ وسیع ملک میرا وطن ہے!''

شیخ عباس از راہ طنز مسکرایا اور کہا:

''جن لوگوں کی طرف تو اپنے آپ کو منسوب کر رہا ہے وہ تجھے سزا دلوانا چاہتے ہیں اور جس ملک کو تو اپنا وطن بتا رہا ہے، وہ تجھے اپنا باشندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا

ہے۔''

نوجوان کا دل بے چین ہو گیا اور اس نے کہا:

''جاہل قومیں اپنے سپوتوں کو پکڑ کر ظالموں کے حوالے کر دیتی ہیں اور نفرت و ذلت سے بھرا ہوا ملک اپنے مخلصوں اور عاشقوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا ہے۔ لیکن کیا نیک لڑکا اپنی ماں کو چھوڑ دیتا ہے، جبکہ وہ بیمار ہو اور مہربان بھائی اپنے بھائی کو بھلا دیتا ہے جبکہ وہ گردش روزگار کا اسیر ہو۔ یہ غریب جنہوں نے آج میری مشکیں کس کر آپ کے سپرد کیا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے کل اپنی گردنیں آپ کے حوالے کی تھیں۔ یہ کسان جنہوں نے ذلت آمیز طریقہ سے مجھے آپ کے حضور کھڑا کیا ہے وہی ہیں جو آپ کی زمینوں میں اپنے دل کے بیج بوتے ہیں اور آپ کے قدموں پر اپنے جسم کا خون بہاتے ہیں اور یہ زمین جو مجھے اپنا باشندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، وہی زمین ہے جو اپنا منہ کھول کر بے ایمانوں اور حریصوں کو نگل نہیں جاتی۔

شیخ عباس نے ایک قہقہہ لگایا، گویا نوجوان کی روح کو اس کی سماعت خراشیوں میں غرق کر دینا چاہتا ہے۔ گویا اسے سادہ لوح تماشائیوں کی روح تک پہنچنے سے روک دینا چاہتا ہے۔ اس نے کہا:

''گستاخ! کیا تو گرجا کے مویشیوں کا چرواہا نہیں تھا؟ پھر تو نے اپنی رعایا کو کیوں چھوڑا اور گرجا سے کیوں نکال باہر کیا گیا؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ قوم پاک راہبوں کے مقابلہ میں ملحد مجذبوں سے زیادہ ہمدردی رکھے گی؟''

خلیل نے جواب دیا:

''میں چرواہا تھا، قصائی نہیں۔ میں بچھڑوں کو سرسبز میدانوں میں شاداب چراگاہوں میں لے جاتا تھا۔ بے آب وہ گیاہ ٹیلوں پر نہیں، میں انہیں شیریں چشموں پر پانی پلاتا تھا اور گندے جوہڑوں سے دور رکھتا تھا۔ میں ان کو شام ہوتے باڑ میں واپس لیجاتا تھا۔ بھڑیوں اور خونخوار درندوں کا شکار ہونے کے لئے وادی میں

نہیں چھوڑتا تھا۔ میں حیوانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا تھا اور اگر آپ بھی ان دبلی پتلی بھیڑوں کے ریوڑ کیساتھ جو اس وقت ہمارے گرد محیط ہے، مجھ جیسا سلوک کرتے تو اس عالی شان محل میں کس طرح رہتے اور انہیں تنگ تاریک جھونپڑیوں میں بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ اگر آپ بھی اللہ کے مایوس و نامراد بندوں پر اسطرح رحم کھاتے جس طرح میں گرجا کے مویشیوں پر کھاتا تھا تو اس وقت اس نرم و گداز تخت پر کیسے بیٹھے ہوتے اور یہ لوگ آپ کیسامنے اس طرح کیوں کھڑے ہوتے جیسے پچھوا ہوا کے سامنے بے برگ و بار شاخیں۔''

شیخ عباس شدت اضطراب سے لرز اٹھا۔ اس کی پیشانی پر سرد پسینہ کے قطرے چمکنے لگے اور اس کی ہنسی غصہ سے بدل گئی لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پایا مبادا اس کا خوف اور پریشانی حاضرین پر ظاہر ہو جائے اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''بے ایمان، ہم نے تجھے گرفتار کرا کے اس لئے یہاں نہیں بلایا ہے کہ تیری بکواس سنیں بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ بدمعاش مجرم کی طرح تیرا فیصلہ کریں، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت تو اس گاؤں کے سردار کے سامنے کھڑا ہے جو امیر امین شہابی خدا اس کی مدد کرے، کا نمائندہ ہے۔ پادری الیاس کیسامنے کھڑا ہے۔ جو مقدس کلیسا کا نمائندہ ہے جس سے تو نے بغاوت کی ہے۔ اس لئے تجھ پر واجب ہے کہ ان الزامات کی تردید کرے جو تجھ پر لگائے گئے ہیں یا اظہار ندامت کے ساتھ ہم سے رحم کا طالب ہو اور ہمارے اس مجمع کے سامنے جو تجھ پر ہنس رہا ہے، سر جھکا دے۔ ہم تجھ کو معاف کر دیں گے اور کلیسا کی طرح تجھے مویشیوں کا چرواہا بنا دیں گے۔''

''مجرم کا فیصلہ مجرم نہیں کر سکتے اور بدمعاش بدمعاشوں کے سامنے ان الزامات کی

تردید کیلئے آمادہ نہیں ہوسکتا جو اس پر لگائے گئے ہوں۔''

یہ کہہ کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جو اس وسیع دیوان خانے میں ابنوکثیر کی صورت میں جمع تھے اور بلند آواز میں جو نقرئی گھنٹوں کی جھنکار سے مشابہ تھی۔ انہیں مخاطب کر کے کہا:

''بھائیوں اس شیخ نے، جسے تمہاری اطاعت وفرمانبرداری نے تمہاری زمینوں کا مالک بنا دیا ہے۔ مجھے گرفتار کرا کے بلایا ہے کہ تمہارے سامنے اس دیوان خانے میں مجھے جذبہ ایمانی نے تمہارے گرجا کا پادری بنایا ہے مجھے تکلیف پہنچانے اور ذلیل کرنے میں اس کا ساتھ دینے آیا ہے لیکن تم ؟۔۔تم چاروں طرف دوڑے دوڑے آئے ہو کہ مجھے اذیت میں مبتلا ہوتے دیکھو اور رحم و ہمدردی کے لئے فریاد کرتے سنو۔تم نے گرم آتش دانوں کی قربت کو خیر باد کہہ دیا ہے اس لئے کہ اپنے بیٹے اور بھائی کو ذلت کے ساتھ رسیوں میں جکڑا ہوا دیکھو۔تم لپک لپک کر آئے ہو کہ درندوں کے چنگل میں تکلیف سے کراہتے ہوئے شکار کا تماشا کرو۔تم آئے ہو کہ باغی مجرم کو حاکموں کے سامنے کھڑا دیکھو۔لو میں ہوں وہ مجرم میں ہوں وہ باغی جسے گرجا سے نکالا گیا۔اور آندھی کے جھکڑا سے تمہارے گاؤں میں اڑا لائے۔میں ہوں وہ بدمعاش، میری پکار سنو اور میرے ساتھ ہمدردی نہیں انصاف کرو۔اس لئے کہ ہمدردی صرف کمزور مجرموں کیلئے جائز ہے۔لیکن انصاف وہ چیز ہے جس کا طالب ہر بے گناہ ہوتا ہے۔میں تم ہی کو اپنا قاضی بناتا ہوں۔اس لئے کہ قوم کا ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے اپنے دلوں کو بیدار کرو اور میری بات خوب غور سے سنکر اپنے ضمیر کی روشنی میں میرا فیصلہ کرو۔تم سے کہا گیا ہے کہ میں باغی اور سرکش ہوں۔لیکن تمہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ میرا قصور کیا ہے۔تم نے مجھے قاتل چور کی طرح مشکیں کسا دیکھا ہے لیکن میرے جرم سے اب تک تمہارے کان آشنا نہیں ہوئے۔اس لئے کہ اس ملک میں جرم و گناہ کی حقیقت کہر میں چھپی ہوتی ہے لیکن سزا لوگوں

پر اس طرح ظاہر ہوتی ہے جیسے رات کی تاریکی میں بجلی کی تلواریں۔

بھائیو، میرا جرم تمہاری بدبختی کا ادراک اور تمہاری زنجیروں کی گرانباری کا احساس ہے۔ بہنو، میرا گناہ تم سے اور تمہارے بچوں سے ہمدردی ہے۔ جو تمہارے سینوں سے موت اور تشنگی ملی زندگی چوستے ہیں۔ میں تمہیں میں سے ایک ہوں۔ میرے باپ دادا بھی انہیں وادیوں میں پلے بڑھے ہیں جنہیں تمہاری قوتوں نے باآور کیا ہے اور اسی جوئے کے نیچے مرے ہیں جنہوں نے تمہاری گردنیں دوہری کر رکھی ہیں۔ میں اس خدا پر یقین رکھتا ہوں جو تمہاری دردناک روحوں کی پکار سنتا ہے اور تمہارے قوتوں نے باوآور کیا ہے اور اسی جوئے کے نیچے مرے ہیں جنہوں نے تمہاری گردنیں دوہری کر رکھی ہیں۔ میں اس خدا پر یقین رکھتا ہوں جو تمہاری درد ناک روحوں کی پکار سنتا ہے اور تمہارے دھڑکتے ہوئے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جس نے مجھے اور تمہیں برابر کا بھائی بنایا ہے۔ ان تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں جنہوں نے مجھے اور تمہیں انسان کی بندگی سے آزاد کر کے اس زمین پر لا کھڑا کیا ہے جو ذات خداوندی کا فرش پا انداز ہے۔ میں گرجا میں مویشیوں کا چرواہا تھا لیکن میری تنہائی نے خاموش جنگل اور گونگے جانوروں کی معیت کے باوجود مجھے اس اندوہناک حقیقت کی طرف سے اندھا نہیں کیا۔ جس نے تم طوعاً و کرہاً کھیتوں میں دوچار رہتے ہو مایوسی کی اس پکار کی طرف سے میرے کان بہرے نہیں کئے، جو جھونپڑیوں کے کونے کھدروں سے اٹھتی ہے۔ میں نے دیکھا تو خود کو گرجا میں اور تمہیں کھیتوں میں بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی مثال پایا۔ جو خونخوار بھیڑیئے کے پیچھے پیچھے اس غار کی طرف جا رہا تھا۔ میں بیچ راستہ میں ٹھہر گیا اور مدد کے لئے چلانے لگا۔ یہ دیکھ کر بھیڑیا مجھ پر جھپٹا اور اپنے فولادی چنگلوں سے مجھے زخمی کر دیا۔ اس کے بعد نہایت مکاری سے کام لے کر مجھے ریوڑ سے الگ کر دیا۔ مبادا میری پکار بھیڑوں کی روح کو بیدار کر دے، ان کے دلوں میں بغاوت

کے جذبات بھڑکا دے اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر اسے رات کی تاریکیوں میں تنہا اور بھوکا چھوڑ دیں۔

میں نے اس جراحت کار حقیقت کے لئے جو تمہاری پیشانیوں پر مجھے خون سے لکھی دکھائی دی، قید بھوک اور پیاس کی مصیبتیں برداشت کیں۔ تمہاری آہوں کے سکوت کو ایک ایسی بلند آواز بنانے کی پاداش میں جو وادی کی خلاؤں میں گونجتی تھی۔ اذیتیں سہیں، لاتوں اور گھونسوں کو گوارا کیا۔ طنز وہ استہزا کے نشتر سہے لیکن کبھی خوف زدہ نہ ہوا نہ اپنا دل تھوڑا کیا۔ اس لئے کہ تمہاری الم ناک فریادیں میرے ساتھ ساتھ تھیں اور میری قوتوں کو ابھار ابھار کر ظلم حقارت اور موت کو میرے لئے پسندیدہ بناتی تھیں۔۔ تم اس وقت اپنے آپ سے پوچھ رہے ہو گے۔ ہم نے کیا مظلومی کی فریاد کی۔ ہم میں سے کون شخص ہے جس نے لب کشائی کی جرات کی، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تمہاری روحیں ہر روز مظلومی کے عالم میں چیختی ہیں اور تمہارے دل ہر رات درد والم کی حالت میں فریاد کرتے ہیں لیکن تم اپنی روحوں کی پکار سنتے ہو نہ اپنے دلوں کی فریاد پر کان دھرتے ہو، مرنے والا اپنے سینہ کی خرخراہٹ نہیں سنتا لیکن اس کے بستر کے قریب بیٹھنے والے سنتے ہیں، ذبح شدہ پرندہ، اضطراری طور پر پھڑ پھڑاتا ہے اور نہیں جانتا لیکن دیکھنے والے جانتے ہیں۔۔۔ دن کی وہ کون سی گھڑی ہے جس میں تمہاری روحیں درد سے بے چین ہو کر آہیں نہیں بھرتیں؟ کیا صبح کے وقت جب زندہ رہنے کی محبت تمہیں جھنجھوڑتی ہے، تمہاری پلکوں سے نیند کی نقاب کو تار تار کر کے نوچ لیتی ہے اور تمہیں غلاموں کی طرح کھیتوں میں لیجاتی ہے؟ یا دوپہر کو جب تم درختوں کے سایہ میں بیٹھنے کی تمنا کرتے ہو تا کہ سورج کے گرم تیروں سے خود کو بچا سکو، لیکن نہیں بچا سکتے؟ کیا شام کے وقت جب تم بھوکے پیاسے اپنے جھونپڑوں کی طرف لوٹتے ہو لیکن سوکھی روٹی اور گدلے پانی کے سوا کچھ نہیں پاتے؟ یا رات کو جب دن بھر کی تکان تمہیں پتھروں کے فرش پر لٹاتی ہے

اور تم کروٹیں لیتے لیتے سو جاتے ہو۔لیکن ابھی نیند تمہاری پلکوں کو سرمگیں بناتی کہ خوف زدہ ہو کر چونک پڑتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ شیخ کی آواز تمہارے کانوں میں گونج رہی ہے؟۔۔

سال کا وہ کون سا دن ہے جسمیں تمہارے دل حسرت زدگی کے عالم میں نالہ و ماتم نہیں کرتے ؟ کیا بہار جب فطرت کا ایک نیا جوڑا پہن لیتی ہے اور تم پھٹے پرانے کپڑے پہنے اسے دیکھنے کے لئے نکلتے ہو؟ یا گرمیاں جب تم کھیت کاٹتے ہو اور خرمن جمع کرے ہو، اپنے ظالم آقا کے مٹکے غلہ سے بھرتے ہو اور اپنی ان تمام محنتوں کے بدلے کچھ نہیں پاتے سوائے گھاس پھوس کے ؟ کیا خزاں جب تم پھل جمع کرتے ہو اور انگوروں کا رت نچوڑتے ہو، لیکن اس میں تمہارا حصہ کچھ نہیں ہوتا ، سوائے سرکہ اور بلوط کے ؟ یا جاڑے ۔ جب فضا تم پر ستم ڈھاتی ہے سردی اور خنکی تمہیں برف میں لپٹے ہوئے جھونپڑوں کی طرف بھگاتی ہے ۔اور تم آتش دانوں کے قریب بیٹھ کر تکلیف سے کراہتے اور آندھیوں اور بگولوں کے غضب سے ڈرتے ہو؟ فقرو، یہ ہے تمہاری زندگی ، بدبختو یہ ہے وہ تاریک رات جو تمہاری روحوں پر خیمہ زن ہے۔محتاجو یہ ہیں تمہاری ذلت و بدبختی کی پرچھائیاں ، نامرادیہ ہے وہ مستقل اور رالم ناک فریاد، جسے میں نے تمہارے سینوں سے نکلتے سنا اور بیدار ہو گیا۔ میں نے راہبوں کے خلاف بغاوت کی اور ان کی زندگی سے روگرداں ہو گیا۔ میں تمہارے اور اس انصاف کے نام پر جو تمہاری تکلیفوں سے تکلیف میں مبتلا ہو، یکہ و تنہا ظلم برداشت کرنے کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کافر اور باغی سپاہی گردان کر گرجا سے نکال دیا اور میں یہاں آ گیا کہ میں تمہارے ساتھ زندگی بسر کر کے تمہاری بدبختی میں حصہ لوں اور اپنے آنسو تمہارے آنسوؤں میں شامل کروں لیکن لوگوں نے میری مشکیں کس کر تمہارے اس طاقت ور دشمن کے سپرد کر دیا جو تمہاری خیراتوں پر جیتا ہے ۔تمہاری دولت کے بل پر بادشاہوں کی سی زندگی بسر کرتا

ہے اور تمہاری محنتوں کے ثمر سے اپنا وسیع پیٹ بھرتا ہے۔

کیا تم میں وہ بوڑھے نہیں جو بتا سکیں کہ وہ کھیت جنہیں بونے اور جوتنے کے باوجود تم ان کی پیداوار سے محروم رہتے ہو، دراصل تمہارے تھے لیکن شیخ عباس کے باپ نے تمہارے باپ دادا سے چھین لئے۔ جب قانون تلوار کی باڑھ پر کندھا؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ راہبوں نے تمہارے بزرگوں سے چال کی اور ان کے کھیت اور باغوں پر قبضہ کرلیا، جب دین کی آیتیں کاہن کے ہونٹوں پر لکھی ہوئی تھیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مذہب کے ٹھیکیدار موروثی امیر زادے تمہیں حقیر اور ذلیل کرنے اور تمہارے دلوں کو خون چوسنے کیلئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں؟ تم میں کون ایسا مراد ہے جس کی گردن پادری کے کلیسائے زمیندار کے سامنے نہیں جھکوائی؟ اور تم میں کون ایسی عورت ہے جسے زمیندار نے ڈانٹ ڈپٹ کر گرجا کے پادری کی مرضی پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔

تم نے سنا ہوگا کہ اللہ نے انسان سے کہا تھا، محنت کو روٹی کھاؤ، پھر شیخ عباس وہ روٹی کیوں کھاتا ہے جو تمہارے ماتھے کے پسینہ سے گندھی ہے اور وہ شراب کیوں پیتا ہے جس میں تمہارے آنسو شامل ہیں؟ کیا اللہ نے اس شخص کو ماں کے پیٹ ہی سے عظمت و امتیاز اور امارت و سیارت کا مرکز بنا کر بھیجا ہے۔ یا نامعلوم گناہوں کی بنا پر تم سے ناراض ہو کر تمہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہے کہ تم کھیتوں کا غلہ جمع کرو اور وادیوں کے کانٹے کھاؤ۔ شاندار محل تیار کرو اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں رہو۔۔۔ تم نے سنا ہوگا کہ مسیح نے اپنے حواریوں سے کہا تھا۔ تمہیں فطرت کی طرف سے جو کچھ ملا ہے مفت ملا ہے، اس لئے بھی لوگوں کو جو کچھ دو مفت دو۔۔۔

چاندی سونے اور تانبے اور پیٹیوں سے خود کو مقید اور ذلیل نہ کرو، تو پھر کون سی تعلیمات ہیں جنہوں نے راہبوں اور کاہنوں کے لئے جائز کر دیا کہ وہ اپنی نمازیں

اور منتر چاندی اور سونے کے عوض فروخت کریں؟

تم رات کی خاموشی میں دعائیں مانگتے ہو۔ یارب، ہمیں پیٹ بھر کے روٹی اور زندگی کی دوسری ضروریات فراہم کرتی ہے تو کاے اللہ نے گرجا کے سرداروں کو قوت اس لئے دی ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے روٹی چھین لیں تم یہود پر لعنت بھیجتے ہو کہ اس نے چاندی کے ٹکڑوں کے عوض اپنے آقا کو فروخت کر دیا پھر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر تم ان لوگوں کو مبارک باد دیتے ہو۔ جو اپنی زندگی میں ہر روز یہی کام کرتے ہیں بد بخت یہود تو اپنی غلطی پر نادم بھی ہو گیا تھا اور اس نے خود کو گلا گھونٹ کر ختم بھی کر دیا تھا۔ لیکن یہ لوگ تو تنی ہوئی گردنوں لمبی لمبی حریری قباؤں، طلائی ہاروں اور قیمتی انگوٹھیوں کے ساتھ تمہارے سامنے چلتے پھرتے ہیں۔ تم تو اپنے بچوں کو مسیح ناصری کی تعلیم دیتے ہو پھر انہیں مسیح سے بغض وعناد رکھنے والوں اور اس کی تعلیمات وشریعت کے مخالفوں کے سامنے گڑگڑانا کیوں سکھاتے ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ مسیح کے سارے قاصد تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے سنگسار کر دیئے گئے۔ صرف اس لئے کہ تم میں مقدس روح مردہ نہ ہونے پائے۔ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ راہب اور کاہن تمہاری روحوں کو قتل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری خیراتوں سیگل چھرے اڑائیں اور تمہاری قید وبند کی تکلیفوں سے لذت اندوز ہوں، قسمت کے ماورہ کیا چیز ہے جو تمہیں زلت وحقارت سے بھری ہوئی زندگی کے فریب میں مبتلا کرتی ہے، اس خوف ناک بت کے سامنے تمہیں سجدہ ریز رکھتی ہے۔ جسے جھوٹ اور ریا کاری نے تمہارے آباؤ اجداد کی قبروں پر نصب کیا ہے۔ وہ کون سا گنج شائگاں ہے۔ جسکی حفاظت تم اپنی طاعت وفرماں برداری کے ذریعے کرتے ہو تا کہ اپنی اولاد کے لئے اس ورثہ میں چھوڑ جاؤ؟

تمہاری روحیں کاہن کی مٹھی میں تمہارے جسم حاکم کے چنگل میں اور تمہارے دل یاس وناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہیں زندگی کی وہ کون سی شے ہے جسکی

طرف تم یہ کہہ کر اشارہ کرسکو کہ یہ ہماری ہے'' اے کمزور غلامو! کیا تم جانتے ہو کہ کون کاہن ہے جس سے تم مرعوب ہو اور جسے تم محسوس کرتے ہو لیکن اس کے اظہار سے کانپ کانپ جاتے ہو۔

وہ بے ایمان ہے، جسے عیسائی مقدس کتاب دیتے ہیں اور وہ اسے ایک جال بنا کر ان کے مال ومتاع شکار کرتا ہے وہ مکار و دغاباز ہے، جسے اہل ایمان حسین صلیب عطا کرتے ہیں اور وہ اسے آبدار شمشیر بنا کر ان کے سروں پر کھینچ لیتا ہے، وہ ظالم ہے جس کے سپرد کمزور اپنی گردنیں کرتے ہیں اور وہ انہیں رسیوں سے باندھ کر آہنی طوقوں سے جکڑ کر، اپنے فولادی ہاتھوں سے دبوچتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک کہ وہ مٹی کے برتنوں کی طرح پس کر راکھ کی طرح فضا میں منتشر نہ ہو جائیں۔ وہ خوف ناک بھیڑیا جو باڑ میں داخل ہوتا ہے اور چرواہا اسے بھیڑ اک بچہ سمجھ کر اطمینان سے سو جاتا ہے لیکن جب رات کی تاریکی دن کی روشنی پر غالب آتی ہے تو وہ ریوڑ پر جھپٹ کے ایک ایک بھڑ کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ وہ پیٹ کا کتا ہے جو لذیز و مرغن غذاؤں سے چنے ہوئے دسترخوانوں کی ہیکل کی قربان گاہوں سے زیادہ عزت کرتا ہے وہ لالچی ہے جو دولت کی حرص میں جنون کے غاروں تک پہنچ جاتا ہے اور غلاموں کا خون چوستا ہے جس طرح ایک صحرا بارش کے قطروں کو چوستا ہے، کنجوس ہے جو اپنے انفاس تک کی حرص کرتا ہے اور وہ چیزیں بٹورتا ہے جن کی اسے مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ چور ہے جو دیوار کے شگافوں میں سے داخل ہوتا ہے اور اس وقت تک نہیں نکلتا ہے جب تک مکان ڈھے نہ جائے، وہ سنگ دل ڈاکو ہے جو بیوہ سے ایک درہم اور یتیم سے ایک پیسہ چھیننے میں باک نہیں کرتا۔ وہ عجیب و غریب مخلوق جس کی چونچ گدھ کی سی۔ پنجے چیتے کے سے۔ دانت بجو کے سے اور پھنکار سانپ کی سی ہے۔ تم اس کی کتاب چھین لو۔ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالو اور اسکی ڈاڑھی نوچ لو۔ غرض جو تمہارا جی چاہے اس کے ساتھ کرو لیکن اس کے ہاتھ پر ایک

دینار رکھ دو وہ تمہیں معاف کر دے گا اور محبت کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگے گی۔تم اس کے رخسار پر طمانچہ مار دو اس کے منہ پر تھوک دو۔اس کی گردن دبوچ لو لیکن اس کے بعد سے اپنے دسترخوان پر بٹھالو، وہ یہ سب کچھ بھول جائیگا۔اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھے گا اور وہ تمہارے سامان خورد ونوش سے پیٹ بھرنے کے لئے اپنا کمر بند ڈھیلا کرے گا۔تم اس کے خدا کو برا بھلا کہو، اس کے عقائد پر لعنت بھیجو، اس کے ایمان کا مذاق اڑاؤ، لیکن اس کے بعد اسے شراب کا ایک مٹکا یا پھلوں کی ایک سینی بھیج دو، وہ تم سے درگزر کریگا اور تمہیں خدا اور اس کے بندوں کے سامنے نیکو کار و راست باز قرار دے گا وہ عورت کو دیکھتا ہے تو منہ پھیر لیتا ہے اور بلند آواز میں کہتا ہے:

''مجھ سے درد ہو، اے بابل کی بیٹی''

لیکن اپنے دل سے سرگوشی کرتا ہے۔

''ازدواجی زندگی تجرد سے بہتر ہے۔

وہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کاروان محبت کے ساتھ چلتے دیکھتا ہے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے اور چلا کر کہتا ہے:

''یہ باطلوں کا باطل ہے۔اس آسمان کے نیچے ہر چیز باطل ہے!''

لیکن تنہائی میں ٹھنڈا سانس بھرتا ہے اور کہتا ہے:

''خدا کرے یہ قانون فنا ہو جائے، یہ رسمیں برباد ہو جائیں جو مجھے دنیا کی مسرتوں سے دور رکھتی ہیں، زندگی کی لذتیں مجھ پر حرام کرتی ہیں۔''

وہ لوگوں سے بطور اشتہار کہتا ہے:

''تم کسی کا محاسبہ نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے باز پرس کی جائے۔''

لیکن خود ان تمام لوگوں پر نہایت بے رحمی سے فیصلے صادر کرتا ہے جو اسکی مکاریوں کے اسیر ہوں اور انکی روحوں میں بھیج دیتا ہے اس سے پہلے کہ موت انہیں اس زندگی

سے محروم کرے۔۔وہ بار بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تم سے گفتگو کرتا ہے لیکن ا س کا خیال سانپ کی طرح تمہاری جیبوں کے گرد پیچ وخم کھاتا رہتا ہے۔وہ تمہیں میرے بچو میرے بیٹو، کہہ کہہ کر پکارتا ہے لیکن جذبہ پدری سے بالکل ناواقف ہوتا ہے اس کے ہونٹ طفل شیر خوار کے لئے کبھی تبسم آشنا نہیں ہوتے۔اور وہ کبھی کسی بچہ کو اپنی گود میں نہیں لیتا۔وہ سر ہلا ہلا کر منکسرانہ لہجہ میں تم سے کہتا ہے:

''ہمیں کائنات کی ہر چیز سے بلند ہو جانا چاہیے کیونکہ ہماری زندگی کہر کی طرح فنا ہو جائے گی اور ہمارے شب وروز سائے کی طرح ڈھل جائیں گے۔''

لیکن اگر تم غور سے دیکھو گے تو وہ تمہیں دنبال حیات سے چمٹا،عمر کے دامن سے لپٹا کل کیگذر جانے سر متاسف، دن کی برق رفتاری سے خائف اور کل کی آمد کا مستطار نظر آئے گا۔۔۔وہ تم سے احسان چاہتا ہے حالانکہ اس کے پاس تم سے زیادہ دولت ہے۔اگر تم اس کی طلب پوری کر دو تو وہ تمہارے لئے کھلے بندوں برکت کی دعا کرے گا۔اور اگر ٹال جاؤ تو دل ہی دل میں تم پر لعنت بھیجے گا۔۔۔ہیکل میں وہ تمہیں فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری کی تلقین کرتا ہے حالانکہ اس کے مکان کے چاروں طرف بھوکے چلاتے ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے مایوسیوں اور نامرادوں کے ہاتھ پھیلتے ہیں لیکن وہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور اپنی دعائیں بیچتا ہے اور جو کوئی انہیں نہیں خریدتا، اسے خدا اور اس کے پیغمبروں کا باغی بتاتا ہے اس کے حق میں جنت اور اس کی لذتوں سے محرومی کا فتوی صادر کرتا ہے۔

عیسائیو! یہی وہ مخلوق ہے جو تمہیں ڈراتی ہے۔فقیرو! یہی وہ راہب ہے جو تمہارا خون چوستا ہے۔یہی وہ کاہن ہے جو دائیں ہاتھ سے صلیب کا نشان بناتا ہے اور بائیں ہاتھ سے تمہارے دلوں کو دبوچتا ہے۔یہی وہ اسقف ہے جسے تم خدمت کی صورت کے لئے مقرر کرتے ہو،لیکن وہ آقا بن جاتا ہے جسے تم مقدس پادری بناتے ہو لیکن وہ شیطان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔جسے تم نیابت کی عزت بخش کر بلند

مرتبہ عطا کرتے ہوئے لیکن وہ بھاری جوا ہو جاتا ہے یہی وہ سایہ ہے جو اس دنیا میں آنے کے وقت سے لے کر ہدایت کی طرف لوٹنے تک تمہاری روحوں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو آج رات کو مجھے سزا دینے اور ذلیل کرنے آیا ہے۔ اس جرم میں کہ میری روح نے مسیح ناصری کے دشمنوں کے خلاف بغاوت کی ہے جو تم سے محبت کرتا تھا۔ جو تمہیں اپنا بھائی کہہ کر پکارتا تھا جو تمہاری خاطر ہنسی خوشی سولی پر چڑھ گیا۔

قیدی نوجوان کا چہرہ چمک اٹھا، اسے محسوس ہوا کہ سامعین کے سینوں میں روحانی بیداری کروٹیں لے رہی ہے۔ اس نے دیکھ لیا کہ ناظرین چہروں پر اس کے کلام کی تاثیرات نمایاں ہیں، اس کی آواز پہلے سے بلند ہوگئی اور اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا:

بھائیو! تم نے سنا ہوگا کہ امیر امین شہابی نے شیخ عباس کو اس گاؤں کا سردار بنایا ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ اس ملک کے فرمانروائے اعلیٰ نے امیر امین شہابی کو اس کوہستانی مملکت کا حاکم مقرر کیا ہے لیکن کیا تم نے اس قوت کے متعلق بھی سنا یا اسے دیکھا، جس نے شہنشاہ کو اس ملک کا آقائے ولی نعمت بنایا ہے؟ تم اس قوت کو مجسم نہیں دیکھ سکتے، نہ بولتے سن سکتے ہو، لیکن اپنی روح کی گہرائیوں میں اسکا وجود محسوس کرتے ہو۔ عجز و انکساری کے ساتھ اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہو اور اسے یہ کہہ کر پکارتے ہو: ہمارے باپ جو آسمانوں میں ہے، ہاں وہی تمہارا آسمانی باپ ہے جو شہنشاہوں اور امیروں کو مقرر کرتا ہے اور درختوں سے پھل پیدا کرتا ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم بھوکے اور حقیر رہو، تاکہ تمہیں سے صرف ایک آدمی غرور عظمت کی زندگی بسر کرے اور دنیا کی ہر لذت سے شاد کام ہو؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ سرمدی روح جو بیوی سے محبت، اولاد سے ہمدردی اور رشتہ داروں سے شفقت کا سلوک کرنا سکھاتی ہے تم پر ایک بے رحم حاکم مسلط کرتی ہے جو تم پر ظلم

ڈھاتا ہے اور تمہارے شب و روز کو اپنا غلام بنالیتا ہے؟ کیا تمہارا عقیدہ ہے کہ ناموس ازلی جو نورِ حیات کو تمہارے نزدیک محبوب بناتا ہے تمہیں ایک ایسے عطیہ سے نوازتا ہے جو موت کی تاریکی کو تمہارے لئے پسندیدہ بنائے؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ فطرت نے تمہارے جسموں میں جو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ تم کمزوری کے سامنے انہیں ذلیل کرو؟ نہیں تم ان چیزوں پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر تم ان پر اعتقاد رکھو تو خداوندی انصاف کی تکذیب کرو گے، حق کی روشنی سے انکار کرو گے جو تمام انسانوں پر جوفگن ہے۔ اچھا تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کی بنا پر تم اپنے نفس کے خلاف بے ایمانوں کا ساتھ دیتے ہو۔ اس مشیت خداوندی سے کیوں ڈرتے ہو جس نے تمہیں اس دنیا میں آزاد بنا کر بھیجا ہے اور ناموس الٰہی کے خلاف باغیوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں کس لئے ڈالتے ہو۔ تم کس طرح خدائے قہار کی طرف نگاہیں اٹھا کر اسے اپنا باپ کہتے ہو اور پھر کمزور انسانوں کے سامنے گردن جھکا کر اسے اپنا سردار تسلیم کرتے ہو؟ خدا کے بیٹے انسان کی غلامی پر کیسے رضامند ہو سکتے ہیں؟ کیا تمہیں مسیح نے اپنا بھائی کہہ کر نہیں پکارا تھا پھر تم شیخ عباس کو اپنا آقا کیوں کہتے ہو؟ کیا تمہیں مسیح نے حق اور روح کی روشنی میں آزاد نہیں کرایا تھا۔ پھر امیر تمہیں ظلم و فساد کے لئے کیسے اپنا غلام بنالیتا ہے؟ کیا مسیح نے تمہارے سر آسمان کی طرف بلند نہیں کئے تھے، پھر تم انہیں زمین کی طرف کیوں جھکاتے ہو؟ کیا مسیح نے تمہارے دلوں میں روشنی نہیں ٹپکائی تھی۔ پھر تم انہیں تاریکی سے کیوں گرانبار کرتے ہو؟

''اللہ نے تمہاری روحوں کو اس زندگی میں تابناک شعلوں کی مثال بنا کر بھیجا ہے، جو معرفت سے پروان چڑھتی ہیں اور جن کا حسن شب و روز کے اسرار کی تلاش و جستجو سے نکھرتا ہے۔ پھر تم انہیں تباہ برباد کرنیکے لئے خاک میں کیوں ملاتے ہو؟ اللہ نے تمہارے ذہنوں کو بازو عطا کئے ہیں کہ تم ان کے ذریعے محبت اور آزادی کی فضا

میں پرواز کرو۔ پھر تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کیوں نوچتے ہو اور کیڑے مکوڑوں کی طرح زمین کی سطح پر کیوں رینگتے ہو؟ اللہ نے تمہارے دلوں میں سعادت کے بیج ڈالے ہیں پھر تم انہیں وہاں سے نکال کر چٹان پر ڈالتے ہو کہ کوے نگل لیں یا ہوا کے جھونکے اڑا لے جائیں؟ اللہ نے تمہیں بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائیں تا کہ تم حق کی راہوں کی طرف ان کی رہنمائی کرو۔ وجود کے نغموں سے انکے سینوں کو لبریز کرو اور زندگی کی حقیقی مسرت کو ایک گران قدر میراث کے طور پر، ان کے لئے چھوڑ جاؤ۔ پھر تم انہیں زمانہ کے ہاتھوں میں مردوں کی طرح چھوڑ کر، وطن میں بے وطن کر کے، دنیا کے سامنے بد بخت وہ نامراد بنا کر کیوں مر جاتے ہو؟ کیا وہ باپ جو اپنے آزاد بیٹے کے لئے غلامی کی میراث چھوڑتا ہے، اس باپ کی مثال نہیں ہے جس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے اور وہ اس کے بدل اسے پتھر کا ایک ٹکڑا دیدے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ باغوں کی چڑیاں اپنے بچوں کو اڑانا سکھاتی ہیں۔ پھر تم اپنے جگر گوشوں کو طوق و سلاسل میں رہنے کی تعلیم کیوں دیتے ہو؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وادی کے پھول اپنے بیجو کو سورج کی حرارت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پھر تم اپنے بچوں کو سرد تاریکی کے حوالے کیو کرتے ہو؟''

خلیل تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا، گویا اس کے افکار جزبات میں اتنی بالیدگی، اس قدر وسعت پیدا ہو گئی ہے کہ انہیں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ اس کے بعد دھیمی آواز میں کہا:

''یہ بات جو ابھی تم نے میری زبان سے سنی، وہی بات ہے جس کی بنا پر راہبوں نے مجھے نکالا تھا اور یہ روح جسے تم اپنے دلوں میں کروٹیں لیتے محسوس کرتے ہول، وہی روح ہے جس نے میری مشکیں کسوا کر تمہارے سامنے کھڑا کیا ہے۔ اب اگر تمہارے گاؤں کے سردار اور تمہارے گرجا کے پادری نے مجھ پر حملہ کیا بھی اور مجھے مار بھی ڈالا میں شاد کام اور کامران مروں گا۔ اس لئے کہ تم پر اس حقیقت کو واضح کر

کے جسے ظالم نا قابل معافی جرم سمجھتے ہیں، میں نے اپنے اور تمہارے پروردگار کی مشیت پوری کر دی۔''

خلیل مصروف کلام تھا اور اس کی بلند آواز میں ایک طلسمی نغمہ تھا جس کے اثر سے اسے تعجب سے دیکھنے والوں کے دلوں میں ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اس غیر معمولی حیرت سے مشابہ، جو اندھے کو یک لخت آنکھیں مل جانے پر ہوتی ہے اور جس کی حلاوت سے ان عورتوں کے ذہن جھوم رہے تھے جو اشک آلو آنکھوں سے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھیں۔ لیکن شیخ عباس اور پادری الیاس غصہ سے کانپ رہے تھے۔ کانٹوں کے بستر پر پڑے ہوؤں کی طرح بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ ان میں سے ہر یہ چاہ رہا تھا کہ نوجوان کو تقریر سے روک دے۔ لیکن یہ امکان سے باہر تھا کیونکہ وہ مجمع کو اس آسمانی قوت کے ساتھ مخاطب کر رہا تھا جو اپنے ارادہ کی بنا پر آندھی سے اور اپنی رقت کی بنا پر موج نسیم سے مشابہ تھی۔

جب خلیل نے اپنی بات ختم کر لی تو دو چار قدم پیچھے ہٹ کر راحیل اور مریم کے پاس کھڑا ہوگیا۔ فضا پر ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ گویا اسکی روح نے بھی، جو اس وسیع کمرہ کے ہر گوشہ میں منڈلا رہی تھی، دیہاتیوں کی بصیرت کو ایک دور دراز مقام کی طرف پھیر دیا ہے اور شیخ اور پادری کی روحوں سے فکر و ارادہ کی ساری قوتیں چھین کر انہیں ان کے مضطرب دلوں کی پرچھائیاں کے سامنے لرزتے کانپتے کھڑا کر دیا ہے۔

اس وقت شیخ عباس کھڑا ہوا تھا۔ اس کے خدوخال سکڑ گئے تھے، اور چہرے پر زردی چھا گئی تھی، گھٹی ہوئی آواز میں اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو اس نے للکارا۔

''کتو، تمہیں کیا ہوگیا ہے، کیا تمہارے دل زہر آلود ہو چکے ہیں اور زندگی تمہارے جسموں میں جامد ہو کر رہ گئی ہے کہ تم اس کافر کو جو مذہب اور حکومت کا مذاق

اڑا رہا ہے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر ڈالتے۔۔کیا اس شیطان کی روح نے تمہاری روحوں کو گھیر لیا ہے اور اپنے جہنمی طلسم سے تمہارے بازوؤں کو جکڑ دیا ہے جو تم اسے پیس کر نہیں رکھ دیتے۔''

یہ کہہ کر تلوار کھینچی، جو اس کے پہلو میں تھی اور نوجوان پر جھپٹا کہ اس کا کام تمام کر دے۔لیکن مجمع میں سے ایک قوی ہیکل شخص آگے بڑھا اور دھیمے لہجہ میں کہا:

''اپنی تلوار نیام میں کر لیجئے کیونکہ تلوار کا بدلہ تلوار سے دیا جاتا ہے۔''

شیخ عباس کانپ اٹھا۔تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ چلایا:

''کے کمزور نوکر اپنے آقائے ولی نعمت کی مزاحمت کر سکتا ہے۔''

اس نے جواب دیا۔

''نیک خادم اپنے آقا کے مظالم اور شر انگیزیوں میں اس کا ساتھ نہیں دیتا۔اس نوجوان نے سوائے حق کے کچھ نہیں کیا اور جو کچھ ہمارے سامنے بیان کیا ہے، وہ سب حقیقت پر مبنی ہے!''

دوسرا شخص آگے بڑھا اور بولا:

''اس نوجوان نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس کی بنا پر اسے سزا دی جائے۔پھر تم اسے کیوں ستم کا نشانہ بناتے ہو؟''

ایک عورت کی آواز بلند ہوئی:

''اس نے مذہب کو برا بھلا کہا نہ خدا کے نام کی توہین کی۔پھر تم اسے کافر کیوں کہتے ہو؟''

یہ سن کر راحیل کو بھی جرات ہوئی اور اس نے بھی آگے بڑھ کر کہا:

''اس نوجوان نے جو کچھ کہا ہے، ہماری زبان سے کہا ہے۔اس نے ہماری مظلومی کی ترجمانی کی ہے اس لئے اسکے ساتھ کوئی زیادتی کریگا تو وہ ہمارا دشمن ہوگا!''

شیخ عباس نے دانت پیستے ہوئے راحیل سے کہا۔

''کمینی بیوہ، تجھے بھی سرکشی کی ہمت ہوگئی۔ کیا بھول گئی کہ آج سے پانچ برس پہلے مجھ سے بغاوت کرنے کے جرم میں تیرے شوہر کا کیا حشر ہوا تھا۔''

یہ سن کر راحیل دفعتاً چونک پڑی اور اس شخص کی طرح شدت درد سے کانپنے لگی جسے خوفناک راز معلوم ہوگیا ہو۔ مجمع کی طرف مخاطب ہوکر اس نے بلند آواز سے کہا:

''تم نے سنا قاتل غصہ سے بے آپے ہوکر اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میرا شوہر کھیت میں مقتول پایا گیا تھا۔ تم نے قاتل کا لاکھ کھوج لگایا لیکن وہ نہ ملا اس لئے کہ وہ اس چار دیواری میں روپوش تھا؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میرا شوہر ایک بہادر مرد تھا؟ کیا تم نے اسے شیخ عباس کی مکاریوں کا ذکر کرتے، اس کی بد اعمالیوں کا بھانڈا پھوڑتے اور اس کی سنگ دلی کے خلاف بغاوت کرتے نہیں سنا؟ دیکھو خدا نے تمہارے پڑوسی اور بھائی کے قاتل کے چہرے سے پردہ اٹھا کر اسے تمہارے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ اسے دیکھو، اس کا جرم اس کے زرد چہرہ پر لکھا ہوا ہے۔ دیکھو وہ کس قدر مضطرب اور بے چین ہے۔ غور سے دیکھو اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپا رکھا ہے اس لئے کہ اس کی نگاہ تمہاری آنکھوں پر نہ پڑ جائے جو اس پر جمی ہوئی ہیں۔ دیکھو طاقت ور آقا کچلی ہوئی ٹہنی کی طرح کانپ رہا ہے۔ دیکھو! عظیم الشان سردار تمہارے سامنے گنہگار غلام کی طرح لرزہ براندام ہے۔ توقع کے خلاف اللہ نے اس قاتل کے راز فاش کر دیئے، جس سے تم خوف کھاتے ہو اور تمہیں اس روح کی شرارتوں سے آشنا کر دیا جس نے مجھے تمہاری عورتوں میں بیوہ بنا دیا یا اور میری بیٹی کو تمہاری اولاد میں یتیم!''

راحیل پکار پکار کر فریاد کر رہی تھی۔ اس کے الفاظ بجلی کی طرح شیخ عباس کے سر پر ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ لوگوں کو چیخیں اور عورتوں کی آہیں آگ اور گندھک کے شعلوں کی طرح اس کے دماغ کے گرد بھڑک رہی تھیں کہ پادری اٹھا اور شیخ کا بازو

پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد غم و غصہ سے لرزتی ہوئی آواز میں خادموں کو حکم دیا:

''اس عورت کو پکڑ لو، جو تمہارے سردار پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے اور اس کافر نوجوان کے ساتھ اسے بھی گھسیٹ کر تاریک کوٹھڑی میں ڈال دو جو کوئی تمہیں ایسا کرنے سے باز رکھے گا وہ جرم میں ان دونوں کا شریک سمجھا جائے گا اور ان کی طرح مقدس کلیسا کے داخلہ سے محروم ہو جائیگا۔

خادم اپنی جگہ سے نہ ہلے نہ کاہن کے احکام کی انہوں نے پرواہ کی بلکہ بے حس و حرکت کھڑے مشکیں کے خلیل اور راحیل و مریم کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے جو خلیل کے دائیں بائیں اس طرح کھڑی تھیں گویا دو بازو ہیں، جنہیں اس نے پرواز کرنے اور بادلوں تک پہنچنے کے لئے کھولا ہے۔

کاہن نے کہا: اس حالت میں کہ اس ڈاڑھی غصہ اور نفرت سے ناچ رہی تھی۔

''کمینو! کیا تم اپنے آقا کی رحمت و برکت اور فضل و کرم سے انکار کرتے ہو۔ ایک مجرم اور کافر نوجوان اور ایک جھوٹی اور بدکار عورت کی خاطر اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہو؟''

ایک خادم نے جو عمر میں سب خادموں سے بڑا تھا، کہا:

''ہم روٹی اور ٹھکانے کے عوض شیخ عباس کی خدمت کرتے تھے۔ اس کے زرخرید غلام کبھی نہ تھے۔''

یہ کہا اور اپنی وردی اور سر کی شال اتار کر شیخ عباس کے سامنے رکھ دی پھر کہا:

''میں ان حقیر چیتھڑوں سے اپنے جسم کو آسائش پہنچانا نہیں چاہتا جس کی وجہ سے میری روح قاتل کے گھر میں مبتلائے عذاب رہے۔''

اور سب خادموں نے بھی اس کی تقلید کی اور کسانوں کے گروہ سے جا ملے۔ اب ان کے چہرے پر آزادی کی روشنی تھی۔

جب پادری الیاس نے یہ رنگ دیکھا اور محسوس کر لیا کہ اس کا جھوٹا اقتدار ختم ہو چکا ہے تو اس گھڑی کو برا بھلا کہتا ہوا اس جگہ سے چلا گیا جس میں خلیل نے گاؤں کی طرف رخ کیا تھا۔

اس وقت مجمع میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور خلیل کی رسیاں کھول دیں۔ پھر شیخ عباس کی طرف دیکھا جو بے جان جسم کیطرح کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ عزم و ارادہ سے پر لہجہ میں اس نے شیخ کو مخاطب کیا:

''جس نوجوان کو گرفتار کے تم نے اس لئے بلایا تھا کہ ایک گنہ گار مجرم کی طرح اسے اپنے حکم کا نشانہ بناؤ۔ اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا اور بصیرتوں کو حق معرفت کی راہوں کی طرف پھیر دیا اور وہ بدقسمت بیوہ جسے تم جھوٹی اور بدکار کہتے ہو۔ اس نے ہم پر وہ خوف ناک راز منکشف کر دیا جو پانچ سال تک ہماری نگاہوں سے چھپا رہا۔ ہم یہاں اس لئے دوڑے دوڑے آئے تھے کہ بے خطا کو سزا دین اور انصاف پسند پر ظلم ڈھائیں۔ لیکن اب کہ ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور خدا نے تیرے پوشیدہ جرائم اور دردناک مظالم ہم پر ظاہر کر دیئے ہیں، ہم تجھے تنہا چھوڑتے ہیں اور تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کرتے۔ تیری انسانیت سوز حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور تجھ سے کوئی شکایت نہیں کرتے تجھے خدا کی مرضی پر چھوڑ کر تجھ سے الگ ہوتے ہیں۔''

اس وقت اس وسیع کمرے میں مرد اور عورتوں کی آوازیں بلند ہوئیں کوئی کہہ رہا تھا:

''آؤ اس گناہوں سے بھرے ہوئے مقام سے نکل جائیں اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لیں۔''

کوئی چلا رہا تھا:

''آؤ اس نوجوان کیساتھ راحیل کے مقام پر چلیں اور وہاں اس کی تسلی بخش

حکومت اور شیریں اقوال سنیں''

کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا:

''ہمیں خلیل کی مرضی پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ہماری ضرورتوں کو خوب جانتا ہے اور ہمارے مطالبات کو ہم سے بہت سمجھتا ہے۔

کوئی رائے زنی کر رہا تھا:

''اگر ہم انصاف چاہتے ہیں تو کل ہمیں امیر والدین کے پاس جانا اور شیخ عباس کے جرم سے اسے مطلع کر کے مطالبہ کرنا چاہیے کہ اسے سخت سزا دی جائے۔''

کوئی چیخ رہا تھا:

''ہمیں چاہیے کہ امیر کی خدمت میں حاضر ہوں اور گزارش کریں کہ اس گاؤں میں خلیل کو اپنا نمائندہ بنائیں''

کوئی کہہ رہا تھا:

ہمیں استف سے پادری الیاس کی شکایت کرنی چاہیے کہ وہ شیخ کے تمام اعمال میں اس کا شریک ہے''

چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھ رہیں تھیں اور برق رفتار تیروں کی طرح بے قرار شیخ کے سینہ میں پیوست ہو رہی تھیں کہ خلیل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اشارہ سے مجمع کو خاموش کر کے کہا:

''بھائیو، دیکھو اور سوچو میں تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ جلدی نہ کرو اور امیر کے پاس نہ جاؤ وہ شیخ سے کبھی باز پرس نہ کرے گا۔ اس لئے کہ درندے ایک دوسرے کو نہیں پھاڑتے۔ استف سے کاہن کی شکایت کرنی بھی بے سود ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس طرح اس کا اپنا گھر برباد ہوتا ہے اور امیر سے گزارش بھی نہ کرو کہ وہ مجھے اس گاؤں میں اپنا امیر مقرر کرے کیونکہ امانت دار خادم بے ایمان آقا کی اعانت نہیں کر سکتا۔ اگر میں تمہاری محبت اور توجہ کے لائق ہوں تو مجھے اپنے ساتھ

رہنے کی اجازت دو تا کہ میں تمہاری زندگی کے گرم وسرد میں تمہارے ساتھ شرکت کروں اور کھیت کے کام کاج اور گھر کے آرام وراحت میں حصہ گیر ہوں کیونکہ اگر میں تمہیں میں سے ایک نہ ہوتو ان فریب کاروں کی مثال ہوں گا جو فضیلت کا لباس پہن کر بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ اب کہ کلہاڑی درخت کی جڑ پر رکھ دی گئی ہے آؤ شیخ عباس کو اس خدا کے دربار میں جس کا سورج برے اور بھلے دونوں کے لئے چمکتا ہے خود اس کے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوا چھوڑ کر یہاں سے چلیں''

یہ کہہ کر وہ اس جگہ سے روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ گویا اس کی شخصیت میں ایک قوت تھی کہ جس طرف رخ کرتی۔ نگاہیں خود بخود ادھر پھر جاتیں۔ اب وہاں شیخ عباس منہدم قلعہ کی مثال بالکل اکیلا رہ گیا۔ وہ شکست خوردہ سپہ سالار کی طرح درد سے مضطرب تھا۔ جب وہ مجمع گرجا کے میدان میں پہنچا تو چاند شفق کے پیچھے سے طلوع ہو رہا تھا اور اپنی سنہری شعاعیں آسمان پر بکھیر رہا تھا۔ خلیل نے مڑ کر دیکھا اس کی نگاہیں مردوں اور عورتوں کے چہروں پر پڑیں جو اسے اس طرح تک رہے تھے جیسے بھیڑیں اپنے چرواہے کو تکتی ہیں۔ اس کی روح میں ایک جوش پیدا ہوا گویا ان غریب دیہاتیوں میں اسے مظلوم قوموں کی تصویر نظر آ رہی ہے اور جمی ہوئی برف سے ڈھکی ہوئی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں ذلت و بے کسی سے لبریز ملک کا عکس دکھائی دے رہا ہے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس پیغمبر کی طرح جو قوموں کی آہ فریاد سنتا ہے۔ اس کے خدوخال متغیر ہو گئے اور آنکھوں میں وسعت پیدا ہو گئی۔ گویا اس کی روح مشرق کی تمام قوموں کو ان وادیوں میں غلامی کی زنجیروں کو گھسیٹتی دیکھ رہی ہیں۔ اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور بلند آواز میں جو موجوں کی گڑ گڑاہٹ سے مشابہ تھی چلایا:

اے آزادی کی دیوی، ہم ان بستیوں کی گہرائیوں سے تجھے پکار رہے ہیں۔ ہماری سن اس تاریکی کے ہر گوشہ سے ہمارے ہاتھ تیری طرف اٹھ رہے ہیں۔

انہیں دیکھ، برف کیان تودوں پر ہم تیرے سامنے سربسجود ہیں ہم پر رحم کر تیرے پر عظمت دربار میں ہم اپنے آباؤ اجداد کا وہ لباس پھیلائے کھڑے ہیں جو ان کے خون میں تربتر ہے۔ اپنے شعور کو ان قبروں کی مٹی سے گرانبار کئے کھڑے ہیں۔ جو ان کے کلیجوں میں پیوست ہوئی تھیں۔ وہ نیزے بلند کئے کھڑے ہیں جنہوں نے ان کے سینے چاک کئے تھے اور وہ زنجیریں لٹکائے کھڑے ہیں جنہوں نے ان کے پاؤں کو مجروح کیا تھا۔ ہمارے لبوں پر بھی وہی فریادیں ہیں جنہوں نے ان کے گلے پھاڑ دیئے تھے۔ ہماری زبانوں پر بھی وہی نوحے ہیں جنہوں نے ان کے قید خانوں کی تاریکی کو اور زیادہ وحشت ناک بنا دیا تھا اور ہمارے دلوں سے بھی وہی دعائیں نکل رہی ہیں جو ان کے دل کی درد آفرینیوں سے نکلتی تھیں۔ اے آزادی کی دیوی، ہماری پکار پر کان دھر اور ہماری التجا کو شرف قبولیت عطا فرما، نیل کے منبع سے لے کر فرات کے دہانہ تک تیرے حصول کے لئے لوگوں کی فریادیں، دوزخ کی چیخ و پکار کے ساتھ بلند ہو رہی ہیں۔ جزیرہ کے اطراف سے لے کر لبنان کے قلب تک موت کی ستم آرائیوں سے لرزتے کانپتے ہاتھ تیری طرف بڑھ رہے ہیں اور خلیج فارس کے ساحل سے لے کر صحرا کے داہنوں تک پگھلے ہوئے دلوں سے بھری ہوئی آنکھیں تیری طرف اٹھ رہی ہیں۔ اے آزادی ہماری طرف توجہ کر اور ہمیں دیکھ، ذلت محتاجی کے سائے میں کھڑی ہوئی جھونپڑیوں کے گوشوں میں تیرے سامنے سینے کوٹے جاتے ہیں۔ جہالت و نادانی کی تاریکی سے اٹے ہوئے مکانوں کی خلاؤں میں دل تیرے قدموں پر ڈلے جاتے ہیں اور جبر و استبداد کی کہر میں لپٹی ہوئی عمارتوں کے گرد و پیش روحیں تیرے حضور فریاد کرتی ہیں، اے آزادی، یہ سب کچھ دیکھو اور ہم پر رحم کھاؤ۔ اسکولوں اور مدرسوں میں تجھے نامراد جوانی پکار رہی ہے۔ مسجدوں اور کلیساؤں میں فراموش کردہ کتاب تیری طرف جھک رہی ہے۔ عدالتوں اور مجلسوں میں مہمل قانون تجھ سے فریاد کر رہا ہے۔ رحم کر، اے آزادی او

رہمیں نجات دلا ، ہمارے تنگ و تاریک بازاروں میں تاجر اپنی زندگی فروخت کرتا ہے تا کہ اس کی قیمت مغربی ڈاکوؤں کے حوالے کر دے اور کوئی نہیں جو اسے سمجھائے ہمارے قحط زدہ کھیتوں میں کسان اپنے ناخنوں سے زمین کھودتا اور اس میں اپنے دل کے بیج بوتا ہے۔ اسے اپنے آنسوؤں سے سینچتا ہے لیکن کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں کرتا اور کوئی نہیں جو اسے بتائے۔ ہمارے چٹیل میدانوں میں بدو ننگے پاؤں اور ننگے بدن بھوکا پیاسا چلتا ہے اور کوئی نہیں جو اس پر مہربانی کرے، اپنی زبان کو دے، اے آزادی اور ہمیں بتا!

ہماری بھیڑیں گھاس اور پھوس کی بجائے کانٹے اور گوکھرو چرتی ہیں۔ ہمارے بچھڑے جوار کی بجائے درخت کی جڑیں چباتے ہیں ہمارے گھوڑے جو کی بجائے سوکھی شاخیں کھاتے ہیں۔ جلدی آ، اے آزادی اور ہمیں آزاد کر۔

ابتدائے آفرینش ہی سے رات کی تاریکیاں ہماری روحوں پر مسلط ہیں آخر صبح کب تک ہوگی، ہمارے جسم ایک قید خانہ سے نکل کر دوسرے قید خانہ میں چلے جاتے ہیں اور قومیں ہم پر ہنستی ہمارے پاس سے گزر جاتی ہیں۔ آخر قوموں کی ہنسی کب تک برداشت کریں، ہماری گردنیں ایک بھاری جوئے سے چھوٹ کر اس سے بھاری جوئے میں دب جاتی ہیں اور دنیا کی قومیں ہمیں دور سے دیکھ کر ہم پر قہقہے لگاتی ہیں۔ آخر ہم کب تک قوموں کے قہقہوں پر صبر کریں، ہمارے پاؤں ایک زنجیر سے نکل کر دوسری زنجیر میں پھنس جاتے ہیں اور زنجیریں ختم ہوتی ہیں نہ ہم انہیں کاٹ سکتے ہیں۔

آخر ہم کب تک جئیں۔۔۔

مصریوں کی غلامی سے لے کر بابل کے قید و بند تک، ایران کی سنگدلی تک، یونان کی خدمت گاری تک، روم کے استبداد تک مغلوں کے مظالم تک فرنگیوں کی ملمع کاری تک۔۔ آخر ہم کس طرف جا رہے ہیں اور آخر اس دشوار گزار راستہ کا خاتمہ

کب تک ہوگا؟

فرعون کی گرفت سے لے کر بنو نصر کے چنگل تک، سکندر کے ناخنوں تک، ہیرو دس کی تلواروں تک، نیرو کے پنجوں تک، شیطان کے دانتوں تک، آخر اب ہم کس کے ہاتھ کی طرف جا رہے ہیں اور آخر ہم موت کے قبضہ میں کب تک پہنچیں گے کہ عدم کے سکون سے راحت اندوز ہوں؟

لوگوں نے اپنے دیوتاؤں کی تعظیم و تکریم کے لئے ہمارے بازوؤں کی ہمت سے ہیکل اور عبادت کدوں بنائے۔ ان فصیلوں اور قلعوں کی تعمیر کے لئے ہماری پیٹھوں پر مٹی اور پتھر لادے جو ان کی حفاظت کر سکیں، انہوں نے ہمارے جسموں کی قوت سے اہرام نصب کئے تا کہ انکا نام ہمیشہ کیلئے باقی رہے آخر ہم کب تک محل اور حویلیاں بناتے اور خود غاروں او جھونپڑیوں میں پناہ لیتے رہیں گے کب تک ان کے مٹکے اور خزانے بھرتے اور خود لہسن اور گندنا کھاتے رہیں گے، کب تک ان کے لئے ریشم اور اون بنیں اور خود ٹاٹ اور گدڑیاں پہنتے رہیں گے۔۔۔؟

انہیں کی خباثتوں اور مکاریوں سے گھر گھر میں پھوٹ پڑ گئی۔ خاندان ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے اور قبیلے آپس میں لڑنے مرنے لگے، آخر ہم تک اس بے رحم بگولہ کے سامنے راکھ کے ڈھیر کی طرح اڑتے اور اس سڑی ہوئی لاش کے پاس بھوکی پرچھائیوں کی طرح گھتم گتھا ہوتے رہیں۔۔۔؟

انہیں کے تاج وہ پیہم کی حفاظت کے لئے، ہاں انہیں کے اطمینان قلب کے لئے درزی عرب کے خلاف مسلح ہو گیا۔ شیعی سنی سے لڑنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ کردی بدو کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا اور احمدی عیسائی سے مقابلہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ آخر ماں کے سینہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے کب تک لڑتا رہے گا، محبوب کی قبر کی پہلو میں ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کو کب تک ڈراتا رہے گا اور خدا کی آنکھوں کے سامنے صلیب، ہلال سے کب تک دور رہے گی؟

اے آزادی، ہماری پکار پر کان دھر اور سن، اے زمین کے باشندوں کی ماں، ہماری طرف رخ کر اور دیکھ ہم تیرے سوتیلے بچے نہیں ہیں ہم میں سے کسی ایک فرد کی زبان سے کلام کر کہ خشک گھاس پھونس ایک ہی چنگاری سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ اپنے بازوؤں کی پھڑ پھڑاہٹ سے ہم میں سے کسی ایک مرد کی روح کو بیدار کر دے کہ بادل کے ایک ٹکڑے سے بجلی نمودار ہوتی ہے اور آن واحد میں وادی کی خلاؤں اور پہاڑ کی چوٹیوں کو روشن کر دیتی ہے۔ اپنے عزم و ہمت سے ان سیاہ بادلوں کو چھانٹ دے باور بجلی کی طرح گر کر منجنیق کی طرح ان شاہی تختوں کے پایوں کے منہدم کر دے، جو خون اور آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہڈیوں اور کھوپڑیوں پر قائم ہیں اور جن پر ٹیکسوں رشوت کی آمدنی کا سونا چڑھا ہوا ہے۔؟

''سن اے آزادی رحم کر اے ایتھنز کی بیٹی، ہمیں نجات دے، اے رومتہ الکبری کی بہن ہمیں آزاد کر۔ اے موسیٰ کی رفیقہ، ہماری مدد کر اے محمد کی محبوبہ، ہم میں سوجھ بوجھ پیدا کر۔ اے مسیح کی دلہن، ہمارے دلوں کو طاقت عطا فرما کہ ہم زندہ رہ سکیں۔ یا ہم پر ہمارے دشمنوں کی گرفت اور شدید کر دے کہ ہم مر جائیں اور اس عذاب سے چھوٹ کر آرام و راحت کی آغوش میں پہنچ جائیں۔

خلیل خدا سے فریاد کر رہا تھا اور کسانوں کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے جذبات اس کی آواز کے نغمہ کیساتھ ابل رہے تھے۔ انکی روحیں اس کے سانس کے ساتھ پرواز کر رہی تھیں اور ان کے سینے اس کے دل کی دھڑکنوں کیساتھ دھڑک رہے تھے۔ گویا اس وقت خلیل کی ان لوگوں میں وہی حیثیت تھی جو جسم میں روح کی ہوتی ہے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور پرسکون لہجہ میں کہنے لگا:

''آج کی رات نے ہمیں شیخ عباس کے مکان میں اس لئے یکجا کیا تھا کہ ہم دن کی روشنی دیکھ لیں اور مظالم نے ہمیں ٹھنڈی فضا کے سامنے اس لئے کھڑا کیا تھا کہ

ہم ایک دوسرے کے دوست ہو کر چڑیا کے بچوں کیطرح سرمدی روح کے بازوؤں تلے جمع ہو جائیں۔ چنانچہ اب چاہیے کہ اپنے اپنے بستروں میں جا کر اس امید میں سو جائیں کہ صبح اپنے بھائیوں سے ملیں گے۔"

یہ کہا اور راحیل مریم کے پیچھے پیچھے ان کی جھونپڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد بھیڑ چھٹ گئی اور ہر شخص اپنے اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ ان چیزوں پر غور کرتے ہوئے جو انہوں نے دیکھی اور سنی تھیں اور ایک نئی زندگی کے آثار محسوس کرتے ہوئے جو اس کے باطن میں بیدار ہوئی تھی۔

ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ جھونپڑیوں کے چراغ گل ہو گئے، خاموشی نے اپنی چادر اس گاؤں پر ڈال دی کہ اور خواب شیخ عباس کی روح کو چھوڑ کر، جو رات کی پرچھائیوں کے ساتھ جاگ رہی تھی۔ اپنے گناہوں کے سامنے کانپ رہی تھی اور اپنے وسوسوں کے چنگل میں بے بس پڑی تھیں۔ کسانوں کی روحوں کو ایک ارفع و اعلیٰ طلسمی عالم میں لے گئے۔

(8)

دو مہینے گزر گئے اور خلیل برابر اپنی روح کے اسرار سے دیہاتیوں کے اسرار دیہاتیوں کے دلوں کو آشنا کرتا رہا۔ ان کے حقوق و واجبات کے نازک پہلو ہر روز ان سے بیان کرتا رہا، لالچی راہبوں کی زندگی کا نقشہ ان کے سامنے کھینچتا رہا۔ ظالم حاکموں کے واقعات ان کے سامنے دہراتا رہا، اپنے اور ان کے جذبات میں ایک قومی رابطہ پیدا کرتا رہا۔ جو ان سرمدی قوانین سے مشابہ تھا، جن کی خصوصیات ہیں کہ ایک جسم کو دوسرے جسم سے باندھ دیتے ہیں۔

کسان ان کی باتیں سن کر اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسے پیاسا کھیت مینہ برسنے سے خوش ہوتا ہے اور تنہائی کے لمحوں میں اس کی باتوں کو دہرا دہرا کر اس کے مقاصد کو روح کو اپنی محبت کے جسم کا لباس پہناتے ہیں وہ پادری الیاس سے بالکل بے

خوف و بے پرواہ تھے، جو اپنے حلیف شیخ عباس کا جرم ظاہر کے بعد سے، ان کے پاس آنے جانے لگا تھا۔ اب وہ ان سے ایسی نرمی سے پیچ آتا، جیسے موم۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ سنگ مرمر سے بھی زیادہ سخت تھا۔

لیکن شیخ عباس کی روح کو ایک ایسا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، جسے جنون سے تعمیر کیا جاسکتا ہے چنانچہ وہ اپنے مکان کے کمرہ میں قیدی چیتے کی طرح گشت کرتا اور خادموں کو بلند آواز سے بلاتا۔ لیکن دیواروں کے سوا کوئی اسے جواب نہ دیتا۔ وہ گڑ گڑا کر اپنے آدمیوں کو پکارتا لیکن کوئی نہ آتا۔ سوائے اس کی غریب بیوی کے جسے اس کی ان بدمزاجیوں نے وقت سے پہلے بڑھیا بنا دیا تھا۔ جو ظلم و جور کی شکل میں بے مایہ کسان برداشت کرتے تھے۔

جب رمضان کا مہینہ آیا اور فطرت نے آمد بہار کا اعلان کیا تو موسم سرما کے بگولوں کے ساتھ شیخ عباس کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ ایک خوفناک اور دردانگیز نزع کی کشمکش میں مبتلا ہو کر مرا، اور اس کی روح اپنے اعمالک کے پشتارہ کو ساتھ لیکر پرواز کر گئی۔ تاکہ اس تخت کے سامنے عریاں جا کھڑی ہو، جس کے وجود کو ہم محسوس تو کرتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔

کسانوں میں اس کی موت کے متعلق مختلف رائیں تھیں، چنانچہ کوئی کہتا:

''اس کی عقل جاتی رہی تھی اور دیوانگی کی حالت میں مرا ہے۔''

اور کوئی کہتا:

''اپنے مرتبہ سے گرنے کے بعد مایوسی نے اس کی زندگی کو مسموم کر دیا اور اس نے خودکشی کر لی!''

لیکن وہ عورتیں جو تعزیت کے لئے شیخ عباس کی بیوی کے پاس گئی تھیں۔ انہوں نے واپس آ کر اپنے شوہروں کو بتایا کہ خوف و دہشت سے مرا ہے۔ آدھی رات گئے۔ سمعان کی روح خون میں لتھڑے ہوئے کپڑے پہنے اس کے سامنے آتی اور

نہایت بے رحمی ونفرت کے ساتھ اسے اس مقام پر لے جاتی تھی جہاں سمعان پانچ برس مقتول پایا گیا تھا۔

.....

اپریل کے بہار آفریں مہینہ اس گاؤں کے باشندوں پر اس محبت کا راز فاش کر دیا جو خلیل اور راحیل کی بیٹی مریم کے دلوں میں پوشیدہ تھی انکے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور دل وفور مسرت سے ناچنے لگے۔اب انہیں نوجوان کے چلے جانے کا خوف نہ رہا۔جس نے اس کے دلوں کو بیدار کر کے ایک ایسے دائرہ میں پہنچا دیا تھا جو انکے مرکز کے اعتبار سے ہیں وسیع اور بلند تھا۔وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے کہ نوجوان ان میں سے ہر ایک قریبی ہمسایہ اور محبوب داماد ہو گیا تھا۔

جب فصل کاٹنے کا زمانہ آیا تو کسان کھیتوں میں گئے اور اناج خرمنوں کی شکل میں جمع کیا۔اب شیخ عباس وہاں نہ تھا۔جوان کا غلہ ان سے چھین کر اپنے گودام بھرتا بلکہ ہر ایک کسان اس کھیت کی پیداوار کا خود مالک تھا، جو اس نے بویا تھا چنانچہ اس فصل میں ساری جھونپڑیوں گیہوں، جوار، شراب اور تیل سے لبریز ہو گئیں۔

خلیل اب بھی کسانوں کے رنج و راحت میں حصہ لیتا رہا اور غلہ جمع کرنے، انگوروں کا رس نچوڑنے اور پھل توڑنے میں ان کا ساتھ دیتا رہا۔اب اس گاؤں میں کوئی نہ تھا جو محبت اور گرم جوشی کے سوا کسی پر فوقیت جتاتا ہو۔

اس وقت سے لے کر آج تک اس گاؤں کا ہر کسان خوشی خوشی اس کھیت کی پیداوار حاصل کرتا ہے۔جس پر اس نے اپنی محنت صرف کی ہے اور اطمینان سے اس باغ کے پھل جمع کرتا ہے جسے اس نے قوت بازو سے سینچا ہے اب زمین اس شخص کی ملکیت ہے جو اسے بوئے اور باغ اس شخص کا حصہ ہیں جو انہیں لگائے اور ان کی نگرانی کرے۔

اور اب کہ اس واقعہ کو گزرے پچاس برس ہو چکے ہیں اور بیداری نے اہل لبنان

کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ جب کوئی مسافر صنوبر کے جنگل کی طرف جانے والی سڑک پر سے گزرتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور اس گاؤں کی خوبیوں کو غور سے دیکھنے لگتا ہے جو وادی کے کنارے دلہن کی طرح بنا سنوار نظر آتا ہے۔ اس کی جھونپڑیاں اب خوبصورت گھروں میں تبدیل ہو گئی ہیں جن کے چاروں طرف سرسبز چراگاہیں اور ہرے بھرے باغ ہیں۔

اگر اس گاؤں کے کسی باشندہ سے شیخ عباس کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ ٹوٹے ہوئے پتھروں اور گری ہوئی دیواروں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:

''یہ شیخ عباس کا محل ہے اور یہ اس کی تاریخ زندگی ہے''

اور اگر خلیل متعلق دریافت کیا جاتا تو آسمان کی طرف اپنا ہاتھ اٹھا کر جواب دیتا ہے۔

''ہمارا نیک دل اور پاک باز خلیل وہاں رہتا ہے لیکن اس کی تاریخ حیات ہمارے بزرگوں نے شعاعی حروف میں ہمارے صفحات قلب پر لکھی ہے، جسے شام و سحر کی گردشیں محو نہیں کر سکتیں''

جنت ارضی

(1)

وہ منتخب.....اور محبوب.....جو اپنے عہد کا چمکتا ہوا آفتاب تھا۔

وہ اپنے عزیز وطن کو ماہ طشرین میں لوٹا، اس مہینے سے بہت سی یادیں وابستہ ہوتی ہیں۔

اور جب اس کا جہاز بندرگاہ کے نزدیک پہنچا تو وہ مہرہ جہاز پر جہاز دانوں کے درمیان کھڑا تھا.....اور اس کا دل وطن کی یاد سے لبریز!

وہ بولا.....اور اس کی آواز میں سمندر ایسی بے پناہی تھی.....اس نے کہا

دیکھو.....وہ جزیرہ ہے.....مادر وطن.....اس سرزمین پر زریں نغمات بلند ہوتے ہیں.....

اور پہیلیاں، نغمہ آسمان کے لئے ہے.....اور پہیلی زمین کیلئے.....اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

وہ نغمات کو اٹھالے جائے اور پہیلیوں کا راز بتا دے گی.....مگر ہماری خواہش کو بے نقاب نہیں کر سکتی۔

سمندر نے ہمیں ایک بار پھر اس کنارے پہنچا دیا۔

ہم کیا ہیں، مگر اسی بے پایاں سمندر کی لہروں میں سے ایک لہر۔

سمندر ہمیں آگے بھیجتا ہتا کہ اس کا پیغام ہم زمین تک پہنچا دیں۔

مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب تک ہم چٹان اور ریت کے تودوں سے ٹکرا کر خود کو فنا نہ کر دیں؟

یہی سمندر اور جہاز رانی کا قانون ہے۔)

اگر تم آزادی چاہتے ہو تو دھند کے دامن کو تھام لو.....نیست، ہست کے لئے بے تاب ہے۔

جیسا کہ ان گنت ستاروں کے ہجوم سے کئی سورج اور کئی چاند بن جاتے ہیں۔

ہم بھی بہت جستجو کے بعد اپنے اس جزیرے کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

وہ جزیرہ جو سنگین ترین زمین کا حامل ہے۔۔۔۔۔ہمیں ایک بار پھر تاریکی اور دھند میں رہ کر آغاز زندگی کے رموز و اسرار سے آشنا ہونا پڑے گا۔

اور وہ کیا چیز ہے، جو زندہ جاوید رہے گی اور زندگی کی بلندیوں تک جا پہنچے گی ؟.....مگر وہ جذبات کی آزادی۔۔۔۔کی شت میں ٹوٹ کر رہ جائے گی۔

ہم تو ہمیشہ کناروں کی تلاشی میں سرگرداں رہتے ہیں۔۔۔تاکہ ہم گائیں تو کوئی سننے والا ہو.....

مگر ان موجوں کو تو دیکھو جو اس چٹان کے ساتھ سر پھوڑ رہی ہیں جہاں سننے والا کوئی نہیں.....

ہم میں یہی ان سنی آواز ہے جو ہمارے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والے غم کو آسودگی بخشتی ہے۔

یہی ان سنی آواز ہماری روح کو اس قالب میں ڈھالتی ہے جس سے ہم اپنی قسمت بناتے ہیں.....

تب جہازرانوں میں سے ایک نے بڑھ کر سوال کیا:

''آقا اس بندرگاہ کے پہنچنے تک آپ نے ہماری تمناؤں کی رہنمائی کی.....اور آخر ہم یہاں پہنچ ہی گئے۔

مگر آپ بھی غم اور شکستہ دل ہی کا ذکر کر رہے ہیں۔''

اس نے کہا:

''کیا میں نے آزادی اور دھند کا ذکر نہیں کیا؟ دھند جو ہمارے لئے سب سے بڑی آزادی ہے۔

لیکن پھر بھی اپنے وطن کو لوٹتے ہوئے دکھ سا محسوس ہوتا ہے.....اس مقتول کی

روح کے مانند جو اپنے قاتلوں کے سامنے آ کر سرنگوں ہو جائے.....

''دوسرے جہاز ران نے کہا

''سمندر کے ساحل پر زائرین کا ہجوم تو دیکھو اپنی خاموشیوں کے باوجود انہیں آپ کے لوٹنے کے وقت اور گھڑی کا بھی پتہ تھا۔۔وہ کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کو چھوڑ کر آپ کا انتظار کس شوق سے کر رہے ہیں۔''

اس نے مجمع کی طرف اپنی دوربین نگاہیں ڈالیں.....اور اس کا دل ان کا یہ جذبہ انتظار دیکھ کر بھر آیا.....

مگر وہ خاموش رہا۔

یکا یک مجمع سے آواز بلند ہوئی.....وہ آواز جو یاد رفتہ اور التجا کے جذبات سے معمور تھی۔

اس نے جہاز رانوں کی طرف دیکھا اور کہا:

''میں ان کے لئے لایا ہی کیا ہوں؟ میں دور دراز ملکوں میں پھرنے والا شکاری تھا.....

انہوں نے جو سونے کے تیر مجھے دیے تھے وہ میں نے پوری قوت سے نشانے پر چلائے.....

مگر ان کے لئے کوئی شکار نہیں لایا.....

میں نے تیروں کا تعاقب نہیں کیا.....

شاید وہ تیر ابھی تک فضا میں زخمی عقابوں کے پروں میں آویزاں ہوں.....

مگر وہ عقاب زمین پر نہ گرا سکا.....

اور ممکن ہے ان لوگوں کے ہاتھ لگے ہوں.....جنہیں.....روٹی اور شراب کے لئے.....ان کی ضرورت تھی۔

میں نہیں جانتا کہ اپنی پرواز میں انہوں نے کون سی حدود کو طے کیا، مگر اتنا جانتا

ہوں کہ انہوں نے فضائے آسمانی پر خم کھا کر اپنا رخ بدلا۔

پھر بھی محبت کا جذبہ مجھ پر طاری ہے میرے عزیز۔۔ جہاز رانو تم بھی ابھی تک میرے تصور کے جہاز کو پانی میں چلا رہے ہو میں..... اور میں کس طرح خاموش رہ سکتا ہوں!

اپنے جسم و جان پر موسم کا اثر دیکھتے ہوئے مجھے چلانا ہی ہوگا اور اس وقت جب میرے لب شعلہ ہائے دروں سے جل رہے ہیں..... مجھے اپنے نغمات فضا میں بلند کرتا ہی ہونگے''

اس کی یہ باتیں سنکر وہ لوگ بے قرار ہوگئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''آقا ہمیں بھی یہ سب کچھ سکھا دیجئے۔ تمہارا ہی خون ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

اور ہماری سانس تمہاری ہی خوشبو سے معمور ہے اس لئے ممکن ہے ہم آپ کی بات سمجھ لیں۔۔۔؟

پھر اس نے کہا..... اور اس کی آواز میں ہوا کی سی تیزی تھی.....

''کیا تجھے اس لئے وطن واپس لائے ہو کہ میں تمہارا معلم بنوں؟''

عقل و دانش کو میں ابھی تک اپنے جسم کے پنجرے میں قید نہیں کر سکا؟

اپنی ناتجربہ کاری اور خامیوں کے باعث میں ابھی تک اس قابل نہیں ہوا کہ ہستی کے متعلق تمہیں کچھ بتا سکوں۔۔ میں تو ابھی اپنی خودی میں محو ہوں۔۔۔

خودی۔۔۔ جس کی گہرائیاں لاپتہ ہیں.....

وہ جو دانائی حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔۔ اسے پھول کی پتی یا مٹی کی چٹکی میں تلاش کرنا چاہیے۔۔

میں تو ابھی تک ایک گانے والا ہوں.....

ابھی تو میں زمین کی نیز نگیوں کے گیت گاؤں گا۔

اور تمہارے ان گمشدہ خوابوں کیلئے گاؤں گا۔۔ جو ایک تاریکی سے دوسری تاریکی کے درمیان دن بھر مسافت طے کرتے ہیں۔۔۔۔۔

جہاز اب بندرگاہ میں داخل ہو کر کنارے لگا۔۔۔ اور وہ ایک بار پھر اپنے وطن میں اپنے دیس والوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

ان کے دل کی گہرائیوں سے ایک نعرہ بلند ہوا جس نے اس کے دل میں وطن کی واپسی کے تنہا خیال میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔۔۔

اور وہ سب خاموش تھے اور اس کی بات سننے کے لئے بے تاب۔۔

مگر وہ نہ بولا۔

یادرفتہ کا غم اس پر طاری تھا اور اس نے اپنے دل میں کہا:

کیا میں نے یہ کہا تھا کہ میں گاؤں گا۔ نہیں بلکہ۔ میں اب اپنے لب اسی صورت میں کھول سکتا ہوں کہ زندگی کی آواز فضا میں منتشر ہو کر خوشی اور ہمدردی کی لہر لوگوں میں دوڑا دے۔۔۔"

پھر کریمہ۔۔۔ جو اس کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کے باغ میں کھیلا کرتی تھی۔ بولی:

"بارہ برس تک تم ہم سے روپوش رہے۔۔ اور بارہ برس تک ہم تمہاری آواز سننے کے لیے ترستے رہے۔۔۔"

اس نے انتہائی شفقت سے اس کی طرف دیکھا، کیونکہ جب اس کی ماں کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔۔

تو اس کریمہ کے آغوش میں اس نے آنکھیں بند کیں۔

اس نے جواب دیا۔

بارہ برس کریمہ کیا کہا؟ بارہ برس۔

میں اپنی تمناؤں کو وقت کے پیمانے سے نہیں ناپتا۔۔ اور نہ ہی میں اس کی اتھاہ

گہرائیوں کا اندازہ کرتا ہوں۔۔ کیونکہ جب محبت کے زریں جذبات پر وطن کی اداسی چھا جاتی تو وقت کا پیمانہ اور اس کی گہرائیاں بے کار ہو جاتی ہے۔

بعض لمحات ایسے بھی ہوتے ہیں جو جدائی کی روح فرسا گھڑیوں کو روک لیتے ہیں۔۔۔۔

لیکن جدائی کی حقیقت ہی کیا ہے، محض دل و دماغ کی ناتوانی، شاید ہم تم کبھی بھی جدا نہ ہوئے تھے۔۔"

اس نے مجمع پر ایک نظر ڈالی۔۔ ان میں جواب بھی تھے۔ بوڑھے بھی، طاقتور بھی تھے۔۔ اور کمزور بھی۔۔ وہ بھی تھے جن کے چہرے سورج اور ہوا کے لمس سے سرخ ہو رہے تھے۔۔۔ اور وہ بھی جن پر افسردگی چھا رہی تھی۔۔۔

مگر سب کے چہروں پر تمناؤں کی روشنی رقص کر رہی تھی۔۔ اور وہ مجسم سوال بنے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے کہا:

"برگزیدہ انسان، زندگی نے ہماری تمناؤں اور خواہشات کا خون کر دیا ہے۔ ہمارے دل دکھی ہیں۔ لیکن ہم گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتے۔۔۔ ہم التجا کرتے ہیں کہ ہمیں تسکین دیجئے۔ اور ہمیں اپنے رنج و غم کی گہرائیوں سے آشنا کیجئے۔۔۔"

اس کا دل اس درد بھری التجا کر سن کر پسیجا اس نے کہا:

"زندگی کی عمر تمام زندہ رہنے والی چیزوں سے بڑی ہے۔۔ حسن کا دیوتا تو فضا میں اپنے پروں کو پھڑ پھڑا تا رہا تھا۔۔ لیکن حسین صورتیں بعد میں پیدا ہوئیں۔۔۔

صداقت تو ازل ہی سے موجود تھی۔ لیکن وہ آشکار بعد میں ہوئی۔۔

زندگی ہماری خاموشیوں میں نغمہ بن کر گاتی۔۔ اور ہماری نیند میں خواب بن کر آتی ہے۔۔

اگر ہم شکست خوردہ اور ذلیل ہی کیوں نہ ہوں لیکن زندگی ہمیشہ تاجدار اور بلند

ہوتی ہے۔۔اور جب ہم روتے ہیں۔تو زندگی مسکرا رہی ہوتی ہے۔۔۔

وہ اس وقت بھی آزاد ہوتی ہے۔۔جب ہم پابجولاں ہوتے ہیں۔

ہم زندگی کو تلخ کلامی سے یاد کرتے ہیں۔اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب ہم خود تلخی اور تاریکی میں گھرے ہوئے ہوں۔

اور اکثر ہم اسے بے کیف اور غیر منفعت بخش خیال کرتے ہیں۔۔مگر اسی وقت جب ہماری روح بیابانوں میں سرگرداں اور آوارہ ہوتی ہے۔

اور ہمارا دل اپنی خودی کی شراب میں سرمست۔

مگر زندگی بلند۔۔وسیع۔۔اور گہری ہیل۔

اور اگر چہ تمہاری وسیع نگاہوں کی بلندیاں اس کے قدموں ہی کو چھو سکتی ہیں۔۔ پھر بھی وہ اس دوری کے باوجود تمہارے قریب ہے۔

تمہاری سانس کی روح ہی اسکے دل تک پہنچ سکتی ہے۔۔اور تمہارے سائے کا پرتو ہی اس کے چہرے پر پڑ سکتا ہے۔تمہاری ہلکی سی پکار کی گونج بھی اس کے سینے میں بہار و خزاں کا سا تغیر پیدا کر سکتا ہے۔

زندگی پوشیدہ ہے۔جیسے ایک شخصیت عظمی تمہارے وجود میں پوشیدہ ہے۔۔۔

مگر جب زندگی آمادہ گفتار ہوتی ہے۔۔تو ساری فضا میں ہوائیں الفاظ بن کر رقصاں ہوتی ہیں۔۔

تمہارے لبوں کی مسکراہٹ۔۔تمہاری آنکھوں کے آنسوں بھی الفاظ بن جاتے ہیں۔۔

جب وہ اپنا نغمہ چھیڑتی ہے۔۔۔تو بہرے بھی سننے لگتے ہے اور بے خود ہو جاتے ہیں۔۔۔

اور جب وہ خراماں خراماں سامنے آتی ہے۔۔تو اندھے بھی اسے دیکھ لیتے ہیں اور سراپا۔۔حیرت و استعجاب کی تصویر بن کر اس کا تعاقب کرتے ہیں۔۔''

جب اسنے اپنا کلام ختم کیا،تو مجمع پر ایک خاموشی طاری تھی ۔ ۔مگر اس خاموشی میں بھی ایک نغمہ تھااور وہ سب اپنے دکھوں اور فراق کی گھڑیوں کو بھول چکے تھے۔

(2)

وہ انہیں شاہراہ پر چھوڑ رخود اس راستے پر روانہ ہوا جو اس کے باغ کو جاتا تھا۔۔۔وہ باغ جہاں اس کے ماں باپ اور اب وہ ہمیشہ کے لئے اپنے آباؤاجداد کیساتھ گہری ابدی نیند سو رہے تھے۔

وہ ایک مدت کے بعد وطن لوٹا تھا۔اس کے عزیزوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔۔جو ملک کے رواج کے مطابق خیر مقدم کرتا۔اس لئے بعض اسکے پیچھے باغ میں جانے لگے۔

مگر میر سفینہ نے انہیں مشورہ دیا:

''اسے تنہا ہی اپنے راستے پر جانے دہ کیونکہ اس کی روح کو تنہائی میں غذا ملتی رہی ہے۔۔

اور اس کا جام گزشتہ یادوں کے بادہ ناب سے معمور ہے۔۔جسے وہ اکیلا ہی ہونٹوں تک لے جائیگا۔۔

جہاز رانوں کے قدم رک گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میر سفینہ کی بات درست ہے اور وہ تمام لوگ جو ساحل سمندر کے پاس جمع تھے وہیں رک گئے۔

صرف کریمہ اس کے پیچھے چلی جارہی تھی۔۔۔۔اس کی تنہائی اور گزشتہ زریں یادوں کے اندوہ ناک جذبات اس کے سینے میں ہچکولے کھا رہے تھے وفود جذبات سے وہ خاموش ہوگئی اور اپنے گھر کی جانب چل نکلی۔۔اور باغ میں بادا کے درکت کے نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان کیوں امڈ آیا؟ اس کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔

(3)

اس نے وہ باغ دیکھا جس میں اس کے ماں باپ ابدی نیند سو رہے تھے، وہ اس میں داخل ہوا۔

اس نے بڑا پھاٹک بند کر دیا تا کہ اس کے پیچھے کوئی اور شخص داخل نہ ہو، چالیس دن اور چالیس راتیں گزر گئیں۔ اس باغ کی اجڑی ہوئی فضا میں تنہا بیٹھا رہا۔ کسی شخص کو جرات نہ ہوئی کہ پھاٹک کھول کر اندر آتا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ وہ تنہائی کی سرشار کیفیتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

چالیس دن کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا تا کہ اس کے حواری اندر آ سکیں۔

صرف نو آدمی اسکے پاس آئے، تین اس کے جہاز کے ساتھی، تین عبادت گاہ کے پادری اور تین جو بچپن مین اس کے ساتھ کھیلے تھے۔ یہی اس کے حواری تھے۔

صبح ہوئی تو یہ حواری اس کے اردگرد بیٹھ گئے، اس کی آنکھوں میں وقت اور عہد ماضی کی یادیں جھلک رہی تھیں ایک حواری جس کا نام حافظ تھا، کہنے لگا۔

''آقا ہمیں شہر اقلیس کے متعلق کچھ بتاؤ جس کی زمین تم بارہ برس تک روندتے رہے ہو۔

اس کی خاموش نگاہیں دور پہاڑیوں پر جم گئیں۔ بلکہ اس سے بھی پرے فضا میں بجلی کی طرح رقص کرتی ہوئیں سفر کرنے لگیں، اس کی خاموشی میں ایک پیکار نمایاں تھی۔

پھر اس نے کہا۔

''میرے دوستو اور میرے ہم سفرو، اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو اعتقادات سے بھری ہوئی ہو لیکن مذہب سے خالی ہو۔ اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو وہ کپڑے پہنتی ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں سے نہیں بنائے ایسی روٹی کھاتی ہے جس کی فصل اس نے اپنے ہاتھوں سے نہیں کاٹی، ایسی شراب پیتی ہے جو اس کی اپنی انگور کی بیلوں سے کشید نہیں کی گئی۔

اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو ایک فسادانسان کو منبع فیض خیال کرتی ہے۔۔

اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو ایک جذبے سے خواب میں تو نفرت کرتی ہے لیکن بیداری کے وقت اسکے آگے سر جھکا دیتی ہے۔

اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جس کی آواز جنازے کے جلوس کے سوا کہیں بلند نہیں ہوتی، اپنے اسلاف کے اجڑے ہوئے ویرانوں کے سوا کہیں اور فخر نہیں کرتی اور جب تک انکی گردنیں تیز دھار والی تلوار کے نیچے نہ آئیں۔ان میں بغاوت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا!

''اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو اپنے نئے بادشاہ کا باجوں کے شور سے استقبال کرتی ہے اور اس پر آوازے کس کر اسے الوداع کہتی ہے تا کہ وہ دوسرے بادشاہ کا شہنائیوں کے ساتھ استقبال کر سکے۔

''اس قوم کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو باہمی نفاق کے باعث کئی حصوں میں تقسیم ہو چکی ہو اور ہر ایک ایک حصہ اپنے آپ کو ایک قوم تصور کرتا ہو۔''

(4)

حواریوں میں سے ایک نے کہا۔

''ہمیں اس چیز کے متعلق کچھ بتاؤ جو اس وقت تمہارے دل کی مقدس فضا میں پرواز کر رہی ہے۔''

اس نے اس شخص کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔

اس کی آواز ایسی تھی گویا کوئی ستارہ گا رہا ہو۔۔

''بیداری کے خواب میں جبکہ اپنی ہستی کی خاموش گھڑیوں میں تم اپنی شخصیت کی گہرائیوں میں ہوتے ہو تمہارے تخیلات کے گالوں کی طرح چادروں طرف سے خاموش آواز کے ساتھ گرتے ہیں اور تمہارے عرصہ تخیل کو خاموشی کی سپید چادر

میں ڈھانپ لیتے ہیں۔

اور تمہاری بیداری کے خواب کیا ہیں؟۔۔ابر پارے جو تمہارے دل کے آسمان پر آوارہ پھر رہے ہیں تمہارے تخیلات کیا ہیں؟

پھولوں کی پتیاں جو تمہاری روح کے جھونکوں سے پہاڑیوں اور مرغزاروں میں اڑاتی پھرتی ہیں۔

تم طمانیت کا انتظار کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تم میں عدم کا ظہور رہوتا ہے، آوارہ بادل کافور ہو جاتے ہیں اور قدرت کا ہاتھ سورج، چاند اور ستاروں کو بے نقاب کرتا ہے۔''

سرقس نے کہا۔

''لیکن بہار آنے پر ہماری خوابوں اور تخیلات کی برف پگھلی کر رہ جائے گی۔

اس نے کہا۔

''اس میں کیا شک ہے جب بہار اپنے محبوب کی تلاشی میں خوابیدہ مرغزاروں اور تاکستانوں میں آتی ہے تو برف پگھل کر ندیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ندیاں شور مچاتی ہوئی وادی میں جا کر دریا سے بغلگیر ہوتی ہیں تا کہ خدا اور گلاب کے پھولوں کے ساقی بن سکیں۔ جب تمہاری بہار آتی ہیں تو تمہارے دلوں کی برف پگھل جاتی ہے اور اس طرح تمہاری زندگی کا راز ندیوں کی طرح بہتا ہوا وادی میں دریا سے جا ملتا ہے۔ دریا تمہارے راز کو سینے میں بہائے ہوئے سمندر کی بے پایا وسعت میں گم ہو جاتا ہے۔

جب بہار آئے گی تو تمام کائنات گداز ہو کر گیت کی صورت اختیار کر لے گی۔ ستارے اور برف کے گالے مرغزاروں کو چھپائے ہوئے ہیں۔ گاتی ہوئی ندیاں کی طرح بہ نکلیں گے۔ جب صائع ازل کی صورت کا آفتاب افق پر ہویدا ہو گا تو پھر کونسی بستہ چیز باقی رہ جائے گی اور تم میں سے کون ہو گا جو حنا اور گلاب کے پھولوں کا ساقی

نہ ہوگا؟

ابھی کل کی بات ہے کہ تم بے پایاں سمندر میں بہتے ہوئے جا رہے تھے اور تم پر وہ عدم میں بے کنار تھے، زندگی نے سانس لی اور اپنی آتش نفسی سے ایک زریں نقاب تخلیق کیا، زندگی تمہیں عدم سے ظہور میں لائی۔ اور پستیوں سے نکال کر تمہیں درخشاں بلندیوں تک سنبھالے ہوئے لے گئی۔۔لیکن سمندر تمہارے تعاقب میں رہا۔اس کے گیت اب تک تمہاری ہستی میں گونج رہے ہیں۔تم اسے بھول گئے لیکن وہ تمہاری ماں ہے وہ کیسے بھول سکتی ہے۔وہ ہمیشہ تمہیں اپنی طرف بلاتی رہے گی۔

پہاڑوں اور صحراؤں کی غیر محدود وسعتوں میں سمندر کے دل کی خنک گہراؤں کو تم ہمیشہ محسوس کرتے رہو گے، بسا اوقات تمہیں اس تمناؤں کا احساسا نہ ہوگا۔لیکن تمہارا دل سمندر کی بے پایاں وسعت اور ترنم ریز طمانیت کے لئے بے قرار ہوگا۔

اور کیوں نہ ہو۔درختوں کے جھنڈ اور گپھاؤں میں جب بارش کے قطرے پتوں پر رقص کرتے ہیں، جب برف گرتی ہے وادی میں جب تم اپنا ریوڑ ہانکتے ہوئے دریا کی طرف لے جاتے ہو۔تمہارے باغوں میں جب شبنم کے قطرے قدرت کا عکس لیتے ہیں۔تمہاری چراگاہوں میں جب شام کی دھند تمہارے راستوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔۔اس وقت سمندر تمہارے ساتھ ہوتا ہے، یہ گواہی ہے تمہاری وراثت کی، دعویٰ ہے تمہاری محبت کا۔۔۔

''سمندر کا تو دا پگھل پگھل کر سمندر کی جانب بہتا ہو جا رہا ہے۔''

(5)

صبح کے وقت جب وہ باغ میں پھر رہے تھے تو پھاٹک پر ایک عورت نمودار ہوئی۔

یہ کریمہ تھی۔

وہ کریمہ جسے وہ بچپن میں بہن کی طرح محبت کیا کرتا تھا۔

وہ دروازے پر کھڑی رہی، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس کی نگاہوں میں اندوہ

غم اور تمناؤں کا طوفان اُمڈ آ رہا تھا۔

اس نے اس کی نگاہوں میں آرزوؤں کا جوش دیکھ لیا اور وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

اس عورت نے زبان کھولی۔

''تم ہم سے بچھڑ کر کہاں چلے گئے؟ تمہارے بغیر ہماری زندگی تاریک تھی، جانتے ہو بارہ برس تک ہم انتظار کرتے رہے اور محبت بھری نگاہوں سے تمہاری راہ دیکھتے رہے، باہر لوگ تمہیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔، وہ تمہاری زبان سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ میں ان کی قاصد بن کر آئی ہوں اور التجا کرتی ہوں کہ اپنی دانشمندی سے تشنہ روحوں کو سیراب کرو اور شکستہ دلوں کو تسکین دو۔''

اس نے کریمہ کیطرف دیکھا اور کہا۔

''اگر تم تمام انسانوں کو دانا نہیں کہہ سکتیں تو مجھے بھی دانا نہ کہو۔

میں ایک تازہ پھل کی مانند ہوں، جو ابھی ٹہنی رہا ہو اور ابھی کل کی بات ہے کہ میں صرف ایک کلی کی طرح تھا۔

کسی کو بے وقوف نہ کہو۔۔۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نہ دانا ہیں اور نہ ہی بے وقوف ہم زندگی کے درخت پر سبز پتوں کے مانند ہیں۔

زندگی کیا ہے؟

عقل وفہم سے بالاتر۔۔اور بے وقوفی سے بھی یقنا پرے۔۔اور کیا میں واقعی تم سے دور رہا ہوں۔؟

ہرگز نہیں۔۔کیا تم نہیں جانتیں کہ دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں جسے روح تصور میں طے نہ کر سکے؟

اور جب روح وہ فاصلہ طے کر لیتی ہے تو وہ روح سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

وہ فاصلہ جو نا راض ہمسائے اور تمہارے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔اس فاصلے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو تم اور تمہارے محبوب کے درمیان ہے اور جو سات سمندر پار بیٹھا ہو۔

دل کی یاد میں فاصلہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔مگر فراموشی میں ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے جسے نہ تمہاری آواز عبور کر سکتی ہے اور نہ تمہاری آنکھ۔۔۔۔

سمندروں کے کناروں اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹی کے درمیان ایک خفیہ راستہ ہے۔۔۔اور باقی انسانوں کی روحوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے تمہیں اس راستہ پر ضرور چلنا ہوگا۔

اور تمہارے علم اور تمہارے فہم و ادراک کے مابین بھی ایک پوشیدہ راستہ ہے۔ جس کو پانا ضروری ہے۔تا کہ تم انسان بن سکو۔۔۔اور اپنے آپکو پہچان سکو، تمہارے دائیں ہاتھ میں۔۔جو دیتا ہے۔۔اور بائیں ہاتھ میں۔۔۔جو لیتا ہے بہت فاصلہ ہے۔۔۔

صرف ان دونوں کا ملنا۔۔یعنی دینا اور لینا۔۔اس فاصلے کو دور کر سکتا ہے کیونکہ جب تم یہ جان لیتے ہو کہ تمہارے پاس دینے اور لینے کو کچھ بھی نہیں تو پھر تم فاصلے کی دوری کا تصور ذہن سے نکال دیتے ہو۔

یقین کرو۔۔کہ وہ فاصلہ بہت ہی زیادہ ہے جو خواب اور بیداری کے درمیان ہے۔۔اور وہ فاصلہ ہے۔۔جو عمل اور تمنا کے درمیان ہے۔

اور اس کے علاوہ وہ ایک اور راستہ بھی ہے تا کہ تم زندگی کو پہچان سکوں۔مگر اس راستہ کا حال اب نہیں کہوں گا۔۔کیونکہ تم لوگ سفر سے اکتائے ہوئے ہو۔''

(6)

پھر وہ اس عورت کے ساتھ بڑھ گیا۔اس کے ساتھ وہ نو حواری بھی تھے۔یہاں تک وہ شہر کے چوک میں پہنچ گئے۔

اس کے ہمسائے ، اس کے دوست اور دوسرے لوگ وہاں جمع تھے ۔۔ان کے دلوں میں پیانے خوشی سے لبریز تھے اور مسرت آنکھوں کی پتلیوں میں رقص کر رہی تھی۔

اس نے کہا۔۔۔۔

''زندگی کے گہرے خواب کی گرانی میں تم نشوونما پا رہے ہو اور انہی بے پایاں خوابوں میں تم اپنی زندگی کی تکمیل کرتے ہو۔۔تمہاری زندگی کے دن تو اس چیز کا شکریہ ادا کرتے کرتے گزر جاتے ہیں جو تم نے رات کی خاموشیوں میں حاصل کی۔ اکثر تم یہی خیال کرتے ہو کہ رات کی خاموشیاں آرام اور تسکین کے لئے ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رات کہ پہنائیوں میں حقیقت کی تلاش اور رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوتا ہے۔

دن کی روشنی میں علم کی طاقتیں بیدار ہوتی ہیں اور تمہارے ہاتھ کسی چیز کو پا لینے میں مہارت تامہ حاصل کرتے ہیں لیکن یہ رات ہی ہے جو تمہیں زندگی کے خزانے کی طرف لے جاتی ہے۔

وہ چیزیں جو سورج کی روشنی میں اپنی آرزوؤں کی نشوونما کرتی ہیں۔سورج انہیں ایک سبق دیتا ہے۔لیکن رات ان چیزوں کو ہمدوش ثریا بنا دیتی ہے!

رات کی خاموش گہرائیوں میں جنگل کے درختوں اور باغ کے پھولوں پر عروسی نقاب پڑ جاتا ہے اور پھر ایک طرب انگیز دعوت کا سامان مہیا ہو کر ایک شاندار خانہ عروس تیار ہو جاتا ہے۔اور پھر اس مقدس خاموشی میں وقت کے بطن سے فردا کی تعبیریں پیدا ہوتی ہیں۔

اس لئے اب تم پر ہی منحصر ہے کہ تم جستجو سے زندگی کا مقصد اعلیٰ اور مکمل پیام حاصل کر لو۔۔اس میں شک نہیں کہ سورج کی اولین کرن رات کی تمام یادوں کو تمہارے ذہن سے محو کر دیتی ہے لیکن دامان باغبان شب ہمیشہ بچھا رہتا ہے او

رخلوت گاہ عروسی تمہاری منتظر رہتی ہے۔''

اور وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اور لوگ بھی تصور حیرت بنے ہوئے اس کے الفاظ کے منتظر تھے پھر اس نے کہا۔

''تم بلا شبہ روحیں ہو۔ گو اپنے اجسام میں گھری ہوئی ہو تم رات کی تاریکی میں جلنے والے تیل کی طرح ہو جس کے شعلے بلند ہو رہے ہوں لیکن چراغ میں مقید ہو۔''

اگر تمہارے جسم صرف جسم ہی ہوتے تو میرا تمہیں پیغام دینا، ایک بے مصرف کام تھا۔۔ جیسے ایک مردہ مردوں کی آواز دے رہا ہو۔

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے!

تمہارے تمام غیر فانی عناصر دن اور رات کی قید سے آزاد ہیں۔

اور انہیں کوئی چیز گھیر انہیں ڈال سکتی۔

کیونکہ مشیت ایزدی یہی ہے۔۔!

تم رب اکبر کی سانس کے ساتھ لے رہے ہو اور ہوا کو تو کسی طرح بھی قید نہیں کیا جا سکتا۔

اور میں بھی اس کے نفوس میں سے ایک ہوں۔

پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہجوم کو تنہا چھوڑ کر باغ میں داخل ہوا۔

اور سرقس نے جس کے شبہات ابھی پوری طرح رفع نہ ہوئے تھے، کہا:

آقا: بدصورتی کے متعلق بھی تو کچھ بتا دیجئے، آپ نے اس کے متعلق کبھی کچھ نہیں کہا۔

اس نے جواب دیا اور اس کی آواز میں تیزی اور گونج تھی۔

''میرے دوست، کیا ہو شخص تمہیں یہ کہہ سکتا ہے کہ تم مہمان نواز نہیں ہو جبکہ وہ تمہارے دروازے پر دستک دیئے بغیر لوٹ آئے؟

اور اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ ایک عجیب زبان میں گفتگو کرے۔ جس کو تم مطلق

نہیں سمجھ سکتے تو کیا تمہیں بہرہ اور بے سمجھ کہا جا سکے گا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے اس چیز کو سمجھنے اور اس کے دل میں اتر جانے کی کبھی جدوجہد نہیں کی جسے تم بدصورتی کہتے ہو؟

بدصورتی کیا ہے؟ تمہاری آنکھوں کے پردے اور ہمارے کانوں کی موم!

دوست، کسی کو بدصورت نہ کہو۔۔۔ ہاں سوائے ان بھیانک یادوں کے جن سے تمہاری روح کو خوف محسوس ہو رہا ہو؟''

(7)

ایک دن جب وہ سب سفید چناروں کے لمبے لمبے سایوں میں نیچے بیٹھے تھے ایک نے کہا۔

''آقا میں وقت سے خوف محسوس کرتا ہوں یہ گزرتا جا رہا ہے اور ہمارے عہد شباب پر چھاپہ مار رہا ہے اور ہمیں اس کے بدلے اس نے کیا دیا ہے؟''

اس نے کہا۔

مٹھی بھر خاک اپنے ہاتھ میں لے لو۔

کیا اس میں تمہیں کوئی بیج یا کوئی بے حقیقت سا کیڑا نظر آتا ہے؟

اگر تمہارا ہاتھ کشادہ اور مستحکم ہوتا تو ایک ادنیٰ سا بیج بھی ایک جنگل بن سکتا ہے اور ایک بے حقیقت کیڑے کے وجود سے فرشتوں کے پرے معرض وجود میں آ سکتے ہیں۔

اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ وہ عرصہ جس میں بیج جنگل بن جایا کرتے ہیں اور کیڑے سے فرشتوں کی آفرینش ہوتی ہے محض امروز سے تعلق رکھتا ہے اور بس!

موسموں کا تغیر کیا چیز ہے؟ صرف تمہارے اپنے ہی خیالات کے ہچکولے۔

بہار تمہارے سینے کے محسوسات کی بیداری اور موسم گرما تمہاری آرزوؤں کی تکمیل کا اعتراف!

اور کیا خزاں کی قدامت تمہارے اس وجود کو جو عالم طفولیت میں ہے لوریوں کے میٹھے میٹھے گیت سنا کر آمادہ خواب نہیں کر رہی؟

اور میں کہتا ہوں کہ موسم سرما تو ایک نیند ہے جو دوسرے موسموں کے خوابہائے گراں کا بوجھ اپنے ساتھ لاتا ہے۔''

اور پھر منوس نے جس کی طبیعت میں تجسس بہت تھا، ایک بیل کو انجیر کے درخت سے لپٹے ہوئے دیکھا کر کہا۔

آقا! آپ نے ان بیلوں کو دیکھا، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے، وہ چور ہیں، جو سورج کے مستحکم فرزندوں کے نور پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور میٹھا رس جوان پتوں اور شاخوں میں دوڑ رہا ہے ان مفت خوروں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔

اس نے کہا۔

''میرے دوست، ہم سب مفت خورے ہیں ہم زمین میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لئے نہایت جانفشانی سے اسے یہ وبالا کرتے ہیں اور بعض بنجر زمین سے ہی زندگی حاصل کرتے ہیں جبکہ وہ اس زمین سے واقف بھی نہیں ہوتے۔

کیا ایک ماں اپنے بچے سے یہ کہہ سکتی ہے؟

''میں تمہیں بے پایاں جنگل کے حوالے کر دیتی ہوں۔ جو تمہارا صحیح مسکن ہے کیونکہ میرا دل و دماغ تم سے بیزار ہو چکا ہے۔

اور کیا ایک گویا اپنے گیت کی سرزنش کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے؟

''میرے پاس کوئی چراگاہ نہیں جہاں میں تمہیں لیجاؤں اس لئے مجھ سے جدا ہو جاؤ اور سی باعث اپنی قربانی دے دو۔۔۔''

میرے دوست ان تمام باتوں کا حل سوال سے پہلے ہی موجود ہے اور تمہارے خوابوں کی طرح ان کی تعبیر نیند سے پہلے ہی پوری ہو جاتی ہے۔

ازلی اور ابدی قانون کے مطابق ہماری زندگی ایک دوسرے کے مرہون منت

ہے اس لیئے ہمیں مہر و مروت کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے۔

اپنی تنہائیوں میں ہم ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں اور جب ہمیں کہیں آرام کی جگہ میسر نہیں آتی تو ہم سڑک کے کنارے چل نکلتے ہیں۔

میرے رفیقو، تمہارا ہم جنس بھائی ہی کشادہ سڑک کے مانند ہے۔

یہ بیلیں جو درخت سے لپٹی ہوئی ہیں، رات کی راحت انگیز خاموشی میں زمین کا میٹھا رس پیتی ہیں اور زمین اپنے پرسکون خوابوں میں سورج سے زندگی کی حرارت حاصل کرتی ہے۔

اور سورج اور ہم تم سے ایک ہی اعزاز کے ساتھ اس بادشاہ کی دعوت میں شریک ہوتے ہیں جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اور جس کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا ہے۔

میرے دوست منوس، اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ اسی کا مرہون منت ہوگا جو دنیا میں موجود ہے۔

اور جو کچھ موجود ہے وہ یقین اور ایمان کی بدولت ہے۔

وہی بے پایاں یقین اور ایمان جو خدائے بزرگ و برتر کے فیض سے ہمیں میسر آتا ہے۔"

(8)

ایک صبح جبکہ آسمان پر شعاع اولین کی زردی چھائی ہوئی تھی وہ سب مل کر باغ میں ٹہلنے لگے۔ ان کی نگاہیں مشرق کی طرف گڑ چکی تھیں اور طلوع آفتاب کا وہ خاموشی کے ساتھ تماشا کر رہے تھے۔

چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر کہا۔

شبنم میں صبح کی پہلی کرن کا عکس آفتاب کی دلیل ہے۔

تمہاری روح اور تمہاری زندگی کا پرتو تمہاری زندگی کا ثبوت ہے۔

شبنم کے قطرے سورج کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کیونکہ روشنی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

تم نے زندگی کا پرتو اس لئے نظر آتا ہے کیونکہ تم اور زندگی میں یکسانیت ہے۔

جب تم پر زندگی کے تاریک سائے چھا جائیں تو کہو۔

''یہ تاریک سائے سورج کی اولین کرنیں ہیں جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئیں۔اگر چہ رات کی بھیانک تاریکی مجھ پر چھائی ہوئی ہے لیکن پھر بھی صبح کا ظہور ہوگا جیسا کہ پہاڑیوں کی بلندیوں پر ہوتا ہے۔

شبنم کا قطرہ جو کنول کی تاریک پتیوں میں اپنی دنیا ڈھونڈ رہا ہے اس طرح تم اپنی روح کے پاروں کو خدا کی آغوش میں جمع کر رہے ہو۔

''ہزار سال گزر جانے کے باوجود محض ایک شبنم کا قطرہ ہوں۔اور تم اس کا جواب دے سکتے ہو۔

''ہزار ہا سال کی چمک تمہارے ننھے ننھے حلقوں میں ابھی تک ظاہر ہے۔''

(9)

ایک شام جبکہ باہر شدید طوفان برپا تھا، وہ اور اس کے حواری آگ کے الاؤ کے اردگرد بیٹھے، ان پر مکمل سکوت طاری تھا، ایک حواری نے کہا۔

آقا! میں تنہا ہوں اور وقت کے دلکش لمحے میرے سینے کے محسوسات کو پامال کر رہے ہیں۔

وہ ان کے درمیان کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز تیز رفتار جھونکے کی طرح گزر رہی ہے۔

تنہا؟ تو پھر ہوا کیا؟ تم اس دھند میں اکیلے آئے تھے اور اکیلے ہی آگے بڑھ جاؤ گے۔

اس لئے اپنا جام تنہائی میں ہی خالی کرو، خزاں اپنے ساتھ نئے جام اور نئے

ہونٹ پیدا کرتی ہے اور تلخ و شیریں شراب سے اپنے ساغروں کو بھری دیتی ہے جیسا کہ انہوں نے تمہارے جام بھر دیئے ہیں۔

اپنا جام تنہائی ہی میں پیو خواہ اس میں تمہارے لہو اور تمہارے آنسوؤں کا ذائقہ ہی کیوں نہ ہو اور زندگی کو تشکر اور امتنان کی نگاہوں سے دیکھو کہ اس نے تمہارے وجود میں پیاس کا جذبہ پیدا کیا۔

کیونکہ پیاس کے بغیر تمہارا دل ایک غیر آباد کنارے کی طرح ہوگا جس میں لہریں اپنے گیت فضائے آسمانی میں بلند نہیں کر سکتیں۔

اپنا جام تنہائی ہی میں خالی کرو اور اس وقت مسرت تمہارے چہروں پر رقص کر رہی ہو۔

اپنے جام کو اپنے سر سے بلند کرو اور گہرائیوں میں ڈوب جاؤ جہاں لوگ تنہائی میں اپنے جام خالی کرتے ہیں۔

ایک دفعہ میں ایک مجمع میں بیٹھا تھا۔ پر تکلف کھانے میزوں پر چنے ہوئے تھے۔ میں ان کے ساتھ شراب پیتا رہا۔ لیکن ان کی شراب میرے دل و دماغ میں کیف پیدا نہ کر سکتی، سینے میں سرور برپا کرنے کے بجائے وہ نیچے پاؤں تک اتر گئی، میری عقل بے کیف اور بے معنی ہو کر رہی گی اور میرے دل پر پژمردگی کی مہر ثبت ہوگئی۔

اس دن کے بعد میں نے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کیا اور نہ ہی انکے دسترخوان پر بیٹھ کر شراب پی۔

اس لئے میں آج تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ وقت کے روح فرسا لمحات تمہارے سینوں میں مایوسی اور پژمردگی پیدا کرتے ہوں گے لیکن اس سے کیا ہوگا؟

تم اپنے غم و آلام کے ساغر اپنی ہی تنہائی میں خالی کرو اور مسرت اور بہجت کے طوفان خیز اوقات میں بھی تنہائی میں اپنی شراب ختم کرو۔

ایک دن فردوس یونانی باغ میں ٹہل رہ تھا۔اس نے ایک پتھر سے ٹھوکر کھائی اور وہ غضبناک ہو گیا۔اس نے مڑ کر پتھر کو اٹھالیا اور دبی آواز میں کہنے لگا۔

''اے بے جان چیز میرے راستے کی رکاوٹ؟''

وہ منتخب اور محبوب کہیں دیکھ رہا تھا۔اس نے کہا۔

کیا کہا؟ اے بے جان چیز تم اس باغ میں اتنی مدت سے پھر رہے ہو لیکن تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہاں کوئی چیز بے جان نہیں؟

یہاں ہر ایک چیز میں زندگی دن کی روشنی اور رات کی سطوت میں رقص کرتی ہے۔ تم میں اور پتھر میں فرق ہی کیا ہے؟ دل کی دھڑکنوں کے سوا تم میں فوقیت ہی کیا ہے؟ تمہارے دل کی دھڑکنیں ذرا تیز ہیں۔اور انہیں ہمارے کان سن سکتے ہیں یہی بات ہے نا؟

میرے دوست لیکن اس میں طمانیت اور سکون کہا!

اس کی ہم آہنگی میں تمہیں فرق نظر آتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر اپنی روح کی گہرائیوں میں اتر جاؤ اور کون و مکان کی بلندیوں تک پہنچ جاؤ تو تمہیں ایک ہی نغمہ سنائی دے گا اور وہ نغمہ پتھر اور ستارے کی ہم آہنگی اور یکسانیت کا پیغام دے رہا ہو گا۔

ایک مکمل یکسانیت.....!

اگر آج میرے الفاظ تمہارے اوراق پر قابو نہیں پا سکتے تو کسی اور صبح کے لئے یہ معاملہ اٹھا رکھو تم نے اس پتھر کو ملامت کی محض اس لئے کہ تم نے اندھے ہونے کے باعث ٹھوکر کھائی۔ لیکن تم ان ستاروں کو بھی برا بھلا کہو گے جن سے آسمانی پرواز کے دوران میں تمہارا سر ٹکرا جائے؟''

وہ دن دور نہیں جبکہ تم پتھروں اور ستاروں کو اس طرح جمع کرو گے جس طرح ایک بچہ وادی میں کنول کے پھول جمع کر رہا ہو۔

پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ ہر چیز میں زندگی کی حرارت اور مہک موجود ہے!

(11)

ہفتے کا پہلا دن تھا۔ معبد کے گھنٹوں کی آواز دور تک سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

آقا! یہاں خدا کا ذکر ہوتا ہے آپ کا خیال ہے؟ اور حقیقت میں خدا چیز کیا ہے؟

وہ ایک مضبوط درخت کی طرح ان کے درمیان کھڑا ہو گیا جسے بادو باراں کے تند جھونکوں کا مطلق خوف نہ ہو۔

اس نے کہا۔

میرے محبوب دوستو اور رفیقو!

اس وسیع دل کی پہنائیوں پر غور کرو جس میں تمہارے دلوں کی تابش پنہاں ہے اور تمہاری تمام محبتوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ روح جو تمہاری روحوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ آواز جو تمہاری آوازوں پر چھائی ہوئی ہے۔۔ اور وہ خاموشی جو تمہاری خاموشیوں سے زیادہ گہری اور ابدی ہے۔۔۔!

آج اپنی ہی ذات میں اسے محسوس کرو تو تم دیکھو گے کہ وہ ایک ایسا حسن ہے جو دنیا کی حسین ترین چیزوں کو مسحور کئے ہوئے ہے۔

ایک ایسا نغمہ ہے جو سمندر اور جنگل کے نغموں سے بھی زیادہ وسیع اور دلفریب ہے۔ ایک پرسطوت شہنشاہ جو ایک ایسے تخت پر بیٹھا ہو۔ جس کا پائدان پروین ہو اور اس کے شاہی عصا میں ثریا کے تارے شبنم کے قطرے کے مانند ہوں۔

تم آج تک جائے پناہ خوراک، لباس اور سہارا تلاش کرتے رہے ہو۔ آج اس شخصیت اعلیٰ کو تلاش بھی کرو جو تمہارے تیروں کا نشانہ نہیں بن سکتی اور نہ ہی پہاڑی غار جو تمہیں پناہ دے سکے۔

اور اگر میری باتیں ناقابل فہم ہیں تو اس چیز کی تلاش کرو جس سے تمہارے دل کے پیانے بھیس لگنے سے ٹوٹ جائیں۔

اور تمہارا تجسس تمہیں اس بلند ترین شخصیت کی جسے ہم خدا کہتے ہیں محبت اور عقل و دیعت کر دے۔

وہ سب خاموش تھے اور ان کے دلوں میں ایک بے چینی سی تھی اور انہیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور اس نے ان کی طرف ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

''ہمیں اب خدا کے متعلق کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ آؤ اس کے دیوتاؤں اور تمہارے ہمسایوں تمہارے بھائیوں اور تمہارے ان اجزاء کا ذکر کریں جو تمہارے گھروں اور کھیتوں میں تم پر چھائے ہوئے ہیں۔''

تصور ہی تصور میں تم بادلوں کے قریب پہنچ کر اسے رفعت خیال کرتے ہو۔ وسیع سمندر کو طے کر کے تمہیں وہ ایک فاصلہ نظر آتا ہے۔

لیکن میں یہ کہتا ہو کہ جب تم زمین میں ایک بیج بوتے ہو تو تم غیر معمولی رفعتوں پر پہنچ جاتے ہو اور جب تم صبح کے دلفریب منظر سے اپنے سائے کو آگاہ کرتے ہو تو تم ایک بے کراں سمندر کا فاصلہ طے کرتے ہو۔

تم اکثر اس خدا کے گیت گاتے ہو جو ابدی اور ازلی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ گیت تمہارے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ کاش تم پرندوں کے گیت سن سکتے اور ان

پتوں کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچ سکتی جنہیں ہوا اپنی شاخوں سے اڑا کر دور لئے جارہی ہو۔

میرے دوستو، اس بات کو یاد رکھو کہ ان کے گیت اس وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنی شاخوں سے جدا ہوتے ہیں!

میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کے متعلق اتنی آزادی کے ساتھ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ وہ کل ہے تم ایک دوسرے کو سمجھنے کی جدوجہد کرو۔

ہمسایہ ہمسائے کو پہچانے اور ایک دیوتا دوسرے دیوتا کو۔۔!

اگر بچوں کو تنہا گھونسلے میں چھوڑ کر پرندہ آسمانوں کی طرف اڑ جائے تو ان کا پیٹ کون بھرے گا؟

جب تم اپنی خودی کے اجزاء میں کھو جاتے ہو تو تم آسمانوں کی طرف نگاہ اٹھاتے ہو۔

کاش تم اپنی خودی کی وسعتوں میں رہ کر اپنا راستہ تلاش کرتے تو ممکن تھا تم اتنا سست رو نہ ہوتے۔

میرے جہاز رانوں اور میرے دوستو، خدا کے متعلق کم باتیں کرنا عقلمندی کی دلیل ہے کیونکہ ہم اسے سمجھ نہیں سکتے کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے متعلق باتیں کریں جو ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس کے باوجود میرے یہ آرزو ہے کہ تم اس حقیقت کو ذہن میں رکھو تم خدا کی سانس اور اس کی خوشبو ہو۔۔۔!

ہر ایک پتے اور ہر ایک پھول اور پھل میں ہمیں خدا نظر آتا ہے۔۔۔۔!

(12)

ایک صبح جبکہ سورج کافی بلندی پر آ چکا تھا۔ ان تین حواریوں میں سے ایک نے کہا جو بچپن سے اس کے ساتھ کھیلتے رہے تھے۔

آقا، میرا لباس پھٹ چکا ہے، میرے پاس اور کپڑا کوئی نہیں جسے میں پہن سکوں مجھے اجازت دیجئے کہ میں بازار سے کوئی نیا کپڑا کر ید لاؤں۔

اس نے نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اپنا پھٹا ہوا لبادہ مجھے دیدو۔ نوجوان حواری نے بلا حیل و حجت اپنا لبادہ اتار کر اسے دیدیا اور خود دھوپ میں ننگا کھڑا رہا۔

اس نے کہا اس کی آواز اس گھوڑے کی طرح تھی جو پکی سڑک پر دوڑا جا رہا ہو۔

صرف ننگے ہی دھوپ میں رہ سکتے ہیں۔ سیدھا سادہ انسان ہی ہوا کے دوش پر سوار ہو سکتا ہے۔ وہی شخص گھر لوٹ سکتا ہے جو ہزار بار اپنا راستہ کھو بیٹھتا ہو۔

فرشتے عیار انسانوں سے بیزار ہو چکے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ایک فرشتہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔

چمکدار چیزوں کے لئے ہم نے جہنم تیار کیا۔ آگ ہی تو چمکیلی سطح کو اڑا کر حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے۔

میں نے کہا۔

''جہنم کی آفرینش کیساتھ تمہیں شیطان محافظوں کو بھی پیدا کرنا پڑا، فرشتے نے کہا۔

''نہیں، جہنم کے منتظم وہ لوگ ہیں جو آگ کے مطیع نہیں ہو سکتے۔''

فہم و ادراک کا مالک فرشتہ،

وہ مکمل اور غیر مکمل انسانوں کے راہ رسم اچھی طرح پہچانتا ہے۔

جب پیغمبر کسی پیچیدگی یا دکھ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ خدا کا پیغام لا کر انہیں تسکین دیتا ہے۔ پیغمبروں کی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بھی مسکراتا ہے اور جب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔

میرے دوستو اور جہاز رانو صرف عریاں انسان دھوپ میں رہ سکتا ہے۔

جس کے پاس پتوار نہ ہو وہ سمندر کے وسعتوں میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے۔

جو رات کی تاریکیوں میں لپٹا ہوا ہے، وہ صبحل کی کرن کیساتھ بیدار ہوگا۔

جو بیج برف کے نیچے دب گیا ہے، وہ بہار کی آمد پر شگفتہ ہوگا۔۔۔!

تم تو جڑوں کی طرح نیچے دبے ہوئے ہو، بڑی سادگی کے ساتھ۔۔۔!

لیکن تم زمین سے فہم و فراست حاصل کر رہے ہو۔

تم خاموش ہو لیکن تمہاری ان شاخوں میں جو ابھی تک تمہارے سینوں میں پنہاں ہیں۔

ہواؤں کے نغمے موجود ہیں۔ تم نحیف ہو اور ابھی تک بے صورت ہو۔ لیکن تم دیو نما بلوط کی ابتداء ہو اور بید کے اس پودے کی طرح جس نے ابھی زمین سے سر ہی نکالا ہو۔

ایک دفعہ پھر کہتا ہوں کہ تم تاریک مٹی اور حرکت کرنیوالے آسمانوں کے درمیان جڑوں کی مانند ہو۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تم صبح کی پہلی کرن کیساتھ مصروف رقص ہو جانا چاہتے ہو لیکن تم ایک قسم کا حجاب بھی محسوس کرتے ہو۔۔۔

دراصل تمام جڑیں شرمیلی ہوتی ہے۔

وہ اپنے دلوں کو اس وقت تک پردہ غیب میں رکھتی ہیں جب تک انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے دل کس کام کے ہیں۔

لیکن موسم بہار کا آنا ہی ہوگا اور بہار ایک بے قرار دوشیزہ کے مانند ہے لیکن وہ پہاڑیوں اور میدانوں میں اپنی دولت نہایت فیاضی سے لٹاتی نظر آئے گی۔

(13)

اور ایک جو معبد میں خدمت بجالاتا رہا تھا۔ آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

آقا! ہمیں اس روحانی انداز سے تعلیم دو کہ ہمارے الفاظ یوں ہوں گویا آپ کے

الفاظ ہوں اور ہمارے جسموں میں سحر اور روح پھونک دیں۔''

اس نے جواب دیا۔

تمہاری آماجگاہ تمہارے الفاظ سے بہت بلند ہے لیکن تمہارے راستہ کی ہم آہنگی اور مہک قائم رہے گی، محبت کرنیوالوں اور محبوبوں کی ہم آہنگی۔ مہک ان لوگوں کے لئے جو اپنی زندگی گلستان میں بسر کرتے ہیں۔

اپنے الفاظ کی سرحد سے بہت دور تمہارا مقام ہوگا۔ جہاں کہکشاں کی خاک اڑتی ہے۔ تم اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دو گے یہاں تک وہ بھرپور ہو جائیں گے۔

پھر تم آرام سے محو خواب ہو جاؤ گے اور سفید پرندے کی طرح اپنے سفید آشیانے میں تمہاری روح فردا کے خواب دیکھنے میں مصروف ہو جائے گی جیسا کہ سفید کنول کے پھول بہار کا خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

ہاں! تم اپنے الفاظ کی نسبت زیادہ گہرائی میں پہنچ جاؤ گے۔ تم اپنے گم شدہ چشموں کو پھر سے پالو گے۔۔ تم ایک گہرے اور پوشیدہ غار کے مانند بن جاؤ گے۔ جہاں تمہاری گہرائیوں کی نحیف آوازیں بلند ہو رہی ہوں گی اور جنہیں اس وقت تم نہیں سن سکتے۔

تم اپنے الفاظ کی نسبت زیادہ گہرائی میں پہنچ جاؤ گے ہاں! تمام آوازوں سے عمیق ترین۔۔ زمین کے مرکز میں جہاں خدائے قدس کے ساتھ تنہا رہو گے او کہکشاں تمہارا راستہ ہوگا۔۔۔!

چند لمحوں بعد ایک حواری نے التجا کی۔

آقا، ہست و بود کے متعلق ہمیں کچھ بتائیے۔ یہ ہونا کیا چیز ہے؟

وہ دیر تک تک اس کی طرف دیکھتا رہا، اس کی نگاہوں میں محبت موجزن تھی۔ وہ کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دور ٹہلتا ہوا گیا اور پھر لوٹ آیا اور کہا۔

باغ میں میرے ماں باپ لیٹے ہوئے ہیں۔ جنہیں زندہ ہاتھوں نے سپرد خاک کر دیا۔

اور اسی باغ میں پچھلے سال کے بیج دبے ہوئے ہیں جنہیں ہوا کے جھونکے اڑ کر ادھر لے آئے تھے۔

میرے ماں باپ ہزار اس باغ میں دفن ہوئے اور ہزار بار ہوا ان بیجوں کو اڑا کر ادھر لائی۔

.....اور ہزار بار ہم تم اور یہ پھول اس باغ میں جمع ہوئے ..... جیسا کہ اس وقت جمع ہو رہے ہیں، ہم اس وقت زندگی سے محبت کر رہے ہوں گے۔

اور آسمان کی رفعتوں کی طرف اڑتے ہوئے جا رہے ہوں گے!

لیکن آج ہست کے معنی عقلمند ہونے کے ہیں۔

اگرچہ بے وقوف کے لئے اس میں اجنبیت نہیں پائی جاتی۔ اس کا مطلب طاقتور ہونے سے بھی ہے لیکن کمزور کو کچلنے سے نہیں۔۔۔ اس کا مطلب بچوں سے کھیلنے کا ہے لیکن باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہم جولیوں کے مانند جو ہر نیا کھیل سیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں

عورتوں اور بوڑھے آدمیوں سے نہایت سادگی اور بغیر پرکاری سے پیش آنا اور قدیم ترین بلوط کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر ان سے باتیں کرنا گودنا ے کی بہاریں تمہارے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں۔۔

شاعر کی تلاش کرنا وہ سات سمندر پار ہی کیوں نہ رہتا ہو اور اس کی موجودگی میں طمانیت کا اظہار کرنا گویا اس کے ہوتے ہوئے تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی قسم کے شکوک تمہارے ذہن میں ہیں اور تمہارے ہونٹ کسی سوال سے آشنا نہیں۔۔

اس اہمیت کو محسوس کرنا کہ گناہ گار اور درویش دونوں بھائی ہیں۔ اور رحمدل بادشاہ

ان کا باپ ہے اور وہ جوان میں سے چند لمحے پیشتر پیدا ہوا اسے ولی عہد ہی تصور کیا جائے گا۔

حسن کی رہنمائی میں چلنا خواہ وہ تمہیں خطرناک چٹان کے کنارے کیطرف ہی کیوں نہ لے جائے۔۔۔اگر چہ وہ پرواز رکھتا ہے اور تم پروں کے بغیر ہو اور تمہیں یہ بھی احساس ہو کہ وہ خطرناک چٹان سے اڑ کر دوسری طرف جا پہنچے گا پھر بھی اس کے پیچھے چلتے رہو کیونکہ جہاں حسن نہیں وہاں کچھ بھی نہیں۔

ایک ایسا باغ ہو جانا جس کے در و دیوار نہ ہوں!

ایک ایسا انگور رستان جس کا محافظ کوئی نہ ہو۔

ایک ایسا خزانہ جہاں سے ہر راہرو اپنی جھولی بھر سکے۔

ہست و بود کیا ہے؟ چلتے چلتے لٹ جانے کا نام؟

دھوکہ اور فریب میں مبتلا ہو جانا۔

دام فریب میں آ کر پھر نشانہ تضحیک بننا۔۔

لیکن اس پر بھی تم اپنی خودی کی وسعت اور اس کی بلندیوں سے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھو گے۔

کیونکہ تمہیں اس بات کا علم ہو گا کہ تمہارے باغ میں پتے پتے پر بہار رقص کرتی ہوئی آئے گی۔

اور موسم خزاں تمہارے انگوروں کے خوشوں کو پکارے گی اور اس حقیقت سے بھی تم بے خبر نہ ہو گے کہ اگر تمہارے ایک کھڑکی بھی مشرق کی جانب سے کھلی رہے گی تو تمہارا گھر خالی نہ رہ سکے گا۔''

اور تم اس بات کو بھی جانتے ہو گے کہ وہ لوگ جنہیں تم گناہ گار لٹیرے اور دھوکا باز سمجھ رہے ہو، سب تمہارے بھائی ہیں جنہیں اپنی ضرورتوں نے مجبور کر رکھا ہے۔

اور تم اتفاق سے اس قابل ہو گئے ہو کہ تم پر شہر مخفی کے باشندوں کی نگاہیں پڑ رہی

ہیں ۔۔وہ شہر جو بلند اور تمہارے سروں پر ہے۔

تم اپنے دن اور رات کے لئے اپنے ہاتھوں سے چیزیں بنا رہے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس معرکہ ہست و بود میں جولاہے کی طرح زندہ رہو جس کی منور انگلیاں فاصلہ اور روشنی کے درمیان ایک چیز مکمل کر رہی ہیں۔

ایک دہقان کی طرح جو ہر ایک بیج کے ساتھ ایک خزانہ زمین کے تلے پوشیدہ کر رہا ہے۔

ایک ماہی گیر اور شکاری کی طرح جو مچھلیوں اور حیوانوں پر بھی ترس کرنا جانتے ہیں لیکن بھوکے اور حاجت مند انسانوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

سب سے بڑی بات جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے انسان کے مقاصد اور ارادوں کا حصہ دار بن جائے کیونکہ صرف اسی طرح ہی تم اپنا انجام خوشگوار دیکھ سکتے ہو۔

میرے دوستو، دلیری اور جرات ہر وقت پیش نظر رکھو، بزدل نہ بنو، وسعت اختیار کرو، محدود نہ ہو جاؤ۔

اور جب آخری لمحے آ پہنچیں تو اس وقت خودی کی عظمت تم پر چھا سکتی ہو۔۔۔

جب اس نے سلسلہ کلام ختم کر دیا تو نو حواریوں پر ایک گہری مایوسی چھا گئی ان کے دل کہیں دور بھٹک رہے تھے کیونکہ وہ اس کی باتوں کو نہ سمجھ سکے۔

ان میں سے تین جہاز ران تھے۔سمندر کے لئے بے قرار نظر آنے لگے۔

اور وہ جو معبد میں ماتھا رگڑتے رہے تھے۔معبد میں جا کر اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔اور باقی تین جو بچپن سے اس کے ساتھ کھیلتے رہے تھے بازار کے شور و شغب میں کھو جانا چاہتے تھے۔

اس کی آواز ان کے لئے صدا بصحرا ثابت ہوئی اور ان کی خاموش آوازوں سے اسے ایسا معلوم ہوا گویا چند تھکے ہوئے بے خانماں پرندے اپنے آشیانوں کی تلاش

میں پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔۔۔۔۔

وہ باغ میں چلا گیا اس نے انہیں کچھ بھی نہ کہا۔ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس کے ساتھی اب بہانے ڈھونڈنے لگے کہ کسی طرح وہ یہاں سے چلے جائیں۔

ایسا ہی ہوا وہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے اور وہ منتخب اور محبوب اکیلا کھڑا رہ گیا!

(14)

جب رات کی پرسکوت تاریکیاں چھا گئیں تو وہ اپنی ماں کی قبر کی طرف گیا اور وہاں صنوبر کے نیچے بیٹھ گیا جس کے سائے کے نیچے قبر تھی۔ آسمان حیرت انگیز روشنی میں ڈوبا ہوا تھا اور باغ اس روشنی میں ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا ایک شفاف موتی زمین کی چھاتی پر ٹکا ہوا ہو۔

وہ اپنی روح کی تنہائیوں میں چیخ کر کہنے لگا۔

میری روح پکے ہوئے پھلوں کے بوجھ سے دب چلی ہے کون ہے جو آگے بڑھ کر اور وہ پھل لے کر اطمینان حاصل کرے؟

کیا ایک انسان ایسا نہیں جس نے روزہ رکھا ہوا ہو اور از راہ تکلف میرے پاس آئے اور میری زندگی کے اولین پھلوں سے روزہ افطار کرے۔۔ اور اس طرح میرے بوجھ کو ہلکا کرے؟

میری روح میں زمانے کی شراب لبریز ہو کر چھلک رہی ہے۔ کیا کوئی پیاسا انسان نہیں رہ گیا جو میری طرف آئے اور اپنی پیاس بجھائے؟

ایک شخص شہر کے چوک میں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ راہروؤں کو بار بار بلا رہا تھا۔ یہ موتی مجھ سے لے لو، خدا

کے لئے مجھ سے یہ لے لو تا کہ میری روح کو تسکین ہو۔''

لیکن راہروؤں نے اس کی طرف حقارت سے دیکھا اور موتی لئے بغیر آگے بڑھ گئے۔

کاش وہ فقیر ہی ہوتا جو بھیک مانگنے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو۔۔ کانپتا ہوا ہاتھ خواہ اسے خالی ہی اپنے سینے تک لے جانا پڑے۔۔ لیکن اس بات سے تو بہتر تھا کہ وہ اپنا موتیوں سے بھرا ہوا ہاتھ پھیلائے رکھے اور لینے والا کوئی نہ ہو۔۔۔۔

ایک سخی شہزادے نے پہاڑیوں اور صحراؤں کے درمیان اپنے ریشمی خیمے بلند کئے اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ آگ روشن کریں تا کہ اجنبی اور گم کردہ راہ مسافر آگ کو دیکھ کر ادھر آ جائیں۔ اس نے سڑکوں پر اپنے غلام بھیجے تا کہ وہ مہمانوں کو لے آئیں۔

لیکن تمام راستے اور سڑکیں غیر آباد پڑی ہوئی تھیں۔ اور ایک مہمان بھی شہزادے کے خیموں میں داخل نہ ہوا۔

کاش اس کے پاس صرف ایک عصائے گدائی اور مٹی کا ایک برتن ہوتا۔ پھر وہ رات کے وقت اپنی قسم کے انسانوں سے بلا تکلف مل سکتا۔ وہاں اسے شاعر بھی ملتے جن کی بھیک، یادوں اور خوابوں میں وہ برابر کا شریک ہوتا۔۔۔۔!

اور دیکھو۔۔۔ ایک شہزادی جب نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے اپنے حسین جسم پر ریشمی لباس پہنا، ہیروں اور جواہرات سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا، اپنی زلفوں پر سنے مشک چھڑکا اور اپنی انگلیاں عنبر میں بھگوئیں۔ وہ اپنے محل کے مینار سے اپنے باغ میں اتر آئی جہاں شبنم کے قطروں اس کی سنہری جوتیوں کو چوما۔

رات کی تاریک خاموشیوں میں شہنشاہ کی بیٹی محبت تلاش کر رہی تھی لیکن اپنے باپ کی وسیع مملکت میں اسے ایک بھی ایسا انسان نہ ملا جو محبت کر سکتا۔

کاش وہ کسی دہقان کی بیٹی ہوتی جو اپنی بھیڑوں کے گلے کو وادی میں چراتی پھرتی

اور شام کے وقت اپنے باپ کے گھر کی طرف لوٹتی اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیوں کی گرد اس کے پاؤں پر جمی ہوتی اور اس کے لباس کی تہوں میں انگوروں کی مہک بس گئی ہوتی۔

جب چاروں طرف تاریکی چھا جاتی اور رات کا فرشتہ سب کو میٹھی نیند سلا دیتا اس وقت وہ دبے پاؤں گھر سے نکلتی اور دریا کی رنگین وادی میں پہنچ جاتی۔ جہاں اس کا محبوب اس کے انتظار میں ہوتا۔۔۔!

کاش وہ کسی گرجے میں راہبہ ہوتی جو اپنے دل کے جذبات کو لوبان کے ساتھ جلتے ہوئے دیکھ سکتی اور اس کا دل رفعتوں میں پرواز کرتا اور اپنی روح کو بے کیف بنا کر شمع کی طرح جلتی تا کہ وہ تنویر اعلیٰ تک پہنچ سکتی۔ وہ اس وقت اکیلی نہ ہوتی بلکہ تمام بچاری اس کے ساتھ ہوتے جو محبت کرنا جانتے ہیں اور جو محبوب بھی ہیں!

کاش وہ ایک بڑھیا عورت ہوتی جو دھوپ میں بیٹھ کر ان یادوں سے اپنے دل کو حرارت پہنچاتی جن میں اس نے عہد شباب بسر کیا تھا۔

رات کی تاریکیاں گہری ہوتی گئیں اور ساتھ اس کے دل و دماغ پر بھی تاریکی چھا رہی تھی۔

اس کی روح اس تاریک بادل کی طرح تھی جو ابھی کہیں نہ برسا ہو، اس نے پھر وفور جذبات میں گیت گانا شروع کیا۔

روح میری بوجھ سے اپنے دبی جاتی ہے کیوں۔۔۔!

بوجھ سے اپنے دبی جاتی ہے میری زندگی

کون ہوتا ہے حریف زندگی؟

روح کے جام و سبو لبریز ہیں.....

دیکھ لوں گا کون اب اس آشین میدان میں..... تشنگی کرتا ہے دور!

کاش میں جنگل میں ہوتا ایک شجر نابکار

☆☆☆☆☆

جس میں پھل نہ پھول.....!

روح فرسا کس قدر ہے اس فروانی کا رنج

کاش زرخیزی نہ ہوتی میری قسمت میں کبھی

کون اندازہ کرے اس درد کا

جو کسی زردار کے سینے میں ہے

وہ لٹانا چاہتا ہے مال و دولت بے دریغ.....

اور اس کو لینے والا کوئی ملتا ہی نہیں

اس سے تو بہتر گدا کا رنج ہے

ہاتھ پھیلائے ہوئے پھرتا ہے وہ چاروں طرف

اور اس کو دینے والا کوئی ملتا ہی نہیں

چشمہ حیوان کو اپنے کیا کروں؟

تشنہ لب ملتے نہیں

کشا میں اجڑا ہوا اور خشک سا ہوتا کنواں

چلتے چلتے لوگ پتھر پھینکتے۔۔۔!

میرا ساز زندگی بے تاب ہے نغمے سنانے کے لئے

لیکن ایسے دل نشین نغموں کو اب میں کیا کروں

سننے والا کوئی ملتا ہی نہیں

کاش میں ہوتا شکستہ نے کوئی

راہ چلتے روندنے والے کچلتے بے دریغ۔۔۔!

(15)

سات دن اور سات راتیں گزر گئیں اور کوئی شخص باغ کے قریب نہ آیا اور وہ اپنی یادوں اور روح فرسا رنج میں لئے اکیلا پڑ رہا۔

وہ لوگ جو انتہائی تحمل اور محبت کے ساتھ اس کی باتوں کو سنتے رہے تھے وہ بھی اس سے منہ موڑ کر دوسرے جھمیلوں میں جا پھنستے تھے۔

ایک دن کریمہ اس کے پاس آئی۔

اس کے چہرے پر خاموشی نقاب کے مانند تھی وہ اپنے ایک ہاتھ میں جام اور ایک میں رکابی تھامے ہوئے تھی۔ وہ اس کی تنہائی میں اس کی تشنگی اور بھوک دور کرنے آئی تھی۔

یہ چیزیں اس کے سامنے رکھ کر وہ اپنے راستہ پر چلی گئی۔

وہ تنہائی سے گھبرا کر پھر سفید چناروں کے سائے میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس کی نگاہیں سڑک پر جمی ہوئی تھی کچھ دیر بعد اسے سڑک پر غبار اٹھتا ہو دکھائی دیا۔ پھر اس میں سے وہی نوحواری نمودار ہوئے اور کریمہ ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

وہ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھا اور سڑک پر ان سے جا ملا، وہ پھر باغ میں داخل ہوئے اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں جدا ہوئے صرف ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے۔ پھر انہوں نے اسکے مختصر سے دستر خوان پر کھانا کھایا۔ کریمہ نے نان جویں اور مچھلی ان کے سامنے رکھی اور ساری شراب ان کے پیالوں میں انڈیل دی۔ پھر اسنے خواہش ظاہر کی۔

آقا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں شہر سے جا کر اور شراب لے آؤں تا کہ تمہارے جام خالی نہ رہیں۔ یہ شراب تو ختم ہو چکی ہے۔

اس نے کریمہ کی طرف دیکھا اور اسکی نگاہوں میں سفر کے آثار ظاہر ہوئے گویا ایک لمبی مسافت اس کے پیش نظر تھی۔

اس نے کہا۔

''یہ شراب اس دعوت کے لئے تو کافی ہے''

سب نے مل کر شراب پی اور کھانا کھایا وہ مطمئن ہو گئے۔

جب دور ختم ہوا تو اس نے کہا اس کی آواز میں سمندر کے مانند بے کنار وسعت اور گہرائی تھی، گویا طوفانی لہریں چاندنی رات میں بلند ہو رہی ہوں۔

میرے دوستو اور ہم سفرو! آج ہمیں ایک دوسرے سے رخصت ہونا ہی ہوگا۔

ایک عرصہ دراز تک ہم نے سمندر کی خطرناک موجوں میں سفر کیا۔ پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں پر ہم چڑھے ہم نے طوفان کا مقابلہ کیا ہم بھوکے رہے لیکن۔۔ عظیم الشان عروسی دعوتوں میں بھی شریک ہوئے۔ اکثر ہم ننگے رہے لیکن ہم نے شاہی لباس بھی پہنے۔

بے شک ہم دور دراز ملکوں میں اکٹھے سفر کرتے رہے لیکن آج ہم جدا ہوتے ہیں۔

تم اکٹھے اپنے راستے پر جاؤ لیکن مجھے اپنے راستے پر اکیلے ہی جانا ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ زمین اور سمندروں کی غیر محدود وسعتیں ہمیں جدا کر دیں گی لیکن، کوہ مقدس، کے سفر میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اپنے اپنے جدا جدا راستوں پر گامزن ہوں، میں تمہیں آخری صلہ اور اپنے سینے کی وادی کا لذیذ ترین خوشہ دینا چاہتا ہوں اور اس نے کہا۔

اپنے راستے پر گیت گاتے ہوئے جاؤ لیکن تمہارے گیت مختصر ہوں۔ کیونکہ وہی گیت تمہارے دلوں پر نقش ہو کر رہ جائیں گے جو تمہارے ہونٹوں پر ناتمام ہی ناپید ہو جائیں۔

دلکش اور شریں صداقت مختصر الفاظ میں ہی کہہ ڈالو لیکن بھیانک صداقت خواہ اس کے ساتھ الفاظ کا غیر محدود انبار ہی کیوں نہ ہو۔ بھیانک ہی ہوتی ہے۔

وہ حسینہ جس کے بال دھوپ کی کرنوں میں چمک رہے ہوں اور اسے کہو کہ وہ صبح کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔

اگر تمہاری نگاہیں کسی اندھے پر پڑ جائیں تو اسے یہ نہ کہو کہ وہ رات کی تاریکیوں

میں گم ہے۔

الغوزہ کی مستی بھری تانیں سن کر یوں محسوس کرو گویا تم بہار کے گیت سن رہے ہو۔

جب عیب چیں اور نقاد کی باتیں سنو تو اپنی ہڈیوں کی طرح بہرے بن جاؤ اور اپنے تصور کی طرح کہیں دور نکل جاؤ

میرے رفیقو! تمہیں شاہراہ حیات پر چند ایسے آدمی بھی ملیں گے جن کے سم ہوں گے تم انہیں اپنے پر دے دینا۔

سینگوں والے انسان بھی ملیں گے تم انہیں پھولوں کے ہار پہنا دینا۔

تیز تیز پنجوں والے انسان بھی ملیں گے تم ان کی انگلیوں کے لمس کے لئے پھول کی پتیاں نذر کرنا۔

بعض ایسے انسان بھی ہوں گے جن کی زبانیں خنجر کی طرح تیز ہوں گی تم الفاظ کی شیرینی ان کے لئے مہیا کرنا۔

اپنے راستے پر تم قسم قسم کے انسانوں سے ملو گے۔

تم دیکھو گے کہ لنگڑے عصا بیچ رہے ہیں۔

اندھے آئینے فروخت کر رہے ہیں۔

اور متمول انسان معبد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بھیک مانگ رہے ہیں۔

لنگڑے انسان کو اپنی تیز ئے رفتار دے دو۔

اندھے کو بینائی دو اور اس بات کی اہمیت کو محسوس کرو کہ امیر بھکاریوں کو تم سب کچھ دے ڈالو کیونکہ جب متمول انسان ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اس وقت انتہائی محتاج ہوتا ہے۔

میرے دوستو، اپنی محبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں تم سے وعدہ لیتا ہوں کہ تم صحرا کے راستوں کی طرح ہو جاؤ۔ جہاں شیر اور خرگوش جا دپیا ہوتے ہیں اور بھیڑیا اور بکری ایک جگہ اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

میری یہ بات بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں دینا نہیں سکھایا بلکہ حاصل کرنا۔
تیاگ نہیں بلکہ تکمیل حیات گر جانا نہیں بلکہ سنبھل کر قوت ادراک حاصل کرنا۔۔
اس وقت تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہو۔
میں تمہیں خاموشی نہیں سکھا رہا بلکہ ایک ایسے گیت کا درس دیتا ہوں جو زیادہ شور انگیز نہ ہوں۔۔
میں تمہیں تمہاری خودی کی وسعت سے آگاہ کر رہا ہوں جسمیں دنیا کے تمام انسان شامل ہیں۔
وہ اس دسترخوان سے اٹھا اور باغ میں صنوبر کے سائے کے نیچے چلنے لگا۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔
اس کے ساتھی تھوڑی دور تک اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ رنج وغم سے ان کے سینے لبریز ہو کے تھے اور انکی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔
صرف کریمہ اس کے نزدیک آ کر کہنے لگی۔
کاش تم مجھے کل اور اپنے طویل سفر کے لئے خوراک تیار کرنے کی تکلیف دیتے۔۔۔۔۔"
اس نے کریمہ کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا، ان نگاہوں نے بہت سی دنیائیں دیکھی تھیں۔
اس نے کہا۔
میری محبوب بہن وہ کام ختم ہو چکا ہے مستقبل کے لئے سامان خورد و نوش مکمل ہو چکا ہے جیسا کہ امروز اور ماضی ہمیں میسر آتا رہا تھا۔
میں جا رہا ہوں اور اگر میں اس صداقت کے ساتھ جا رہا ہوں جس کے متعلق ابھی آواز بلند نہیں کی گئی تو وہ صداقت پھر میری تلاش میں سرگرداں ہو گی۔
خواہ میری ہستی کے اجزاء بدیت کی فضا میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرے ہوں گے

لیکن پھر بھی وہ صداقت انہیں جمع کرے گی اور ایک دفعہ پھر میں تمہارے سامنے آؤں گا۔

اس وقت میری آواز میں ایک نئی زندگی ہوگی جو میں غیر محدود خاموشیوں سے اپنے ساتھ لاؤں گا۔

اگر حسن کے متعلق کوئی ایسی بات بھی ہے جس کا تم پر ابھی تک انکشاف نہیں کر سکا تو مجھے پھر اس سرزمین پر دعوت دی جائیگی اور میرا نام بھی یہی ہوگا۔ اس وقت میں تمہیں اشارے سے سمجھا دوں گا کہ وہ باتیں جو نا تمام رہ گئی تھیں میں پھر بتانے آیا ہوں۔

خدا اپنے آپ کو انسان سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اس کے گیت انسان کی غیر آباد گھاٹیوں میں دبے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

میں موت کے بعد بھی زندہ رہوں گا اور میرے گیت تمہارے کانوں تک پہنچتے رہیں گے۔

خواہ وسیع سمندر کی لہریں مجھے سمندر کی گہرائی میں پھینک دیں۔

میں تمہارے دسترخوان پر بیٹھا ہوں گا گو میرا جسم تم نہ دیکھ سکو گے۔

میں تمہارے گھروں میں داخل ہوں گا لیکن تم اس غائب مہمان کو نہ دیکھ سکو گے۔

موت کچھ تبدیلی نہیں کر سکتی سوائے اس کے وہ چہرے کے نقاب تبدیل کر دیتی ہے جو اس وقت ہمارے چہروں پر پڑے ہوئے ہیں۔ لکڑہارا لکڑہارا ہی رہے گا۔

اور کسان کسان ہی رہے گا۔

وہ شخص جو اس گیت کو ہوا کے دوش پر کھڑا ہو کر گائے گا وہ ستاروں اور سیاروں تک پہنچ جائیگا۔۔۔۔!

اس کے حواری پتھر کی طرح ساکن تھے اور جب اس نے یہ کہا۔

''میں جا رہا ہوں!''

تو ان کے سینے سے دردلبریز ہو گئے کس کی مجال کہ کوئی شخص آقا کی روانگی کو ملتوی کر سکے یا اس کے پیچھے جا سکے۔

وہ باغ باہر نکل گیا اس کے پاؤں تیزی سے اٹھ رہے تھے لیکن چاپ سنائی نہ دیتی تھی۔

اچانک اس پتے کی طرح جو خزاں کے تند جھونکے سے کہیں دور اڑ جائے وہ اپنے دوستوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ایک زرد سی روشنی پہاڑیوں سے بلند ہو کر آسمان کی طرف جا رہی تھی۔۔۔

نوحواری سر جھکائے خاموش اپنے راستے پر چلنے لگے۔لیکن کریمہ کی نگاہیں بھی تک افق پر جمی ہوئی تھیں۔رات کی تاریکی چھانے لگی اور اس خاموشی اور تنہائی میں اس کے یہ الفاظ گونج پیدا کر رہے تھے،جن سے اس کے آزردہ دل کو اطمینان ہوا۔

"میں جا رہا ہوں اور اگر میں اس صداقت کے ساتھ جا رہا ہوں جس کے متعلق ابھی آواز بلند نہیں کی گئی تو وہی صداقت پھر میری تلاش میں سرگرداں ہو گی.....اور میں پھر آؤں گا۔

(16)

رات کی تاریکی چھانے لگی تھی۔وہ پہاڑیوں کے نزدیک پہنچ گیا،سامنے دھند کی دنیا تھی۔

چٹانوں اور سفید صنوبر کے درختوں کے نزدیک کھڑے ہو کر اس نے کہا۔

اے دھند،اے میری بہن!

سفید سانس ابھی تک قالب میں نہیں ڈھلی تھی کہ میں تمہارے پاس لوٹ آیا ہوں۔

وہ سانس ابھی تک سفید اور بے آواز ہے۔

ایک ایسی بات جو ابھی تک پردہ راز میں ہی ہے۔

اے دھند پر پرواز رکھنے والی دھند

ہم پھر ایک دوسرے سے آ ملے اور ابدیت تک ہم اکٹھے ہی رہیں گے یا دوسری صبح تک جبکہ تم شبنم کے قطرے بن کر باغ میں رہ جاؤ گی۔

اور میں ایک عورت کے سینے پر شیر خوار بچہ

ہم ایک دوسرے کو نہیں بھول سکیں گے

اے دھند، میں واپس آ گیا ہوں۔

میرا دل تمہارے دل کی طرح اپنی ہی گہرائیوں میں ایک آواز سن رہا ہے۔

میری آزوئیں تمہاری آرزوؤں کی طرح ابھی تک سینے میں بے تاب نہیں۔

میرا تصور تمہارے تصور کیطرح، ابھی تک خوشیہ چینی کر رہا ہے اے دھند میری بہن دھند، میں ابھی تک وہ بیج اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہوں جنہیں تم نے زمین پر بکھیرنے کا حکم دیا تھا۔

میرے ہونٹ اس گیت کو نہیں گا سکے جسے تم نے مجھے گانے کا حکم دیا تھا۔

میں تمہارے لئے کوئی پھل نہیں لایا اور نہ ہی گیتوں کی صدائے بازگشت۔

کیونکہ میرے ہاتھ شل ہو چکے ہیں اور میرے ہونٹ بے کار۔

اے دھند، میری بہن دھند!

میں نے دنیا سے محبت کی اور دنیا نے مجھ سے میری تمام مسکراہٹیں اس کے چہرے پر اس کے آنسو میری آنکھوں میں نمایاں تھے اس کے باوجود میرے اور اس کے درمیان ایک خاموش خلیج حائل تھی جسے وہ پر نہیں کرنا چاہتی اور میں اسے پھاند نہیں سکتا تھا۔

اے دھند، اے ابد تک رہنے والی دھند،

میں نے اپنے ننھے بچوں کے سامنے قدیم ترین گیت گائے۔

وہ سنتے رہے حیرت ان کے چہروں پر رقص کر رہی تھی لیکن امید ہے کہ کل وہ اس

گیت کو بھول جائیں گے اور میں نہیں جانتا کہ وہ گیت میرے نہیں تھے لیکن میرے سینے سے اٹھ کر میرے ہونٹوں پر آئے تھے۔

اے دھند، اگر چہ سب کچھ ہو چکا لیکن میں مطمئن ہوں۔

میرے لئے یہی کافی تھا کہ میں نے زندہ انسانوں کے لئے گیت گائے۔

گو وہ میرے گیت نہیں تھے لیکن میرے دل کی گہری آرزوؤں کا آئینہ دار تھے۔

اے دھند، میری بہن دھند!

میں اس وقت تمہارے ساتھ ہم آہنگ ہو چکا ہوں۔

میری خودی باقی نہیں رہی۔

دیواریں گر چکی ہیں۔

زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔

میں دھند بن کر تمہاری طرف اٹھتا ہوں۔

دوسری صبح تک ہم اکٹھے سمندر کی سطح پر تیرتے رہیں گے۔

تم شبنم کے قطرے بن کر باغ میں رہ جاؤ گی۔

اور میں ایک عورت کے سینے پر ایک شیر خوار بچہ!

---------- اختتام ---------- حصہ اول ----------

ٹوٹے ہوئے پر

(1)

اس داستان کا آغاز میرے عہد شباب سے ہوتا ہے مجھ پہ زندگی کی اٹھارہویں بہاریت رہی تھی کہ عشق کی سحر آفریں کرنوں نے میری آنکھوں کے پٹ کھولے اور میری روح کو اپنی شعلہ فشاں انگلیاں سے چھوا۔۔۔۔اور۔۔سلمیٰ کرامی وہ پہلی عورت تھی جس نے اپنے حسن و جام کے جادو سے میری خفتہ روح کو بیدار کاے۔۔وہ مجھے عشق ونشاط کی جنت میں لیگئی کہ جہاں دن سپنوں کی مانند گزرتے ہیں اور راتیں سہاگ رات کی طرح!

سلمیٰ کرامی ہی وہ پہلی عورت تھی جس نے مجھے وہ درس دیا کہ جسے لوگ حسن کی عبادت کا نام دیتے ہیں۔وہ خود بھی حسن و رعنائی کا ایسا مجسمہ تھی کہ جسے دیکھ کر بے اختیار سجدہ ریز ہونا پڑتا ہے۔اسی نے مجھ پر محبت کے اسرار منکشف کیے۔وہ پہلی مغنیہ تھی جس کے نغموں میں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور حلاوتوں کے ساتھ میرے کانوں میں رس گھولتی تھی!

ہر نوجوان کو اپنی پہلی محبت یاد رہتی ہے اور ہر کوئی اس لمحہ انبساط کو گرفت میں لانے کا آرزومند ہے۔اس لمحہ انبساط کو کہ جو اپنی تمام تر تلخیوں اور حلاوتوں کے ساتھ اس کی زندگی کو ایک انوکھے سرور اور ایک نئی لذت سے آشنا کرتا ہے اور پھر زندگی کے آخری سالوں تک اس کے لیے اسرار جذبہ بنا رہتا ہے۔!

ہر نوجوان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی سلمیٰ ضرور آتی ہے۔شباب کی رت میں وہ اچانک ہی کسی موڑ سے نمودار ہو جاتی ہے اور اسکی تنہائیوں میں پیار کی ایک ہلچل سی مچا دیتی ہے۔اور اس کی خاموش اور بے کیف راتیں، پیار کے مدھ بھرے نغموں سے گونجنے لگتی ہیں!

میری کتابوں اور صحیفوں میں محو تھا کہ الہام وانکشاف اور رموز فطرت کو جان سکوں

کہ اچانک میرے محویت ایک چھناکے سے ریزہ ریزہ ہوگئی۔محبت، سلمیٰ کرامی کے لبوں سے نغمہ بن کر ابھری اور کانوں کے راستے میرے دل میں اتر گئی، میری زندگی بے کیف اور بے معنی تھی..... بہشت میں آدم کیطرح، کہ اچانک ہی سلمیٰ میری آنکھوں کے سامنے آ گئی اور مجھے یوں لگا کہ وہ ایک منور ستون ہے جس سے روشنی کرنوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر بکھر رہی ہے۔وہ پیکر ضیا ربار تھی وہ میرے دل کی حوا تھی کہ جس نے اسے اسرار اعجاز سے لبریز کر دیا اور مجھے عرفان حیرت کا شعور بخشا،

حوا نے آدم کو بہشت سے نکلوایا، لیکن سلمیٰ نے اپنی مقدس محبت کے دوش پر بٹھا کے مجھے بہشت میں پہنچا دیا تھا۔ایسا بہشت جو پیار کی کرنوں سے منور اور عشق کی حلاوتوں سے لبریز تھا۔لیکن مجھ بدنصیب پہ بی وہی بیتی جو آدم پہ بیتی تھی۔وہی شعلہ فشاں خنجر جس نے آدم کا زمین تک تعاقب کیا تھا، اسی نے اپنی چمکتی اور لرزتی ہوئی دھار سے مجھ پہ ایسا خوف طاری کیا کہ میں بہشت سے بھاگ نکلا، حالانکہ میں نے کسی حکم خداوندی سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی میرے لبوں سے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تھا۔

آج کہ مدت ہوئی میرا یہ حسین خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکا ہے، اس کی محض کرب ناک یادیں باقی ہیں، جو غیر مرئی پروں کی طرح میرے اردگرد پھڑ پھڑاتی رہتی ہیں۔یادیں، جو میرے دل کی گہرائیوں کو رنج وغم سے بھرتی رہتی ہیں اور۔۔۔ آنسو بن کے میرے آنکھوں سے ٹپکتی رہتی ہیں۔۔۔اور۔۔۔میری زہرہ جمال سلمیٰ موت کی آغوش میں محو خواب ہے، اس کی یادگار میرا دل شکستہ ہے۔۔۔اور اسکا مزار پرسکوت!

اور اتھاہ خاموشی۔۔جو اس مزار کی محافظ ہے، خدائے کبیر کے اس راز کا انکشاف نہیں کر سکتی جو تابوت کی ظلمت میں پوشیدہ ہے اور ان شاخوں کی سرسراہٹ، کہ جن

کی جڑیں مردے کو چوس چوس کے بڑھتی ہیں، اسرار لحد سے پردہ نہیں اٹھا سکتی، لیکن میرے قلب کی پرسوز آہیں اس داستان کو ضرور بیان کر سکتی ہیں جسے عشق حسن اور موت نے لکھا ہے!

اے میرے عہد شباب کے رفیقو، جب تم صنوبر کے پیڑوں سے گھرے ہوئے اس قبرستان میں سے گزرو تو براہ خدا دبے پاؤں اندآنا، کہ تمہارے قدموں کی آہٹ یہاں کے سونے والوں کو بے آرام نہ کر دے اور جب تم سلمیٰ کے مزار کے قریب پہنچو تو بڑے ہی عجز و انکسار کے ساتھ وہیں ٹھہر جاؤ، پھر اس خوش نصیب مٹی کو سلام کرو کہ جس نے میری سلمیٰ کو اپنی آغوش میں سلا رکھا ہے اور گہری آہ کے ساتھ خود سے کہو، ہاں یہی وہ مقام ہے کہ جہاں خلیل جبران کی امیدیں اور اسکے ارمان اور وہ سمندوں سے پرے اسیر عشق بن کر جی رہا ہے، ہاں ٹھیک اسی جگہ اس کی مست تہہ خاک چلی گئی۔ یہیں اس کے آنسو خشک ہوئے اور اسی مقام پر تبسم سے نا آشنا ہوا۔

سلمیٰ کے مزار کے ساتھ اگے ہوئے سرو کے پیڑوں کے ساتھ ساتھ جبران کا غم بھی جوان ہو گیا ہے اور مزار کے اوپر، ہر رات اس کی روح سلمیٰ کے غم میں آہیں بھرتی ہوئی جھلملاتی رہتی ہے۔۔ سلمیٰ جو کل تک لب ہستی پہ ایک دلکش نغمہ تھی اور آج تہہ خاک کے ایک راز بن کے سو رہی ہے،

"اے میرے عہد شباب کے رفیقو!

تمہیں ان دوشیزاؤں کے نام کا واسطہ، کہ جن پہ تمہارے دل نثار اور تمہاری روحیں فریفتہ ہیں، براہ کرم میری محبوب سلمیٰ کے مزار پہ کس پھولوں کی چادر ضرور چڑھاتے جانا کہ سلمیٰ کی قبر پہ بچھے ہوئے پھول شبنم کے ان قطروں کی طرح ہیں جو صبح کی آنکھوں سے ٹپک ٹپک کے پژمردہ گلاب کی پتیوں پہ ٹھہر گئے ہوں۔۔"

اے رفیقان آغاز شباب کی صبح تو تمہارے لئے باعث انبساط ہے اور شباب رفتہ وجہ حزن وملال ۔۔۔لیکن میرے لئے عہد جوانی کی یاد جہنم کا عذاب ہے میرے ایام شباب قید تنہائی میں گزرے ہیں۔بچپن سے جوانی تک تم ایک سنہرے دور سے گزرے ہو، ایسے نشاط پرور دور سیکہ جس میں تم غم امروز اور فکر فردا سے بے نیاز تھے،لیکن میرے لئے تو عہد طفولیت بھی غم واندوہ سے عبارت تھا۔اس نے نہ صرف میرے حواس خمسہ بلکہ میری پوری ہستی پر حزن وملال کا ایک اٹوٹ سناٹا طاری کر دیا تھا۔آہ انہی ساعتوں میں درد و بے پاؤں آیا اور مجھے مغلوب کرتے ہوئے میرے دل میں اتر گیا۔شعور دانش کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے اور میں خود اپنے وجود میں مقید ہو گیا۔

اور پھر عشق، مجھ پہ الہام بن کر اترا اور قلب وروح کی دنیا جگمگا اٹھی، گوشہ گوشہ منور ہو گیا اور کائنات نکھر نکھر گئی، محبت میرے لئے تکلم اور اشکوں کا تحفہ لے کر وار ہوئی، اور دل واہ ہوئے اور محبت مکیں بن گیا۔

تم لوگوں کو باغ باغیچے، گلیاں اور محلے، ہجر وصال کے گوشے بچپن کی اچھل کود اور شباب کے نشاط پرور ہنگامے اب تک نہیں بھولے، بچپن کی معصوم سرگوشیاں اور شباب کے شوخ قہقہے غرض کہ تمہیں ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل اور ایک ایک ساعت یاد ہے۔۔اور مجھے۔۔۔ہاں مجھے بھی کچھ کچھ یاد ہے۔۔شمالی لبنان کا ایک حسین گوشہ نشاط ج، میں جب بھی اپنی آنکھوں کے پٹ بند کرتا ہوں تو ہو پر جلال اور طلسماتی وادیاں میری آنکھوں کے سامنے پھیلتی چلی جاتی ہیں۔۔ہر کے شور وغل سے اکتا کے، جب بھی کان بند کرتا ہوں تو ندیوں کی گنگناہٹ اور شاخوں کی سرسراہٹ سنائی دینے لگتی ہے۔۔یہی دل فریب نظارے اور فطرت کی یہی رعنائیاں جنہیں میں لفظوں میں ملبوس کر رہا ہوں۔۔میں انہیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں۔اس طرح کہ جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی مقدس چھاتیوں کے لئے ترس جاتا ہے۔۔۔ان

خواب آگیں یادوں نے میری روح کو کبھی نہ بھرنے والے گھاؤ لگائے ہیں۔۔ان یادوں نے میری روح کو شباب کے اندھیروں میں مقید کر دیا ہے۔میں اس شہباز کی طرح ہوں جسے اذیت ناک پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔۔وہ بھی جب اپنے ساتھیوں کو آسمان کی بے کراں وسعتوں میں محو پرواز دیکھتا ہے تو اپنی پر دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔۔وادیوں اور چوٹیوں کا تصور میری آتش شوق کو ہوا دیتا ہے لیکن تلخ یادیں میرے دل کے اردگرد مایوسیوں کا جال سا بن دیتی ہیں۔

میں جب بھی میدانوں اور وادیوں میں پہنچا ہمیشہ ہی مایوس ہو کے پلٹا میں نے اس مایوسی کے اسباب پہ پہروں غور کیا مگر بے سود، جب بھی میں نے نیلگوں آسمان کو دیکھا مجھے اپنا پیمان محبت یاد آ گیا، ہر بار کہ میں نے پرندوں کے گیت اور بہار کے قہقہے سنے، مگر ہر بار میری روح مغموم ہوئی اور یہ غم کس نے بخشا ہے، اس میں نہ جان سکا۔ کہتے ہیں کہ فطرت کا قرب دل کو سادگی اور قناعت عطا کرتا ہے اور قناعت بے نیازی کو جنم دیتی ہے یہ بات ان کے لئے کہ گئی ہو گی جو مردہ روح کے ساتھ جنم لیتے اور ساری زندگی منجمد لاشوں کی طرح زندہ رہتے ہیں۔۔لیکن وہ نوجوان جس کی روح علم سے عاری اور احساس سے معمور ہو دنیا کی انتہائی بدنصیب مخلوق ہے۔اس لئے کہ اسے دو طاقتوں کے درمیان کھینچا گیا ہے۔ایک طاقت اسے زمین سے بہت اوپر اٹھا لیتی ہے اور حسن وجود کو خواب کے پردوں میں لپیٹ کے اس کے سامنے لاتی ہے اور دوسری اسے زمین سے پیوستہ کر دیتی ہے اور پھر اسے جہالت اور خوف کے سہارے مغلوب کر لیتی ہے۔

بے شک خلوت کے ہاتھ ریشم کے سے نرم اور ملائم ہیں لیکن جب یہ اپنی مضبوط انگلیوں سے دل کو دبوچتی ہے تو دل سے ایک ٹیس سی اٹھتی ہے۔خلوت درد کی حلیف ہے اور ساتھ ہی ساتھ روحانی مسرت کی رفیق بھی!

نوجوان کیدل میں درد دکلی میں بند خوشبو کی طرح ہے۔ یہ کہ باد صبا کے حضور

لرزنے لگتی ہے، صبح کی کرنوں کے پھوٹتے ہی آنکھوں کے پٹ کھول دیتی ہے اور پھر جوں ہی شام کا اندھیرا اترتا ہے تو یہ آنکھیں میچ کر سو جاتی ہے اگر اس نوجوان کا کوئی رفیق اور کوئی ہم نشیں نہ ہو تو اس کی زندگی زنداں کی تنگ کوٹھڑی کی سی ہو جاتی ہے جس میں جالوں اور حشرات الارض کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

وہ غم کے جس کے پنجے میں میرا عہد شباب اسیر رہا وہ عیش وطرب سے محرومیت کا نتیجہ نہ تھا، اور اس کی یہ وجہ بھی نہیں تھی کہ میں دوسروں کی رفاقت سے محروم تھا۔۔ میرے اس غم کا سبب میری روح میں ملتا ہے وہ جذبہ تھا جس نے مجھے خلوت گزینی کی تعلیم دی۔۔۔!

یہ جذبہ میرے ہر جذبے اور ہر خواہش پہ غالب آیا، اس نے میرے بال و پر نوچ کے مجھے جھیل میں تبدیل کر دیا۔ ایک ایسی جھیل، جو چاروں طرف سے بلند بالا پہاڑوں سے گھری ہوئی ہو۔۔ جس کی شفاف سطح پر بھوتوں کیسائے رقصاں ہوں بادلوں اور پیڑوں کی پرچھائیاں تیرتی ہوں اور گیت گاتے ہوئے بے کراں سمندر تک پہنچنے کیلئے اسے کوئی راستہ نہ ملے۔

سو یہ تھیں وہ کیفیات جو آغاز شباب تک مجھ پر گزریں۔ آغاز شباب یعنی میری عمر کا اٹھارھواں سال میری زندگی کا اہم ترین سال ہے شباب کی اسی رت میں میرے اندر شعور کی روشنی پھیلی اور مجھے انسانی زندگی کے نشیب و فراز کا ادراک ہوا۔ اس سال میں نے دوبارہ جنم لیا تھا، کیونکہ جب تک انسان اپنی زندگی میں دوسرا جنم نہیں لیتا اس کی حیثیت کتاب ہستی میں ایک کورے کاغذ کی سی رہتی ہے۔۔ اسی سال میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ مجھے ایک خوبصورت عوت کی آنکھوں سے تک رہے تھے۔۔۔!

اور ہاں اسی رت میں میں نے شیطان کو بھی دیکھا کہ وہ ایک قاہر وہ جابر آدمی کے دل میں بیٹھا تھا جو کوئی زندگی کے حسن میں فرشتوں اور اس کے بغض و کینہ میں

شیطان کو نہیں دیکھ سکتا، اس کی بصیرت اندھی اور روح محبت سے خالی ہوتی ہے۔

(3)

یہ اسی اعجاز آفریں سال کی بات ہے۔ بہار کی رت تھی اور میں بیروت میں مقیم تھا، باغوں میں رنگ برنگے پھول خوشبوئیں بکھیر رہے تھے اور زمین ہری بھری گھاس کے غالیچوں سے سج گئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ زمین نے اپنے تمام رازہائے سربستہ چشم فلک کے سامنے آشکار کر دیئے ہیں۔ نارنجی اور سیب کے پیڑوں کو دیکھ کے کہنا پڑتا تھا کہ جیسے اپسرائیں مہکتے ہوئے پھولوں کے لباس زیب تن کئے کھڑی ہیں کہ فن کار اور شاعر انہیں دیکھ کے اپنے خوابیدہ افکار کو بیدار کر سکیں۔

بہار کی رت ہر جگہ کو ب صورت ہوتی ہے لیکن لبنان کی بہار کی بات ہی اور ہے یہاں بہار اپنی تمام سے ہم کلام ہوتی ہے، ندیوں کے ساتھ مل کے سلیمان کی الہامی نغمے الاپتی ہے اور لبنان کی مقدس قیداروں کی رفاقت میں عظمت رفتہ کی داستانیں دہراتی ہے۔ بیروت سرما کی کچڑ اور گرما کی دھوئیں سے مبرا ہے۔ میں اسے عروس بہار کہتا ہوں، یا پھر وہ جل پری کہ جو ندی کنارے بیٹھ کے اپنے گیلے اور کومل شریر کو دھوپ میں سکھا رہی ہو۔

ایک روز میں اپنے دوست سے ملنے گیا وہ شہر سے کچھ دور رہتا تھا، ہم دونوں گفت وشنید میں مصروف تھے کہ اسی وقت ایک اجنبی آن پہنچا، میں نے اسے ایک نظر دیکھا، وہ ساٹھ پینسٹھ برس کا پر وقار آدمی تھا۔ میرے دوست نے جب ہم دونوں کا تعارف کرایا تو پتہ چلا کہ ان صاحب کا نام فارس آفندی کرامی ہے اور جب انہوں نے میرا نام (خلیل جبران) سنا تو چونک کے اپنی انگلیوں سے ماتھا ٹھونکنے لگے جیسے کچھ یاد کر رہے ہوں۔ پھر فرط مسرت سے بول اٹھے۔

''ارے، تم تو میرے یار غار کے بیٹے ہو تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے نوجوان، تمہارے روپ میں مجھے اپنا رفیق گم گشتہ مل گیا ہے'' یہ کہہ کے وہ آگے

بڑھے اور دیر تک مجھے اپنے سینے سے لگائے رہے!

ان کے محبت بھرے بولوں نے مجھے مسحور سا کر دیا اور میں یوں ان کی جانب بڑھا جیسے کوئی پرندہ طوفان کی آمد کی آہٹ پا کے کسی پناہ گاہ کی جستجو کرتا ہے وہ مجھے فیاضی کے واقعات سناتے رہے، میرے ابا کے اپنی رفاقت کے قصے دہراتے رہے اور میں مبہوت ہو کے ہمہ تن گوش رہا، شباب سے بچھڑا ہوا ہر شخص اپنے شباب کی دنیا میں لوٹ جانے کو ترستا رہتا ہے وہ اپنے شباب رفتہ کی داستانیں یوں کہتا ہے جس طرح کوئی شاعر اپنی محبوب نظموں کو مسرور کن لہجے میں دہراتا ہے۔ وہ ذہنی طور پر اپنے ماضی کی یادیں پیڑوں کی چھاؤں کی طرح گزر جاتی ہیں اور کہنے والا ان یادوں کی چھاؤں تلے ایک عجیب سا انبساط اور انوکھا سرور محسوس کرتا ہے!

دم رخصت فارس آفندی نے مجھ سے کہا، مجھے اپنے دوست سے ملے ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اب تم مجھ سے اسی طرح ملتے رہو گے جس طرح تمہارے ابا میرے ساتھ رہے ہیں۔ تم جب بھی آؤ گے، میرے دوست کی یاد تازہ ہو جایا کرے گی، اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ان کے در دولت حاضری دیتا رہا کروں گا۔ اپنے ابا کے دوست کی رفاقت میرے لئے بھی باعث مسرت تھی۔

جب وہ چلے گئے تو میں نے اپنے دوست سے استفسار کیا۔

''کیا تم مجھے فارس آفندی کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟''

اس پر میرے دوست نے کہا۔

''بیروت میں، میں نے اس جیسا دولت مند شخص اور کوئی نہیں دیکھا کہ جسے اس کی دولت نے اس جیسا شفیق انسان بنا دیا ہو۔۔۔ اور نہ ہی اس جیسا کوئی شفیق انسان دیکھا ہے کہ جس کی شفقت نے اسے دولت مند بنا دیا ہو۔۔ یہ ان معدودے چند اشخاص میں سے ہے جو اس دنیا میں کسی کو نقصان پہنچائے بغیر زندہ رہتے اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے انسان بڑے ہی بدنصیب اور مظلوم ہوتے ہیں۔ وہ

اتنے چالاک اور ہوشیار ہوتے کہ دوسروں کی مکاری اور عیاری سے محفوظ رہ سکیں!
فارس آفندی کی ایک بیٹی بھی ہے، سلمیٰ جو اپنے باپ ہی کی طرح شفیق و سادہ ہے لیکن اتنی حسین وجمیل کہ الفاظ اس کے حسن و جمال کا احاطہ نہیں کر سکتے۔، وہ بھی باپ کی طرح بدنصیب ہے کہ اس کے باپ وثروت نے اسے موت کی عمودی چٹان پر لا کھڑا کیا ہے، اب کچھ وقت جاتا ہے کہ بے چاری فنا کے غاروں میں چلی جائے گی۔

ان الفاظ پہ پہنچ کے میرا دوست اچانک ٹھہر گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر دیکھا تو اس پر مجھے غم کی پرچھائیاں سی لرزتی ہوئی محسوس ہوئیں

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''فارس آفندی کے پہلو میں شفیق اور فراخ دل ہے لیکن افسوس کہ اس میں قوت ارادی کاف فقدان ہے۔لوگ اسے یوں اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں جیسے اس کی آنکھیں بے نوری اور ذہن سوچ سے خالی ہو۔ سلمیٰ اگر چہ ذہین اور سنجیدہ ہے لیکن اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا اس کی مجبوری ہے۔ اور یہی وہ راز ہے جو باپ اور بیٹی کے درمیان مخفی ہے۔۔ اس راز کے انکشاف کا سہرا ایک شیطان صفت انسان کے سر ہے۔وہ ایک پادری ہے جو اپنی خباثت اور شیطانیت کو کتاب مقدس کے غلاف میں چھپائے ہوئے ہے۔وہ لوگوں میں اپنی شرافت اور شفقت کی تبلیغ کرتا ہے، مذہب کی اس دنیا میں وہ مذہب کا سربراہ ہے۔لوگ اس کے احکام سنتے ہیں اور اس کے آگے سجدے میں گر جاتے ہیں۔وہ انہیں بھیڑو کی طرح ہانکے پھرتا ہے اور بھیڑیں اس سے باخبر ہیں کہ انہیں کسی چراگاہ کی جانب لے جایا جا رہا ہے یا قتل گاہ کی طرف، اس شیطان صفت پادری کا ایک بھتیجا بھی ہے جو خباثت اور نفرت میں اپنے چچا سے بھی دو قدم آگے ہے، وہ دن آنے والا ہے جلد یا بدیر، کہ جب اس کا بھتیجا اس کی داہنی جانب ہوگا اور فارس آفندی کی بیٹی سلمیٰ اس کے بائیں مرد جانب اپنے ناپاک

ہاتھوں میں مقدس پھولوں کا ہار لئے ہوئے وہ ایک مقدس دوشیزہ کو ایک غلیظ مرد کے دامن سے باندھ دے گا۔ یوں سمجھو کہ صبح کا دل نکال کر رات کے سینے میں دفن کر دے گا''

پھر ایک لمحہ رک کر کہنے لگا۔۔بس فارس آفندی کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا، براہ خدا اب مجھ سے کچھ مت پوچھنا!''

یہ کہتے ہوئے وہ کھڑکی کے راستے باہر دیکھنے لگا، اور مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ کائنات کے حسن کے مراقبے میں کھو گیا ہو کہ شاید اسی طرح وہ حیات انسانی کے الجھے ہوئے مسائل کا حل تلاش کر سکے!

اور جب میں رخصت ہونے لگا تو اپنے دوست سے کہا۔

جو کچھ تم نے بتایا ہے اسے سن کے مجھے دکھ پہنچا ہے۔تاہم میں فارس آفندی سے ملنے ان کے ہاں ضرور جاؤں گا۔۔تا کہ ان سے کیا گیا وعدہ ایفا کر سکوں۔''

اس پر چونک کے میری طرف دیکھنے لگا۔اس کے چہرے کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا جیسے میرے لفظوں سے اس کی روح پر نئے الہام کا نزول ہوا ہو، پھر اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکا،، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیسی نظر تھی۔۔اس نظر میں مختلف تاثرات کا عجیب سا امتزاج تھا۔شاید محبت، رحم اور خوف کا امتزاج، یا پھر کسی پیغمبر کی ایسی نظر جو مستقبل کے واقعات اور حادثات کا ایک لحظے میں مشاہدہ کر لیتی ہے۔۔جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے گھوم کر دیکھا۔اس کے لب کانپے لیکن لفظوں کو باہر آنے کا ازن نہ ہوا۔اس کی پراسرار نظر گھر تک میرا تعاقب کرتی رہی اور میں اس کے اندر مفہوم تلاش کرتا رہا۔۔حتیٰ کہ میں تجربات میں پل کے بلوغت کو پہنچا، کہ جہاں دل وجدان کی زبان میں کلام کرتے اور وجدان کے کانوں سے سنتے ہیں، اور جہاں روحیں آتش شعور میں جل کے پختہ ہوتی ہیں

چند ہی روز میں تنہائی سے گھبرا گیا، کتابوں میں پناہ ڈھونڈھی تو ان کے چہرے بھی پر ہول دکھائی دیئے، آخر اسی میں راہ نجات نظر آئی کہ اپنے ابا مرحوم کے دوست فارس آفندی صاحب کے ہاں حاضری دوں۔ یہ سوچا اور باہر نکل آیا۔ ایک سواری لی اور ڈرائیور کو ان کے گھر کی راہ بتائی۔ صنوبر کے پیڑوں کے قریب پہنچ کر ڈرائیور نے ایک پرائیویٹ راستہ اختیار کیا۔ اس راستے پر دونوں طرف بید مجنوں کے پیڑ سایہ فگن تھے۔ ادھر ادھر دور تک سبزے کا فرش بچھا تھا انگوروں کی بیلیں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں اور رنگا رنگ پھول چہک اور مہک رہے تھے۔

چند منٹ بعد ہم منزل مقصود پہ جا پہنچے۔ یہ ایک الگ تھلگ مکان تھا جو چاروں طرف سے ایک خوب صورت باغ سے گھرا ہوا تھا۔ فضا گلاب، یاسمین اور گیندے کے پھولوں کی خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ جونہی میں سواری سے اتر کے وسیع و فراخ باغ میں داخل ہوا تو فارس آفندی مجھے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ مجھے دیکھتے ہو وہ پھول کی طرح کھل اٹھے، بڑے پیار سے میرا ہاتھ تھاما اور گھر کے اندر لے چلے، جب وہ میرے پاس بیٹھ گئے تو مجھے یوں لگا جیسے میں اپنے شفیق باپ کے قریب بیٹھا ہوں۔ انہوں نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔۔ میری موجودگی زندگی، مستقبل اور تعلیم کے بارے میں کتنے ہی سوالات کر ڈالے۔ میں ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ میرے لہجے سے شوق فرواں اور عزم جواں کی حرارت ٹپک رہی تھی، اور میرے کانوں میں جیسے حمد و ثنا کی گھنٹیاں سی بج رہی تھی۔۔ اور ۔۔۔ میں پر امید خوابوں کے بحر بے کراں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ اسی ساعت بے خودی میں بنفشی پردوں کے پیچھے سے ایک پر شباب دوشیزہ نمودار ہوئی اور سیدھی میری سمت بڑھی۔۔ وہ سفید ریشم کا شاہانہ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ میں فارس آفند کے ساتھ اس کے استقبال کو اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ میری بیٹی سلمٰی ہے فارس آفندی نے مجھ سے کہا۔ اور پھر اپنی بیٹی سے مخاطب

ہوا۔

''تقدیر کو نوازش، کہ اس نے میرے دوست کے بیٹے سے مجھے ملوا دیا۔ ان سے ملو بیٹی۔۔۔''

اور اسی لمحے سلمیٰ نے میر جانب یوں دیکھا جیسے اس بات کا یقین چاہتی ہو کہ ان کے گھر میں واقعی کوئی مہمان آ سکتا ہے؟

حیرت و استعجاب کے اس عالم میں سلمیٰ نے اپنا مرمریں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ اس کے پھول ایسے کومل ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہی مجھے یوں لگا کہ درد کی ایک ٹیس میرا دل چیر کر نکل گئی ہے۔

ہم خاموش بیٹھے رہے۔ لگتا تھا سلمیٰ اپنے ساتھ کسی آسمانی روح کو لے کے آئی ہے کہ جس کے احترام میں چپ سادھ لینا عبادت کی ایک رسم!

آخر اس نے خود ہی مہر سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

''میرے ابا نے نجانے کتنی بار میرے سامنے اپنے ماضی کی داستانیں دہرائی ہیں اپنے عہد شباب کے قصے سنائے ہیں کہ جن میں آپ کے ابا بھی ان کے رفیق رہے ہیں۔ اگر آپ کے ابا نے بھی آپ سے اس قسم کے واقعات بیان کئے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ ہماری یہ ملاقات پہلی نہیں کہی جا سکتی!''

جب وہ یہ باتیں کہہ رہی تھیں تو میں ایک عذاب عظیم میں مبتلا تھا۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے دیکھوں کہ اس کی باتیں سنوں؟ وجود کی رعنائیوں پہ نظر رکھوں کہ آواز کی لطافت میں کھو جاؤں، ہونٹوں کی شفق کو دیکھوں یا لہجے کی حلاوت کو چکھوں۔۔ میرے چاروں طرف حسن و جمال کا نور سا پھیل گیا تھا۔ نور اور لے ایک ہو گئے تھے اور میں ان میں تحلیل ہو گیا تھا بے خودی کی یہ نشاط آگیں ساعت کسی اور کو کب نصیب ہوئی ہو گی!

فارس آفندی اپنی بیٹی کے اس طرز تکلم پر خوشی سے کھل اٹھا اور مجھ سے یوں

مخاطب ہوا۔

سلمیٰ بہت جذباتی ہے۔ وہ ہر شے کو دل کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ پھر وہ ہر بات کو نہایت محتاط لہجے میں ادا کرنے لگا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اسے میری ذات میں کوئی ایسی فسوں ساز خوبی نظر آ گئی ہے جس نے اسے یادوں کے دوش پہ بٹھا کے ماضی کی نشاط آفریں وادیں میں پہنچا دیا ہے۔

اسے دیکھ کر مجھے اپنے مستقبل میں جھانکنے کا موقع مل گیا تھا لیکن اس کے برعکس وہ مجھے یوں دیکھ رہا تھا کہ جیسے میں کوئی ننھا سا کمزور پودا ہوں اور وہ تناور درخت کی طرح مجھے اپنی پناہ میں لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ مجھے سرکش ہواؤں سے بچانے کی فکر میں تھے۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس ننھے سے کمزور پودے کی طرح ہوں جو نسیم سحر کے جھونکوں سے بھی لرزنے لگتا ہے۔

لیکن سلمیٰ خاموش تھی!

وہ ایک بار میری طرف دیکھتی اور دوسری بار اپنے باپ کی طرف!

اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے وہ فسانہ حیات کے پہلے اور آخری باب کا مطالعہ کر رہی ہو! دن تیزی سے گزر گیا۔ میں کھڑکی میں کھڑا غروب آفتاب کے حسین منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ لگتا تھا کہ سورج کی کرنیں لبنان کی بلند چوٹیوں کے عنابی ہونٹوں کو آخری بار چوم رہی ہیں۔ فارس آفندی اپنے ماضی کے واقعات دہراتے رہے اور نیم خوابی اور نیم بیداری کے عالم میں انہیں سنتا رہا۔ میری محویت اور اشتیاق نے اس کا غم مسرت میں بدل دیا تھا۔

سلمیٰ میرے قریب ہی کھڑکی سے لگی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حزن و ملال کیا سائے تیر رہے تھے اور ہونٹ یوں بند تھے جیسے انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ سلمیٰ بول نہیں رہی تھی لیکن اس کا حسن و جمال محو تکلم تھا۔ حسن کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ یہ زبان لفظوں اور ہونٹوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ ایک غیر فانی

زبان ہے اور کائنات کا ہر انسان اسے سمجھتا ہے۔ یہ آفاقی زبان جھیل کی مانند ہے جو ہمیشہ خاموش رہتی ہے لیکن گنگناتی اور شور مچاتی ہوئی ندیوں کو اپنی گہرائیوں میں اتار لیتی ہے اور پھر وہی ازلی و ابدی سکوت چھا جاتا ہے۔

حسن کا ادراک ہماری روحیں ہی کر سکتی ہیں، حسن ہمارے اذہان کو مفلوج کر دیتا ہے، ہم اسے لفظوں میں بیان کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ یہ ایک احساس ہے جو بصارت سے ماورا ہے۔ یہ دو نگاہوں کے درمیان پوشیدہ کرتی ہے۔ لیکن اپنی اپنی جگہ دونوں ہی حسن کو دیکھنے سے محروم رہتی ہیں حسن حقیقی اس کرن کا نام ہے جو ارواح مقدس کے تقدس سے جنم لیتی اور جسم کو منور کر دیتی ہے، زمین کے عمق سے پھوٹنے والی اس زندگی کی طرح کہ جو پھولوں کو رنگ و بو اور رس عطا کرتی ہے!

حقیقی حسن روحانی ہم آہنگی سے وجود میں آتا ہے، اس روحانی ہم آہنگی کا دوسرا نام محبت ہے، اور محبت ایک مرد اور ایک عورت کے ہم آہنگ محسوسات کو کہتے ہیں۔

کیا میری اور سلمٰی کی روحیں اسی روز ہم آہنگ ہو گئی تھیں کہ جب ہم پہلی بار ملے تھے؟ اور کیا یہ میرا جذبہ محبت ہی تو نہیں تھا کہ جس نے اسے کائنات کی حسین ترین عورت کا مقام دیدیا۔۔؟

کہیں یہ شراب جوانی کا خمار تو نہیں تھا کہ جس نے ہم کو حقیقت کا روپ دیدیا۔۔ اور جو نہیں تھا اس کے ہونے کا یقین دلایا!

کیا میرے شباب نے آنکھیں بند کر دی تھیں۔۔؟ کہ میں آنکھیں بند کرنے کے بعد ہی اس کی روشن آنکھوں کا نظارہ کر سکتا تھا، اس کے لبوں کی حلاوت اور اس کے وجود کی نزاکت کو کھلی آنکھوں سے محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا؟

کیا یہ اس لطافت حلاوت اور نزاکت اثر تھا کہ میں میری بصارت بیدار ہوئی اور میں نے عشق کے غم و نشاط کو زندگی میں پہلی بار محسوس کیا؟

ان سوالات کے جواب دینا میرے لئے از حد محال ہے۔ البتہ یہ بات میں پوری

سچائی سے کہہ سکتا ہوں کہ سلمیٰ سے ملاقات کی اولین ساعتوں میں میرا دل جس نشاط پرور درد سے آشنا ہوا۔ اس کی ٹیسیں میں نے پیشتر ازیں کبھی محسوس نہ کی تھیں۔ اس روز میرے دل میں ایک نیا انوکھا اور انجانا جذبہ اترا تھا، اس روح کی طرح جو آغاز آفرینش میں زمین کے پانیوں پر تیرتی رہی تھی۔

میرا غم اور میری مسرت اسی روز پیدا ہوئے!

سو اس طرح سلمیٰ سے پہلی ملاقات اختتام کو پہنچی، لیکن اسی روز خالق کائنات نے مجھے بلوغت اور خلوت کی زنجیروں سے آزاد کے اور میں قافلہ عشق کے ہم رکاب ہوا۔

کائنات میں محبت آزادی کی مظہر ہے۔ یہ ہماری روحوں کو معراج تک پہ لے جاتی ہے کہ انسانی قوانین اور مظاہر فطرت اس کا راستہ نہیں بدل سکتا۔

دم رخصت، فارس آفندی نے مجھے اپنے قریب کرتے ہوئے، محبت آمیز لہجے میں کہا۔

سنو، میرے بیٹے اب کہ تم نے گھر دیکھ لیا ہے۔ تمہیں اکثر یہاں آنا پڑے گا تم جب بھی یہاں آؤ یہی سمجھو کہ اپنے باپ کے گھر آئے ہو۔ مجھے اپنے باپ کے مقام پہ سمجھنا اور سلمیٰ کو اپنی ہمشیرہ جاننا۔۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سلمیٰ کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھا، اس نے بھی اثبات میں گردن ہلا دی۔۔ اور پھر میری جانب یوں دیکھا کہ جیسے میں اس کا گم گشتہ رفیق ہوں!

فارس آفندی کے پیار بھرے لفظوں نے مجھے محبت کی راہ پر سلمیٰ کا ہمسفر بنا دیا ک۔ اس کے شیریں الفاظ کسی الہامی نغمے کی طرح تھے کہ جس کا آغاز وجد کن اور اختتام مخرون کن ہوتا ہے وہ روحوں کو پہلے تو روشنی کے پرسکون خلا میں لیجاتے ہیں، اور پھر انہیں لپکتے ہوئے شعلوں کے سپرد کر دیتے ہیں، وہ محبت بھرے الفاظ کو جو اسجام کی طرح ہیں۔ جس سے ہم حلاوتوں اور تلخیوں کا مشروب پیتے ہیں!

میں ان سے رخصت ہوتو فارس آفندی کے آخری گیت تک میرے ساتھ آیا۔ اس وقت میرا دل کسی ترسیدہ انسان کے ہونٹوں کی طرح لرز رہا تھا!

(5)

ماہ نیساں قریب قریب بیت چکا تھا۔ میں فارس آفندی کے گھر جاتا رہا اور سلمٰی سے اس باغ میں ملاقات ہوتی رہی۔ میں پہروں اس کے ملکوتی حسن میں کھویا رہتا، اس کی فراست پہ متعجب ہوتا اور درد کے لے آواز نوحے سنتا رہتا۔ مجھے محسوس ہوتا کہ ایک غیر مرئی طاقت مجھے اس کے قریب لئے جا رہی ہے۔

ہر ملاقات مجھے اس کے حسن و جمال کا ایک نیا مفہوم عطا کرتی ہے اس کی حلاوت بھری روح کو ایک نئے روپ میں پیش کرتی۔۔حتیٰ کہ میرے لئے وہ ایک کتاب میں متشکل ہوگئی۔ ایک ایسی کتاب جسے میں سمجھ سکتا تھا اور جس کے اشعار گنگنا سکتا تھا لیکن اسے ختم کرنا میرے بس میں نہ تھا۔وہ عورت جسے ،ابو بیت نے روح اور جسم کی صداقت عطا کر رکھی ہو۔۔جو بیک وقت راز بھی ہو اور آشکار بھی جسے ہم صرف محبت کی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔اور تقدیس کی انگلیوں سے مس کر سکیں اور جب ایسی عورت کو لفظوں کی تصویر میں پیش کرنے کی کوشش کریں تو وہ بخارات بن کر فضا میں تحلیل ہو جائے!

سلمٰی کرامی کی روح بھی حسین تھی اور جسم بھی۔تم چاہتے ہو کہ میں اسے تمہارے سامنے لفظوں کے پیرہن میں پیش کروں۔رفیق من، میں اس پہ قادر نہیں ہوں۔ مجھے الفاظ کی فسوں گری نہیں آتی۔اور پھر میں ایسے آدمی کے سامنے اس کی تعریف کیوں کروں کہ جس نے اس گل رعنا کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی۔۔کیا یہ ممکن ہے کہ موت کی آغوش میں خوابیدہ انسان بلبل کے نغمے کا حسن بیان کر سکے؟ کیا وہ گلاب کی خوشبو اور ندی کی آہیں زبان پر لا سکتا ہے؟ بیڑیوں کے بوجھ تلے کچلا ہوا قیدی نسیم سحر کا تعاقب کر سکتا ہے؟ کیا خاموشی فنا سے زیادہ کرب ناک نہیں ہے؟ کیا

میرا تکبر آڑے آتا ہے کہ میں سلمیٰ کے حسن و جمال کا ارادتاً بیان نہیں کرتا، کیا قوس قزح کے رنگ اس کے حسن کا بدل ہو سکتے ہیں۔ صحرا میں بھوک سے بلکتے ہوئے انسان کو سوکھی روٹی بھی نہایت لذیذ معلوم ہوتی ہے؛۔ بشرطیکہ آسمان سے اس کے لئے من و سلویٰ نہ اتر آئے۔۔۔؟

سپید ریشمی پیرہن میں سلمیٰ، مہتاب کی اس شفاف کرن کی طرح دکھائی دیتی تھی جو کھڑکی کے راستے کمرے میں مدآئی ہو۔ اس کی رفتار میں شانہ وقار اور انوکھی موزونیت تھی اس کا لہجہ دھیما مگر شیریں تھا۔

کیا تم نے کبھی گلاب کی پتیوں سے شبنم کے قطروں کو ٹپکتے دیکھا ہے؟ ہاں مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے، جانتے ہو کب؟ جب سلمیٰ کرامی محو تکلم ہوتی تو الفاظ اس کے ہونٹوں سے شبنم کے قطروں کی طرح ٹپکتے تھے!

اور سلمیٰ کا چہرہ۔ کون تشریح کر سکتا ہے، ان تاثرات کی، جو ہر وقت اس کے منور چہرے پر رقصاں رہتے تھے، وہ تاثرات جن میں ابدی کرب اور وجدانی کیف کا پرتو تھا۔

سلمیٰ کے چہرے کا حسن کلاسیکی نہیں تھا۔ وہ تو کسی الہامی خواب کی طرح تھا۔ ایسا الہامی خواب جسے شاعر، مصور اور سنگتراش پیش نہیں کر سکتے۔ البتہ کسی دل شکستہ مغنی کی دلدوز لے میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے!

سلمیٰ کا حسن اس کے سنہرے بالوں میں نہیں تھا۔ بلکہ اس تقدیس میں تھا جو اس کے چہرے کے ہالہ کیے ہوئے تھی۔ حسن اس کی بادامی آنکھوں میں بھی نہ تھا بلکہ اس روشنی میں تھا جو اس کی آنکھوں سے پھوٹتی رہتی تھی۔ حسن اس کے گلابی ہونٹوں میں بھی نہیں تھا بلکہ اس کے لہجے کی حلاوت میں تھا۔ حسن اسکی مرمریں گردن میں بھی نہ تھا۔ بلکہ اس ہلکے سے خم میں تھا جو شان عبودیت کا مظہر تھا۔ اور ہاں۔ حسن اس کے بے نقص وجود میں بھی نہ تھا بلکہ اس کی شریف النفسی میں تھا۔ سلمیٰ کا حسن اس مشعل

فروزاں کی طرح تھا کہ جو ارض و سما کے وسط میں معلق ہو گئی ہو۔۔۔۔!اس کا حسن وہ جمال شاعری کی طرح عطیہ ربوبیت تھا۔۔۔لیکن شعرا بے چارے تو ازل کے نا آسودہ ہیں۔ان کی روحیں کتنی ہی بلند پرواز کیوں نہ ہوں۔پھر بھی وہ اشکوں کے غلاف ہی میں لپٹے رہتے ہیں

سلمیٰ بولتی کم، اور سنتی زیادہ تھی۔اس کا حد سے بڑھا ہوا استغراق میرے لئے حیران کن تھا۔اس کی خاموشی میں ایک ایسی موسیقی تھی جو سننے والے کو خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیتی کہ جہاں وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنتا۔اپنے تصورات کی پرچھائیاں دیکھتا اور محسوسات کو اپنے سامنے پاتا اور اپنی آنکھوں میں خود ہی جھانکنے لگتا!

وہ ہر وقت اتھاہ اداسی کے لبادہ اوڑھے رہتی کہ جس سے اس کے حسن جمال میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔بالکل اس پھول آئے ہوئے پیڑ کی طرح کہ جو سحر کے کہر آلود اجالے میں بھی دلکش دکھائی دیتا ہے۔

غم نے مجھے اور سلمیٰ کو ایک دوسرے باندھ دیا تھا۔کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کے ہی درد مشترک اور غم لازوال کی حکایات خاموشی کے آفاقی لہجے میں کہہ دیتے تھے!

رب عظیم نے واحد روح کو دو مختلف جسم عطا کر دیئے تھے۔۔جدائی کا غم نہیں تھا۔ہاں روحانی اذیت تعزیر سے کم نہ تھی۔

محزون روحیں تکجا ہو جائیں تو غم سوا ہو جاتا ہے۔وہ ایک دوسرے کی طرف کھینچی چلی جاتی ہیں۔اس اجنبی کی طرح جو دوسرے اجنبی کے قریب یوں جاتا ہے جیسے وہ اس کی گم شدہ متاع ہو!غم جنہیں ملاتا ہے وہ دل ارضی مسرتوں سے جدا نہیں ہوتے اور وہ محبت جو خون کے اشکوں میں غسل کرتی ہے ابد تک لازوال اور مقدس رہتی ہے !

(6)

ایک روز فارس آفندی نے مجھے عشائیے پہ مدعو کیا اور میں نے اس کی یہ دعوت

قبول کر لی کہ میری روح اس نان خدواندی کی بھوکی تھی کہ تقدیر نے جسے سلمیٰ کے ہوتھوں پہ اتارا تھا۔ وہ تغذیہ روحانی کو جو ہمارے دلوں کی بھوک میں اور اضافہ کرتی ہے۔ اس روٹی کا مزہ کس کس نے نہیں چکھا؟ عرب کے فسوں گر شاعر قیس، دانتے اور سینو کے دلوں کو اسی نے سپر آتش کیا تھا۔ محبت کی دیوی اسے بوسوں کی حلاوت اور اشکوں کی کڑواہٹ میں گوندھ کے اور آتش دل پہ پختہ کر کے ہمیں پیش کرتی ہے۔

جب میں فارس آفندی کے مکان پہ پہنچا تو سلمیٰ کو باغ میں پایا وہ ایک بنچ پر کسی پیڑ سے ٹیک لگائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ سفید ریشمی ملبوس میں وہ کسی دلہن کی طرح دکھائی دیتی تھی۔

میں مودبانہ خاموشی سے آگے بڑھا اور اسکے قریب بیٹھ گیا۔ مجھ میں گویائی کی سکت نہ تھی۔ لہذا خاموش رہنا ہی اچھا تھا۔ لیکن یہ خاموشی، گویائی سے زیادہ فصیح و بلیغ تھی محبت کا اعلیٰ ترین اظہار خاموشی ہی سے ممکن ہے۔ محبت بھرے دلوں کی یہ آفاقی زبا ہے۔ اس خاموشی کے مقابلے میں تمام زبانوں کی فصاحت و بلاغت ہیچ ہے، سلمیٰ میری فریاد کی بے آواز لے کو محسوس کر رہی تھی اور میری آنکھوں میں تیرتی ہوئی، میری روح کی پرچھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ خاموشی کا یہ ہیجان جانے کب تک بپا رہتا کہ فارس آفندی تیزی سے ہماری جانب آیا اور حسب عادت مجھے خوش آمدید کہا۔ میں فورا کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف پھیلا دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ اپنے ہاتھ سے اس راز پہ سایہ شفقت کیے ہوئے ہے جس نے مجھے اور سلمیٰ کو یکجا کر دیا ہے!

''میرے بچو، کھانا تیار ہے۔''

ہم دونوں اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ سلمیٰ کی آنکھیں منور ہو گئی تھیں لگتا تھا کہ فارس آفندی کے لفظوں نے ان میں ایک نئے جذبے کی تابانی سمو دی ہے۔

دستر خوان پر تکلف طعام اور مشروبات سے سجا ہوا تھا۔ میں اور سلمیٰ خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے لیکن ہماری روحیں کسی دوسری دنیا میں محو پرواز تھیں۔ ہم مستقبل کے خوابوں میں تیر رہے تھے۔ مستقبل، جس میں اندیشے بھی تھے اور امیدیں بھی!

تین ہستیاں جو اپنی اپنی سوچ میں ایک دوسرے سے الگ الگ تھیں لیکن احساس محبت میں متحد تھیں۔ معصوم انفاس، جن کے دامن میں علم سے خالی، لیکن دل ،احساس سے معمور تھے۔ ایک ڈراما تشکیل پا رہا تھا۔ ایک بوڑھا کردار جسے اپنی بیٹی سے والہانہ پیار اور اس کی خوشیاں عزیز تھیں۔ ایک نوجوان دوشیزہ، جو مستقبل کی اضطراب بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور ایک نوجوان، جو امیدوں اور اندیشوں میں غلطاں، زندگی کے تلخ و شیریں کے زائقے سے آشنا، محبت کے عرفان و معراج کا تمنائی۔۔ تینوں خاموش تھے۔۔ اکلی و شراب سے محفوظ ہو رہے تھے۔ پیمانے مے سے لبریز تھے لیکن پیمانوں کی تہہ میں تلخی اور اذیت پوشیدہ تھی۔

جوں ہی ہم کھانے سے فارغ ہوئے۔ ایک خادمہ نے اندر آ کے مودبانہ لہجہ میں کہا۔

آقا، کوئی صاحب بازیابی کی اجازت چاہتے ہیں۔۔۔

فارس آفندی نے پوچھا۔

کون ہیں؟''

خادمہ نے جواب دیا۔

''بشپ (پادری) کا کوئی ایلچی ہے۔''

اور خاموشی کی انہی ساعتوں میں فارس آفندی نے سلمیٰ کی جانب یوں دیکھا جیسے کوئی برگزیدہ ہستی کو مقدس راز کی خاطر سوئے **فلک** دیکھتی ہے۔

''اسے اندر بھیج دو۔ فارس آفندی نے خادمہ سے کہا۔

اور کچھ ہی دیر بعد بشپ کا ایلچی کمرے میں داخل ہوا۔ مشرقی لباس میں ملبوس اس

آدمی کی مونچھیں خاصی بڑی بڑی تھیں اور گوشوں پر اندر کی جانب خمیدہ تھیں۔ فارس آفندی سے مودبانہ سلام کہتے ہوئے وہ یوں گویا ہوا۔

عزت مآب بشپ نے آپ کے لئے اپنی ذاتی سواری بھیجی ہے۔ وہ کسی اہم مسئلے پر آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔

فارس آفندی کا چہرہ جیسے ابر آلودہ ہو گیا ہو اور مسرت کی روشنی بجھ گئی ہو۔ چند لمحوں کی گہری سوچ کے بعد۔ اس نے بڑے ہی شفقت آمیز لہجے میں، مجھ سے کہا۔ مجھے امید ہے تم میری اس بے وقت غیر حاضری کو محسوس نہیں کرو گے اور میری واپسی تک یہیں رہو گے۔ تمہاری رفاقت سلمٰی کے لئے باعث مسرت ہو گی کہ اسے تنہائی سے وحشت ہوتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے تائید طلب نظروں سے سلمٰی کی طرف دیکھا۔ اس نے مرمریں گردن کو ہلکا سا خم دے کر اظہار اثبات کیا اور اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا اور اس نے انبساط و حیا کے ملے جلے لہجہ میں کہا۔

''ابا حضور آپ اطمینان رکھیے، اپنے معزز مہمان کو حتی الامکان مسرور رکھنے کی کوشش کروں گی۔'' اور اسکی آواز کی نغمگی اور لہجے کی حلاوت نے مجھے بے خود کر دیا۔

اپنے باپ کی روانگی کے بعد وہ اٹھ کر میرے سامنے سبز ریشم سے سجے دیوان پہ بیٹھ گئی۔ اور مجھے یوں لگا جیسے وہ گل نرگس ہے کہ جسے نسیم سحر کے شدید جھونکوں نے سبز مخمل فرش پر ٹکا دیا ہو۔ رب عظیم نے مجھے سلمٰی کی رفاقت سے سرفراز کیا تھا۔ چاروں طرف سے پیڑوں میں گھرے اس وسیع و فراخ مکان میں، میں اور سلمٰی آمنے سامنے خاموش بیٹھے تھے اور ہمارے اردگرد محبت، تقدس حسن اور خاموشی سایہ فگن تھے۔

ہم دونوں چپ چاپ تھے اور منتظر تھے کہ آغاز تکلم کسی سمت سے ہو گا، لیکن گویائی ہی تو دو روحوں کے درمیان تفہیم کا واسطہ نہیں ہے۔ دلوں کا ارتباط، الفاظ اور لہجے کا

محتاج نہیں ہوتا۔۔یہ تو کوئی اور ہی شے ہے۔نطق سے ماوراولفظوں سے پاکیزہ تر!

خاموشی ہمارے انفاس میں نور وقلوب میں اسرار کی خوشیاں بکھیرتی ہوئی انہیں مرشہ عشق میں منظوم کر دیتی ہے، خاموشی ہمیں، ہمارے ذات سے الگ کرتی ہوئی فضاؤں میں تیراتی اور پھر خلد عشق میں تکجا کر دیتی ہے۔یہاں پہنچ کے ہم اس عرفان سے سرفراز کیے جاتے ہیں کہ اجسام تو روحوں کے لئے محض قید خانے میں اور حیات ارضی جلاوطنی کا نام ہے!

سلمٰی نے مجھے دیکھا اور اس کا راز دل آنکھوں سے نور بن کے پھوٹا اور میری روح میں وحی بن کے اتر گیا۔

آؤ صحن گلشن میں چلیں، پیڑوں کے سائے تلے بیٹھیں اور پہاڑوں کے عقب سے طلوع ہوتے ہوئے ماہتاب کا استقبال کریں!''

میں اطاعت کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا، اور تذبذب بھرے لہجہ میں کہا۔

''کیا یہ اچھا نہیں کہ ہم یہیں بیٹھے رہیں تا وقت کہ چاند طلوع ہو کے چمن کے گوشے گوشے کو جگمگا دے۔ایک لمحہ رک کے میں نے پھر کہا، اس وقت سارے باغ پر تاریکی مسلط ہے۔پھول، پودے اور پیڑ سبھی اندھیرے کے غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں۔''

اس پر وہ یوں گویا ہوئی!

''تم ٹھیک کہتے ہو، تاریکی پھولوں اور پودوں کو اپنے پروں سے ڈھانپ رکھا ہے لیکن ہمارے دلوں سے پھوٹتی ہوئی محبت کی روشنی اس سے مغلوب نہیں ہوگی۔''

ان الفاظ کو ادا کرتے وقت اس کے لہجے میں ایک نا قابل بیان کیفیت رچ گئی تھی۔مجھ سے ہٹ کے وہ کھڑکی کے راستے باہر دیکھنے لگی۔

میں خاموش رہا اور اس کے ایک ایک لفظ کے مفہوم اور معنی پہ غور کرتا رہا۔

اچانک اس نے پھر مجھے دیکھا، شاید اسے اپنے کہے ہوئے الفاظ پہ تاسف ہو رہا

تھا اور اپنی سحر کار آنکھوں کے سہارے وہ اُنے لفظوں کو میری آغوشِ سماعت سے اچک لینا چاہتی تھی۔ لیکن آہ وہ فسوں گر آنکھیں! وہ میری سماعت کو مفلوج تو کیا کرتیں، الٹا وہ میرے دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی اور سلمٰی کے ہونٹوں سے ٹپکے ہوئے شیریں الفاظ صدائے بازگشت کی طرح میری ہستی کے خلا میں گونجنے لگے اور ابد تک گونجتے رہیں گے!

اس دنیا میں ہر حسن اور ہر عظمت کسی فردِ واحد کے تصورِ جذبے کی مرہونِ منت ہے!

ہر اعجاز اور ہر کارنامہ عہدِ گزشتہ کے ہاتھوں وقوع میں آیا ہے قبل از وجود ہر شے کسی مرد کے تصور یا کسی عورت کے جذبہ دل میں مخفی تھی۔ انقلاب کہ جس نے خون کے دریا بہا دیئے اور انسانوں کو حریت کی راہ دکھائی ایک فردِ واحد کے ذہن سے پھوٹا تھا۔ وہ جنگیں کہ جنہوں نے عظیم ترین سلطنتوں کو تہہ خاک سلا دیا۔ ایک ہی انسان کے ذہن کی تخلیق تھیں۔ مقدس ہدایات کہ جنہوں نے پوری انسانیت کو ایک نئی راہ دکھاء وہ بھی ایک تنہا انسان کے لبوں سے ادا ہوئی تھیں۔ خیال جو تعمیرِ اہرام اور عظمت اسلام کی بنیاد بنا اور کتب خانہ اسکندریہ کے احتراق کا سبب ہوا۔!

خیال کی ایک رو، جو شب کو تمہارے دلوں میں سرایت کرتی ہے۔ وہی رو تمہیں سرفرازیوں کی دنیا کا مسرور ترین شخص بنا سکتی ہے اور کسی مرد کے لبوں نکلی ہوئی ایک بات تمہیں تختِ پہ متمکن کر سکتی ہے اور افلاس کی آغوش میں بھی گرا سکتی ہے۔

سلمٰی کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے لفظوں نے اس شب مجھے ماضی اور مستقبل کے درمیان معلق کر دیا تھا۔ اس سفینے کی طرح جو متلاطم سمندر کے وسط میں محصور ہو گیا ہو۔۔۔!

اس کے جادو بھرے لہجے نے اس شب مجھے بلوغت اور خلوت کی نیند سے بیدار کر دیا اور میں نے خود کو زندگی کے اسٹیج پر ایستادہ پایا کہ جہاں حیات و ممات اپنا اپنا

کردار ادا کرتی رہتی ہیں۔

جوں ہی ہم دونوں صحن گلشن میں پہنچے، شمیم شب کے معطر جھونکوں نے ہمارا استقبال کیا ہم یاسمین کے ایک پودے کے قریب خاموشی سے بیٹھ گئے اور خوابیدہ فطرت کے حسن سے محفوظ ہونے لگے۔ بڑا ہی محسور کن منظر تھا، ہر شے آغوش سکوت میں محو خواب تھی۔ آسمان پر ستاروں کی قندیلیں جھلملا رہی تھیں اور لگتا تھا آسمان ہماری کہانی کو بڑے شوق سے سن رہا ہے!

مہتاب، طور سنین کے عقب سے طلوع ہوا اور ہر شے دودھیا اجالے میں نہاتی چلی گئی۔ ساحل، ٹیلے اور چوٹیاں، وادیاں اور دور تک پھیلے ہوئے گاؤں، روشن ہوتے چلے گئے۔ چاند کی نقرئی کرنوں تلے لبنان کا حسن نکھر نکھر گیا۔

مغرب کے شاعر لبنان کو افسانوی سرزمین سمجھتے ہیں۔ لبنان جو داؤد سلیمان اور دوسرے برگزیدہ نبیوں کی عظمت رفتہ کو یادگار ہے۔ لبنان جس کی مہک آفرین وادیوں میں بہشت آباد تھا۔۔۔ وہ بہشت جس سے آدم و حوا کا خروج ہوا تھا۔ شاعروں کے نزدیک ''لبنان'' کے لفظ میں شعری تاثر پنہاں ہے۔ اور یہ تاثر ان پہاڑوں کے دامن میں مشروط ہے جو مقدس قیدار کے معطر بخورات میں شرابور ہوتے ہیں۔ یہ انہیں تانبے اور مرمر سے تعمیر ہونے والے معابد اور وادیوں میں چوکڑیاں بھرتے ہوئے خزانوں کی یاد دلاتا ہے اس شب خواب آگیں لبنان کو میں نے بھی ایک شاعر کی نظر سے دیکھا۔

اشیاء کی ظاہری ہیت ہمارے جذبات کے سخت تغیر پذیر رہتی ہے اور وہ ہمیں حسین اور سحر آفریں دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ حسن فسوں ہماری اپنی ذات میں ہوتا ہے!

میں نے دیکھا کہ چاند کی دودھیا شعائیں سلمٰی کے چہرے، گردن اور ہاتھوں پہ کھیل رہی ہیں اور اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہاتھی دانت کا نفیس مجسمہ ہے

جیسے حسن و عشق کی دیوی وینس کے کسی پجاری نے تراشا ہو!

''تم خاموش کیوں ہو؟ اپنے ماضی کے اوراق پلٹو کہ اسے جان سکوں؟''

اور جوں ہی میں نے اس کی جانب دیکھا میری عجمیت ختم ہوگئی۔ ہونٹ لرزے اور میں نے جواب دیا۔

''کیا تم بھول گئیں کہ اس باغ میں اترتے وقت میں نے تمہیں کچھ بتایا تھا۔ روح جو پھولوں کی سرگوشیوں اور خاموشی کے نغموں کو سن لیتی ہے وہ میری روح کی چیخوں اور دل کے خروش کو بھی سن سکتی ہے۔''

سلمٰی نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپالیا اور لرزیدہ آواز میں بولی!

''ہاں، میں نے سن لیا۔ میں نے سینہ شب سے اٹھتی ہوئی آواز سنی ہے اور اس ہیجان آمیز خروش کو بھی سنا ہے جو صبح کے دل سے پھوٹتا ہے۔''

اپنے ماضی اور اپنے وجود کو فراموش کرتے ہوئے میں نے کہا۔

''میں نے تمہاری آواز بھی سنی ہے سلمٰی! میں نے وہ روح پرور موسیقی بھی سنی ہے جو فضا کی رگوں میں نبض بن کر دھڑکتی ہے اور تمام کائنات پر وجد طاری کر دیتی ہے۔''

ان الفاظ کو سنتے ہی اس نے آنکھوں کے پٹ بند کر لیے۔ اس کے ہونٹوں پہ غم آمیز خوشی کا ایک ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔

پھر وہ دھیرے سے یوں بولی۔

''اب میں نے جان لیا ہے کہ کوئی شے آسمان سے بھی رفیع الشان ہے وہ سمندر سے زیادہ عمیق اور وقت اور زندگی سے زیادہ عجیب ہے، جو کچھ میں نے اب جانا، پیشتر ازیں نہ جانا تھا۔

اور اس ایک ساعت میں سلمٰی میری شہ رگ سے زیادہ قریب آئی۔ وہ کسی رفیق سے عزیز تر ہمشیر سے قریب تر اور محبوبہ سے زیادہ محبوب تر بن گئی، وہ ایک الہامی

تصور میں تبدیل ہوگئی۔

ایک سہانا خواب بنا گئی اور میرے قلب و روح میں جذبے کی حرارت بن کر اتر گئی۔

محبت طویل قربت کا ردعمل نہیں ہے..... یہ تو وحی کو طرح ہماری روحوں میں اتاری جاتی ہے۔ یہ تو ایک احساس ہے جو محسوسات سے ماورا ہے۔ یہ احساس روحانی ہم آہنگی سے جنم لیتا ہے۔ ہم جذبہ محبت کی تخلیق پہ قادر نہیں ہیں۔ اسے ایک مدت کیا، صدیوں میں بھی تخلیق نہیں کیا جا سکتا!

تب سلمیٰ نے اپنی نظریں افق پہ مرکوز کر دیں کہ جہاں طور سینین آسمان کے لب چوم رہا تھا۔

''کل تک تم میرے لئے ایک بھائی کی طرح تھے کہ میں تمہارے اپنے باپ کے سایہ عاطفت میں بیٹھی تھی اور آج وہ اخوت ایک اور جذبے میں تحلیل ہوگئی ہے اور یہ جذبہ، جذبہ اخوت سے زیادہ عجیب اور زیادہ حلاوت آفریں ہے۔ محبت اور خوف میں ڈوبا ہوا ایک انجانا احساس کہ جس نے میرے دل کو غم و نشاط کیف سے لبریز کر دیا ہے۔''

میں نے جواب دیا۔

''ہاں یہی احساس اور یہی جذبہ، جس سے ہم خوفزدہ رہتے ہیں، جب ہمارے دلوں میں راہ پاتا ہے تو ہم لرزنے لگتے ہیں۔ اسی جذبے کو قانون فطرت کہتے ہیں۔ چاند، زمین کے گرد اسی قانون کے تحت گردش کرتا ہے اور سورج کی حرکت بھی اسی کی محتاج ہے۔''

اس نے اپنا دست حنائی میرے سر پر رکھ دیا اور میرے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ اس کا چہرہ منور ہو گیا تھا اور آنسو پلکوں پہ یوں تک گئے تھے جیسے نرگس کی پتیوں پہ شبنم کے قطرے!

پھر اس نے لب وا ہ ہوئے۔

''ہماری اس رودادِ محبت پہ کون ایمان لائے گا۔۔؟ کون یقین کرے گا کہ ان ساعتوں میں ہم نے خوف کے ٹیلوں کو عبور کرلیا ہے۔۔؟ ہماری اس بات کو ن کان دھرے گا کہ ماہ نیساں جس نے ہمارے دلوں کو یکجا کر دیا ہے، اسی ماہ نیساں نے حیات مقدس کے تقدس میں محصور کر دیا ہے؟

اس کا مرمریں ہاتھ اب تک میرے بالوں کو سنوار رہا تھا۔ اس وقت اگر کوئی مجھ سے یہ کہتا کہ اپنے سر پر عظمتوں اور سرفرازیوں کا تاج رکھ لو تو اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا۔ کیا تاج شاہی اور دنیوی رفعتیں، سلمٰی کے دست گل کا بدل ہوسکتی ہیں۔!

سلمٰی کو خاموش پاکے میں نے جواب دیا۔

''لوگ ہماری باتوں پہ ایمان نہیں لائیں گے کہ وہ نہیں جانتے کہ گلشن زیست میں صرف محبت ہی وہ ایک پھول ہے جو ارض بہار کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی نمو کی شگفتگی خزاں اور بہار سے بے نیاز ہے، لیکن کیا ماہ نیساں ہی نے ہمارے دلوں کو پہلی بار یکجا کیا ہے؟ کیا اسی ساعت نے ہمیں حیات مقدس کے تقدس میں ملبوس کر دیا ہے۔۔ہاں یہ دست رب عظیم ہی تو ہے جو ہمارے انفاس کو ہماری پیدائش سے قبل ہی محبت کے رشتے میں منسلک کر دیتا ہے۔۔ اور پھر ہمیں اسیر وجود کر کے دنیا میں بھیج دیتا ہے کہ شب و روز اسیری کا کرب برداشت کریں.....

رحم مادر ہماری ہستی کا آغاز نہیں اور فرش لحد اکا اختتام نہیں! اور دور تک پھیلا ہو اخلائے بسیط و عریض، عشق اور وجدان کا امین ہے، اس کی بے کراں وسعتوں میں محبت بھرے انفاس اور وجدان سے معمور روحیں شب و روز رقصندہ ہیں۔

جونہی سلمٰی نے اپنی انگلیاں میرے بالوں سے الگ کیں، تو مجھے اپنے بالوں کی جڑوں تک ایک برقی رو سی دوڑی ہوئی محسوس ہوئی، برقی رو، جو شمیم شب کے تعطر

سے لبریز تھی، اس پجاری کی طرح جو اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار، سعید کو چوم کے کرتا ہے، میں نے سلمیٰ کا ہاتھ تھاما اور اپنے لب سوزاں اس پر ثبت کر دیئے اور پھر میں نے اس کے ہاتھ کو ایک طویل بوسہ دیا۔ وہی جلتا ہوا طویل بوسہ، جس کی تپش آج بھی میرے دل کو پگھلا دیتی ہے اور جس کی پرسوز حلاوت آج بھی میرے نفس کے تقدس کو بیدار کر دیتی ہے!

ایک گھنٹہ گزر گیا۔۔ جس کی ایک ایک ساعت، محبت کے ایک ایک سال کے برابر تھی! شب کا سکوت، دودھیا اجالا، پھول اور پیڑ۔ تاروں بھرا آسمان اور مہکتی ہوئی زمین۔۔ ہر شے ہمارے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔۔ ہمیں کچھ یاد نہیں رہا تھا، ہم نے محبت کے سوا، ہر حقیقت کو بھلا دیا تھا۔ دنیا و مافیا سے بے خبر ہماری روحیں اپنی منزل کی طرف محو پرواز تھیں کہ اچانک یہ خواب آگیں تسلسل ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گئے قریب آئے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپوں نے ہمیں چونکا دیا تھا۔۔ اور ہم محبت کے آگیں اور سرور انگیز خواب سے بیدار ہو کے نفرت اور بدبختی کے ماحول میں لوٹ آئے!

سال خوردہ فارس آفندی اپنے مشن سے واپس آ گیا تھا۔ ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس سادہ لوح بدبخت کا استقبال کریں!

بگھی سے اتر کے وہ سیدھا ہی ہماری جانب بڑھا۔ اس کا سر آگے کی طرف خمیدہ تھا جیسے اس پہ کوئی بھاری بوجھ لدا ہو! آتے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ سلمیٰ کے شانوں پہ رکھ دیئے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کے اس کے جھریوں بھرے چہرے کو بھگو رہے ہیں، اور اس کے ہونٹوں پہ ایک کربناک تبسم جھلک رہا ہے۔

پھر اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''معاف کرنا میری بچی، میری محبوب سلمیٰ، آخر وہ ساعت آن پہنچی کہ جسے ایک

ایک نہ ایک روز آنا ہی تھا۔۔ کچھ روز جاتے ہیں کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گی، تقدیر کے ہاتھ تمہیں اس گھر سے اٹھا کے دنیا کے وسیع و عریض صحن میں پہنچا دیں گے، اس گھر کی ایک ایک شے تمہیں یاد کرے گی۔۔ پھولوں کی ٹہنیوں کو تمہارے ہاتھوں کا لمس یاد آئے گا اور باغ کی روشیں تمہارے پاؤں کے لمس کو ترسیں گی اور تمہارا باپ تمہارے لئے اجنبی بن جائیگا۔ سب کچھ طے ہو چکا میری بچی، خدا تمہیں سکھی رکھے ''

اور جب سلمٰی نے یہ الفاظ سنے تو اس کا روشن چہرہ دھندلا گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں کہ جیسے اسے موت کا پیغام آ گیا ہو!

پھر وہ کسی زخمی پرندے کی طرح چیخ اٹھی۔ اور تڑپ تڑپ کا نپتی اور رندھی ہوئی آواز اس کے حلق سے ابھری۔

''آپ نے کہا کہا؟''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی!''

''بتائیے، آپ مجھے کہاں بھیج رہے ہیں؟''

پھر جیسے اسے سب کچھ یاد آ گیا ہو۔۔ راز سے پردہ اٹھ گیا ہو اور وہ اپنے باپ کو جان گئی ہو۔۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں جان گئی۔۔ سمجھ لی میں نے آپ کی بات، بشپ نے مجھے آپ سے طلب کے ہے نا؟ کہ اس نے اس شکستہ پر طائر کے لئے قفس کا اہتمام کر لیا ہے، یہی بات ہے نا؟ آپ کی بھی یہی رضا ہے نا، میرے ابا حضور؟''

جواب میں فارس آفندی ایک آہ بھر کے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے بڑی ملائمیت سے سلمٰی کا ہاتھ پکڑا اور گھر کے اندر لے گیا اور میں وہیں بت بنا کھڑا رہا، غم کی لہریں میرے دل سے یوں ٹکرا رہی تھیں جیسے سرکش ہوائیں خزاں رسیدہ پتوں سے ٹکراتی ہیں اور میرا دل محزوں، پت جھڑ کے پھولوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کے بکھرتا جا رہا تھا

!

آخر میں بوجھل قدموں سے ان کے پیچھے چلا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری اور سلمٰی کی دنیا غم سے متزلزل ہو رہی ہے۔ میں نے فارس آفندی سے ہاتھ ملایا۔ سلمٰی کے دھندلائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

میں گیٹ سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سلمٰی کے باپ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے گھوم کے دیکھا تو وہ میری جانب چلا آ رہا تھا۔

میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

''مجھے معاف کر دینا، میرے بچے، کہ میں نے آنسو بہا کے تمہاری خوش گوار شام کو غم میں بدل دیا ہے۔ لیکن میری تم سے یہی گذارش ہے کہ مجھ ستم رسیدہ اور تنہا انسان سے ضرور ملتے رہنا، میں جانتا ہوں کہ شباب اور ضعیفی میں کوئی ربط نہیں ہو سکتا، جس طرح کہ صبح شام سے نہیں مل سکتی! لیکن اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ تم ضرور آیا کرنا کہ تمہاری آمد میرے ذہن میں ان لمحات شباب کی یاد تازہ کر دیا کرے گی جو میں نے تمہارے باپ کی رفاقت میں گزارے ہیں، تم مجھے زندگی کی نویدیں سنایا کرو گے کہ مجھے اب آغوش ہستی میں کھیلنے کا اذن نہیں رہا۔ وعدہ کرو کہ سلمٰی کی رخصتی کے بعد بھی تم میری تنہائی کا عذاب کم کرنے کے لئے آیا کرو گے!''

میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تو اسی لمحے میرے ہاتھ کی پشت پہ ایک گرم گرم آنسو ٹپکا۔ میں نے نظریں اٹھائیں تو اس کی آنکھیں اشکوں کے موتی بکھیر رہی تھیں۔ مجھ پر ایک الم ناک لرزہ طاری تھا۔ اور مجھے اپنا شدت غم سے ڈوبتا ہو محسوس ہو رہا تھا۔ میری اپنی آنکھوں میں بھی اشکوں کا سیلاب امڈ آیا، اس پر فارس آفندی نے جھک کر میری پیشانی کو چوما اور غم زادہ لہجے میں، خدا حافظ میرے بیٹے خدا حافظ کہتا ہوا چل دیا۔

ایک بوڑھے انسان کے آنسو، جوان آدمی کے آنسوؤں سے زیادہ اثر انگیز

ہوتے ہیں کہ یہ اس کمزور جس کی آخری پونجی ہوتے ہیں شباب کا آنسو پھولوں پر ٹپکتی ہوئی شبنم کی طرح ہے اور بوڑھاپے کے آنسو ان زرد پتوں کی طرح ہیں جو خزاں کے پہلے جھونکوں ہی سے بکھر جاتے ہیں.....!

جب میں فارس آفندی کرامی کے گھر سے چلا تو سلمٰی کی حلاوت بھری باتیں میرے کانوں میں رس گھولتی رہیں، اس کا حسن، ہمزاد کی طرح میرے ساتھ رہا اور اس کے باپ کے آنسو میرے ہاتھ پر ٹپکتے رہے!

سلمٰی کے گھر سے میرا سفر، آدم کے خروج بہشت کی طرح تھا، لیکن یہاں میرے دل کی اولین عورت (حوا) میرے ہمراہ نہ تھی کہ دنیا کو میرے لئے جنت ارضی بنا دیتی وہ شب کہ جس کی کوکھ سے میں نے دوسرا جنم لیا تھا، اسی شب کو میں نے فنا کا چہرہ بھی پہلی بار دیکھا تھا۔

اس سورج کی طرح کہ جس کی طمازت سینہ ارض پہ حیات وممات کا عمل جاری رکھتی ہے!

(7)

ہر وہ عمل جس کا ارتکاب رات کے اندھیرے میں کیا جائے۔ دن کا اجالا اسے عیاں کر دیتا ہے تنہائی میں کئے گئے راز جلد ہی ہر کسی کے ہونٹوں پہ آشکار ہونے لگتے ہیں۔۔۔ ہمارے دو اعمال کہ جنہیں ہم حال کے پراسرار گوشوں میں مخفی رکھتے ہیں، مستقبل انہیں اٹھا کے اجالے میں لے آتا ہے۔!

اسی طرح بشپ غالب نے شب کے اندھیرے میں جو بات فارس آفندی سے کہی تھی وہ جلد ہی صبح کے اجالے کی طرح ہر سو پھیل گئی اور دوسروں کے ہونٹوں سے ہوتی ہوئی، آخر میرے کانوں تک بھی آ پہنچی۔

بشپ غالب نے فارس آفندی سے جو مشورہ کیا تھا اس کا تعلق غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کے مسائل سے نہ تھا۔ فارس آفندی کو اس لئے بلوایا گیا تھا کہ بشپ

غالب سلمیٰ کو اپنے برادر زادہ مقصود بے غالب کے قبہ خانے کی زینت بنانے کا آرزومند تھا۔

سلمیٰ، اپنے باپ کی بے شمار دولت کی واحد مالک تھی اور اس کی یہی خوبی بشپ غالب کے لئے مہمہ کشش بنی! بشپ کو سلمیٰ کے بے مثل حسن و جمال سے کوئی واسطہ نہ تھا، اسے سلمیٰ کی تقدس و شرافت سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی، اسے تو فارس آفندی کی دولت و ثروت سے غرض تھی اور اسی حرص زر نے اسے سلمیٰ کے انتخاب پر مجبور کیا تھا۔۔وہ جانتا تھا کہ یہ شادی اس کے بھتیجے کو نہ صرف دولت مند بلکہ شہر کی معزز ترین شخصیت بنا دے گی۔

مشرق کے مذہبی راہ نما اپنی فیاضی ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ خاندان کے ہر ادنی و اعلیٰ کو جابر قاہر بنانے کی کوشش کرتے ہیں! شخصی حکومت میں، اقتدار ایک واحد ولی عہد در ولی عہد منتقل ہوتا رہتا ہے لیکن مذہبی اقتدار، پورے خاندان میں یکساں مکر وریا کے ساتھ تقسیم ہوتا ہے، برادران اور برادر زادگو برابر برابر حصہ ملتا ہے، اس طرح یہودی ربی، عیسائی پادری، مسلمان پیر اور ہندوؤں کے برہمن پنڈت ایسے بحری عفریت کا روپ دھار لیتے ہیں جو شکار کو اپنے بے شمار پنجوں سے دبوچ کے، اور پھر بے شمار ہونٹوں کے ساتھ اس کا خون چوستے رہتے ہیں!

جب بشپ نے سلمیٰ کو اس کے باپ سے مانگا تو بدنصیب باپ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور چہرے پر حزن و ملال کے سائے رقص کرنے لگے۔وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو خود سے جدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔ایسا سنگدل کون ہوگا جس کی اکلوتی اولاد کو اس سے چھینا جائے اور اس کا دل نہ کٹ جائے؟

والدین کا غم اور مسرت اس صورت میں ایک دوسرے کا نعم البدل ہوتی ہیں کہ بیٹی کی شادی پر محسوس ہونے والا غم، بیٹے کی شادی سے حاصل ہونے والی مسرت کا بدل ہوتا ہے ایک شادی خاندان کے ایک فرد کو جدا کرتی ہے اور دوسری ایک نئے فرد

کا اضافہ کر دیتی ہے!

فارس آفندی نے بادل نخواستہ، بشپ کی تجویز مان لی، کیونکہ وہ اس کے بھتیجے سے بخوبی واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ منصور بے غالب خباثت نفرت اور شیطانیت کا مجسمہ ہے!

لبنان میں بشپ کی عداوت مول لینے کی جرات کوئی نہیں کرتا، لبنان کے مذہبی راہنما کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا باعزت زندگی نہیں گزار سکتا اپنے سینے میں پیوست ہونے والے خنجر کو دیکھ کے کوئی آنکھ مدافعت نہیں کر سکتی اور گلے پر حملہ آور ہونے والی تلوار کوئی ہاتھ نہیں روک سکتا بشرط کہ خنجر اور تلوار بشپ یا پادری کے ہاتھ میں ہوں!

اگر فارس آفندی نے انکار کر دیا ہوتا تو سلمٰی سارے لبنان میں رسوا کر دی جاتی لوگ اس کی رسوائی اور گناہ کے قصے چٹخارے لے لے کے بیان کرتے اور اس کی حیثیت دھتکاری ہوئی چیز مل کی سی ہو جاتی!

سو اس طرح دست قضائے سلمٰی کو دبوچا اور مشرق کی غلام اور بدنصیب عورتوں کے جلوس میں پھینک دیا اور وہ پاکیزہ روح جو محبت کی سفید پروں پہ بیٹھ کے آسمان کی تابندہ اور معطر فضاؤں میں تیرتی رہی تھی، زمین کے غلیظ گڑھے میں گرا دی گئی!

بعض جگہوں پر والدین کی دولت و ثروت اولاد کے لئے نحوست اور آزاد کا سبب بن جاتی ہے! مضبوط اور کشادہ تجوری جسے میاں بیوی اپنی اولاد کے لئے محفوظ کئے رکھتے ہیں ان کی اولاد کی روحوں کے لئے تنگ و تاریک اور منحوس قفس بن جاتی ہے دنیا جس کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ ایک دن اژدھا بنکر ان کے قلب و روح کو نگل جاتا ہے!

ایک ہفتہ بیت چکا تھا۔

سلمٰی کی محبت میری واحد رفیق تھی، یہ محبت، شب کو مجھے مسرت بھرے نغمے سناتی

اور صبح کے اجالے کے ساتھ ہی مجھ پہ اسرار حیات منکشف کرتی، یہ محبت۔۔۔ یہ روح پہ اتری ہوئی محبت بغض و کینہ سے مبرا ہوتی ہے۔ یہ روح کو بھی اذیت نہیں پہنچاتی۔ یہ ایک عمیق موانست ہے جو نفس کو قناعت اور طمانیت کے پانیوں میں غسل دیتی ہے، محبت کی شدید اشتہا کہ جب وہ سیر ہو جائے تو روح کو فیاضی عطا کر دیتی ہے۔۔۔ یہ ایک طاقت ہے جو نفس کے اندر امید کی تخم ریزی کرتی ہے۔۔۔ یہ ایک قوت ہے جو زمین پر جنت کی تخلیق کرتی ہے اور زندگی کو حسین اور شیریں خواب میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جب میں میدانوں میں بیدار ہو تو میں نے بیدار ہوتی ہوئی فطرت میں اسے ابدیت کے روپ میں دیکھا۔۔۔ جب میں ساحل سمندر پہ گیا تو میں نے سنا لہریں ابدیت کا راگ الاپ رہی ہیں۔ اور جب میں گلیوں میں گھوما تو میں نے جمال حیات اور شان آدمیت کو دیکھا کہ وہ راہ گیروں اور محنت کشوں پہ سایہ کئے ہوئے ہے!

وہ دن پر چھائیوں اور بادلوں کی طرح بیت گئے اور میرے پاس سوگوار یادوں کے سوا کچھ نہ بچا۔ آنکھیں جو حسن بہار کی دید سے محفوظ ہوا کرتی تھیں۔ اب طوفان کا غیظ اور خزاں کی نحوست کو دیکھا کرتی ہیں، کان جو لہروں کی ابدی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے تھے اب سرکش ہواؤں کی چیخیں اور سمندر کے بے ہنگم شور و غل سنا کرتے ہیں۔۔ نفس کے حسن کائنات اور قوت انسان کے مشاہدے سے مسرور ہوتا تھا، اب اسے شکست و یاس کے احساس میں جلایا جا رہا ہے آہ، کتنے دلفریب اور حسین تھے وہ ایام محبت اور کتنی پر ہول اور وحشت ناک تھیں شب ہائے غم،

جب مجھے اپنے دل پہ قابو نہ رہا تو میں سلمٰی کے گھر روانہ ہو گیا۔ وہ معبد کہ جسے حسن نے تعمیر کیا اور محبت نے اس پر اپنی برکتیں نچھاور کیں۔ وہ معبد کہ جہاں روح سجدہ ریز اور دست بدعا ہو سکتے تھے۔ جونہی میں انکے باغ میں داخل ہوا تو مجھے یوں لگا کہ کوئی غیر مرئی طاقت مجھے اس دنیا سے اٹھا کے کسی دوسری مگر پراسرار دنیا میں لے

جارہی ہے کہ جہاں رنج ومحن سے آزاد کر دیا گیا ہوں، میں پھولوں اور پیڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے بڑھا تو دیکھا کہ سلمٰی، یاسمین کے پودے کی اوٹ میں خاموش بیٹھی ہے۔

ٹھیک اسی جگہ جہاں آٹھ روز پیشتر میں اور وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس رات کہ جسے ابو بیت نے میرے غم ونشاط کے آغاز کے لئے منتخب کیا تھا۔

میں اسکے قریب پہنچا تو وہ پھر بھی خاموش رہی اور اس کے وجود میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہوئی، اس کے وجدان نے شاید میری آمد کی اطلاع اسے دیدی تھی۔ جب میں بیٹھ چکا تو ایک لمحے بعد اس نے مڑ کر میری جانب دیکھا اور پھر سوئے فلک دیکھنے لگی، ساعتیں قدم قدم گزرتی رہیں اور پھر ایک سحر آفریں خاموشی کے بعد اس نے میرا ہاتھ اپنے لرزیدہ ہاتھ میں لے لیا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

رفیق من، میری جانب دیکھو، میرے چہرے کو غور سے دیکھو یا حبیبی اور جسے جاننے کی تمنا ہے اسے جانو، جسے میرے لب نہیں کہہ سکتے اس راز کو سمجھنے کی کوشش کرو، مجھے غور سے دیکھو محبوب من۔۔۔"

اور میں نے اپنی نظریں اس ک چہرے پر پھیلا دیں۔۔۔ وہ آنکھیں جو چند روز پہلے ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ اور پھولوں کی طرح مسکرا رہی تھیں وہ اندر کو دھنس گئی ہیں اور ان پر غم اور کرب کی زردی پھیل گئی ہے۔ چہرہ جو صبح کے بوسوں سے کھلنے والی سوسن کی پتیوں کے نقوش ابھارتا تھا، اب مرجھا چکا ہے اور اسکی رنگت اڑ چکی ہے، اس کے گلابی وشیریں ہونٹ گلاب کی مرجھائی ہوتی پتیوں کی طرح سوکھ گئے تھے اور ہاتھی دانت سے تراشی ہوئی گردن یوں خمیدہ ہوگئی تھی جیسے غم کا بوجھ سہتے سہتے جھک گئی ہو!

سلمٰی کا چہرہ تبدیل ہو چکا تھا لیکن میرے نزدیک اس کے چہرے کی یہ کیفیات بادلوں میں سے گزرنے والے مہتاب کی طرح تھیں کہ اس طرح اس کا حسن اور بھی

دل فریب ہو جاتا ہے۔ وہ اک نگاہ جو دلی اضطراب کی غماز ہو، چہرے کے حسن کو اور بھی نکھار دیتی ہے۔ لیکن وہ چہرہ جو غم کو سکوت کے پردوں میں چھپائے رہتا ہے وہ مرجھائے ہوئے پھولوں کیطرح ہے۔ شفاف پیالے میں چھلکتی ہوئی مے، غبار آلود جام میں بند مے سے زیادہ پرکشش ہوتی ہے۔

اس شب، سلمٰی شراب طہورہ کے جام کی طرح تھی کہ جو زندگی کی حلاوتوں او تلخیوں کا بھرپور امتزاج تھی۔۔۔۔ جو دفر اموشی کے اس عالم میں وہ مشرقی عورت کو بھرپور علامت تھی۔۔۔ کہ جب تک اس کی گردن میں شہر کا جوانہ ڈالا جائے وہ گھر سے نہیں نکلتی۔ وہ اپنی ماں کی آغوش سے صرف اس وقت جدا ہوتی ہے جب اسے غلام بنادیا جاتا ہے۔

میں سلمٰی کے چہرے کو دیکھتا رہا اور اس کی مظلوم روح کے نوحے سنتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ وقت کی نبضیں تھم گئی اور کائنات لاوجود ہوگئی ہے۔ مجھے صرف سلمٰی کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں، غم اور کرب میں جکڑی ہوئی آنکھیں اور یا پھر اتنا ہوش تھا کہ اس کا سرد اور بے جان ہاتھ میرے ہاتھ میں لرز رہا ہے!

اور پھر سلمٰی کی آواز نے مجھے چونکا دیا، وہ کہہ رہی تھی۔

''سنو رفیق من، مستقبل اپنی تمام تر وحشتوں کیساتھ ہماری طرف بڑھ رہا ہے اس سے پہلے کہ وہ ہمیں نگل جائے، ہمیں ان لمحات تنہائی سے محفوظ ہو لینا چاہیے، میرا باپ آج رات اس شخص کی ملاقات کو گیا ہوا ہے جس کے ہاں میرے لئے قفس تیار کیا جا چکا ہے۔ جس کے ہاں مجھے تمام زندگی غلام بن کے رہنا ہوگا، دونوں خاندان آج مل بیٹھ کے شادی کی تاریخ طے کریں گے کتنی عجیب بات ہے، ہے نا؟ گزشتہ ہفتے، یاسمین کے اسی پودے کے پاس اور اسی وقت محبت نے مجھے پہلی بار اپنی آغوش میں لیا تھا اور اسی وقت بشپ کے گھر دست قضا میری داستان غم کا پہلا باب لکھ رہا تھا

اور آج کہ میرا باپ اور بشپ میری شادی کی تاریخ مقرر کرنے والے ہیں، میں دیکھتی ہون کہ تمہاری روح میرے اوپر اس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی ہے جسے پیاس کی شدت نے نڈھال کر رکھا ہو وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں مگر چشمے کے قریب لیٹے ہوئے اژدھے کا خوف اسے قریب نہ آنے دے رہا ہو، آہ کتنی عظیم اور کتنی عجیب ہے یہ رات اور کتنے عمیق ہیں اس کے اسرار!''

سلمٰی کے الفاظ سن کے مجھے محسوس ہوا کہ نو امیدی کے آسیب نے آغاز محبت ہی میں ہمارا گلا گھونٹ دیا ہے۔

پرندہ چشمے کے اوپر پھڑ پھڑا تا رہے گا، پیاس اسے بے جان کر دے گی اور وہ اژدھے کا شکار بن جائیگا۔ میں نے کہا۔

اس نے مضطرب لہجے میں جواب دیا۔

یوں نہ کہو میرے محبوب، اس پرندے کو زندہ رہنا چاہیے تا وقت کہ اندھیرا اپنے پر پھیلا دیا اور موسم گل بیت جائے ، جب تک یہ دنیا قائم ہے اور جب تک فنا کی ساعت نہیں آجاتی، اس کی آواز خاموش نہیں ہونی چاہیے۔۔ اس لئے کہ اس کی آواز میرے دل کو زندگی بخشتی ہے۔ اس کے پر شکستہ نہیں ہونے چاہییں کہ ان کی پھڑ پھڑاہٹ سے میرے غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔۔۔''

تب میں نے دھڑلے سے کہا۔

رفیقہ من، سلمٰی پیاس اسے بے جان کر دے گی اور خوف اسے موت کی آغوش میں پھینک دے گا۔''

اس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے جواب دیا۔

''مادی اشیاء کے مے سے روح کی پیاس حلاوت تر ہے اور روح کا خوف، جسم کی حفاظت سے افضل ہے۔ لیکن غور سے سنو میرے محبوب، آج میں ایک انجانی زندگی کی دہلیز پہ کھڑی ہوں، میں اس اندھے انسان کی طرح راستہ ٹٹولتی پھرتی ہوں جسے

ہر لمحہ گر جانے کا خوف لگا رہتا ہے۔میرے باپ کی دولت وثروت نے مجھے غلاموں کی منڈی میں پہنچا دیا ہے اور اس آدمی نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں اسے نہیں جانتی لیکن جاننا پڑیگا، مجھے اس سے زرہ برابر محبت نہیں، لیکن محبت کرنا پڑے گی۔ مجھے اس کی کنیز بن کر رہنا پڑے گا، اس کی خدمت کرنا پڑیگی اور اسے خوش رکھنا پڑیگا۔اور اسے وہ سب کچھ دوں گی جو ایک کمزور عورت، طاقتور مرد کو دے سکتی ہے۔!

''لیکن تم، میرے محبوب تم ابھی عنفوان شباب میں ہو۔تم زندگی کے گلپاش اور فراخ راستے پر آزادی سے گامزن ہو سکتے ہو، اپنے دل کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے زندگی کے تاریک راستوں کو منور کرتے جانا، تمہارے قول وفعل پر کسی کا پہرہ نہیں تم آزاد ہو میرے محبوب اور چونکہ تم مرد ہو اس لئے رخ ہستی پہ اپنا نام رقم کر سکتے ہو، تم اپنی زندگی کے خود مالک ہو، اس لیے کہ تمہارے باپ کی دولت وثروت نے تمہیں غلاموں کی منڈی میں نہیں بیچا، تم من چاہی دوشیزہ سے شادی کر سکتے ہو اور اپنے گھر میں لانے سے پہلے تم اسے اپنے دل میں بسا سکتے ہو،

ایک لمحہ کے توقف کے بعد وہ پھر بولنے لگی۔

''لیکن کیا یہ سچ ہے کہ زندگی نے ہمیں ایک دوسرے الگ کر دیا ہے اور اب تم ایک پر جلال مرد اور میں ایک عورت بن جاؤں گی، کیا اسی لئے مرغزار بلبل کے نغموں کو اپنی گہرائیوں میں چھپا لیتے ہیں؟ ہوا، گلاب کی پتیوں کو بکھیر دیتی ہے اور مے سے لبریز جام پاؤں تلے کچل دیئے جاتے۔

وہ راتیں جو ہم نے مہک چاندنی میں یاسمین کے قریب بیٹھ کر گزاری تھیں اور جہاں ہماری روحوں نے ملاپ کی مے چکھی تھی، کیا وہ خوابوں کی طرح ناپائیدار تھیں۔۔۔؟ کیا ہم ستاروں کی جانب محو پرواز نہ تھے کہ ہمارے پر مفلوج ہو گئے اور ہم جہنم کے پاتال میں گر گئے؟

کیا ہماری روحوں پر نازل ہوتے وقت محبت خواب کے عالم میں تھی کہ جب وہ

بیدار ہوئی تو اس کے حکم سے ہمیں تعزیر کے قفس میں اسیر کر دیا گیا، یا ہماری روحوں نے شمیم شب کو سرکش آندھی میں بدل دیا تھا کہ اس نے ہمیں ریزہ ریزہ کر کے میدانوں میں بکھیر دیا، ہم نے کسی حکم خداوندگی بغاوت نہیں کی تھی اور نہ ہی ہم نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تھا پھر کس جم کی پاداش میں ہمیں جنت ارضی سے خروج کا حکم دیا گیا، ہم نے کسی سازش کا ارتکاب کیا اور نہ کسی گناہ سے ملذ ہوئے، پھر کس گناہ کی پاداش میں ہمیں جہنم میں پھینک دیا گیا ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں رفیق من، وہ لمحات جو ہم نے ایک ساتھ گزارے ہیں وہ صدیوں کی بے کیف زندگی سے حسین تر ہیں، وہ روشنی جس نے ہمارے انفاس کو منور کیا وہ تاریک سے قوی تر ہے کیا ہوا اگر طوفان نے ہمیں پانی جگی بے رحم وسعتوں میں ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے پر سکون ساحل پر لہریں ہمیں پھر یکجا کر دیں گی۔ یہ زندگی ہمیں فنا کر دیگی تو کوئی غم نہیں، کہ موت ہمیں وصال کی آغوش میں پچھالے گی، عورت کا دل وقت اور زمانے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتا۔ اس کی موت حیات ابدی کا دوسرا نام ہے۔ فنا پہ حرام ہے، عورت کا دل میدان جنگ کی طرح ہے کہ جہاں پیر اکھڑ جاتے اور گھاس جل جاتی ہے پتھر لہو سے سرخ ہو جاتے ہیں اور زمین میں جسم اور کھوپڑیاں بوئی جاتی ہیں جنگ کے اختتام پر وہ یوں خاموش ہو جاتا ہے جیسے وہ کسی جنگ سے آشنا نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بہار اور خزاں اپنے اپنے وقت پہ آتے ہیں بہار پھولوں کو جنم دیتی ہے او رخزاں انہیں بکھیر دیتی ہے؟''

اور اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حبیب من، ہم کیسے جدا ہوں گے؟ اور پھر کب ملیں گے، کیا ہم محبت کو ایک اجنبی سمجھیں کہ شام کو وارد ہو اور صبح کو ہمیں چھوڑ کے چلتا بنا؟ یا ہم اس محبت کو خواب تصور کریں کہ جو نیند کے عالم میں ہم پہ اترا اور بیداری میں ہم سے جدا ہو گیا۔''

کیا یہ تمام عرصہ پل بھر کے خمار ایسا تھا کہ جس کے ڈھلتے ہی ہم زندگی کے بیابان

میں آ گئے؟سر اٹھاؤ جان من اور مجھے اپنا چہرہ دیکھنے دو، کہ میری بصارت تمہاری دید کی پیاسی ہے۔۔۔اپنے لب وا کرو میرے دوست، کہ تمہارے لہجے کی حلاوت، میری سماعت میں رس گھولتی ہے۔۔بولو، میرے محبوب، میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ براہ خدا اپنے ہونٹوں کو اذن گویائی دو کہ تمہاری مخزون خاموشی مجھے فنا کے بعد بھی مجھے یاد رکھو گے، میری موت کے بعد بھی میرے پروں کی سرگوشیاں سنا کرو گے۔۔۔اور اپنے اوپر میری جھلملاتی روح کو دیکھا کرو گے؟ بولو جان من، میری آہوں کی موسیقی بنا کرو گے،، کیا میرے سائے کو دیکھا کرو گے جو وقت غروب آفتاب شفق کے ساتھ ساتھ پھیلے گا اور طلوع سحر کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو جایا کرے گا۔۔ مجھے بتاؤ محبوب من، اس ہجر ناگزیر کے بعد تم میرے لئے کیسے زندہ رہو گے؟ میرے آنکھوں میں روشنی بن کے رہو گے یا کوئی شیریں نغمہ بن کے سماعت میں گونجا کروں گے، یا میری روح کے پنکھ بنو گے کہ فضائے بے کراں میں اس کے سنگ سنگ پرواز کرتے رہو۔۔؟ بول نا یار رفیقی؟''

ان لفظوں نے میرے دل کو جیسے پگھلا کے رکھ دیا ہو، کہ میں نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ تمہاری رضا پہ منحصر ہے جان آرزو!''

تب وہ یوں گویا ہوئی۔

''میری خواہش ہے کہ تم مجھے یاد رکھو جیسے شاعر اپنے دل گداز نظموں کو یاد رکھتا ہے ہمیری رضا یہ ہے کہ تم مجھے اس طرح یاد رکھو جیسے کوئی مسافر اس جھیل کو یاد رکھتا ہے کہ جس کے شفاف پانی میں اسے اپنے سائے کو تیرتے دیکھا تھا۔ میں چاہتی ہوں تم مجھے یوں اپنی یادوں میں بسائے رکھو جیسے کوئی ماں اپنے لخت جگر کو یاد رکھتی ہے جو وقت ولادت اس کی آغوش میں آنکھیں کھولے بغیر ابدی نیند سو جاتا ہے۔میری تمنا ہے کہ تم مجھے اس طرح یاد رکھو، جس طرح کوئی بادشاہ اس قیدی کو یاد رکھتا ہے کہ جو

اس کے حکم معافی سے پہلے ہی وہ دار پہ لٹکا جا چکا ہو، میں چاہتی ہوں کہ تم میرے دل میں سوز دروں بن کے رہو کہ دنیا صرف غم ہی مستقل اور ابدی ہے میری التجا ہے کہ تم میرے بدنصیب باپ کے غم گسار بن کے رہو کہ کوئی وقت جانا ہے۔، مجھے ان کی شفقت بھری گود سے چھین لیا جائیگا۔ میری جدائی انہیں نڈھال کر دے گی۔ ایسے میں صرف تم ہی ان کی دل جوئی کر سکو گے، اور اس طرح انہیں تنہائی کے عذاب سے نجات مل جائیگ۔۔۔۔!''

میں نے جواب دیا۔

''تمہاری آرزوئیں میرے لئے مقدس احکامات ہیں جان من ان احکام کی تکمیل میری سعادت اور خوش نصیبی ہے، میں اپنی روح کو تمہاری کانشیمن بنا دوں گا۔ اپنے دل کو تمہارے حسن وہ جمال کا مسکن سمجھوں گا اور تمہارے غم کو اپنے سینے میں دفن کر لوں گا۔۔ میں تمہاری محبت میں نغمہ سرا ہوں گا جیسے پریر زموسم گل کے نغمے الاپتا ہے، میں تمہارے تصور میں یوں زندہ رہوں گا جیسے پھول آفتاب کی کرنوں تلے نمو پاتا ہے، میں تمہارے شیریں نام کو یوں دہرایا کرونگا جس طرح وادی، مقدس گھنٹیوں کی صدائے بازگشت کو دہراتی ہے میں تمہاری روح کی آواز اس طرح سنا کروں گا جس طرح ساحل، موجوں کی داستاں سنتا رہتا ہے، میں تمہیں اس طرح یاد کیا کروں گا، جیسے کوئی جلاوطن اپنے وطن کو یاد رکھتا ہے۔۔ اور میں تمہیں یوں یاد رکھوں گا جیسے کوئی فاقہ کش ضیافت کو یاد رکھتا ہے اور جس طرح کوئی محروم تخت شہنشاہ اپنے جاہ وجلال کو یاد رکھتا ہے اور جس طرح کوئی اسیر، آزادی اور سکون کو یاد کرتا ہے ہے۔۔۔۔ اور ۔۔جسطرح چرواہا گنگناتی ندیوں اور سبزہ زاروں کو یاد رکھتا ہے۔''

سلمٰی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میری باتیں سنیں اور کہنے لگی۔

''کل صداقت محض پرچھائیں اور بیداری خواب بن جائے گی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی عاشق پرچھائیں کو سینے سے لگائے اور اس کی روح سیراب ہو جائے؟

''اور کیا ممکن ہے کہ پیاسا انسان چشمہ خواب سے اپنی پیاس بجھالے!''

میں نے جواب دیا۔

''کل تقدیر تمہیں ایک پر امن گھرانے میں لے جائے گی اور مجھے میدان جنگ میں پہنچا دے گی ہم اس مرد کے حرم میں داخل کر دی جاؤ گی جسے تمہارے باپ کی دولت وثروت اور تمہارے حسن وتقدس نے اقبال مند بنا دیا۔ اور میں منحوس اور دکھی بھری دنیا میں تنہا رہ جاؤں گا۔''

''کل تم باب حیات میں داخل ہوگئی اور میں زندان موت میں!''

''تمہیں مسکراہٹوں اور قہقہوں کے ساتھ خوش آمدید کہا جائیگا، جبکہ میں تنہائی کی لحد میں اتر جاؤنگا۔

میں وادی موت میں محبت کی مورتی بنا کے اس کی پرستش کیا کروں گا۔''

''محبت میرے لئے سکوں آور ہوگی۔ میں اسے مے سمجھ کے پیؤں گا اور خلعت بنا کے زیب تن کروں گا، محبت وقت سحر مجھے نیند سے بیدار کرے گی اور اپنے ساتھ سبزہ زاروں اور بیابانوں میں لے جائے گی اور دوپہر مجھے پیڑوں کے سائے تلے لے آئیگی۔ شام کو یہ مجھے ڈھلتے ہوئے سورج کیسامنے کھڑا کر دے گی کہ فطرت کے الوداعی نغمے سے محظوظ ہوسکوں۔ شب کو محبت مجھے اپنے سینے سے لگالے گی، میں نیند سے مخمور ہو جاؤں گا۔۔ اور۔۔ عالم بالا میں شاعروں اور عاشقوں کی ارواح کو پھڑ پھڑاتے ہوئے سنوں گا۔

''موسم گل میں، میں اور میری محبت، ہاتھوں میں ہاتھ لئے یاسمین اور بنفشے کے پھولوں سے ہم کلام ہوں گے اور میں نرگس کی آنکھوں سے مشروب شبنم پیوں گا۔

''خزاں میں، میں اور میری محبت انگور کی بیلوں کے پاس بیٹھ کے انگوروں کے سنہرے گچھوں کو دیکھا کریں گے اور ہجرت کرتے ہوئے پرندوں پھڑ پھڑاہٹ سنا کریں گے۔ سرد راتوں میں ہم آگ کے الاؤ کے قریب بیٹھ کے عہد رفتہ کی داستا

نیں اور گم شدہ وقتوں کے قصے دہرایا کریں گے۔ عہد شباب میں محبت میری معلم ہوگی۔ زندگی کے درمیانی دور میں میری معاون اور ضعیفی میں میری راحت ہوگی!

''محبت زندگی کے آخری سانسوں تک میرے ساتھ رہے گی سلمٰی اور فنا کے بعد دست قدرت ہمیں پھر سے وصال کی نعمت سے سرفراز کریگا۔''

یہ الفاظ میرے قلب کی گہرائیوں سے یوں پھوٹ رہے تھے جیسے آتش دان سے آگ کے شعلے لپک رہے ہوں اور سلمٰی یوں اشک بار تھی جیسے وہ اپنی آنکھوں سے در دکا نوحہ کہہ رہی ہو۔

جنہیں محبت نے بال و پر عطا نہیں کئے وہ محبت کی وادی طلسمات میں نہیں پہنچ سکتے کہ جہاں میری اور سلمٰی کی روحیں اس لمحہ کرب میں زندہ تھیں جو محبت کے نقش قدم پہ نہیں چلتے، ان کی سماعت مفلوج ہو جاتی ہے کہ وہ پھر اس کی پکار سننے سے محروم رہتے ہیں۔۔اور یہ فسانہ محبت بھی ان کے لئے نہیں لکھا گیا وہ ان صفحات کو سمجھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں وہ ان میں پوشیدہ معنوی پرچھائیوں کو گرفت میں نہیں لا سکتے کہ یہ لفظوں کے پیرہن سے بے نیاز ہیں اور صفحات قرطاس ان کا مسکن نہیں ہے، کتنا بدنصیب ہے وہ انسان جس نے مے، محبت کے جام سے نہیں پی اور کتنی بد بخت ہے وہ روح جو اس پر نور معبد میں کبھی نہیں گئی کہ جس کی روشنیں عورتوں اور مردوں کے محبت بھرے دلوں سے مزین ہیں؟ اور جس کی چھتیں محبت کے اسرار سے منقوش ہیں! اور کتنا نامسعود ہے وہ پھول کہ جس کی پتیوں پر سحر نے شبنم کے موتی نہیں بکھیرے اور کتنی بدنصیب ہے وہ ندی جس کے مقدر میں بحر بے کراں کو وصال نہیں!

سلمٰی نے اپنی نظریں اوپر اٹھائیں اور تاروں بھرے آکاش کو دیکھنے لگی، اس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں، آنکھیں ساکت ہوگئیں اور ہونٹ لرزنے لگے اور اس کے زرد چہرے پر غم واندوہ اور کرب ویاس کی پرچھائیں سی تیرنے لگیں، پھر وہ شدت کر

ب سے چلا اٹھی!

''تو نے عورت پر اتنا ظلم کیوں روا رکھا ہے؟ وہ کس گناہ عظیم کی مرتکب ہوئی ہے کہ جس کی اسے اتنی کڑی سزا دی گئی ہے۔۔ کس جرم کی پاداش میں اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیا گیا ہے۔۔۔ اے خداؤں کے خدا، تو قوی ہے اور میں ضعیف ہوں؟ تو نے مجھے اس کرب میں کیوں مبتلا کر دیا ہے؟ تو قادر مطلق ہے اور میں حشرات الارض کی طرح ایک حقیر مخلوق کہ جو تیرے پر جلال تخت کے نیچے رینگ رہی ہو، کیا پھر بھی کچلنا ضروری تھا۔۔؟ تو ایک طوفان عظیم ہے اور میں بے مایہ دھول۔۔ پھر اے رب عظیم، تو نے مجھے یخ بستہ زمین پر کیوں جا پھینکا؟ تو قومی اور پر جلال ہے اور میں حقیر و کمزور ہوں۔ پھر تو مجھ سے کیوں جنگ آزما ہے؟ تو مشق اور میں بے خطا، ایسے میں مجھے کیوں برباد کر رہا ہے۔ تو نے عورت کو محبت بھرے دل کیساتھ تخلیق کیا ہے اور پھر محبت ہی سے اسے تباہ کر رہا ہے۔۔؟ اپنے دائیں ہاتھ سے تو نے اسے معراج سے سرفراز اور اب بائیں ہاتھ سے تحت الثری میں پھینک دیا؟ آخر کیوں۔۔۔ اس کی سانسوں میں تو نے زندگی کی روح پھونکی اور دل میں موت کا بیج بو دیا۔۔ کس خطا کے بدلے میں۔۔ تو نے ہی اسے راہ نشاط دکھائی تھی اور اب خود ہی اسے بدبختی کے راستے پر ڈال دیا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔۔؟ اس کے ہونٹوں پر تو نے مسرت بھرا نغمہ اتارا تھا اور اب اس کی زبان کو آتش عذاب میں ڈال دیا ہے۔۔ اس کی سیج پہ تو نے سکون و نشاط کی کلیاں بکھیریں، لیکن پہلو میں خوف اور شکست بھی رکھ دی اپنی رضا سے تو نے اسے حسین تخلیق سے نوازا لیکن حسن محبت اس کے لئے عذاب بنا دیا گیا۔۔ تو نے اسے مے حیات، فنا کے جام سے فنا کی مے، جام حیات سے پلائی، تو نے اسے اشکوں سے غسل دیکے نکھارا اور پھر یہی اشک اسکی زندگی کو بہالے گئے۔ تو نے میری آنکھوں کو محبت کی ضیا بخشی اور پھر اسے روشنی کے ساتھ میری بصارت چھین لی۔۔۔ تو نے اپنے مقدس لبوں سے مجھے چوما

لیکن اپنے طاقت ور ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیا۔۔تو نے میرے دل میں سفید گلاب اگایا لیکن اسکے گرد کانٹوں کی باڑھ بچھا دی۔۔تو نے میرے امروز کو ایک نوجوان کی روح سے وابستہ کر دیا، کہ جو میرا محبوب ہے، لیکن میرے مستقبل کو اس آدمی کی آغوش میں پھینک دیا کہ جو میرے لئے ان دیکھا اور ان جانا ہے اے رب عظیم میری مدد فرما کہ میں اس جان لیوا کشمکش سے نجات پا سکوں۔ مجھے صداقت اور تقدس کیساتھ ابدی نیند سلا دے تو قادر مطلق ہے اے رب ذوالجلال، خاموشی طاری رہی سلمٰی نے نظریں جھکا لیں۔چہرے پر یاس کی زردی چھائی ہوتی تھی۔اس نے بازو نیچے گرا دیئے تھے اور گردن یوں خمیدہ تھی کہ جیسے سرکش آندھی نے کسی شاخ کو پیڑ سے توڑ دیا ہو گا۔

میں نے سلمٰی کے سرد ہاتھ کو تھاما اور اس پہ محبت کا تقدس بھرا بوسہ ثبت کر دیا کہ اس کی شکستہ روح کو تشفی دے سکوں، حالانکہ میری ہستی میں اس سے بڑھ کے شکست و ریخت ہوئی تھی اور ترحم آمیز لفظوں کی احتیاج مجھے اس سے کہیں زیادہ تھی۔میں خاموش رہا اور احساس محرومیت کیساتھ اپنے دل کی دھڑکنوں کا شمار کرتا رہا!

خاموشی ایک عذاب الیم ہے ہم دونوں آتش سکوت میں جل رہے تھے۔لگتا تھا ہم مرمریں ستون ہیں جو سلگتی ہوئی خاموشی کی ریت میں دفن ہو گئے ہیں، ہم گویائی پر قادر نہیں رہے تھے۔ہمارے رشتے دل اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ایک ذرا تکلم بھی انہیں شکستہ کر سکتا تھا۔

رات اپنے اختتام کے نصف میں تھی۔طور سنین کے عقب سے طلوع ہوتے ہوئے، زرد چاند کو دیکھ کے مجھے یوں لگا کہ یہ ستاروں کے درمیان چاند نہیں کسی لاش کا رخ زرد ہے کہ جس کے اردگرد قندیلوں کی مدھم مدھم سی روشنی لرز رہی ہے۔

اور میرا محبوب شہر لبنان اس سال خوردہ بوڑھے کے مشابہ تھا کہ جس کی کمر زندگی کے بوجھ سے دوہری ہو گئی ہو، اور جو اپنی نیند سے محروم آنکھوں کے ساتھ تاریکی کا

لبادہ اوڑھے طلوع سحر کا انتظار کر رہا ہو، اس شہنشاہ کیطرح جو اپنے محلات کے ملبے میں تخت کی راکھ پہ بیٹھا ہو،

شجر وہ حجر میں صحرا اور دریا، وقت کے نشیب و فراز کیساتھ ساتھ اپنی نمود بدلتے رہتے ہیں۔۔ جیسے انسان اپنے تجربات و احساسات کے زیر اثر تغیر پذیر رہتا ہے۔ حور کا پیڑ کہ جو دن کے اجالے میں عروس نو کی طرح دکھائی دیتا ہے شب کے اندھیر میں وہی شجر حور، دھوئیں کے ستون ایسا روپ دھار لیتا ہے یا جبروت چٹانیں کہ جو دوپہر کی دھوپ میں ناقابل تسخیر دکھائی دیتی ہیں، وہی چٹانیں رات کی تاریکی میں کسی مفلس کی طرح مغموم جان پڑتی ہیں۔۔۔ نور سحر میں جھلملاتی اور ابدیت کی حمد الاپتی ہوئی ندی، شام کو اس ماں کے آنسوؤں کی دھارا بن جاتی ہے کہ جس کا لخت جگر اس سے چھین لیا گیا ہو اور وہ اس کی ابدی جدائی میں بین کر رہی ہو۔

اور لبنان جو ایک ہفتہ قبل کہ جب ہماری روحیں شادمان اور شب چاندنی کا آنچل اوڑھے ہوئے تھی، باوقار لگتا تھا، آج کی رات غم واندوہ کے ساتھ تنہا رہ گیا تھا!

ہم کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کو الوداع کہنے کے منتظر رہے۔ محبت اور محرومیت ہمارے درمیان دو پرچھائیوں کی طرح، حائل ہوگئی۔ ایک کی بے رحم انگلیاں ہمارے گلے دبوچ رہی تھیں اور ایک ہماری حالت پہ نوحہ کناں تھی اور دوسری کتم کا لبادہ اوڑھے قہقہے برسا رہی تھیں۔

جونہی میں نے سلمٰی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر اسے اپنے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے چھوا تو اور بھی میرے قریب آ گئی، پھر اس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے میری پیشانی کو چوما اور چوبی بنچ پر گر گئی۔

۔۔ اور ایک لمحے کے جان لیوا توقف کے بعد بڑے ہی کومل لہجہ میں یوں گویا ہوئی، اے رب عظیم، مجھ ناتواں پہ رحم فرما، اور میرے شکستہ پروں کو پھر سے ٹھیک کر دے، سلمٰی کو باغ میں چھوڑ کے میں باہر آیا۔ اس وقت مجھے یوں لگا کہ میرے حواس

پر ایک دبیز پردہ پھیل گیا ہے، اس جھیل کی طرح کہ جس کی سطح دھند میں چھپ گئی ہو۔

پیڑوں کا حسن دودھیا چاندنی اور گہرا سکوت، ہر شے میرے لیے بدزیب اور بھیانک ہوگئی تھی، وہ مقدس روشنی جس نے مجھے کائنات کے حسن و اعجاز سے بہرہ ور کیا تھا، آج ایک لپکتا ہوا شعلہ بن کے میرے قلب و روح کو بھسم کئے دیتی تھی اور وہ ابدی موسیقی جس سے میں اب تک محظوظ ہوتا آیا تھا۔ آج صور اسرافیل کی طرح سنائی دیتی تھی اور اسکی دہشت ناک گونج میں میرے ہوش و حواس مفلوج ہو گئے تھے !

گھر پہنچ کر میں کسی گھائل پرندے کی طرح اپنے بستر پہ ڈھیر ہوگیا میرے لبوں پر سلمٰی کے الفاظ لرز رہے تھے۔

رحم فرما، اے رب عظیم، اور میرے شکستہ پروں کو پھر سے ٹھیک کر دے۔"

(8)

آج کے معاشرے میں شادی ایک مضحکہ خیز رسم ہے۔ یہ ایک ایسا مذاق ہے جس میں نوجوان اور ان کے والدین ایک ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اکثر ملکوں میں نوجوان یہ بازی جیت لیتے ہیں اور والدین کے حصے میں شکست ہی آتی ہے۔ عورت کو محض جنس تجارت سمجھا جاتا ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ حسن و جمال کی چاندنی ڈھل جاتی ہے، خوبصورتی کے گلاب مرجھا جاتے ہیں اور بوسیدہ فرنیچر کی طرح اسے گھر کے ایک کونے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

تہذیب جدید نے عورت کو قدرے دانائی بخشی ہے لیکن مرد کی حرص و ہوس نے اس کے دکھوں کو سوا کر دیا ہے۔ کل کی عورت ایک مسرور رفیقہ حیات تھی اور آج کی عورت ایک مظلوم داشتہ، ماضی میں، وہ روشنی میں اندھی آنکھوں میں چلتی تھی اور

حال میں، اندھی راہوں پر کھلی آنکھوں سے چل رہی ہے اس کے پاس علم نہ تھا، مگر حسن و جمال سے سرفراز تھی، وہ مکار نہ تھی مگر پاکیزگی میں بے مثال تھی، وہ صنف نازک تھی مگر پھر بھی قوت سے بھرپور تھی، وہ اپنے وجود میں لطیف تھی مگر تقدس میں کوہ گراں تھی۔ آج وہ ہوشیار مگر بدصورت ہے۔ تعلیم سے آراستہ لیکن ریاکار اور بے مروت ہے، وہ دن کب آئے گا جس دن حسن و آگہی، شوخی و پاکیزگی اور جسم کی لطافت اور روح کی قوت عورت کے اجزائے ترکیبی ہوں گے۔

میں اس نظریے کی حمایت میں ہوں کہ انسانی اقدار، روحانی اقدار کا پرتو ہونی چاہییں۔ روحانی ارتقا کے بغیر انسانی معاشرے میں اخلاقی قدروں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ روحانی ارتقا کا عمل سست اور صبر آزما ہوتا ہے۔ اگر عورت کی زندگی کا ایک رخ نہایت روشن، اور دوسرا اتنا ہی تاریک ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ معاشرے میں روباہ صفت اور بھیڑیا نما مردوں کی اکثریت ہے۔

یہ عجیب و غریب نسل نیند اور بیداری کے درمیان جی رہی ہے۔

اس کی مٹھی میں ماضی کی خاک اور مستقبل کے تخم بند ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں ہر شہر میں مستقبل کی نمائندہ عورت کہیں نہ کہیں مل جاتی ہے۔

سلمیٰ کرامی بھی ایک ایسی ہی عورت تھی، مشرقی عورت کے مستقبل کی روشن علامت، لیکن اس کا المیہ یہ تھا کہ وہ اپنے عہد سے بہت آگے تھی اور اسی لئے حال کے جبڑوں میں پھنس کر ختم ہوگئی وہ ایک دل آویز پھول تھی جسے آندھی نے شاخ سے نوچ کر وقت کے دریا میں بہا دیا۔ وہ جلوس حیات کے مظلوم اور شکست خوردہ راہ گیروں میں شامل تھی۔

منصور بے غالب اور سلمیٰ کرامی شادی کے بعد راس بیروت میں اٹھ گئے کہ جہاں شہر کے اکثر متمول افراد رہائش پذیر تھے۔ فارس آفندی اپنے وسیع و عریض مسکن اور باغ میں تنہا رہ گیا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے بھیڑوں کے درمیان تنہائی کی

زندگی گزارتا رہتا ہے۔شادی کے نشاط آفریں شب وروز بیت گئے اور ماہ عسل اپنے پیچھے تلخ یادیں چھوڑ گیا کہ جیسے میدان جنگ میں مردہ ہڈیاں چھوڑ جاتی ہیں۔مشرقی شادی کی تقریب نوجوانوں کے دلوں میں امنگوں کی قندیلیں روشن کر جاتی ہیں لیکن اس کا اختتام انہیں پن چکی کے پتھروں کی طرح غم کے گہرے پانیوں میں پھینک دیتا ہے ان کی شگفتگی سمندر کی ریت پر ان نقوش پا کی طرح ہوتی ہے جو لہروں کے درمیان وقفے کے بعد محو ہو جاتے ہیں۔

موسم گل آیا اور رخصت ہو گیا،خزاں آئی اور بیت گئی لیکن سلمٰی کے لئے میری محبت روز بروز جوان ہوتی گئی۔لمحہ بہ لمحہ بڑھتی رہی اور آخر میں وہ ایک خاموش پرستش میں بدل گئی۔یا پھر یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ پرستش کسی بچے کے معصوم احساس کی طرح تھی۔ایسا احساس، جو بچھڑی ہوئی ماں کے لئے عقیدت اور محبت سے لبریز ہو،میری آرزو اندھے غم میں بدل گئی تھی جو اپنے سوا کسی کو دیکھنے پہ قادر نہیں ہوتی۔ وہ جذبہ جس نے میری آنکھوں سے اشکوں کے جھرنے بہائے تھے وہ ہیبت ناک آہیں لامتناہی دعا میں بدل گئی تھیں۔۔دعا، جو سلمٰی اور اس کے رفیق حیات کے لئے مسرت اور اس کے باپ کے لئے سکون کی خواہشات سے لبریز تھی۔

مگر افسوس میری امیدیں اور دعائیں کچھ نہ کر سکیں کہ سلمٰی کی محرومیت ایک گہرے روگ سے مشابہہ تھی۔ایسا روگ جس کا علاج صرف موت کی آغوش میں ہے،

منصور بے کو زندگی کی آسائشیں آسانی سے میسر آ گئی تھیں۔لیکن اس کے باوجود وہ نا آسودہ اور حریص تھا۔سلمٰی سے شادی کرنے کے بعد وہ اس کے باپ کو مسلسل نظر انداز کئے ہوئے تھا کہ غم زدہ بوڑھا تنہائی کے زہر بھرے ایام کے ہاتھوں جلد از جلد موت کی آغوش میں سو جائے اور وہ اس دولت وثروت کا واحد وارث قرار پائے،

منصور بے، اپنے چچا بشپ غالب کی شخصیت ہی کا پرتو تھا۔ دونوں میں اگر کوئی فرق تھا، تو صرف یہ کہ بشپ کو جس شے کا حصول مقصود ہوتا، اسے چپکے سے حاصل کر لیتا، اس نے اپنی حریص اور مکروہ شخصیت کو کلیسائی عبا اور سنہری صلیب کے نیچے چھپا رکھا تھا، لیکن اس کا برادرزادہ ہر کام کھلم کھلا کرنے کا عادی تھا۔

صبح ہوتے ہی بشپ غالب گرجے میں پہنچ جاتا اور بیواؤں یتیموں اور سادہ لوح انسانوں کو لوٹتا رہتا، لیکن منصور جنسی آسودگی کے تعاقب میں سرگرداں رہتا، اتوار کو بشپ گرجے میں مقدس بائبل کا درس دیتا، لیکن اس کے اپنے اعمال، مقدس احکامات سے عاری رہتے اور سیاسی جوڑتوڑ میں پورا ہفتہ بیت جاتا، منصور بے اپنا چچا کے اثر و رسوخ سے پورا پورا مفاد حاصل کرتا۔ لوگوں کی سیاسی کامیابیوں کے عوض وہ منہ مانگی رشوت لینے کا قائل تھا، اور اپنے چچا کے مقابلے میں کہیں زیادہ دولت سمیٹ رہا تھا۔

بشپ غالب ایک ایسا چور تھا جو رات کی تاریکی میں چھپ کے واردات کرتا ہے۔ لیکن منصور بے دن کے اجالے میں لوٹنے والا ڈاکو تھا۔

لیکن، میں ایک شکستہ دل اور غم زدہ عورت کی الم انگیز داستان سے گریز کرتے ہوئے دوسروں کی کمینگی اور مکاری کے اظہار میں کیوں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ میں کچلے ہوئے مظلوم انسانوں کی حالت پہ آنو بہاتے ہوئے اس مظلوم عورت کی طرف سے کیوں صرف نظر کر رہا ہوں کہ جس کی زندگی موت کے خونیں پنجوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ میرے سارے اشک تو اس کمزور عورت کے لئے تھے۔

لیکن ٹھہریئے میں اپنے محبوب قارئین سے صرف یہ جاننا چاہوں گا کہ سلمٰی کرامی جیسی مظلوم اور کچل ہوئی عورت، پوری قوم کی علامت نہیں ہے۔ ایک ایسی قوم جو مذہبی راہ نماؤں اور حکمرانوں کے پنجوں میں جکڑی ہوئی دم توڑ رہی ہے، کیا محبت میں ناکامی عورت کو قبر سے ہم آغوش نہیں کر دیتی؟ کیا مایوسی ہمارے قلوب میں زہر

کی طرح سرایت نہیں کرتی، قوم کی بقا عورت کی بقا سے مشروط ہے، کیا تیل کے بغیر دیئے کی روشنی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

خزاں بیت گئی اور ہوا زرد پتوں کو شاخوں سے اڑا لے گئی، اور سرما کے لئے راہ ہموار کر گئی۔ میں تناہ پیڑ کی طرح بیروت میں اکیلا رہ گیا تھا۔ کوئی رفیق نہیں تھا کہ مجھے ان سپنوں سے محفوظ رکھتا، جو میری روح کو فضائے بسیط میں لے جاتے اور پھر اسے زمین کے سینے میں دفن کر دیتے تھے!

غم زدہ روحیں تنہائی میں سکون پاتی ہیں۔ انہیں کسی کی رفاقت نہیں بھاتی اس زخمی ہرن کی طرح جو زخم بھرنے تک غار میں دبکا رہتا ہے۔

ایک روز سنا کے فارس آفندی علیل ہے۔ میں تنہائی کے مزار سے باہر نکلا اور سیدھا ان کے گھر پہنچا،

وہ بستر پر دراز تھا۔ بیماری نے اسے ناتواں اور زرد کر دیا تھا۔ آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ دو ویران وادیاں ہیں جہاں کرب و اذیت کے بھوت سایہ فگن ہیں۔ مسکراہٹ جو اس کے چہرے کو منور رکھتی تھی۔ درد اور اذیت کے پردوں میں چھپ کے رہ گئی تھی۔ ہاتھوں کی نرم و نازک، ہڈیاں خشک ٹہنیوں ایسی ہو گئیں تھیں، جو آندھی میں لرز رہی ہوں۔

میں نے قریب پہنچ کر دھیرے سے اس کی حالت پوچھی تو اس نے اپنا زرد چہرہ میری طرف موڑ دیا۔ ہونٹوں پر کرب آمیز تبسم پھیل گیا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''پہلے سلمیٰ کو یہاں لے آؤ، وہ دوسرے کمرے میں رو رو کے نڈھال ہو رہی ہے۔''

میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سلمیٰ اپنی بانہوں میں چہرہ چھپائے ہچکیاں لے رہی ہے۔ میں نے قریب جا کے اسے مخاطب کیا تو اس کا نام میرے

ہونٹوں پہ یوں مچلا جیسے کوئی مدھر لے مچل جاتی ہے۔میری آواز پر وہ چونک گئی، جانو کسی بھیانک سپنے سے جاگ اٹھی ہو،وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مجھے یوں تکنے لگی جیسے یقین کر رہی ہو کہ میں واقعی گوشت پوست کا جیتا جاگتا انسان ہوں یا کوئی خیالی پیکر، ہم نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا تو حافظہ ہمیں ان ساعتوں میں لے گیا جہاں ہم مشروب محبت میں سرشار ایک ساتھ زندہ تھے!

سلمیٰ نے اپنے آنسو پونچھے اور بولی!

''دیکھو، وقت نے ہمیں کتنا بدل دیا ہے وقت نے ہماری راہیں کیسے تبدیل کر دی ہیں اور ہمیں شکست کے کھنڈروں میں لا پھینکا ہے اسی جگہ بہار نے ہماری روحوں کو محبت کا قرب بخشا تھا اور آج ہم اسی جگہ سریر فنا کے سامنے کھڑے ہیں، کتنا دل فریب تھا موسم گل اور کتنا بھیانک ہے آج کا یہ موسم،''

پھر وہ خاموش ہو گی اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا جیسے وہ ماضی کی پرچھائیوں سے ڈر گئی ہو۔میں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا اور تشفی آمیز لہجہ میں کہا۔

''آؤ سلمیٰ، طوفان کے سامنے چٹان بن کے کھڑے ہو جائیں، آؤ کہ بہاروں کی طرح دشمن کیسامنے ڈٹ جائیں، مر گئے تو شہید کہلائیں گے اور جیت گئے تو لوگ ہماری عظمت کے ترانے گائیں گے؟ رکاوٹوں کے باوجود آگے بڑھنا اور دکھوں کو ہنسی سے جھیلنا ہی زندگی ہے۔جدوجہد کا اضطراب فرار کے سکون سے بہتر ہے۔شمع کے گرد طواف کرتے ہوئے جل مرنے والا پتنگا، تاریکی میں زندہ رہنے والی چھچھوندر سے کہیں افضل ہے، آؤ سلمیٰ، اس دشوار راستے پر آگے بڑھتے جائیں، ہمارے پاؤں راستے پر ہوں اور آنکھیں سورج کی سمت جمی رہیں کہ ہم اپنے راستے میں بکھری ہوئی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کو نہ دیکھ پائیں، اگر ہم خوف سے مغلوب ہو کے درمیان ہی میں رک گئے تو شب ہمارا تمسخر اڑائیگی اور ہم پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ گئے تو عالم بالا کی ارواح کیساتھ مل کے فتح ونشاط کے گیت گائیں گے، مایوسی کو جھٹک دو،

اشکوں کو پونچھ ڈالو اور اپنے چہرے سے غم کا آنچل اتار دو آؤ تمہارے ابا کے پاس جا کے بیٹھیں انکی زندگی تمہاری زندگی سے مشروط ہے اور ان کے مرض کا علاج تمہارے تبسم میں پوشیدہ ہے۔‘‘‘

شفقت و محبت کی نظروں سے میری دیکھتے ہوئی بولی۔

’’تم مجھے صبر و ضبط کی تلقین کر رہے ہو، حالانکہ مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ کون فاقہ کش اپنی روٹی دوسرے فاقہ کش کو دیتا ہے؟ کون مریض اپنی دوا، دوسرے مریض کو نذر کرتا ہے جب کہ اس کی اپنی موت کے بھنور میں محصور ہو؟‘‘

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ اٹھی اور میرے ساتھ چلتی ہوئی اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹوں پر جبراً میز تبسم لانے کی سعی کر رہی ہے اور فارس آفندی، اپنی بیٹی کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ اس کی حالت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو اطمینان کا فریب دیر ہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کرب و اذیب اور سینے میں بند آہوں اور سسکیوں کو محسوس کر رہے تھے درد کی آگ دونوں کے دلوں کو لمحہ بہ لمحہ پگھلائے دے رہی تھی۔ وہ دو پاکیزہ روحیں تھیں۔ ایک فنا کی طرف بڑھ رہی تھی اور دوسری محبت اور موت میں لپٹی ہوئی غم کی آگ میں پھنک رہی تھی اور میں اپنے دل مضطرب کے ساتھ ان دونوں کے درمیان کھڑا تھا۔ ہم تین فرد تھے اور تینوں کو دست قضا نے دبوچ رکھا تھا۔ ایک ضعیف بوڑھا، سیلاب میں اجڑے ہوئے مکان کی طرح، ایک نوجوان عورت، گل نرگس کی طرح جسے شاخ سے چوج لیا گیا اور ایک کمزور و نحیف نوجوان، ناتواں پودے کی طرح کہ جسے برف باری نے قبل از وقت خمیدہ کر دیا ہو۔ اور ہم تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونوں کی طرح ہیں۔

فارس آفندی نے اپنا بے جان ہاتھ سلمیٰ کی طرف پھیلایا اور محبت و شفقت سے

بھرپور لہجہ میں بولا۔

''میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لے، میری محبوب بیٹی اور سلمیٰ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''میں نے بہت دن جی لیا ہے اور باغ زیست کے اکثر پھلوں سے لذت اندوس ہو چکا ہوں اور اس کے سبھی پہلوں کا نہایت صبر وسکون سے مشاہد کر چکا ہوں۔ تم نے ابھی زندگی کی صرف تین ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ تمہاری ماں ہمیں داغ مفارقت دے گئی میری آغوش تمہارے وجود کے خزینے سے بھر گئی تم روز بروز ہوتی گئیں اور جب عہد شباب میں پہنچیں، تو مجھے یوں لگا جیسے تمہاری ماں حیات کا لبادہ اوڑھے پھر سے اس دنیا میں اتر آئی ہو، تم اپنی ماں کی سچی تصویر ہو، شفاف پانی میں جھلملاتے ہوئے عکس ماہتاب کی طرح، تمہاری ماں کے نقوش ان ستاروں کی مثال ہیں جو تمہارے وجود کی شفاف سطح پر منعکس ہو رہے ہوں، تمہاری ذہانت، تمہاری شخصیت اور تمہارا حسن، تمہارا انداز تکلم، تمہاری مسکراہٹ اور سنجیدگی، سبھی کچھ تمہاری مان کی وراثت ہے۔ اس پوری کائنات میں تم ہی میرا سب کچھ ہو۔ میری ہر تسکین اور آسودگی تمہاری ہستی سے مشروط ہے۔ اس لئے کہ تم اپنی ماں کا زندہ عکس ہو!

وقت آن پہنچا ہے، موت پر پھیلائے کھڑی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ اب میرا سکون وراحت موت کے نرم گداز پروں میں پوشیدہ ہے، اداس نہ ہو میری بچی، میں نے اپنے ایام پورے کر لئے ہیں، اور تم ابھی جوان ہو، زندگی تمام تر رعنائیں اور حلاوتوں کے ساتھ، تمہارے قدموں میں بکھری پڑی ہے، خوش رہو اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ ماضی راکھ کا ڈھیر ہے، پاؤں مضبوط رکھو کہ حال سمندر کی ریت کی طرح لمحہ بہ لمحہ سرک رہا ہے اور آنکھیں کھلی رکھو کہ مستقبل تاریک خلا ہے!

خوش باش، جان پدر کہ میں مر کے بھی تمہارے وجود میں زندہ رہوں گا۔ میں آج

کوچ کروں یا کل، یا پرسوں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ کیوں کہ ہمارے ایام خزاں رسیدہ پتوں کی طرح فنا پذیر ہیں۔ وقت فنا کا جام لیے آن پہنچا ہے۔۔۔۔ اور میری روح تمہاری ماں کی رفاقت کے لئے مضطرب ہے۔۔ وہ بڑی ہی شیریں اور محبت بھرے لہجہ میں بول رہا تھا اور شاید یہ اسی لہجے کی تاثیر تھی کہ اس کا چہرہ سونے کی طرح دمکنے لگا تھا۔

پھر اس نے اپنے تکیئے کے نیچے سے سنہرے فریم میں جڑی ہوئی تصویر نکالی اور اس پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

''دیکھو سلمٰی یہ تمہاری ماں کی تصویر ہے، اسے دیکھو اور بتاؤ کہ اس میں اور تم میں کیا فرق ہے۔''

سلمٰی نے اشتیاق بھرے ہاتھوں سے تصویر لی اور ایک نظر غور سے دیکھنے کے بعد ضبط کا بندٹوٹ کے بہہ نکلا، وہ اسے چوم رہی تھی اور ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

''میری امی! میری محبوب امی، میری پیاری ماں، سلمٰی کے اس لہجے میں درد کی شدت تھی کہ محبت کی حلاوت۔۔ میں اس کی کیفیت کو بیان کرنے پر قادر نہیں ہو۔۔ یہ کوئی الفاظ سے ماورا کیفیت تھی، احساس کے شفاف پروں پہ تیرتی ہوئی اور درد کے ان دیکھے ساز کے تاروں پہ مچلتی ہوئی!

وہ اس تصویر کو اس شدت سے چوم رہی تھی کہ لگتا تھا، کہ اپنی پوری ہستی کو اس ننھے سے عکس میں تحلیل کر دینا چاہتی ہے۔''

نسل انسانی کا سب شیریں، سب سے عظیم اور سب سے حسین لفظ ''ماں'' ہے اور سب سے لطیف اور سب سے شیریں پکا مادر من میری ماں یا امی حضور ہے۔ ''ماں'' کا لفظ امید اور محبت سے مرکب ہے دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والا شیریں و شفیق لفظ ماں سبھی کچھ ہے۔ غم کے اندھیروں میں امید کی کرن۔۔۔ درد بھرے لمحات میں تسکین کا مرہم، افلاس کی شب میں آس کی شمع، وہ محبت، رحم و شفقت اور عفو کا منبع

ہے۔ جو ماں سے محروم ہے، ہر مسرت سے محروم ہے۔ یہ ایک مقدس روح ہے، جو ہمیشہ ہم پر شفقت و محبت کے پھول برساتی رہتی ہے!

فطرت کی ہر شے ماں کی ہستی کا اظہار کرتی ہے۔ سورج دھرتی کی ماں ہے کہ اس کے وجود میں حرارت کی توانائی اتارتا ہے، دن بھر کی تھکی ماندی زمین کو شب کی آغوش میں سلا دیتا ہے۔ سمندر اسے میٹھی لوریاں سناتا، اور پرندے اسے اپنے دلکش نغموں سے بہلاتے اور ندیاں اسے اپنی گنگناہٹ سے رجھاتی ہیں۔

اور زمین، پھولوں اور پودوں کی ماں ہے۔ وہ انہیں اگاتی ہے۔ انہیں پروان چڑھاتی ہے اور آخری لمحوں تک انہیں اپنے سینے سے لگائے رہتی ہے۔ پودے اور پھول اپنے تخموں اور پھلوں کے لئے ماں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور ''ماں'' جو تمام ہست و بود کی اصل ہے، وہ ایک ابدی نفس ہے جو حسن و محبت سے مرکب ہے۔

سلمیٰ کرامی نے اپنی ماں کو حیات کے پیکر میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے تین ہی برس کی عمر میں چھوڑ کے عدم کے پردوں میں روپوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ اسے کیوں کر دیکھتی، لیکن اپنی ماں کو تصویر میں منقوش دیکھ کے وہ پھوٹ پڑی؟ امی! امی!

''ماں'' کا لفظ ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے اور غم و نشاط کے لمحوں میں یہ اس طرح ہمارے ہونٹوں سے پھوٹ نکلتا ہے جس طرح پھول کے سینے سے مہک پھوٹ کے شفاف سجاتی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

سلمیٰ نے اپنی ماں کی تصویر کو بار بار دیکھا اور بار بار چوما اور بار بار اپنے سینے سے بھینچا اور آخر شدت غم سے نڈھال ہو کے غش کھا گئی۔

بوڑھے فارس آفندی نے سلمیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''حوصلہ رکھو میری بچی، کہ زندگی جرات اور حوصلے سے مشروط ہے۔ اٹھو، اب میں تمہیں لے چلتا ہوں تمہاری ماں کی آواز سنواتا ہوں۔ اٹھو سلمیٰ اور اپنی ماں کی آواز سنو!''

اور سلمیٰ کرامی نے یوں چونک کے دیکھا جس طرح کوئی بچہ آشیانے میں اپنی ماں

یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا اور دامن تھامے ہوئے بولی۔

''آپ کے بعد صرف یہی ایک میرا رفیق ہے۔لیکن یہ میرے دکھوں کا مداوا کیسے کر سکے گا؟ یہ تو خود ہی اتنا ستایا ہوا اور کچلا ہوا ہے کہ مجھ سے زیادہ دلجوئی اور غم گساری کا مستحق ہے۔کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شکستہ دل کچلی ہوئی روح سے تسکین پا سکے؟ ایک غم زدہ عورت، دوسری غم زدہ عورت کو کیا دے سکتی ہے؟ کیا ٹوٹے ہوئے پر، پرواز کا بوجھ سے کچل چکی ہوں، اس کی آنکھوں کو اپنے اشکوں سے دھندلا چکی ہوں کہ اب اسے ظلمت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ میرا رفیق بھی ہے اور میرا بھائی بھی۔اسے مجھ سے بے پایاں محبت ہے اور چاہتا ہے کہ میرے دکھ درد بانٹ لے، لیکن یہ تو خود ہی اتنا مظلوم اور بدنصیب ہے کہ خود مجھے اس کے غم بانٹ لینا چاہییں۔اسے دیکھ کے میری آنکھیں برسنے لگتی ہیں اور دل خون ہونے لگتا ہے!''

سلمٰی کے الفاظ میرے دل میں خنجر بن کے اتر گئے اور مجھ میں مزید کچھ سننے کی تاب نہ رہی۔فارس آفندی نے سلمٰی کی باتوں کو ڈوبتے ہوئے دل کیساتھ سنا۔اسکے پورے جسم پر کپکپی سی طاری تھی کہ جس طرح دیے کی لو تیز ہوا میں لرزنے لگتی ہے!

پھر اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ پھیلایا اور اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کے کہنے لگا۔

مجھے اب اجازت دے میری بچی میں اس قفس کی میخیں توڑ چکا ہوں۔مجھے اب پرواز کر جانے دو، میرا راستہ نہ روکو، تمہاری امی مجھے بلا رہی ہے، مطلع صاف ہے، سمندر پرسکون ہے اور سفینہ لنگر اٹھنے کا منتظر ہے۔۔۔اب ذرا سی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔میرے جسم کو موت کی آغوش میں سو جانے دو کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔وہاں لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں میرے نفس اور میرے خوابوں کو طلوع سحر کے ساتھ بیدار ہونے دو، میری روح کو اپنی روحوں سے گلے مل لینے دو اور میرے کملائے ہوئے ہونٹوں پہ امید کے بوسے ثبت کرو کہ دم رخصت یہی رسم مستحسن و مقدس سمجھی گئی ہے، حزن وملال کا کوئی قطرہ اشک میرے جسم پہ نہ گرنے دینا مبادا کہ

پھول اور گھاس مجھے اپنے رس سے محروم کر دیں؟ میرے بازوؤں کو اپنے درد بھرے اشکوں سے نہ بھگونا کہ اس طرح میری مرقد کانٹوں سے بھر جائے گی۔ میری پیشانی پر اذیت بھری لکیریں پھیلنے دینا۔۔۔ ہوسکتا ہے ہوا دھر سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھ لے تو میرے وجود کی راکھ کو سبزہ زاروں میں بکھیرنے سے انکار کر دے۔

''زندگی میں بھی تم میری محبت کا مرکز تھیں اور مر کے بھی میں تم سے پیار کرتا رہوں گا۔ میری بچی، میری روح تم پر سایہ فگن رہے گی اور ہمیشہ تمہاری حفاظت کرتی رہے گی۔

پھر فارس آفندی مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں

''سلمیٰ کا خیال رکھنا، میرے بیٹے ایک سچے دوست کی طرح اسکی مدد کرتے رہنا۔ میری موت پر اسے رونے مت دینا کہ رونے والوں کا رونا میرے والے کے دکھوں میں اضافہ کرتا ہے، اسے طربیہ حکایات سنایا کرنا اور امیدوں سے لبریز نغموں سے اس کا جی بہلایا کرنا کہ اس طرح وہ اپنے درد کرب کو بھول جائیگی۔ اپنے ابا سے میرا سلام کہنا میری طرف سے کہنا کہ وہ تمہیں میری اور اپنی جوانی کی حکایات سنائے۔۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ آخری ساعتوں میں بھی فارس آفندی کے ہونٹوں پہ اس کا نام تھا۔''

کمرے پر ایک اتھاہ خاموشی مسلط ہوگئی۔ بوڑھے فارس آفندی کے چہرے پر موت کی زردی پھیلنے لگی تھی، اس لمحہ اس نے بہت ہی دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

کسی ڈاکٹر کو نہ بلایا جائے اس لئے کہ اس کی دوا میرے ایام اسیری میں اضافہ کر دے گی۔ قفس کے در بیت چکے ہیں اور میری روح خلا کی وسعتوں میں پرواز کے لئے مضطرب ہو رہی ہے۔ اور کسی پادری کو بھی نہ بلوایا جائے کہ اگر میں واقعی گناہ گار تھا تو اس کے مذہبی منتر مجھے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے اور اگر میں معصوم ٹھہرا تو اس کی سفارش کے بغیر بھی بہشت میں داخل ہو جاؤں گا۔ انسانوں کے اردے

مشیت ایزدی کو بدل دینے پر قادر نہیں ہیں کہ جس طرح منجم، ستاروں ب کی راہیں تبدیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔۔ہاں، مر جاؤں تو ڈاکٹر یا پادری جو چاہیں کرتے رہیں، کہ اس وقت میرا سفینہ فنا کی لہروں پر تیرتا ہوا سوئے منزل روانہ ہو چکا ہوگا۔۔۔

آدھی رات کے قریب فارس آفندی نے آخری بار آنکھیں کھولیں اور سلمٰی پر مرکوز کر دیں کہ جو اس کے پلنگ کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی۔اس نے بولنے کی کوشش کی تو آواز حلق میں گھٹ کے رہ گئی۔لگتا تھا اس کی روح، جسم کی قید سے آزاد ہوا ہی چاہتی ہے۔فارس آفندی نے ایک بار پھر پوری قوت کو مجتمع کرتے ہوئے بولنے کی کوشش۔

سلمٰی۔۔میری محبوب سلمٰی۔میری بچی، میں جا رہا ہوں شب۔۔۔ڈھل۔چکی ہے۔۔خدا۔۔۔حا۔۔۔فظ۔۔اوہ۔۔سلمٰی۔۔۔۔'' اور ان لفظوں کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔چہرہ برف کیطرح سفید پڑ گیا، آنکھیں بند ہو گئیں۔اور ہاں۔۔دم رخصت اس کے لبوں پہ اطمینان بھر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

سلمٰی نے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ برف کی طرح سرد ہو چکا تھا۔پھر اس نے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ بھی موت کی آغوش میں محو خواب تھا۔سلمٰی کے حواس مفلوج ہو گئے تھے۔اس کے لب خاموش تھے۔آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں اور دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔بہت دیر وہ اسی طرح بے حس و حرکت ایسا دہ رہی اور پھر اچانک ہی اس کی پیشانی فرش سے جا ٹکرائی اور سسکیوں کے ہجوم میں صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''رحم، اے رب عظیم، رحم فرما اور ہمارے شکستہ پروں کو مند مل کر دے!''

فارس آفندی ابدی نیند سو گیا اور اس کی روح ابدیت سے ہم کنار ہو گئی اور جسم زمین کی تہہ میں اتر گیا۔منصور بے غالب اس کی دولت و ثروت کا وارث قرار پایا اور

سلمٰی تا حیات، زندان میں محبوس کر دی گئی۔ زندان، جو ذلت و پستی اور درد کرب کی سلاخوں سے بنایا گیا تھا۔

اور میں، م مجھے تنہائی کے جہنم میں ڈال دیا گیا۔ شب و روز غم مجھے یوں نوچتا جیسے باز اپنے شکار کو نوچتا ہے۔ میں نے اس جہنم سے نکلنے کی کئی بار کوشش کی اور کتابوں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈی لیکن مطالعے نے ہر بار جلتی پہ تیل کا کام کیا۔ میں جب بھی کسی کتاب کا مطالعہ کرتا تو عذاب کے شعلے اور بھی بھڑکنے لگتے ہیں میں نے کتابوں کے ذریعے جب بھی ماضی کی دنیا میں جھانکا، دکھوں کے سوا کچھ نہ دیکھا اور آہ و بکا کے سوا کچھ نہ سنا۔ زبور کے مقابلے میں، ایوب کی فریادیں مجھے ہمیشہ دلاویز لگیں اور غزل الغزلات کے مقابلے میں یرمیاہ نبی کے نوحے زیادہ موثر محسوس ہوئے۔ انہیں پڑھ کے دل پگھلنے لگتا، اور دل سے درد کشید نہیں کیا، کہ مایوسی ہماری بصارت اور سماعت کو مفلوج کر دیتی ہے۔ فنا کی پرچھائیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور سر کش دلوں کی دھڑکنوں کیسوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔

(9)

لبنان اور بیروت کے درمیان، گل پوش وادیوں اور سرسبز چوٹیوں کے حصار میں ایک چھوٹا سا قدیم، م معبد سینہ ارض پر ہستی کا لبادہ اوڑھے ایستادہ ہے۔ اس کے چاروں طرف زیتون، بادام اور بید مجنوں کے پیڑ پہرہ دے رہے ہیں۔ یہ معبد اگرچہ مرکزی شاہراہ سے صرف نصف میل کے فاصلے پہ ہے لیکن اس کے باوجود یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ شاید اس لئے کہ لوگ کھنڈروں اور قدیم یادگاروں کا رخ کم ہی کرتے ہیں۔ البتہ تنہائی پسند زاہد اور قدیم معبدوں کے پرستار یہاں اکثر دیکھے جاتے ہیں۔

معبد میں داخل ہوتے ہی نظر مشرقی دیوار کی سمت میں اٹھ جاتی ہے۔ جس پر کسی فنیقی فنکار کے ہاتھوں حسن و عشق کی دیوی زہرہ کی تصویر کھدی ہوئی ہے۔ تصویر

میں زہرہ دیوی حسن وعشق کے تخت پر جلوہ افروز ہے اور اس کے اردگرد سات برہنہ دوشیزائیں مختلف انداز میں کھڑی ہیں۔ پہلی کے ہاتھ میں مشعل ہے، دوسری کے ہاتھ میں شاخ گل، چھٹی کے پاس پھولوں کی چادر اور ساتویں کے ہاتھ میں تیر و کمان ہے۔ اور ساتوں دوشیزائیں، زہرہ کی طرف نہایت مودبانہ انداز سے دیکھ رہی ہیں۔

دوسری دیوار پر ایک اور منظر منقوش ہے اس میں یسوع مسیح کی تصلیب کو نقش کیا گیا ہے۔ قریب ہی حضرت مریم مگدیلنی اور دو اور عورتیں اشکبار کھڑی ہیں۔ بزنطینی عہد کی یہ تصویر پندرھویں یا سولہویں صدی عیسوی میں منقوش ہوئی تھی۔ مغربی دیوار کی سمت میں دو مدروشن روان بنے ہوئے ہیں جن کے راستے سورج کی روشنی میں معبد میں داخل ہو کر تصویروں کو یوں جگمگا دیتی ہے، جیسے وہ سنہرے آبی رنگوں سے بنائی گئی ہوں۔ معبد کے وسط میں ایک چوکور اور مرمریں چبوترہ ہے۔ جس کے چاروں کونوں پر مختلف تصویریں کھدی ہوئیں ہیں۔ بعض تصویروں پر خون کے چھینٹے اس بری طرح منجمد ہیں کہ عہد قدیم کے لوگ یہاں قربانی کی رسم ادا کرتے اور روغن وعطر اور شراب سے اس مرمریں چبوترے کو غسل دیتے تھے اس چھوٹے سے معبد میں اور کچھ نہیں سوائے اس گہرے سکوت کے جو ہمیں دیوی دیوتاؤں کے سربستہ رازوں سے آگاہ کرتا ہے اور اقوام رفتہ کے عقائد اور ارتقائے مذاہب کی خاموش حکایات سناتا ہے۔ یہ مختلف مناظر شاعر کو ماضی کی دنیا میں لے جاتے ہیں اور وہ فلسفیوں سے اس حقیقت کو تسلیم کرواتا ہے۔ کہ انسان فطری طور پر مذہب پسند پیدا ہوا ہے۔ عہد قدیم کے انسان کو ایک لازوال ہستی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسی ہستی جو ان کی بصارت سے ماورا تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ایک ایسی لازوال قوت کو مجسموں اور تصویروں میں بطور علامت پیش کیا کہ جس میں ان کی خواہشات اور ان کے جذبات۔۔۔ اور حیات وممات کے اسرار پوشیدہ ہیں!

اسی مقدس وقدیم معبد میں سلمیٰ اور میں مہینے میں ایک بار ضرور ملاقات کرتے اور گھنٹوں ایک ساتھ رہتے۔ ہم معبد میں منقوش تصویروں کو دیکھنے اور عہد رفتہ کے ان عظیم فنکاروں کو خراج تحسین ادا کرتے کہ جنہوں نے اس معبد کو تراشا اور اسکے در و دیوار کو اپنے خون جگر سے آراستہ کیا۔ عیسیٰؑ کی تصلیب کا منظر لہو کو جیسے نچوڑنے لگتا تھا۔ پھر ہم ان فیثقی مردوں اور عورتوں کا تصور کرتے جو اس معبد میں آ کے حسن و عشق کے دیوی زہرہ کے مجسمے کے سامنے محبت بھرے دلوں سے سجدہ ریز ہوتے ہوں گے۔ جو اسکے سامنے عود و لوبان سلگا کے خوشبوؤں کا ہدیہ پیش کرتے ہوں گے۔ کیسا دور تھا وہ بھی اور کیسے لوگ تھے وہ۔۔۔۔ جو محبت کی رسوم کو اس عقیدت اور آزادی سے ادا کرتے تھے اور وہ لوگ کہ جن سے وجود کی صدائے بازگشت ابدیت کے خلائے بسیط میں گونج رہی ہے!

سلمیٰ سے ملاقات کے لمحات ضبط تحریر میں نہیں آ سکتے ان لمحوں کی کیفیات لفظوں سے ماورا ہیں۔ وہ لمحات کہ جن کے وجود میں ہماری روحوں کی اذیتیں اور ہمارے قلوب کی مسرتیں رچی ہوئی تھیں۔۔۔ وہ لمحات جو ہماری بیم و رجا اور غم و نشاط سے لبریز تھے اور ساوی لمحات جو ہمیں پھر کبھی نصیب نہ ہوئے!

ہم جب بھی معبد زہرہ میں ملتے تو ایام رفتہ کو آواز دیتے، حال کو موضوع بحث بناتے اور مستقبل کے اندیشوں کا اظہار کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہم اپنے اپنے دل میں پوشیدہ اسرار کو ایک دوسرے کیسامنے رکھ دیتے، اذیت بھرے لمحوں کی شکایات دھراتے اور تصورات میں لپٹی ہوئی امیدوں اور دکھ بھرے سپنوں کے سہارے زندہ رہنے کا عہد کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم اپنے آنسو پی جاتے اور اپنے اپنے کرب کو سینہ میں بند کر کے مسکرانے لگتے اور محبت کے سوا ہر شے کے وجود سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ہم اس شدت سے بغل گیر ہوتے کہ آتش جذبات سے ہماری قلوب پگھلنے لگتے تھے اور پھر سلمیٰ میری پیشانی کو اپنے مقدس ہونٹوں سے چوم لیتی اور میرا

دل کیف ونشاط سے لبریز ہو جاتا ، جواباً میں بھی اس کی شفاف گردن کو چوم لیتا اور اس کے گلابی عارض شرم سے یوں دل فریب منظر سے بھی لطف اندوز ہوتے اور شفق میں نہائے ہوئے افق اور رنگین بادلوں کو بہت دیر تک دیکھتے رہتے۔

ہم صرف اپنی محبت ہی کے تذکرے میں نہ الجھے رہتے بلکہ ہر مسئلے پر گفتگو کرتے۔مشرقی عورت کی محرومیت اور مظلومیت سلمیٰ کا محبوب موضوع ہوتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''شاعر اور ادیب عورت ہی کے تذکرے میں نہ الجھے رہتے بلکہ ہر مسئلے پر گفتگو کرتے۔مشرقی عورت کی محرومیت اور مظلومیت سلمیٰ کا محبوب موضوع ہوتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''شاعر اور ادیب عورت کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آج تک ان کی ہر سعی بے سود رہی ہے۔وہ عورت کے دل میں سربستہ اسرار کو نہیں سمجھ سکتے۔اس لیے کہ وہ اب تک اس کے دل میں جنس کے راستے سے اترنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور یہ راستہ عورت کے دل میں اترتا ہے اور اسکی روح میں نہیں،جنس محض ایک خارجی مظہر ہے۔عورت کی شخصیت کا صرف ایک پہلو ہے پیمانہ نہیں۔۔وہ اسے نفرت وتعصب کے محدب شیشے کی مدد سے دیکھتے ہیں اور اسی لئے انہیں عورت کے وجود میں اطاعت اور کمزوری کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا!''

''اس معبد کی حجری دیواروں پہ منقوش تصویروں کو دیکھو اور ان علامتی تصویروں کے ذریعے تم عورت کے جذبات کی ماہیت اور اس کے نفس کے اسرار مکتوم کا ادراک حاصل کر سکتے ہو، اور اک جو محبت اور غم۔۔شفقت اور ایثار۔۔۔تخت پر متمکن زہرہ دیوی اور صلیب کے قریب ایستادہ مریم ام یسوع کے درمیان پوشیدہ ہے۔عظمت وشہرت تو مرد حاصل کرتا ہے لیکن اس کی قیمت عورت کو ادا کرنی پڑتی ہے۔

ہماری ان خفیہ ملاقاتوں کا علم کسی کو نہ تھا اور اگر تھا، خدائے علیم و بصیر کو ان طیور کو جو ہمارے سروں پر پھڑ پھڑاتے رہتے تھے۔

ہمیں دیکھنے والوں کا خوف نہ تھا اور نہ ہی ہمارے ضمیر نے ہمارے اس دستور کی مخالفت کی تھی کیونکہ اشک و آتش میں دھلی ہوئی پاکیزہ روح ان لفظوں سے کہیں افضل ہے۔ جنہیں لوگ شرم اور ذلالت کا نام دیتے ہیں۔ غلامانہ قوانین اور فرسودہ روایات سے آزاد ہے۔ وہ قوانین اور روایات جو انسان کے قلب و روح پر جبراً مسلط کر دیے گئے ہیں۔ انسانی معاشرہ سات ہزار سال سے ناشائستہ قوانین کی اس طرح حوصلہ افزائی کرتا آیا ہے کہ آج اس میں ابدی اور سماوی قوانین کو سمجھنے کی استعداد نہیں رہی۔ ہماری بصارت کہ شمعوں کی دھندلی روشنی کی عادی ہو چکی ہے۔ اب دھوپ کو برداشت نہیں کر سکی۔ حسن کا مرض ایک سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ لوگوں کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے، اور پھر وہ اسے مرض نہیں، نعمت خداوندی سمجھنے لگتے ہیں۔ ؛ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس مرض کے جراثیم سے میرا ہے تو وہ اسے بے شرم اور ذلیل کہنے لگتے ہیں۔

جو یہ سمجھتے ہیں کہ سلمیٰ کرامی کا مجھ سے چوری چھپے ملنا اخلاقی طور پر معیوب حرکت تھی وہ یہی مریض اور کج اطوار لوگ ہیں۔ یہ اس حاسد کی طرح ہیں جو دوسروں کی صحت و تندرستی اور مسرت و شادمانی پر اپنی ہی آگ میں جلتا رہتا ہے!

وہ مظلوم قیدی جو جیل کی سلاخوں کو توڑنے اور آزاد ہو جانے پہ قادر اور پھر اس اقدام سے باز رہے، میں اسے تنہائی بزدل سمجھتا ہوں۔ سلمیٰ کرامی اس مقہور و معصوم قیدی کیطرح تھی۔ جو سلاسل زندان کو توڑنے پر قادر نہ تھا۔ غلامی کا یہ جوا اتنا بھاری تھا کہ سلمیٰ کے لطیف و نحیف ہاتھ اسے اپنے گلے سے نہیں اتار سکتے تھے۔ کیا وہ اس لئے مجرم تھی کہ اس نے زندان کے روشن دقانوں سے سرسبز وادیوں اور نیلے آکاش میں جھانکنے کی کوشش کی تھی کیا اس کا جرم یہی تھا کہ اس نے آزاد فضا میں سانس لینے

کا اظہار کیا تھا؟ سلمٰی نے جو کچھ بھی کیا، محبت کی نظروں میں وہ جرم نہیں ہے۔ لوگ خواہ کچھ بھی کہیں، سلمٰی ان دلدلوں کو عبور کر آئی تھی جو اب تلک نہ جانے کتنی روحوں کو نگل چکی ہیں۔ اور وہ اس مقام پر پہنچ آئی تھی جو بھیڑیوں کی چیخوں اور سانپوں کی پھنکاروں سے کہیں دور ہے!

لوگ میرے متعلق میں بہت کچھ کہتے ہیں، سو کہتے رہیں کہ وہ نفس جس نے فنا کی پرچھائیوں کو روبرو دیکھا ہو وہ چوروں اور لٹیروں سے کبھی خائف نہیں ہوتا۔ سپاہی، کہ جس نے موت کی تیغ کو اپنے سر پر لہراتے اور خون کی ندیوں کو اپنے پاؤں تلے بہتے دیکھا ہو، وہ ان سنگریزوں سے کیا ڈرے گا جو دل کو زخمی کر سکتے ہیں اور نہ روح کو!

(10)

جون کے آخری ایام تھے میں حسب معمول سلمٰی کا انتظار کر رہا تھا۔ معبد میں میرے سوا کوئی نہ تھا تنہائی اور انتظار کے کرب سے بچنے کے لئے میں اپنے ساتھ ہسپانوی نظموں کی ایک چھوٹی سی کتاب لے گیا تھا۔ پڑھتے پڑھتے میں اس دردآشوب لمحات میں جا پہنچا، جب اندلس کے امراء و وزراء اور شاعر اور ادیب، بچے و بوڑھے اور مرد اور عورتیں اشکبار آنکھوں اور خون ہوتے ہوئے دل کے ساتھ غرناطہ کو الوداع کہہ رہے تھے۔ غرناطہ جس کی سرزمین میں ان کا ماضی اپنی پوری رعنائیوں اور عظمتوں کے ساتھ دفن تھا۔ غرناطہ جہاں وہ اپنے محلات اور مکانات اور باغات ہی نہیں چھوڑے جا رہے بلکہ اپنی امیدوں اور حسرتوں کو بھی دفن کر چکے تھے۔

اسی لمحہ سلمٰی داخل ہوئی، لیکن آج وہ خلاف معمول بے حد افسردہ اور مغموم دکھائی دیتی تھی۔ لگتا تھا جہاں بھر کا درد و الم اس کے شانوں پہ رکھ دیا گیا ہے۔ اس نے میری جانب دیکھا تو فوراً بھانپ گئی کہ میں کس کشمکش سے گزر رہا ہوں۔ اس نے بیٹھتے ہی

مجھ سے یہ کہا۔ ''آؤ جبران میرا اور قریب آؤ کہ آج میں اپنے قلب و روح کی پیاس کو بجھا لینا چاہتی ہوں، میرے قریب آؤ، محبوب من کہ جدائی کی ساعت آن پہنچی ہے!''

میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''کیا تمہارے شوہر کو ہماری خفیہ ملاقاتوں کا پتا چل گیا ہے۔''

اس پر وہ کہنے لگی۔

''نہیں اسے ان ملاقاتوں کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے میری، موجودگی اور عدم موجودگی سے کوئی دلچسپی ہے۔ اس لئے کہ اسے تو ان افلاس زدہ دو شیزاؤں کے جسم نوچنے سے فراغت نہیں ملتی کہ جنہیں غربت و احتیاج کے عشرت کدے میں دھکیل دیتی ہے۔ جو اپنے جسم اس روٹی کے لیے فروخت کر دیتی ہیں جو ان کے خون اور اشکوں میں گندھی ہوتی ہے!''

میں نے اور بھی اضطراب لہجہ میں پوچھا۔

''تو پھر کیا وجہ ہے؟ کون تمہیں یہاں آنے اور میرے ساتھ بیٹھنے سے روک رہا ہے؟ کیا تمہارا ضمیر تمہیں سرزنش کر رہا ہے یا تمہارا نفس جدائی کا طلب گار ہے؟''

تب اس نے کپکپاتے ہونٹوں اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

''ایسا نہیں ہے محبوب من، میرے نفس سے جدائی کا تقاضا نہیں کیا، اس لیے کہ تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو، میری آنکھیں تمہیں دیکھتے نہیں تھکتیں کہ تم ان کی روشنی ہو، تقدیر فیصلہ دے چکی ہے کہ مجھے غم کی صلیب اٹھائے زندگی کے خاردار راستے پر چلتے رہنا ہے اور میں اس ظالمانہ فیصلے کو تسلیم کر چکی ہون۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تقدیر پر بھی یہی فیصلہ مسلط کر دے اور میری طرح تم بھی تا حیات سسکتے اور کراہتے رہو۔۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں، لیکن کہہ نہیں پاتی کہ زبان غم سے کٹ گئی ہے اور ہونٹوں پہ نحوست کا پہرہ ہے۔۔ بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ڈرتی ہوں کہیں تم

بھی غم کے دھکتے ہوئے آتش فشاں میں نہ پھینک دیئے جاؤ۔۔!''

میں نے کہا۔

''آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو سلمیٰ؟ میں سمجھ نہیں سکا، کہ میرے ہوش و حواس ماؤف ہیں۔ صاف صاف کہو، بات کیا ہے؟''

اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے شوہر کے چچا بشپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں مہینے میں ایک دن اپنی اس قبر سے باہر نکل جاتی ہوں، جس میں اس نے مجھے دفن کیا تھا۔''

میں نے پوچھا۔

''کیا بشپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے کہ ہم کب اور کہاں ملتے ہیں۔''

''نہیں رفیق من، اگر اسے یہ سب کچھ معلوم ہو گیا ہوتا تو آج تم میرے قرب سے محروم رہتے۔۔۔ میں تمہارے پاس نہ بیٹھی ہوتی بلکہ اس قبر میں ہمیشہ کی نیند سو گئی ہوتی۔ اسے صرف شبہ ہوا ہے اور اسی لئے اس نے اپنے تمام ملازمین کو میری جاسوسی پر معمور کر دیا ہے۔ یہ کہتے کہتے وہ رک گئی۔ میں نے دیکھا اشکوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ اس کے گلابی، عارضوں پر بکھر رہی ہیں۔ لگتا تھا شبنم کے قطرے گل لالہ کو غسل دے رہے ہیں۔

''میں بشپ سے نہیں ڈرتی کہ ڈوبتا ہوا شخص بارش کے چھینٹوں کی پرواہ نہیں کرتا۔'' سلمیٰ نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''مجھے صرف یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ کہیں میری طرح وہ تمہیں بھی ظلم کے جال میں نہ پھنسا لے، تم ابھی جوان ہو اور آزاد، سورج کی کرنوں کی طرح! میں تقدیر سے خائف نہیں ہوں کہ جو اپنے ترکش کے سہارے تیر میرے سینے میں اتار چکی ہے، لیکن میں اس سانپ سے ڈرتی ہوں جو تمہاری گھات میں ہے۔ خدانخواستہ اگر اس نے تمہیں ڈس لیا تو تم وقت کی اس چوٹی پہ نہیں پہنچ سکو گے جہاں مستقبل اپنی تمام حلاوتوں، مسرتوں اور رعنائیوں کے

ساتھ تمہارا منتظر ہے۔''

میں نے جواب دیا۔

''جو عرفان کے سانپ سے نہیں ڈسا جاتا اور جہالت کے بھیڑیوں کا شکار نہیں بنتا ، اسے شب و روز فریب کا زہر پلایا جاتا ہے۔ میری باتیں غور سے سنو سلمیٰ انہیں سمجھنے کی سعی کرو جان من، کیا لوگوں کی طعن و تشنیع اور کمینگی کو نظر انداز کرنے کے لئے جدا ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔۔؟ کیا محبت اور آزادی کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں ؟ کیا ہمارے لئے ان لوگوں کی اطاعت ناگزیر ہو گئی ہے کہ جو فنا کے غلام ہیں؟''

سلمیٰ نے دھیرے سے جواب دیا۔

''جدائی ناگزیر ہے۔''

''لیکن سنو تو سلمیٰ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔۔۔'' کیا بشپ کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا چاہیے اور فنا کا انتظار کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں پھر سے یکجا کر دے گی! کیا خدا نے ہمیں زندگی اسی لئے عطا کی تھی کہ ہم اسے فنا کے پنجوں میں اسیر کر دیں؟ کیا اس نے ہمیں آزادی اسی لئے دی تھی کہ ہم اسے غلامی کے پردوں میں لپیٹ دیں۔۔۔۔؟ جو کوئی اپنی روح کی آگ اپنے ہاتھوں بجھا دیتا ہے وہ خدائے لازوال کی نظروں میں کافر و ملحد ہے، جب و استبداد کے خلاف بغاوت نہ کرنے والا اپنے ضمیر کا چور ہے اور احمقوں کی اس صف میں ہے جو اپنے آپ سے بھی انصاف نہیں کرتے۔

تم مجھے چاہتی ہو اور میں تمہیں چاہتا ہوں، ہم دونوں محبت کے پرستارہ ہیں اور محبت عطیہ خداوندی ہے۔ محبت حساس اور عظیم روحوں پہ نازل ہوتی ہے۔ کیا ہم اس عطیہ خداوندی کو بے نیازی سے پھینک دیں کہ سورا سے نوچیں اور روندیں۔۔ کائنات حسن و اعجاز سے لبریز ہے اس کی آغوش بہت کشادہ ہے اور ہم جہاں چاہیں جا سکتے ہیں تو پھر اس کال کوٹھڑی میں رہنا کیا بہت ضروری ہے جو بشپ نے ہمارے

لئے تعمیر کر رکھی ہے؟ زندگی محبت اور آزادی سے معمور ہے تو پھر ہم اپنے کندھوں سے غلامی اور نحوست کا جوا کیوں نہیں اتار پھینکتے۔۔؟ اور ان زنجیروں کو کیوں نہیں توڑ دیتے جو ہمیں محبت اور آزادی کی راہ پر آگے نہیں بڑھنے دیتیں، اٹھو، اس چھوٹے سے معبد کو چھوڑ کے خداوند کے وسیع و فراخ معبد میں پناہ لے لیں! آؤ کہ اس ملک کو اس کی غلامی کو جہالت سمیت چھوڑ دیں اور ایسی جگہ چلے جائیں کہ جہاں چوروں اور لٹیروں کے ہاتھ ہم تک نہ پہنچ سکیں، آؤ کہ شب کے سائے میں ساحل تک پہنچیں اور کشتی میں بیٹھ کے وسیع و عریض اور بے پایاں سمندر میں تیرتے ہوئے دور بہت نکل جائیں اور ایک نئی اور مسرت بھری زندگی کا آغاز کریں۔۔۔تذبذب کا دامن چھوڑ دو سلمیٰ کہ یہ لمحات تاج شاہی سے زیادہ قیمتی ہیں اور یہ جگہ فرشتوں کے تخت سے زیادہ مقدس ہے، آؤ کہ روشنی کے پیچھے پیچھے اس بے آب و گیاہ صحرا سے نکل چلیں اور ان سرسبز وادیوں کو اپنا مسکن بنائیں کہ جہاں خوب صورت پھول اگے ہیں اور عطر بیز پودے لہلہاتے ہیں۔''

جواب میں وہ معبد کی چھت کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے کوئی غیر مرئی شے کو تلاش کر رہی ہو، پھر اس کے ہونٹوں پہ ایک غم انگیز تبسم ابھرا اور وہ کہنے لگی۔

''نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو گا رفیق من، خدا نے میرے دونوں ہاتھوں میں زہر اور مے کے جام رکھ دیئے ہیں اور مجھے باری باری ان دونوں کو پینا ہے کہ جان سکوں تلخی کس میں زیادہ ہے؟ محبت اور طمانیت کی حیات نو کے لائق نہیں میں اتنی طاقتور نہیں کہ زندگی کی حلاوتوں اور مسرتوں سے لطف اندوز ہو سکوں، اس لئے کہ شکستہ پر طائر آسمان کی وسعتوں میں پرواز نہیں کر سکتا۔ مجھ سے مسرت کا ذکر نہ کرو کہ اس سے میرے غم کے شعلے اور بھی بھڑکنے لگتے ہیں۔۔مجھ سے طمانیت کی بات نہ کرو کہ اس کا سایہ مجھے خوفزدہ کرتا ہے۔ میری طرف دیکھو یا رفیقی! میں تمہیں وہ مقدس مشعل دکھانا چاہتی ہوں جسے قدرت نے میرے دل کی خاکستر میں روشن کیا ہے!

جانتے

ہو مجھے تم سے کتنی محبت ہے اور محبت ہی نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ تمہاری حفاظت کروں حتی کہ تمہیں اپنے آپ سے محفوظ رکھوں۔ میری محبت آگ میں دھل کے نکلی ہے اور یہی مجھے تمہاری ساتھ جانے سے روکتی ہے۔ محبت نے میری تمناؤں کو موت کی نیند سلا دیا ہے کہ تم آزادی و محبت کے ساتھ زندگی سے محفوظ ہوسکو، اغراض کی حدود میں گھری ہوئی محبت محبوب کو اپنے تسلط میں رکھنا چاہتی ہے لیکن سچی محبت اپنا اجر آپ ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ ایثار پہ آمادہ رہتی ہے۔

''جب مجھے معلوم ہوا کہ بشپ مجھے اپنے برادر زادے کے گھر میں پابند کر دینا چاہتا ہے تو میں اٹھ کے کھڑی کی جا کھڑی ہوئی اور حد نظر تک پھیلے ہوئے سبزہ زاروں اور بلند بالا پہاڑیوں اور بے کراں سمندروں پر نظر ڈالی اور اس آزادی کا تصور کیا جو مجھ سے چھین لی گئی ہے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے تم میرے قریب کھڑے ہو اور تمہاری روح محبت کے سمندر سے نمودار ہو کے ایک سائے کی طرح میرے وجود پر چھا گئی ہے۔

''ہماری محبت سمندر ایسی بے پایاں، آسمان ایسی بے کراں اور ستاروں ایسی درخشاں ہے۔ اس محبت نے مجھے نئے بال و پر عطا کیے ہیں اور میرے کمزور وجود قوت و برداشت کی ایک نئی روح پھونکی ہے۔ اس سے پہلے جب میں یہاں آتی تھی تو مجھے اپنی روح غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور میرا وجود خوف سے لرز رہا تھا، لیکن آج میں اس بہادر اور بے خوف عورت کی طرح یہاں آئی ہوں جو ایثار کی حقیقت اور غم کی قدر و قیمت کو پہنچاتی ہے، ایسی عورت جو اپنے محبوب کو دوسروں کے جور و ستم اور اپنے بھوکے نفس سے محفوظ رکھنا جانتی ہے۔ اس سے پہلے میں ایک کانپتے ہوئے سائے کی طرح تمہارے قریب بیٹھا کرتی تھی اور آج میں نے خوف کے لبادے کو اتار کے اپنی ذات کو برہنہ کر دیا ہے، اور عشروت (زہرہ

دیوی) اور یسوع مسیح میرے گواہ، میں تاریکی میں اگے ہوئے پیڑ کی طرح ہوں، آج میں نے اپنی شاخوں کو ازن تجاوز دے دیا ہے کہ تم بھی پل بھر کو اجالے میں سرسرا کے دیکھ لو کہ تمہاری کوئی تمنا تو تکمیل سے ہم آغوش ہو جائے، جدائی ناگزیر ہے۔

میرے محبوب، آؤ کہ آخری بار گلے مل لیں اور خدا حافظ کہتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، مجھے امید ہے کہ ہماری بھی ہماری محبت کی طرح عظیم اور پر جلال ہوگی۔ یہ جدائی اس سونے کی طرح ہوگی جو آگ میں ڈھل کے اور بھی نکھر جاتا ہے!''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلمیٰ نے مجھے اذن گویائی نہ دیا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں، چہرے سے تقدس کا نور پھوٹ رہا تھا اور کسی ایسے فرشتے کی طرح دکھائی دیتی تھی کہ جس کے حضور خاموشی بھی عقیدت واحترام کا مظہر ہوتی ہے۔

پھر وہ تیزی سے مجھ پر جھپٹی اور مجھے اپنی بانہوں میں کس لیا۔ میرے لئے اس کا یہ طرز عمل باعث تحیر تھا کہ پیشتر ازیں ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ اسی لمحے اس کے جلتے ہوئے لب میرے لبوں سے پیوست ہو گئے اور میں ایک طویل، گہرے اور آتشیں بوسے کی حلاوت میں ڈوب گیا، یہی لمحات تھے جب میں، ہست ونیست کی قید سے آزاد ہو گیا تھا۔ کاش یہ لمحات اتنے طویل ہوتے کہ حیات وممات انہیں سمیٹ نہ سکتیں۔

اور جب مجھے ہوش آیا تو سلمیٰ میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ میرے لب کھلتے، وہ بول اٹھی۔

''میں اب جا رہی ہوں، وہ تاریک غار مجھے پکار رہا ہے کہ جہاں نحوست اور کرب کے بھیانک سائے میرے منتظر ہیں۔ میرے لئے اداس اور مضطرب نہ ہونا رفیق من، کہ جو کوئی خدا کے سائے کو ایک بار دیکھ لیتا ہے، وہ شیطان کی پرچھائیوں سے

خوفزدہ نہیں ہوتا اور وہ آنکھیں جو خدا کو ایک بار دیکھ لیتی ہیں، دنیا کے غم و آلام انہیں محروم بصارت نہیں کر سکتے۔ جنہوں نے محبت کی مے پی لی ہے نفرت کا زہر انہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔ اور پھر خدا حافظ کہتے ہوئے، وہ مجھ سے جدا ہو گئی اور میں اس خاموش اور اداس معبد میں تنہا رہ گیا، اس بدنصیب پجاری کی طرح کہ جس نے اپنا سب کچھ اپنے معبود پہ نچھاور کر دیا ہو اور پھر بھی نامراد نا امید بیٹھا ہو۔

اس رات کے بعد سے میں نے اب تک کئی بار اس حقیقت پہ غور کیا ہے کہ ایثار کی دولت اور بغاوت کی مسرت میں سے کون سی شے زیادہ افضل ہے، کون زیادہ سعید ہے؟ اور کون زیادہ حسین ہے؟ اور آخر میں میں نے یہی صداقت اخذ کی ہے کہ خلوص ہمارے تمام جذبات و احساسات کا جوہر ہے اور ہمارے اعمال و کردار کو عظمت اور وقار بخشتا ہے۔

اسکے بغیر ہر جذبہ بے جان اور ہر احساس باطل ہے۔ اور سلمیٰ کرامی خلوص کی جیتی جاگتی تصویر تھی

(11)

پانچ سال گزر گئے اور سلمیٰ کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا کہ میاں بیوی کے روحانی رشتے کو مزید تقویت پہنچتی اور ان کی تنفر روحیں ایک دوسرے کو محبت آمیز قرب حاصل کر تیں۔

عقیم عورت کو ہر جگہ نفرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اکثر مرد اپنے وجود کو اخلاف کے ذریعے باقی رکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں اور بانجھ عورت ان کی اس روایتی اور مضحکہ خیز آرزو کی تکمیل نہیں کر پاتی، نتیجتاً وہ اپنے شوہر اور اس کے دیگر رشتہ داروں کی نفرت و بے رخی کا ہدف بن جاتی ہے۔ صاحب ثروت شوہر اپنی بانجھ بیوی کو اپنے مستقبل کی دشمن تصور کرتا ہے اور شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنی اس عقیم رفیقہ حیات سے نجات حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے حتیٰ کہ نجات کے اس تصور میں

بیوی کیموت کی خواہش شامل ہوتی ہے۔

منصور بے غالب بھی ایک ایسا ہی مرد تھا۔ فولاد کی طرح سخت اور قہر کی طرح حریص، سلمیٰ چونکہ اس کی اس احمقانہ خواہش کی تکمیل نہ کر پائی تھی۔ اس لئے وہ اپنے شوہر کی نظروں میں بے وقعت ہو کے رہ گئی تھی اور اس کے حسن و جمال اور شرافت و تقدس کی اب کوئی قیمت نہ رہی تھی۔

غار کے اگے ہوئے پودے سے پھل کی تمنا عیت ہے، اور قفس میں اسیر بلبل سے نشیمن کی امید احمقانہ تصور ہے۔ کیا آپ چاہتے کہ بلبل قفس میں بھی آشیانہ بنائے اور اپنے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی غلامی کے قفس میں مقید کر دے؟ سلمیٰ ظلم و نحوست کے زنداں میں ڈال دی گئی تھی اور قدرت نہیں چاہتی تھی کہ اس زندان میں ایک اور نفس کا اضافہ کر دے۔ وادیوں میں کھلنے والے پھول فطرت کی محبت اور آفتاب کی شفقت کی اولادیں۔ اور ہمارے بچے رحم اور محبت کے پھول ہیں۔ جس قفس میں سلمیٰ مقید تھی وہاں رحم اور محبت کی روشنی نہیں پہنچتی تھی۔

لیکن اس کے باوجود سلمیٰ اپنے رب عظیم کے حضور پورے خضوع و خشوع کے ساتھ دعائیں مانگتی تھی کہ وہ اسے بہر صورت اولاد کی نعمت سے نواز دے۔

شام و سحر اس کے ہونٹوں پہ یہی رقص دعا کر رہی ہوتی اور یہی تمنا مچل رہی ہوتی۔۔ اور آخر قدرت نے اس کی دعائیں قبول کر لیں۔ غار میں اگے ہوئے پودے میں پھول آنے لگے اور قفس اسیر بلبل نے اپنے ہی پر نوچ کے نشیمن بنالیا۔

ماہ نیساں بیت رہا تھا کہ سلمیٰ تخلیق کے لذت بھرے کرب میں مبتلا ہوئی اور حیات و ممات میں رسہ کشی ہونے لگی۔ ڈاکٹر اور دایہ مستعدی اور اضطراب کے ساتھ منتظر تھے کہ کب وہ کائنات کو ایک نئے مہمان کی آمد کی نوید سنائیں۔

رات گئے سلمیٰ نے ایک کرب ناک چیخ ماری۔ ایک ایسی چیخ جو زندگی سے زندگی کی تقسیم کی مظہر تھی، ایک طویل اور مسلسل کراہ جو عدم کے لامحدود خلا میں گونجی تھی۔

ایک ناتواں مخلوق کی چیخ جو زندگی اور موت کے پاؤں تلے کچلی جا رہی تھی۔ مظلوم و مقہور سلمیٰ کی چیخ جو تخلیق کے جہنم میں پھٹک رہی تھی۔

آخر شب اور آغاز سحر کی درمیانی ساعتوں میں سلمیٰ نے ایک لڑکے کو جنم دیا اور سارے گھر میں خوشیوں کے پھول بکھر گئے۔ سلمیٰ نے آنکھیں کھولیں اور اردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھا سبھی کے ہونٹ متبسم تھے کے چہروں پر مسرت و اطمینان کی چمک تھی۔ لیکن سلمیٰ نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے پلنگ کے قریب زندگی اور موت میں تصادم اب بھی جاری ہے۔ اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹوں سے بے اختیار یہ آواز ابھری، میرا بچہ مجھے میرا بچہ دکھاؤ۔ اور اس وقت نرس نے ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا بچہ سلمیٰ کے پہلو میں رکھ دیا۔ ڈاکٹر خاموشی سے سلمیٰ کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور اس کی نمناک آنکھیں کسی آنے والے طوفان غم کا پیش خیمہ تھیں۔

مسرت بھرے قہقہوں نے ہمسایوں کو بیدار کر دیا اور وہ مبارک بادیاں پیش کرنے منصور بے غالب کے پاس پہنچنے لگے۔ لیکن ڈاکٹر اب مغموم و پریشان تھا اور اس کی نظریں سلمیٰ اور اس کے بچے پر مرکوز تھیں ادھر سورج کی پہلی کرنوں نے عروس عارضی کے ہونٹوں کو چوما، ادھر سلمیٰ نے اپنے لخت جگر کو سینے سے لگایا۔ ننھے مہمان نے پہلی بار آنکھوں کے پٹ کھولے اور اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی اس نے ایک ہلکی سی جھرجھری لی اور آنکھوں کے پٹ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے، ڈاکٹر نے بچے کو اٹھا لیا، اسی لمحے آنسو ضبط کا بندتوڑ کے بہہ نکلے اور ڈاکٹر نے جیسے خود سے سرگوشی میں کہا۔۔۔۔ ننھا مہمان رخصت ہو رہا ہے!''

منصور بے غالب لوگوں میں گھرا مبارک بادیں قبول کر رہا تھا اور ننھے وارث کی صحت کے جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ اور ننھا وارث، صحت و زندگی سے ناتا توڑ کے موت کی آغوش میں سو چکا تھا۔

سلمیٰ نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے التجا کی۔

''مجھے میرا لال دیجئے کہ اسے سینے سے لگاؤں، میں نے تو ابھی اسے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں اور آپ نے اسے مجھ سے جدا کرلیا۔ لیکن اسے کیا خبر کہ جس بچے کو وہ اپنے سینے سے لگانا چاہتی ہے۔ اسے تو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔''

وہ صبح صادق کو یہاں آیا اور ظہور خورشید کے ساتھ رخصت ہوگیا۔

وہ ایک خیال کیطرح وجود میں آیا، آہ کی طرح بکھرا اور سائے کی طرح معدوم ہو گیا۔

وہ اپنی ماں کی تسکین وتشفی کے لئے زندہ نہ رہ سکا۔

وہ شب کی انتہا کے ساتھ پیدا ہوا اور آغاز سحر کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ اس کی زندگی شبنم کے قطرے کی مثال تھی کہ جو چشم ظلمت سے ٹپکا اور سورج کی پہلی کرنوں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہوگیا۔

وہ ایک موت تھی جو سمندر کی چڑھتی ہوئی موج کے ساتھ ساحل پہ بکھرا اور ڈھلتی ہوئی موج کے ساتھ دوبارہ سمندر کی تہہ میں اتر گیا۔

وہ یاسمین کی اس کلی کی مثال تھا جو شاخ حیات پہ کھلتے ہی فنا کے پاؤں تلے مسل دی گئی۔

وہ ایک مہمان عزیز تھا جس کی آمد نے سلمٰی کے دل میں مسرت کی شمع جلا دی تھی اور جس کی رحلت نے اس کی روح کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

زندگی اسی کا نام ہے۔

افراد کی زندگی۔

اقوام کی زندگی

چاند، سورج اور ستاروں کی زندگی

سلمٰی نے ایک بار پھر ڈاکٹر سے التجا کی۔۔ التجا، جو اضطراب اور اشتیاق کا ملا جلا اظہار تھی۔۔ میرا بچہ دیجئے، مجھے میرا لال دکھایئے میں اسے جی بھر کے پیار کرنا

چاہتی ہوں، اور۔۔۔"

تب ڈاکٹر نے اپنے سر کو ذرا سا خم دیتے ہوئے ہی دھیمے مگر رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"افسوس ہے کہ آپ کا بچہ۔۔زندہ۔۔نہیں رہا۔۔"

اور ڈاکٹر کے ان لفظوں کے ساتھ ہی سلمٰی نے ایک دل دوز چیخ ماری اور ڈاکٹر سمیت ہر ایک دل ڈوبنے لگا۔

اور جب اسے ہوش آیا تو بڑے ہی سکون آمیز لہجہ میں بولی۔

"اچھا، خدا کی یہی مرضی تھی۔۔۔۔ میں اپنے بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے میری آغوش میں لٹا دیجئے، میں آخری بار اس کو سینے سے لگانا چاہتی ہوں۔۔"

اور ڈاکٹر نے مرا ہوا بچہ سلمٰی کی چھاتی پر لٹا دیا۔

سلمٰی نے اسے پیار سے گلے لگایا اور اسکے ننھے ننھے ہونٹوں کو کئی بار چوما۔۔پھر وہ اپنے مرے ہوئے بچے سے یوں مخاطب ہوئی۔

"تو تم مجھے لینے آئے تھے میرا لال، اس اذیت بھری قید سے نجات دلانے آئے تھے، ہیں نا، مجھے وہ راستہ دکھانے آئے تھے جو آزادی کے ساحل تک جاتا ہے۔تو چلو، میں تیار ہوں میری جان، میری راہنمائی کرو میرے لال کہ ہم اس اندھیرے غار سے نکل چلیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی سلمٰی خاموش ہوگئی۔سورج کی کرنیں کھڑکیوں کے راستے اندر آنے لگیں تھیں۔ ڈاکٹر اور دوسرے لوگ اشکبار آنکھوں سے ماں اور بیٹے کے بے جان جسموں کو دیکھ رہے تھے۔دونوں پرسکون اور مطمئن تھے۔

منصور بے غالب نے اپنی بیوی اور بچے کی موت کی خبر سنی تو گنگ رہ گیا۔آنکھوں کے سوتے ابلنے سے پہلے ہی خشک ہو گئے۔اسکے دائیں ہاتھ میں جام تھا اور وہ یوں ساکت و صامت کھڑا تھا جیسے وہ کوئی انسان نہ تھا، پتھر سے تراشا ہوا مجسمہ

تھا۔

دوسرے روز سلمیٰ کو اس کے سفید عروسی لباس کا کفن پہنا کے تابوت میں لٹا دیا گیا۔ بچے کو بھی اسی تابوت میں سلمیٰ کی چھاتی پر لٹا دیا گیا اس کا تابوت یہی تھا۔ جنازہ اٹھا تو میں بھی سر جھکائے ساتھ ساتھ چلا۔ قبرستان میں پہنچ کے بشپ غالب نے چند مذہبی رسوم ادا کیں اور تابوت کو قبر میں اتار دیا گیا۔

تابوت اتارا جا چکا تو ایک آدمی نے سرگوشی کی۔

''میری زندگی میں پہلا واقع ہے کہ میں نے تابوت میں دو لاشیں دیکھی ہیں۔۔۔''

دوسرے نے کہا۔

''یوں لگتا ہے جیسے بچہ اپنی ماں کو اس کے سنگدل شوہر سے نجات دلانے آیا تھا'

تیسرا بولا۔

''منصور بے غالب کو دیکھو کہ وہ آسمان کی طرف یوں تک رہا ہے جیسے اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہوں۔ ایسا لگتا ہے اسے اپنی بیوی اور بچے کی موت پر کوئی صدمہ نہیں پہنچا''

چوتھے نے لقمہ دیا۔

منصور بے غالب کو کیا فرق پڑتا ہے، بشپ غالب کل ہی اس کے لئے کوئی دولت مند لڑکی ڈھونڈ لے گا۔''

بشپ غالب اور دوسرے پادری ایک طرف کھڑے آیات مقدسہ کے ورد میں مشغول تھے اور دوسرے لوگ باری باری اس سے اظہار افسوس کی منافقانہ رسم ادا کر رہے تھے۔ میں ان سب سے الگ تھلگ کھڑا گورکن کو مٹی سے قبر بھرتے دیکھ رہا تھا۔

لوگ ایک ایک کر کے قبرستان سے رخصت ہونے لگے اور جب سبھی چلے گئے تو

مریم مگدلینی

جون کا مہینہ تھا جب میں نے یسوع کو پہلی بار دیکھا۔ وہ گیہوں کے کھیتوں میں سے جا رہا تھا کہ اپنی کنیزوں کے ساتھ اسکے پاس سے میرا گزر ہوا۔ وہ اس وقت تنہا تھا۔

اس کے چلنے کے انداز میں کس قدر جاذبیت تھی کہ اس سے پیشتر میں نے کسی بھی مرد کو یوں چلتے نہیں دیکھا۔ اسکے جسم کی حرکات وسکنات میں بے پناہ کشش تھی۔۔ ایسی کشش جس سے اب تک میری آنکھیں محروم رہی تھیں۔

میرا خیال ہے کہ مرد اس دھرتی پر اس انداز سے نہیں چلتے جس طرح کہ وہ چل رہا تھا مگر اب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا کہ تیزی سے۔

میری کنیزوں نے انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا، اور وہ لجاتی شرماتی ہوئی سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے رک گئی اور اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا، لیکن اس نے مجھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

اس کے اس رویے سے میرے دل میں اس کے لیے نفرت کا لاوا کھولنے لگا۔ عین اسی وقت میری خودداری مجھ پر عود آئی۔ مگر میرا بدن اس قدر سرد ہو رہا تھا جیسے کہ میں برف کے طوفانوں میں گھر گئی ہوں۔۔۔ میں سردی سے کانپ رہی تھی۔

اسی شب میں اسے اپنے خوابوں میں دیکھتی اور میری کنیزوں نے مجھے بتایا کہ میں سوتے میں چیخ مار کر چونک اٹھتی اور ساری رات کروٹ پہ کروٹ بدلتی رہی۔

یہ اگست کا مہینہ تھا جب میں نے اسے ایک بار پھر اپنے دریچہ میں سے دیکھا۔ وہ میرے باغ کے ایک درخت کیسائے میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ یوں بے حس و حرکت تھا جیسے کہ پتھر کی مورتی ہو۔۔۔ بالکل شہر اطاکیہ کے کسی معبد کی مورتی کی طرح۔

میری مصری لونڈی نے مجھے آ کر خبر دی۔ وہ شخص آج پھر یہاں آ گیا ہے اور وہ

آپ کے باغ میں بیٹھا ہوا ہے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا اور میری روح میرے بدن میں تھرتھرانے لگی کیونکہ وہ سندر شکل تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسکے بدن میں ایک خاص وحدت وتناسب ہے اور ایک عضو دوسرے کا مونس و ہمدم ہے۔

پھر میں نے دمشق کا لباس زیب تن کیا اور اپنے گھر سے اس کی طرف چل دی۔

نہ جانے یہ میری تنہائی تھی یا اس کی مہک جو کشاں کشاں مجھے اس کے پاس لے گئی۔شاید یہ میری آنکھوں کی تشنگی جو حسن و جمال کی متوالی تھی، یا یہ اس کا حسن تھا جو میری آنکھوں میں نور کا متلاشی تھا؟

ابھی تک مجھے اس کا کچھ علم نہیں؟

میں اپنی معطر پوشاک اور زریں پاپوش پہنے اس کی طرف چل دی۔وہ پاپوش مجھے میرے دوست ایک رومی کپتان نے تحفتاً دیے تھے۔جب میں اس کے پاس پہنچی تو میں نے کہا۔تم پر سلامتی ہو۔''

اور اس نے جواباً کہا: مریم تم پر بھی سلامتی ہو۔''

اس نے مجھ پر نگاہ ڈالی اور اس کی دوررس آنکھوں نے مجھے کچھ اس طرح دیکھا کہ ابھی تک کسی مرد نے مجھے یوں نہ دیکھا تھا۔اچانک مجھے یوں محسوس ہوا، گویا میں برہنہ ہوں اور میں شرمانے لگی۔

تب میں نے اسے دعوت دی۔''کیا آپ میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ نہ فرمائیں گے۔''

اس نے جواب دیا: ہاں مریم مگر ابھی نہیں۔''

اس نے تو صرف یہی کہا تھا، ابھی نہیں، سمندر کا شور اور ہوا کی آواز اور درختوں کی سرسراہٹ ان دو الفاظ کو دہرا رہے تھے، لیکن جب یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے تھے

، گویا حیات، موت سے ہم کلام تھی۔

میرے آشنایا درکھو، میں مردہ تھی اور ایک ایسی عورت تھی جس نے اپنی روح سے ناتہ توڑ لیا ہو۔ میں اس ذات سے الگ رہ کر زندگی گزار رہی تھی جو تم اب دیکھتے ہو۔ میں سب کی تھی لیکن کسی کی بھی نہ تھی۔ وہ مجھے فاحشہ کے نام سے پکارتے تھے اور ایک ایسی عورت کے نام سے یاد کرتے تھے جس میں سات بدروحیں تھیں۔ لوگ مجھ پر لعنت بھیجتے تھے اور مجھ پر پہلو تہی کرتے تھے۔

لیکن جب اس کی صبح صادق کی سی آنکھوں نے میری آنکھوں میں جھانکا تو میری رات کے ستارے مانند پڑ گئے اور میں مریم بن گئی۔۔ صرف مریم۔۔۔ ایک عورت جو اس دنیا کے لیے کھو گئی جسے وہ جانتی تھی اور اس نے دیکھا کہ پرانی راہوں سے منہ موڑ کر وہ اب ایک نئی دنیا میں ہے۔

میں نے ایک بار پھر اسے کہا: آئیں میرے ساتھ کھانا کھائیں۔

اور اس نے جواب دیا تم کیوں چاہتی ہوں کہ میں تمہارا مہمان بنوں؟''

میں کہا: میں التجا کرتی ہوں کہ آپ میرے گھر میں ضرور آئیں۔'' نہ جانے مجھ میں آسمان کی رفعتیں تھیں یا زمین کی بستیاں جو اس کو بلا رہی تھیں۔

تب اس نے مجھ پر نگاہ کی اور اس کی آنکھوں کا نصف النہار مجھ پر تھا اور اس نے کہا:

''تمہارے کتنے ہی چاہنے والے ہیں لیکن صرف میں اکیلا تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ دوسرے مرد تمہاری قربت میں اپنی ذات سے محبت رکھتے ہیں، لیکن میں تمہاری ذات کے لیے تم سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ تجھ میں ایک ایسا حسن دیکھتے ہیں جو ان کی زندگیوں کی طرح فنا ہو جائے گا، لیکن میں تجھ میں ایک ایسا جمال دیکھتا ہوں جو فنا نہ ہوگا اور تم اپنی زندگی کی خزاں میں اپنے چہرے کو آئینہ میں دیکھنے سے بالکل نہ ڈرو گی، اور نہ ہی اس سے تمہیں کوئی دکھ ہوگا۔

میں تم سے تمہاری ذات کی ان دیکھی قدروں سے محبت رکھتا ہوں۔''

تب اس نے نہایت دھیمی آواز سے کہا ''اب چلی جاؤ، اگر یہ بلوط کا درخت تمہارا ہے اور تم نہیں چاہتیں کہ میں اس کے سائے میں بیٹھ سکوں تو چلا جاؤں گا۔''

یہ سن کر میں چلا اٹھی اور میں نے اسے کہا: ''اے خداوند، میرے گھر میں ضرور آئیں۔ میرے پاس آپ کے لیے جلانے کو لوبان سے ہے اور آپ کے پاؤں دھونے کے لیے طلائی برتن ہے۔ آپ ایک اجنبی ہیں لیکن پھر بھی اجنبی نہیں۔ میں التجا کرتی ہوں، میرے گھر میں ضرور آئیں۔

تب وہ کھڑا ہو گیا اور مجھے یوں دیکھا کہ موسموں نے بھی کھیتوں کو اس انداز سے نہ دیکھا ہوگا، اور وہ مسکرانے لگا۔ اس نے ایک بار پھر کہا: ''دوسرے مرد اپنی ذات کے لیے تم سے محبت رکھتے ہیں لیکن میں تمہاری ذات کے لیے تم سے محبت رکھتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

لیکن اس کے چلنے کا انداز اس قدر دلکش تھا کہ کوئی مرد اس کی مانند نہ چلتا ہوگا۔ نہ جانے یہ ایک سانس تھا جس نے میرے باغ میں جنم لیا اور مشرق کی سمت چل پڑا یا کہ اے طوفان تھا جس نے ہر ایک چیز کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا۔

میں نہیں جانتی، لیکن اس دن کی عمیق نگاہوں نے مجھ سے مقیم اژدہے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور میں ایک عورت بن گئی۔۔۔ میں مریم بن گئی،۔۔ مگدلا کی مریم۔

شمعون پطرس

میں گلیل کی جھیل کے کنارے پر تھا جب میں نے پہلی بار اپنے خداوند کو دیکھا۔ میرا بھائی اندریاس بھی میرے ساتھ تھا اور ہم دونوں پانی میں مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

طوفانی ہواؤں سے تند تیز لہریں ساحل سے اپنا سر پٹخ رہی تھیں اور ہم ایک بھی مچھلی نہ پکڑ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم یاس کے بھنور میں حیران و پریشان تھے۔

اچانک یسوع ہمارے پاس کھڑا ہوا جیسے کہ عین اسی لمحے نمودار ہوا ہو کیونکہ ہم نے بالکل اسی وقت اسے اپنی طرف دیکھا تھا۔

تب اس نے ہمیں نام بنام پکارا اور کہا: ''اگر تم میرے پیچھے آؤ تو میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے چلوں گا جہاں پہ تمہیں کثیر تعداد میں مچھلیاں مل جائیں گی۔''

میں نے نظر اٹھا کر اسکے چہرے کو دیکھا تو جال میرے ہاتھوں سے گر گیا، کیونکہ مجھ میں ایک شعلہ سا روشن ہوا اور میں نے اسے پہچان لیا۔

میرے بھائی اندریاس نے کہا: ''ہم ان ساحلوں کی تمام گھاٹیوں کو جانتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایسے طوفانی موسم میں جب کہ ہوا تیز ہے، مچھلیاں ہمارے جالوں کی پہنچ سے دور چلی جاتی ہیں۔''

یسوع نے جواب دیا ''آؤ بحر عظیم کے ساحلوں تک، میں تمہیں آدم گیر بناؤں گا اور تمہارے جال کبھی خالی نہ ہوں گے۔''

ہم نے اپنی کشتیاں اور جال وہیں چھوڑ دیے اور اس کی پیروی میں اس کے پیچھے چل دیے۔

میرے جسم میں نقاہت سی محسوس ہو رہی تھی، حالانکہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

میں بڑھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں حیران و دم بخود تھا اور میرا بھائی اندریاس

حیرت واستعجاب کا مجسمہ بنا ہوا ہمارے پیچھے پیچھے تھا۔

جب ہم ریت پر جا رہے تھے تو میں نے قدرے دلیری سے کام لیتے ہوئے کہا: ''اے خداوند میں اور میرا بھائی تیرے نقش قدم پر چلیں گے۔ جہاں تو جائے گا ہم تیرے پیچھے پیچھے جائیں گے۔ اگر تو چاہے تو آج شب ہمارے گھر قیام کر۔ گو ہمارا گھر اتنا پر شکوہ نہیں پھر بھی تیرے آنے سے ہمیں خوشی ہوگی اور تو کھانے پر ہی ہماری غربت کا اندازہ کر لے گا۔ لیکن اگر تو ہمارے جھونپڑے میں آئے تو وہ ہمارے لیے ایک محل سے کم نہ ہوگا اور اگر تو ہمارے ساتھ کھانا کھائے تو تیری موجودگی سے دنیا کے شہزادے ہم پر رشک کریں گے۔''

اور اس نے کہا ''آج شب میں تمہارے گھر میں رہونگا۔

میرا دل خوشی کے جذبات سے مسرور تھا۔ ہم خاموشی سے اس کے پیچھے چلتے رہے اور اپنے گھر پہنچ گئے۔

جب ہم دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے تو یسوع نے کہا ''اس گھر پر اور اس گھر کے مکینوں پر سلامتی ہو۔''

یہ کہہ کر وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اسکے پیچھے پیچھے ہم بھی اندر چلے گئے۔

میرے بیوی، میری ساس اور میرے بیٹی اس کے سامنے کھڑی تھیں اور ان تینوں نے اسے جھک کر سلام کیا اور اس کی آستین کا بوسہ دیا۔

وہ سب حیران و شادمان تھیں کہ وہ جو برگزیدہ اور خدا کا پیارا بیٹا ہے، آج ہمارا مہمان ہوگا کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے ہی اسے دریائے یرون پر دیکھا تھا، جب یوحنا بپتسمہ دینے والے نے اس کی منادی کی۔

میرے بیوی اور میری ساس کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

میری بیٹی جس کی عمر اس وقت صرف بارہ برس تھی۔ یسوع کا دامن پکڑے ہوئے اس کے پاس یوں کھڑی تھی گویا اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ ہمیں چھوڑ کر رات کی

تاریکیوں میں چلا نہ جائے۔ وہ اس کیساتھ یوں لپٹی ہوئی تھی جیسے کہ کسی کھوئی ہوئی بھیڑ نے اپنے چرواہے کو پالیا ہو۔

میری بیٹی پیطر و نیلا جو جوان تھی اور اس سے ناواقف تھی، اس کے چہرے پر برابر نظریں جمائے رہی اور اس کے ہاتھوں کی حرکات وسکنا کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آنسوؤں کے قطرے اس کی آنکھوں میں چھلک رہے تھے۔

کھانے کے بعد ہم صحن میں چلے آئے اور سب اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔

وہ ہم سے ہم کلام تھا اور ہم اس کی باتیں سن رہے تھے اور ہمارے دل پرندوں کیطرح ہمارے سینوں میں پھڑ پھڑا اٹھے۔

وہ ہم نے نئی پیدائش، آسمان کے دروازوں کے کھلے، فرشتوں کے زمین پر اترنے اور سب لوگوں کے لیے صلح و آشتی کی خوشخبری لانے اور انسان کی آرزوؤں اور امنگوں کو خدا کے تخت کے پاس لے جانے کی باتیں کر رہا تھا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور میرے دل کی عمیق ترین گہرائیں میں جھانک کر دیکھا اور کہا میں نے تجھے اور تیرے بھائی کو چن لیا ہے اور لازم ہے کہ تم میری پیروی کرو۔ تم تھکے ماندے اور بوجھ سے دبے ہوئے ہو۔ اب میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فرتن، تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔"

جب وہ ہم سے یوں گویا ہوا تو میں اور میرا بھائی دونوں کھڑے ہو گئے اور اسے کہا۔

اے خداوند، ہم دنیا کی انتہا تک تیری پیروی کریں گے اور گو ہمارے دل پر بڑا بوجھ ہے لیکن ہم اسے تیرے ساتھ ہنسی خوشی برداشت کرینگے اور اگر ہم لب راہ بھی گر جائیں تو ہم یہ محسوس کریں گے گویا کہ ہم فردوس کی راہ گر گئے ہیں اور اسی پر ہم قناعت کریں گے۔"

او رمیرے بھائی اندریاس نے کہا ''اے خداوند ہم تیرے ہاتھوں میں راچھ اور دھاگے کی مانند ہیں۔ ہمیں بن کر کپڑے کی صورت میں تبدیل کر دے تا کہ ہم قادر مطلق کے لباس کی زینت بنیں۔''

میری بیوی نے جب اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تو اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے قطرے ڈھلک رہے تھے اور اس کے وفود مسرت سے کہا ''مبارک ہے تو خداوند کے نام پر آتا ہے۔ مبارک ہے وہ ماں جس نے تجھے جنم دیا اور دودھ پلایا۔''

میری بیٹی جو اس وقت بارہ برس کی تھی اور جو پاؤں میں بیٹھی ہوئی تھی، اس ے اور قریب تر ہوگئی۔

میری ساس جو دہلیز پر بیٹھی ہوئی تھی، اس نے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموش روتی رہی اور اس کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

یسوع اٹھا اور اس کے قریب جا کر کہنے لگا۔ تم تم ان سب کی ماں ہو۔ تمہارے آنسو خوشی کے آنسو ہیں اور میں ان تمہارے آنسوؤں کو یاد رکھونگا۔

دور افق پر چاند دھیرے دھیرے نمودار ہو رہا تھا۔ یسوع نے ایک لمحہ کے لیے اسے غور سے دیکھا اور ہماری طرف گھوم کر کہا: ''اب دیر ہو رہی ہے۔، اپنے اپنے بستروں میں چلے جاؤ۔ دعا ہے کہ خدا تمہارے خوابوں میں تم سے ہمکلام ہو۔ میں پو پھٹنے تک یہیں کاشانہ شجر پوش کے نیچے رہوں گا۔ آج میں نے جال ڈالا اور دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ میں اب بالکل مطمئن ہوں۔ اچھا شب بخیر۔

تب میری ساس نے کہا ''مگر آپ کا بستر تو کمرے میں لگا دیا ہے۔ مہربانی سے آپ اندر آ کر آرام کریں۔''

اس نے جواب دیا فی الحقیقت میں آرام تو کروں گا لیکن چھت کے نیچے نہیں۔ مجھے آج شب ستاروں اور انگوروں کے اس شامیانہ کے نیچے بسر کرنے دیں۔''

وہ جلدی جلدی جا کر اس کے لیے ایک گدا، لحاف اور تکیہ لے آئی لیکن اس نے

مسکراتے ہوئے کہا۔ میں ایک ایسے بستر پر سوؤں گا جو دوہری تہوں سے بنایا گیا ہے۔"

ہم اسے چھوڑ کر گھر کے اندر آ گئے۔ میری بیٹی سب سے آخر میں داخل ہوئی۔ اس کی نگاہیں یسوع پر جمی ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ میں نے دروازہ بند کر لیا۔

اس وقت پہلی بار مجھے خداوند کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئیں۔

گو یہ آج سے کتنے سال پہلے کی بات ہے لیکن اب بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہ سب باتیں آج ہی وقوع میں آئی ہیں۔

.....

سردار کاہن کا نفا

اس یسوع نامی شخص اور اس کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے آیئے ہم دو نمایاں حقائق کو مدنظر رکھیں، اول یہ کہ ہمیں ہر قیمت پر توریت کی حفاظت کرنا ہے، دوم یہ کہ سلطنت روما ہماری سلطنت کی حفاظت کرے۔

اس شخص کا روم کی سلطنت اور ہمارے ساتھ باغیانہ رویہ تھا۔ نہ جانے اس نے سادہ لوح عوام کے خیالوں اور ارادوں میں کونسا زہر بھر دیا کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ اس نے ان پر کوئی جادو کر دیا ہے، جس سے وہ قیصر کے اور ہمارے مخالف بن گئے۔

میرے غلام اور لونڈیوں نے جب اسے بازار میں تعلیم دیتے سنا تو وہ سب گستاخ اور باغی ہو گئے۔ ان میں سے بعض ایک نے میرے گھر میں کام کرنا چھوڑ دیا اور واپس اسی صحرا میں چلے گئے جہاں سے وہ آئے تھے۔

اس بات کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ توریت ہمارے ایمان کی بنیاد اور قوت کا قلعہ ہے۔

کوئی شخص ہم کو مغلوب نہیں کر سکتا، جب تک اس کے ہاتھوں کو روکنے کے لیے ہمارے پاس قوت ہے اور کوئی شخص اس وقت تک یروشلم کو مسمار نہیں کر سکتا جب تک اس کی دیواریں اس پتھر پر کھڑی ہیں جو داؤد نے وہاں رکھا تھا۔

اگر ابراہام کی نسل زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتی ہے تو لازم ہے کہ اس سرزمین کی بے حرمتی نہ ہو۔

اس شخص یسوع نے ہماری سرزمین کو نجس کر دیا۔ اسی لیے ہم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس فعل کے ارتکاب میں ہمارا ضمیر بالکل صاف تھا اور یہ سب کچھ ہم نے ارادتاً کیا تھا۔ ہم ان سب کو جو ہماری شریعت میں کسی دوسری چیز کی آمیزش کرتے ہیں قتل کر دیں گے۔۔۔۔ وہ جو ہماری مقدس وراثت کو ناپاک کرنا چاہتے

ہیں وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نہیں بچیں گے۔

پنطس پلاطس کو اور ہمیں بھی یہ کھٹکا تھا کہ اس شخص کا وجود خطرے سے خالی نہیں، اس لیے اسے ختم کر دینا ایک عقل مندانہ اقدام تھا۔

میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا کہ اس کے شاگردوں کا بھی حشر ہوگا، اور ان کی باتوں کی گونج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔

اگر یہودیہ کے وجود کو قائم رکھنا ہے تو اس کی مخالفت کرنے والوں کو خاک میں ملا دینا ضروری ہے۔ پیشتر اس کے کہ یہودیہ کا نام اس صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

میں اپنے ان سفید بالوں میں سموئیل کی طرح راکھ ڈال لوں گا، اور ہارون کے اس جامہ کو پھاڑ کر چیتھڑے پہن لوں گا اس سے پہلے کہ میں اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں۔

یوانہ

(ہیرودیس کے دیوان کی بیوی)

یسوع کی شادی تو نہیں ہوئی تھی لیکن وہ عورتوں کا ہمدرد ضرور تھا اور وہ انہیں جانتا تھا اور ان کی اس سے گہری رفاقت تھی۔

وہ بچوں کو بھی بہت پیار کرتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک باپ، ایک بھائی اور ایک بیٹے کی محبت کی روشنی چمکتی تھی۔

وہ کسی بچے کو گھٹنوں میں ایک باپ، ایک بھائی اور ایک بیٹے کی محبت کی روشنی میں چمکتی تھی۔

وہ کسی بچے کو گھٹنوں پر بٹھا کر لوگوں سے کہتا "تمہارے آزادی اور قوت اس بچے کی سی ہے اور آسمان کی بادشاہت بھی ایسوں ہی کی ہے۔"

کہتے ہیں کہ اے موسیٰ کی شریعت کی پروانہ تھی اور وہ یروشلم اور دیگر دیہاتوں کی فاحشہ عورتوں کو معاف کر دیتا، حالانکہ وہ اس کی مستحق نہ ہوتیں۔

اس وقت مجھے بھی فاحشہ عورتوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ مجھے ایک ایسے شخص سے محبت تھی جو میرا شوہر نہ تھا اور وہ ایک صدوقی تھا۔

ایک دن بہت سے صدوقی میرے گھر میں آ داخل ہوئے جبکہ میرا یہ آشنا میرے ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور میرا آشنا مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

وہ مجھے پکڑ کر بازار میں لے آئے جہاں یسوع تعلیم دے رہا تھا۔

اس کے سامنے مجھے لے جانے میں ان کی خواہش یہ تھی کہ اسے آزمائیں اور یہ آزمائش اس کے لیے ایک پھندا بن جائے۔

یسوع نے مجھے سزا نہ دی۔ اس نے الٹا انہیں شرمندہ کر دیا جو مجھے شرمندہ کرنا چاہتے تھے اور اس نے انہیں خوب ملامت کی۔

اور اس نے مجھے وہاں سے چلے جانے کے لیے اشارہ کیا۔

اس کے بعد زندگی کے سارے بے ذائقہ پھل میرے لیے مزید اور شیریں بن گئے اور بے کیف پھولوں کی خوشبو میرے نتھنوں میں سے ہوتی ہوئی میرے دماغ کو معطر کرنے لگی اور میں ایک عورت بن گئی جس کی یادوں کے دامن پر کوئی دھبہ نہ تھا۔ میں آزاد تھی اور اس کے بعد میرا سر کبھی کسی کے سامنے نہ جھکا۔

.....

All rights reserved. ©2002-2006

رفقہ

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یسوع ابھی لوگوں میں مشہور نہیں ہوا تھا۔

میں اپنی ماں کے باغیچہ میں گلاب کے پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی کہ یسوع آ کر ہمارے گھر کے بڑے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

اس نے کہا، میں پیاسا ہوں کیا آپ مجھے پانی پلا سکیں گی؟''

میں بھاگتی ہوئی گئی اور چاندی کا پیالہ لیا اور پانی سے بھرا اور اس میں چند قطرے شیشی میں سے روح چنبیلی کے انڈیل دیے۔

اس نے پیا اور وہ بہت خوش ہوا۔

تب اس نے میری آنکھوں میں جھانک کر کہا، میرے دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

جب اس نے کہا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا جسم مانند دریچہ کے ہے اور اس میں سے زور کی آندھی کے جھونکے گزر رہے تھے۔ میں اب شرماتی بھی نہیں تھی اور میں نے کہا۔ ''اے خداوند، میری منگنی گلیل کے قانا کے ایک مرد سے ہو گئی ہے اور آئندہ ہفتہ کے چوتھے دن میری شادی ہو گی۔ کیا آپ میری شادی میں آ سکیں گے۔ آپ کی موجودگی ہمارے لیے باعث فخر ہو گی۔''

اس نے کہا ''میری بیٹی! میں ضرور آؤں گا۔''

اس نے مجھے کہا تھا ''میری بیٹی! حالانکہ وہ بھی جوان تھا اور میری عمر تقریباً بیس سال کے لگ بھگ تھی۔

تب وہ سڑک پر چلا گیا۔

میں اپنے باغ کے دروازہ میں کھڑی تھی کہ میری ماں نے مجھے گھر میں بلا لیا۔

آئندہ ہفتہ کے چوتھے دن میری شادی ہو گئی اور میں اپنے سسرال چلی گئی۔

یسوع بھی وہاں آیا اور اسکے ساتھ اس کی ماں بھی تھی۔

وہ سب دوسرے مہمانوں کی طرح دستر خوان پر بیٹھ گئے اور میری کنواری سہیلیوں نے سلیمان بادشاہ کی شادی کے گیت الاپتے ہوئے ایک عجیب سماں باندھ دیا اور وہ وہاں ہمارے ساتھ کھانے میں شرک ہوا۔ مجھے اور دوسرے مہمانوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

غروب آفتاب کا وقت تھا کہ میرا سسر یسوع کی ماں کے پاس جا کر اس کے کان میں کہنے لگا

''ہمارے پاس مہمانوں کے لیے اب مے باقی نہیں رہی اور دن بھی ابھی تمام نہیں ہوا۔''

یسوع نے ان کی سرگوشیوں کو سنا اور فرمایا ''جاؤ دیکھو میرے حکم سے وہاں سے موجود ہو گئی۔''

اور واقعی ایسا ہی ہوا..... کہ جب تک مہمان وہاں رہے، ان کے پینے کے لیے بہترین مے ملتی رہی۔

اس دوران یسوع ہم سے باتیں کرتا رہا۔ وہ آسمان و زمین کے عجائبات سے متعلق کچھ کہہ رہا تھا..... آسمان کے پھولوں سے متعلق جو اس وقت کھلتے ہیں جب رات اپنی سیاہ زلفوں کو زمین پر بکھیر دیتی ہے اور زمین کے پھولوں کے بارے میں جو اپنا منہ اس وقت کھولتے ہیں جب دن ستاروں کو چھپا لیتا ہے۔

اس نے کچھ کہانیاں اور تمثیلیں ہمیں بتائیں، اور اس کی آواز نے ہمیں کچھ یوں محسور کیا کہ ہم اس کے چہرے کو تکنے لگے گویا کہ ہم خواب دیکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں ہم اپنی رکابیوں اور پیالوں کو بھی بھول چکے تھے۔

اور جب میں اس کی باتیں سن رہی تھی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک انجانی دنیا میں پہنچ چکی ہوں۔

کچھ دیر کے بعد ایک مہمان نے میرے سسر سے کہا ''تم آخیر ضیافت تک گھٹیا

مے پیش کرتے رہے اور اب اچھی مے پیش کر رہے ہو، حالانکہ دوسرے میزبان ایسا نہیں کرتے۔''

سب لوگوں کا ایمان تھا کہ یسوع نے ایک معجزہ دکھایا تھا کہ ضیافت کے شروع کی نسبت لوگوں کو آخر میں اچھی مے پیش کی گئی۔

میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ یسوع نے معجزانہ طور پر مے عطا کی ہے، لیکن میں اتنی متعجب نہیں تھی، کیونکہ میرے لیے اس کی آواز بذات خود معجزہ سے کم نہ تھی۔

اور واقعی اس کی آواز مدتوں میرے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ گونجتی رہی، حالانکہ میں اب ایک بچہ کی ماں بھی بن چکی ہوں۔

آج تک ہمارے گاؤں اور ہمارے قریب کے دیگر دیہات میں لوگ اس مہمان کی باتیں یاد کرتے ہیں۔ یسوع ناصری کی باتیں اور اس کی مے سب سے اچھی ہے۔''

دمشق کا ایک فارسی فلسفہ دان

میں اس شخص یسوع کی تقدیر کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا اور نہ ہی یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کے شاگردوں کا کیا انجام ہوگا۔

سیب میں پوشیدہ بیج بذات خود ایک پوشیدہ باغ ہے لیکن اگر یہ بیج چٹان پر گر پڑے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

لیکن میں یہ کہوں گا'' کہ اسرائیل کا قدیم خدا سنگدل اور بے رحم ہے۔ اسرائیلیو ں کا اب کوئی ایسا خدا ہونا چاہیے، جس کا دل محبت سے بھرا ہوا اور وہ معاف کر دینے والا خدا ہو۔ جو اپنے لوگوں پر کرم کی نظر کرے اور آفتاب کی کرنوں کیساتھ زمین پر اتر آئے اور ان کی محرومیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلے بجائے اس کے کہ تخت عدالت پر بیٹھ کر ان کی بدیوں اور بدکرداریوں کو جانچتا تولتا رہے۔

ضرورت ہے کہ اب اسرائیلیوں کا ایک ایسا خدا ہو جو غیور نہ ہو..... جو انسانوں کی کمزوریوں اور برائیوں کو دیر تک یاد نہ رکھے اور تیسری اور چوتھی پشت تک ان سے بدلہ نہ لے۔

ملک ارم کا انسان بھی دیگر ممالک کے انسانوں کی طرح ہے۔ وہ اپنے فہم ادراک کے آئینہ میں جھانک کر دیکھتا ہے اور وہاں پر اپنے معبود کو تلاش کرتا ہے۔ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنی شبیہ پر ڈھال لیگا، اور اس معبود کی پرستش کریگا جس میں اس کی شبیہ و صورت منعکس ہوتی ہے۔

درحقیقت انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں پنہاں آرزوؤں کے لیے دعا کرتا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ تو پوری ہو جائیں۔

انسان کی روح سے زیادہ اور کوئی گہرائی نہیں۔ روح اپنی گہرائی میں اپنے آپ سے ہم کلام ہوتی ہے کیونکہ کوئی اور آواز نہیں جو بول سکے اور کوئی اور کان نہیں جو سن چکے۔

حتیٰ کہ یہاں فارس میں بھی ہم لوگ قرص خورشید اپنے چہرے دیکھتے ہیں اور اس آگ میں جو ہم قربان گاہوں پر جلاتے ہیں، ہمارے بدن رقص کناں ہوتے ہیں۔

یسوع کا خدا جسے وہ باپ کہہ کر پکارتا ہے، اس کے لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ہوگا اور ان تمام آرزوؤں کو پورا کرے گا۔

مصر کے دیوتاؤں نے اپنے اوپر سے جسد سنگ اتار پھینکا ہے اور صحرا کی طرف بھاگ گئے ہیں تاکہ ان لوگوں سے آزاد ہو جائیں جو علم وفن کی دنیا سے آزاد ہیں۔

یونان اور روم کے دیوتا بھی اپنے ہی زوال میں غروب ہو رہے ہیں۔ وہ جنوں کی حالت میں رہنے والے انسانوں کی طرح تھے۔ اس جنگل کو جس میں ان کے طلسم نے جنم لیا تھا۔ انتھینیوں اور اسکندریوں کے کلہاڑوں نے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

اور اس سرزمین کے اونچے مقاموں کو بھی بیروت کے دانشوروں اور انطاکیہ کے گوشہ نشینوں نے پستیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

صرف بوڑھی عورتیں اور تھکے ہوئے مرد اپنے آباء کے مندروں کے متلاشی ہیں کیونکہ صرف تھکن سے چور انسان ہی شاہراہ کے آخری کونے پر پہنچ کر شاہراہ کے شروع کو تلاش کرتا ہے۔

لیکن یہ شخص یسوع ناصری ایک ایسے خدا کے بارے میں بتاتا ہے جو اتنا بڑا ہے کہ اس کی کسی انسان کی روح کے ساتھ مشابہت نہیں، وہ اس قدر انسان کو چاہتا ہے کہ اسے سزا نہیں دیتا، اس قدر محبت رکھتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے گناہوں کو یاد نہیں رکھتا۔ اس ناصری کا خدا انسان کے گھر کی دہلیز کو پار کر کے اس کے آتش دان کے پاس بیٹھے گا۔ وہ ان کی راہ کے لیے روشنی اور انکے گھروں میں برکت کا باعث ہوگا۔

لیکن میرا خدا زرتشت کا خدا ہے جو آسمان پر آفتاب، زمین پر آگ، اور انسان کے دل میں نور ہے۔ میں اس سے مطمئن ہوں اور مجھے کسی دوسرے خدا کی ضرورت نہیں۔

داؤد

(یسوع کا ایک شاگرد)

میں یسوع کی باتوں اور تمثیلوں کے مفہوم کو اس وقت تک نہ سمجھ سکا جب تک وہ ہمارے درمیان میں آ کر گھل مل نہ گیا اور وہ اس وقت تک میری سمجھ سے باہر رہیں جب تک اس کے الفاظ لوگوں میں مجسم ہو کر میرے اپنے ایام کے جلوس میں چلنے پھرنے نہ لگے۔

آیئے! میں آپ کو بتاتا ہوں، ایک شب میں اپنے گھر میں بیٹھا اس کی باتوں اور کاموں پر غور و فکر کر رہا تھا کہ انہیں ضابطہ تحریر میں لاؤں، تین چور میرے گھر میں آ دھمکے۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ میری چیزوں کو چرانیکی غرض سے آئے تھے اور مجھے علم تھا کہ مجھے ان لوگوں سے کس طرح نپٹنا ہے، تلوار یا صرف زبان سے کہ ''آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟''

لیکن میں اپنے آقا کی یادوں کو لکھنے میں محو رہا۔

اور جب چور مجھے گئے تو مجھے اس کی یہ بات یاد آئی ''جو تیرا کرتا لینا چاہے اسے چوغہ بھی دیدے۔''

اس وقت میں یسوع کی یہ بات سمجھ گیا۔

جب میں بیٹھا یسوع کی باتوں کو لکھ رہا تھا تو کوئی شخص مجھے اس سے روک نہیں سکتا تھا، خواہ وہ میرا اسباب بھی کیوں نہ لیجائے۔

کیونکہ اپنے اسباب اور ذات کو بچانے کی فکر سے زیادہ مجھے یہ احساس تھا کہ آسمان پر اس کی نسبت بہت بڑا خزانہ میرے لیے موجود ہے۔

لوقا

یسوع کو ریا کاروں سے نفرت تھی اور وہ اکثر ان کو ملامت کیا کرتا تھا، اس کے غضب سے، اور ملامت سے انہیں بہت کوفت ہوتی تھی۔

چنانچہ اس کے ڈر سے وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنیکی جستجو کرنے لگے اور اندھیر میں چھچھوندروں کی طرح اس کے قدموں کے نشان ڈھونڈتے پھرتے تھے لیکن وہ ان کے دام فریب میں نہ آیا۔

وہ ان پر مسکراتا کیونکہ اسے علم تھا کہ روح کو ٹھٹھوں میں نہیں اڑایا جا سکتا اور مقام لغزش اس کے لیے کچھ اہمیت نہیں رکھتا اور نہ اسے گڑھے میں گرایا جا سکتا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا جس میں وہ مضمحل، لنگڑوں اور کمزوروں کی تصویر دیکھتا تھا اور وہ لوگ بھی اسے آئینہ میں نظر آتے تھے جو پہاڑ کی چوٹی پر جانے والے راستے پر بے یار و مددگار بیٹھے تھے۔

اور وہ ان پر ترس کھا کر انہیں اٹھا کھڑا کرتا تھا اور ان کے بوجھ کو خود اٹھا لیتا، نہیں نہیں وہ ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے انہیں اپنی قوت سے ملبس کرتا۔

وہ جھوٹوں، چوروں اور قاتلوں کو اس قدر ملامت نہیں کرتا تھا جس قدر کہ وہ ریا کاروں سے نالاں تھا کیونکہ ان کے چہرے نقاب سے اور ان کے ہاتھ دستانوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔

میں اکثر اپنے دل میں سوچتا ہوں کہ تمام تھکے ماندوں اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو یہاں پر اس مقدس مقام پر پناہ مل جاتی ہے، لیکن ریا کاروں کے لیے اس کے دروازے بند ہیں۔

ایک دن جب ہم اس کے ساتھ باغ میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے اسے کہا ''اے خداوند! تو ریا کاروں کے سوا سب کمزور اور تھکے ماندے گنہگاروں کو اطمینان اور معافی دیتا ہے۔''

اور اس نے کہا ''لوقا تم نے الفاظ کے انتخاب میں نہایت اچھا ذوق دکھایا ہے، جب تم یہ کہتے ہو کہ گنہگار کمزور اور تھکے ماندے ہیں ، میں ان کے جسم کی کمزوریوں اور روحانی خامیوں کو معاف کر دیتا ہوں ، کیونکہ یہ ناکامیاں انہیں اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہیں۔

لیکن میں ریاکاروں کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اپنا جوا کمزوروں اور ناتوانوں پر رکھتے ہیں۔

وہ ناتوان جنہیں تم لوگ گنہگار کہتے ہو، ان بے بال و بچوں کی طرح ہیں جو گھونسلے سے گر گئے ہوں اور ریاکار اس گدھ کی طرح ہے جو شکار کو موت کی نیند سلانے کے لیے پہاڑ پر بیٹھا انتظار کرتا ہے۔

یہ کمزور و ناتواں گنہگار ان لوگوں کی مانند ہیں جو صحرا میں کھو گئے ہوں، لیکن ریاکار کھویا ہوا نہیں ۔وہ راہ اسے واقف ہے، تاہم وہ ریت اور طوفان کے درمیان مسکراتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں انہیں قبول نہیں کرتا۔''

جب یسوع کہہ رہا تھا تو میں کچھ نہ سمجھ سکا، لیکن اب میں سمجھ گیا ہوں۔

تب اس سرزمین کے لوگوں نے اسے پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کا خیال تھا کہ وہ یہ قدم اٹھانے میں حق بجانب تھے، کیونکہ صدر عدالت میں گواہوں اور شہادتوں کے لیے موسوی شریعت کو استعمال کیا گیا۔

اور وہ جو پو پھٹنے سے پہلے اور غروب آفتاب پر شریعت کو توڑتے ہیں، انہوں نے اسے مصلوب کیا۔

لبنان کا ایک چرواہا

موسم گرما اپنے آخری سانس لے رہا تھا کہ میں نے یسوع کو شام کے وقت تین آدمیوں کے ہمراہ اس سڑک پر جاتے دیکھا، وہ چراگاہ کے اس کونے پر جا کر ٹھہر گیا۔

میری بانسری کے نغمے فضا میں بکھر رہے تھے اور میرا گلہ میرے اردگرد چر رہا تھا۔ جب وہ ٹھہر گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا: ''ایلیا کی قبر کہاں ہے؟ کیا یہ اس جگہ کے نزدیک ہی کہیں پر ہے؟''

میں نے اسے جواب دیا: ''وہ دیکھئے وہاں پتھروں کے ڈھیر کے نیچے ہے، کیونکہ آج کے دن تک ہر ایک راہ گیر گزرتے ہوئے اس ڈھیر پر ایک پتھر رکھا دیتا ہے۔''

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلا گیا۔

تین دن کے بعد گملی ایل چرواہے نے مجھے بتایا کہ وہ شخص جو اس راہ سے گزرا تھا، یہودیہ میں نبی ہے لیکن میں نے اس کا یقین نہ کیا۔ تاہم کئی دنوں میں اس شخص کے متعلق سوچتا رہا۔

بہار کا موسم تھا کہ یسوع کا ایک بار پھر اس چراگاہ کے پاس سے گزر ہوا۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔

اس دن میری بانسری خاموش تھی کیونکہ میری ایک بھیڑ کھو گئی تھی۔ میں افسردہ تھا اور میرا دل مارے غم کے بیٹھا جا رہا تھا۔

اور میں اس کے پاس جا کر اس کے سامنے گم صم ہو گیا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے تسلی دے۔ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''آج تم اپنی بانسری کیوں نہیں بجاتے اور تم اتنے افسردہ خاطر کیوں ہو؟''

میں نے جواب دیا: ''میری بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ گم ہو گئی ہے۔ میں نے

اسے ادھر ادھر بہت تلاش کیا، لیکن وہ مجھے نہیں مل سکی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟''

ایک لمحہ تک وہ خاموش رہا، پھر مسکراتے ہوئے کہا: تھوڑی دیر یہاں انتظار کرو، میں تمہاری بھیڑ ڈھونڈ لاؤں گا۔ وہ چلا گیا اور پہاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس ہو گیا اور میری بھیڑ اس کے پاس تھی۔ جب وہ میرے سامنے کھڑا تھا تو میری بھیڑ بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ میں نے خوشی سے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

یسوع نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ''آج سے تم اپنے گلہ کی تمام بھیڑوں کی نسبت اس بھیڑ سے زیادہ پیار کرو گے، کیونکہ وہ کھوئی ہوئی تھی اور اب مل گئی ہے۔''

ایک بار پھر میں نے اپنی بھیڑ کو خوشی سے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ وہ میرے اور قریب ہو گئی، اور میں خاموش تھا۔

لیکن جب میں نے شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنا سر اوپر اٹھایا تو وہ وہاں سے جا چکا تھا اور مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کے پیچھے جا سکتا

یوحنا بپتسمہ دینے والا

میں اس تنگ و تاریک زنداں میں خاموش نہیں ہوں، جبکہ میدان کارزار میں یسوع کی آواز گونج رہی ہے۔ وہ مجھے پابند سلاسل نہیں رکھ سکتے جبکہ وہ آزاد ہے۔

لوگ مجھے بتاتے ہیں کہ آستین کے سانپ اس کی کمر کے گرد کنڈلیاں مارے ہوئے ہیں۔ یہی سانپ اس کی قوتوں کو بیدار کریں گے اور وہ اپنی ایڑی سے انہیں کچل ڈالے گا۔

میں تو صرف اس کی رعد کی گرج ہوں۔ گو میں نے پہلے منادی کی لیکن یہ کلام او رنصب العین اسی کا تھا۔

انہوں نے مجھے خبردار کیے بغیر پکڑ لیا۔ شاید وہ اس پر بھی ہاتھ ڈالیں گے۔ لیکن وہ ضرور ان پر غالب آئے گا۔

وہ اس کے پاس بھالے اور تلواریں لیے ہوئے جائیں گے، لیکن وہ روح کی قوت سے ان کا خیر مقدم کریگا۔

گو اس کا خون زمین پر بہے گا لیکن وہ اس کے زخموں اور ٹیسوں کی شدت کو خود بھی محسوس کریں گے اور اپنے گناہوں کی معافی سے پہلے آنسوؤں سے بپتسمہ پائیں گے۔

انکے لشکر اس کے شہروں کی طرف قلعہ شکن گرزوں کیساتھ کوچ کریں گے لیکن وہ راہ میں ہی دریائے یرون کی موجوں کی نذر ہو جائیں گے۔

اس کی فصیلیں اور برج بلند ہوں گے اور اسکے جنگی مردوں کی تلواریں سورج کی روشنی میں چمکیں گی۔

وہ کہتے ہیں کہ میں بھی اس کا ہم خیال ہوں اور ہم دونوں سازشوں سے ملکی فضا کو مکدر کرتے ہیں تا کہ یہودیہ کی سلطنت کے لوگ باغی اور سرکش ہو جائیں۔

اور میں انہیں جواب دیتا ہوں کہ اگر بدکاری کا یہی گڑھا بادشاہت کہلاتا ہے، تو

اسے تباہی کی عمیق گہرائیوں میں گر جانے دو تا کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔۔ تا کہ اس کا حال سدوم اور عمورہ جیسا ہو، اور خدا اس نسل کو بھول جائے اور اس ملک کے باسی راکھ کے ساتھ راکھ اور دھول کے ساتھ دھول ہو جائیں۔''

ہاں، زنداں کی ان مضبوط دیواروں کے پیچھے بھی میں یسوع ناصری کا ساتھی ہوں اور وہ میری پیادہ اور گھوڑسوار فوجوں کی رہنمائی کرے گا اور گو میں بھی ایک سپہ سالار ہوں تا ہم میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔

اس کے پاس جا کر اسے میری باتیں بتا دو۔ اور میرا نام لے کر اس سے اطمینان اور برکت کے لیے التجا کرنا۔

میں زیادہ عرصہ تک یہاں نہیں ہوں گا۔ میں ایک انجانی سی آہٹ سن رہا ہوں کہ کوئی دھیرے دھیرے میرے مقرد کی طرف چلا آ رہا ہے اور میں اپنی قبر پر بارش کے قطروں کے گرنے کی آواز سن رہا ہوں۔

یسوع کے پاس جا کر بتاؤ کہ قدرون کا یوحنا جس کی روح پر کچھ سائے منڈلا رہے ہیں۔، اب خالی ہے اور وہ اس کے لیے دعا کرتا ہے۔۔ عین اس وقت جبکہ گورکن اس کے قریب کھڑا ہے اور جلاد نے اپنی مزدوری کی خاطر اپنی تلوار میان سے کھینچ لی ہے۔

ارمیتہ کا یوسف

میں سوچتا ہوں کہ تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ یسوع کی زندگی کا مقصد کیا تھا اور میں بھی بخوشی یہ بھید آشکار کروں گا تاہم کوئی شخص بھی متبرک مے کے جوہر کو اپنی انگلیوں کے لمس سے محسوس نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس رس کو دیکھ سکتا ہے جو شاخوں کو خوراک بہم پہنچاتا ہے۔

حالانکہ میں نے انگور بھی کھائے ہیں اور کولہو سے نکلتی ہوئی تازہ مے بھی پی ہے لیکن پھر بھی میں یہ سب کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔

میں اس وقت صرف وہی کچھ کہوں گا جو میں یسوع کی ذات سے متعلق جانتا ہوں۔

ہمارے خداوند کے ایام نبوت تین موسموں میں منقسم تھے۔ اول: اس کے گیتوں کی بہار، دوم: اسکے وجد و شباب کا موسم تابستان اور سوم اس کے شدت جذبات کی خزاں، اور ہر دور ہزار برس کا تھا۔

اس کے گیتوں کی بہار موسم **گلیل** میں گزرا۔ وہاں پر اس کے چاہنے والے۔ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور جھیل کے ساحل پر اس نے پہلے پہل اپنے آسمانی باپ کی ہدایت پر ہمیں مخلصی اور نجاب کی تعلیم دی۔

گلیل کی جھیل پر ہم نے اپنے آپ کو کھو کر باپ کے پاس جانے کا راستہ پالیا۔ یہ معمولی سا نقصان ہمارے لیے کتنے بڑے فائدہ کا باعث بن گیا۔

وہیں پر ملائیک کے نغموں کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی اور انہوں نے ہمیں کہا کہ ہم اپنے دل کی آرزوؤں کے گلشن کی خاطر بے آب و گیاہ اور بنجر زمین کو خیر باد کہہ دیں۔

وہ کھیتوں اور سرسبز شاداب چراگاہوں کی باتیں کرتا اور لبنان کے ڈھلوانی مقامات کی باتیں سناتا جہاں پہ سفید سوسن کے پھول وادی خاک میں سے گزرتے

ہوئے قافلوں سے بے خبر مستی میں سرشار ہیں۔

وہ کبھی کبھی جنگلی گلاب کی باتیں کرتا جو آفتاب کی کرنوں میں مسکراتا اور پاس سے گزرتی ہوئی بادصبا کا دامن خوشبو سے بھر دیتا تھا۔

اور وہ کہتا، گل سوسن اور جنگلی گلاب کی عمر گو ایک دن کی ہوتی ہے لیکن یہ ایک دن آزادی کی فضا میں بسر کیا ہوا زندہ جاوید دن ہے۔''

ایک دن جب ہم ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے تو اس نے کہا: ''ندی کی لہروں پر نظر ڈالو اور اسکی راگنیوں کو سنو! یہ ابد تک بحر بیکراں کی جستجو میں سرگرداں رہے گی، اور دوپہر کی رنگیلی دھوپ میں تمہیں اپنے راز پنہاں کے نغمے سناتی رہے گی۔

کیا تم بھی باپ کو ایسے ہی ڈھونڈتے ہو، جس طرح کہ ندی سمندر کو ڈھونڈتی ہے۔''

پھر اس کے وجد کا تابستان آ پہنچا اور اس کی محبت کی شدت اور گرمی کو ہم نے محسوس کیا۔ اس زمانے میں وہ صرف ہم سے دوسرے لوگوں مثلاً پڑوسی، سڑک پر جاتے ہوئے راہ گیر اجنبیوں اور بچپن کے ساتھیوں کے متعلق باتیں کرتا۔

وہ اس مسافر کی باتیں کرتا جو مشرق سے مصر کی طرف سفر کر رہا تھا، ایک ہل چلانے والے کا ذکر کرتا جو شام کے وقت تھک ہار کر اپنے گھر آتا ہے۔

وہ یہ بھی کہتا: ''تمہارے پڑوسی تمہارا پوشیدہ نفس ہے جو بے نقاب کیا جاتا ہے، اس کا چہرہ تمہارے سمندروں سے منعکس ہوگا اور اگر تم وہاں جھانکوں تو تمہیں اپنی شبیہ نظر آئیگی۔

اور اگر تم شب کی خاموش فضاؤں میں اپنے نفس کی باتیں سنو تو تم اسے باتیں کرتے ہوئے پاؤگے اور اس کے الفاظ تمہارے دل کی دھڑکنیں ہوں گی۔

تم اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کرے۔

یہی میری شریعت ہے جو میں تمہیں اور تمہاری اولاد کو دینا چاہتا ہوں اور تمہاری اولاد اپنی آئندہ نسلوں کو بتائے تاوقتیکہ زندگی کی قید و بند ختم ہو جائے ،اور نسلوں کا وجود باقی نہ رہے۔''

پھر ایک دن اس نے یہ کہا ''تم بذات خود تنہا نہیں ہو، بلکہ تم دوسروں کے اعمال میں شامل ہو اور وہ بے خبری میں ساری زندگی تمہارے ساتھ رہیں گے۔

وہ کسی ایسے جرم کے مرتکب نہ ہوں گے جس میں کہ تمہارا ہاتھ نہ ہو۔

صرف وہی اکیلے نہیں گریں گے بلکہ تم بھی ان کے ساتھ گرو گے اور نہ صرف اکیلے وہی نہیں اٹھ کھڑے ہوں گے بلکہ تم بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

مقدس کی طرف ان کی شاہراہ تمہاری شاہراہ ہے اور ان کی بربادیوں کی راہیں تمہاری راہیں ہیں۔

تم اور تمہارا پڑوسی کھیت میں بوئے ہوئے دو بیج ہو۔تم اکٹھے اگو گے اور اکھٹے ہوا میں جھومو گے۔لیکن تم میں سے کوئی بھی کھیت پر اپنا حق نہیں جمائیگا کیونکہ ایک اگتا اور لہلہاتا ہوا بیج اپنی بہار پر بھی حق نہیں جما سکتا۔

آج میں تمہارے ساتھ ہوں کل میں مغرب کی طرف جاؤں گا لیکن جانے سے پیشتر میں یہ کہوں گا کہ تمہارا پڑوسی تمہارا پوشیدہ نفس ہے۔محبت سے اسکی تلاش کرو تا کہ تم اپنے آپ کو پہچان سکو، کیونکہ صرف اسکے ذریعے تم میرے بھائی کہلاؤ گے۔

تب اس کے جذبات کی خزاں کا دور آ پہنچا

اور اس نے آزادی کے موضوع پر ہم سے گفتگو کی۔یہی باتیں اس نے **گلیل** میں بھی اپنے گیتوں کی بہار کے دوران کہ تھیں لیکن اب اس کے الفاظ ہمارے دل کی گہرائیوں میں زیادہ اچھی طرح اترے تھے۔

وہ پتوں کی باتیں کرتا جو ہوا کی لہروں کے ساتھ نغمہ سرا ہوتے ہیں۔وہ انسان کو ایک جام سے تشبیہ دیتا، جسے زمانہ حال کے کسی فرشتہ کی پیاس بجھانے کے لیے بھر دیا

ہو۔تاہم جام خواہ بھرا ہوا ہو، خواہ خالی ہو، قادر مطلق کے تخت پر اپنی بلوریں شکل میں حاضر ہوگا۔

اس نے کہا: تم ہی جام ہی اور تم ہی مے ہو، اس جام کی تلچھٹ تک پی جاؤ یا پھر مجھے یاد رکھو تو تمہاری پیاس بجھ جائے گی۔''

پھر جنوب کی طرف جاتے ہوئے اس نے راہ میں کہا: ''یروشلم جو بلندیوں پر اپنے غرور و تمکنت کے ساتھ کھڑا ہے، جہنم کی تاریک وادیوں کی گہرائیوں میں گر جائے گا۔

ہیکل خاک میں مل جائے گی اور اسکے برآمدہ کے گرد تم یتیموں اور بیواؤں کی چیخ پکار سنو گے اور لوگ مارے ڈر کے عجلت میں اپنے بھائیوں کے چہروں کو بھی نہ پہچان سکیں گے۔

لیکن وہاں بھی اگر تم میں سے کوئی دو، ایک دوسرے سے ملیں اور میرا نام لیں اور مغرب کی طرف دیکھیں تو مجھے وہاں دیکھو گے، اور میرے یہی الفاظ پھر تمہارے کانوں میں گونجیں گے۔''

اور جب ہم بیت عنیاہ کی پہاڑی پر پہنچ گئے تو اس نے کہا، آؤ یروشلم کو چلیں وہ شہر ہمارا منتظر ہے۔ میں ایک گدھے پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوؤں گا اور لوگوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ سے ہمکلام ہوں گا۔

وہاں پر بہت سے ایسے لوگ جو مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو میری زندگی کے شعلے کو بجھانے کے درپے ہیں، لیکن میری موت میں تمہیں زندگی ملے گی اور تم آزاد ہو جاؤ گے۔

وہ اس سانس کے متلاشی ہوں گے جو دل و دماغ کے درمیان پھڑ پھڑاتا ہے جیسے ابابیل اپنے گھونسلے اور کھیت کے درمیان پھڑ پھڑاتی ہے، لیکن میرا سانس تو ان سے پہلے ہی بچ نکلا ہے اور وہ مجھ پر غالب نہیں آئیں گے۔

وہ دیواریں جو میرے آسمانی باپ نے میرے چوگرد بنائی ہیں نہیں گریں گی اور وہ مقام جسے اس نے مقدس بنایا ہے، اس کی بے حرمتی نہ ہوگی۔

جب صبح صادق نمودار ہوگی تو آفتاب میرے سر کو تاج سے مزین کرے گا اور میں تمہارے ساتھ دن کا مقابلہ کرنیکے لیے تیار ہوں گا۔ وہ دن طویل ہوگا اور دنیا والے اس کی شام نہیں دیکھیں گے۔

فقیہہ اور فریسی کہتے ہیں کہ زمین میرے لہو کی پیاسی ہے، میں ضرور اپنے خون سے زمین کی پیاس بجھاؤں گا، لیکن میرے خون کے قطروں سے بلوط اور پیپل کے درخت اگیں گے اور بادمشرق ان کے بیجوں کو اڑا کر دوسرے ممالک میں لے جائیگی۔''

اس نے پھر کہا کہ: ''یہودیہ کا ایک بادشاہ ہوگا اور ہو روما کے خلاف جنگ کرے گا۔

لیکن یہ بادشاہ میں نہیں ہوں گا، کیونکہ صیہونی تاج اس کے سر کے لیے چھوٹا اور سلیمان کی انگوٹی اس کے ہاتھ کے لیے بہت تنگ ہے۔

میرے ہاتھوں کو دیکھو! یہ عصائے شاہی تھامنے کے لیے ضرورت سے زیادہ مضبوط اور تلوار چلانے کے لیے کتنے زیادہ سخت ہیں۔

نہیں، میں ارامیوں کو کبھی حکم نہیں دوں گا کہ وہ رومیوں کے خلاف جنگ کریں۔ بلکہ تم میری باتوں سے شہر کو خواب غفلت سے بیدار کرو گے اور میری روح آنے والی صبح کو ان سے مخاطب ہوگی۔

میری باتیں اپنے رتھوں اور گھوڑوں کے ساتھ ایک پوشیدہ فوج کی مانند ہوں گی۔ کیونکہ میں بھالے اور نیزے کے بغیر یروشلم کے کانہوں اور قیصر کو فتح کروں گا۔ میں اس تخت پر نہیں بیٹھوں گا جس پر دنیاوی غلاموں نے بیٹھ کر دوسرے غلاموں پر حکومت کی ہے اور نہ ہی میں اطالیہ کے فرزندوں کے خلاف بغاوت کروں گا۔

بلکہ میں فضاؤں میں طوفان اور ان کے دلوں میں نغمہ کی صورت میں ظاہر ہوں گا۔
اور لوگ مجھے یاد رکھیں گے۔
اور وہ مجھے یسوع مسیح کہہ کر پکاریں گے۔''

یہ باتیں اس نے یروشلم کی فصیلوں کے باہر شہر میں داخل ہونے سے پہلے کہی تھیں اور اس کے الفاظ اب تک میرے دل پر کندہ ہیں۔

.....

نتن ایل

لوگ کہتے ہیں کہ یسوع بہت حلیم اور منکسر المزاج تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ گو وہ راست باز تھا وہ کمزور تھا اور اکثر اوقات جابر اور طاقت ور لوگوں سے دب جاتا تھا اور جب حکام اعلیٰ کے سامنے ہوتا تو یوں محسوس ہوتا گویا شیروں کے درمیان برہ ہو۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ یسوع کا لوگوں پر اختیار تھا۔ وہ اپنی طاقت کو جانتا تھا اور گلیل کی پہاڑیوں۔ یہودیہ اور فنیکے کے شہر والے اس کا حکم مانتے تھے۔

ایک کمزور یا ڈرپوک انسان کس طرح کہہ سکتا تھا کہ ''راہ حق اور زندگی میں ہوں۔ ''

اور ایک پست شخص میں یہ کہنے کی کیوں کر جرات ہوگی کہ ''میں خدا باپ میں سے ہوں۔ اور خدا باپ مجھ میں سے ہے۔''

وہ شخص جسے اپنی طاقت کا احساس نہیں، کس طرح جرات کے ساتھ کہہ سکتا تھا، کہ جو مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ ہمیشہ کی زندگی پر ایمان نہیں لاتا۔''

سلومی

یسوع مانند اس شجر حور کے تھا جو آفتاب کی سنہری کرنوں میں درخشاں ہو۔
اور مانند اس جھیل کے، جسے بے آب وہ گیاہ پہاڑیوں نے گھیر رکھا ہو۔
جو سورج کی روشنی میں چمک رہی ہیں۔
اور مانند اس برف کے تھا جو پہاڑیوں کی بلندیوں پر
دھوپ میں سفید نظر آتی ہے۔
ہاں وہ ان سب کی طرح تھا،
اور مجھے اس سے محبت تھی۔
تاہم میں اسکی موجودگی سے لرزاں وخائف تھی،
اور میرے قدم میری محبت کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے تھے،
تاکہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کے قدموں کو چھو سکوں۔
اور اسے یہ بتا سکتی۔
کہ ''میں نے جذبات میں آکر تیرے ایک دوست کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔
کیا تو میرے گناہوں کو معاف کر دے گا۔
اور کیا تو اپنی محبت سے میری جوانی کو
اس کی سیاہ کاری سے نجات دلائے گا۔
تاکہ میں تیرے نور میں چل سکوں۔''
میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے مقدس دوست کی خاطر
میرے رقص کو معاف کر دیتا۔
میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ میں
اپنی تعلیم کی زندہ مثال تلاش کر لیتا۔

کیونکہ بھوک کی کوئی ایسی وادی نہیں،

اور پیاس کا ایسا کوئی صحرا نہیں جسے وہ عبور نہ کر سکتا ہون۔

ہاں وہ شجر حور کی طرح تھا۔

اور مانند جھیل کے جسے بے آب وہ گیاہ پہاڑیوں نے گھیرا ہو،

ہاں وہ لبنان کی پہاڑیوں پر مانند برف کے تھا۔

اور میں اسکے پیراہن کو چھو کر اپنی پیاس بجھا سکتی تھی۔

لیکن وہ تو مجھ سے بہت دور تھا

اور میں شرمسار تھی

اور جب اس کی تلاش کی آرزو میرے دل میں مچل رہی تھی،

تو میری ماں راستے میں حائل ہو گئی

جب کبھی وہ میرے پاس سے گزرتا تو میرے دل میں اس کی پرکشش شخصیت کے لیے بے پناہ پیار امڈ آتا۔

لیکن میرے ماں کے دل میں اس کے لیے نفرت کا لاوا کھولنے لگتا۔

اور جب میں دریچہ سے باہر جھانکتی۔

تو وہ جلدی سے مجھے سونے کے کمرے میں جانے کو کہتی۔

اور وہ چلا اٹھتی۔

وہ کون ہے صحرا کا باسی ٹڈیاں کھانے والا۔

وہ کیا ہے؟ مذہب کا مضحکہ اڑانے والا اور غدار،

وہ باغی ہے اور وہ ہمیں شاہی فوج سے محروم کر دے گا،

اور اپنی ملعون سرزمین کے گیدڑوں اور لومڑیوں کو حکم دے گا،

کہ ہمارے محلوں میں چیخیں چلائیں اور ہمارے ایوانوں پر قبضہ کر لیں،

اس دن کا انتظار کرو جب اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔''

یہ باتیں میری ماں کے دل سے نکلیں،
لیکن میرا دل اس کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتا،
مجھے یسوع سے محبت تھی۔
اور میرے خوابوں کی دنیا پر اس کے شعلوں کا ہالہ تھا۔
وہ تو اب جا چکا ہے،
اور جو کچھ مجھ میں تھا وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔
شاید وہ میری جوانی کی بہار تھی۔
وہ بھی یہاں انتظار نہیں کریگی،
جب سے شباب کا خدا قتل کر دیا گیا ہے۔

.....

راخل

میں اکثر سوچتی ہوں کہ آیا یسوع خون اور گوشت سے بنا ہوا ہماری طرح کا انسان تھا یا کہ انسانی ذہن میں بغیر پیکر کے ایک خیال تھا، یا کہ واہمہ تھا جو انسان کی آنکھوں کے سامنے رقصاں تھا۔

مجھے اکثر اوقات تو یہ محسوس ہوا کہ یہ محض ایک خواب تھا جسے ایک ہی وقت میں بہت سے مردوں اور عورتوں نے نیند میں دیکھا۔۔ایک ایسی نیند میں جو نیند سے گہری تھی اور اس کی صبح صادق سے پرسکون تھی۔

اور پھر اس خواب کو ایک دوسرے سے بیان کرتے کرتے ہم میں سے ہر ایک نے یہ خیال کرنا شروع کیا کہ یہ ایک حقیقت تھی جو وجود میں آئی اور اس تصور کو ہم نے اپنے ذہن کے مطابق ایک ٹھوس جسم اور اپنے تخیل کی آواز دے کر ایک زندہ پیکر میں ڈھال لیا۔

لیکن فی الحقیقت وہ خواب نہیں تھا۔ہم تین سال تک اس کی رفاقت میں رہے اور دوپہر کی چمکتی ہوئی دھوپ میں ہم نے اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا۔

ہم نے اس کے ہاتھوں کو چھوا اور ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ اسے کے پیچھے پیچھے رہے۔ہم نے اس کی باتوں کو سنا اور اس کے کاموں کی گواہی دی۔کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ ہم ایک خیال تھے اور مزید خیالات کی تلاش میں تھے، یا کہ خوابوں کی دنیا میں ایک خواب تھے۔

عظیم واقعات ہمیں اپنی روزمرہ زندگیوں سے مختلف نظر آتے ہیں۔گو ان کی ماہیت کی جڑیں ہماری فطرت میں مضبوط ہوتی ہیں۔تاہم وہ تیزی سے ظاہر ہوتے ہیں اور تیزی سے گزر جاتے ہیں اور ان کا حقیقی وقفہ سالوں اور پشتوں تک طویل ہوتا ہے۔

یسوع ناصری بذات خود ایک عظیم واقعہ تھا، وہ شخص جس کے ماں باپ اور بہن

بھائیوں کو ہم جانتے ہیں، بذات خود ایک معجزہ تھا جو یہودیہ میں رونما ہوا۔۔ ہاں اسکے تمام معجزات اگر اس کے پاؤں پر کر دیے جائیں تو وہ اس کے ٹخنوں تک بھی پہنچ سکتے۔

ماضی کے زمانے کے تمام دریا بھی اس کی یادوں کو ہمارے ذہن کے پردوں پر سے بہا کر نہیں لے جا سکتے۔

وہ رات کی تاریکی میں جلتا ہوا ایک پہاڑ تھا، لیکن پہاڑیوں کے پرے بھی اس کی آنکھوں کی چمک آنکھوں کے لیے سکون بخش تھی۔ وہ آسمان میں طوفان باد باراں تھا۔ لیکن صبح کی دھند میں ایک نرم سرسراہٹ تھی۔

وہ ایک موسلا دھار بارش کی طرح تیز و تند تھا جو پہاڑوں پر برس رہی ہوتا کہ میدانی علاقہ میں آنے والے تمام راستوں کو تباہ و برباد کر دے، اور وہ بچوں کے قہقہوں کی طرح بے ساختہ اور معصوم تھا۔

ہر سال میں نے بہار کے موسم کا انتظار کیا کہ اس وادی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو سکوں، ہر سال سوسن اور چنبیلی کے پھولوں کی منتظر رہتی۔ لیکن ہر سال میری روح میرے جسد خاکی میں مغموم ہو کر رہ ہی جاتی۔ کیونکہ جب کبھی میں نے بہار کی خوشیوں میں شریک ہونے کی کوشش کی، ناکام رہی۔

لیکن جب یسوع میرے موسموں کی دنیا میں داخل ہوا تو وہ فی الحقیقت ایک بہار تھا اور اس میں آنے والے تمام برسوں کے وعدے نظر آتے تھے۔ اس نے میرے دل کو خوشی سے معمور کر دیا اور اس کی آمد کی روشنی میں، میں ایک گل بنفشہ کی طرح بڑھنے لگی۔

اور اب میرے دل سے اس دنیا کے بدلتے ہوئے موسم، اس دنیا سے اس کی خوبصورتی کی یادیں نہیں مٹا سکیں گے۔

نہیں نہیں۔۔ یسوع ایک واہمہ نہیں تھا اور نہ کسی شاعر کا تخیل تھا۔ وہ ہماری طرح

ایک انسان تھا، لیکن نظر، لمس، سماعت اور دیگر صورتوں میں وہ ہماری طرح نہ تھا۔ کیونکہ وہ کامل خدا بھی تھا۔

وہ خوشیوں کا پیغامبر تھا لیکن ان خوشیوں کے راستوں پر ہی وہ تمام بنی نوع انسان کے غموں سے دوچار رہا اور پھر اس نے اپنے غم کی بلندیوں پر سے انسان کی خوشیوں کا نظارہ دیکھا۔

اس نے ایسی رویائیں دیکھیں جو ہم نہ دیکھ سکیں اور ایسی آوازیں سنیں جو ہم نہ سن سکے، اور وہ یوں بولتا تھا گویا کہ کسی ان دیکھے اجتماع سے مخاطب ہو، اور وہ اکثر اوقات وہ ان نسلوں سے ہم کلام ہوا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئیں۔

یسوع اکثر اوقات تنہائی میں وقت گزارتا تھا۔ وہ ہمارے درمیان تھا لیکن ہم سا نہ تھا۔ وہ زمین پر تھا لیکن آسمانی تھا۔ اور ہم صرف اپنی تنہائیوں میں اس کی تنہائیوں کی سرزمین میں قدم رکھ سکتے تھے۔

وہ ہمارے ساتھ محبت رکھتا تھا۔ اس کا دل مانند قلقل کے تھا جہاں سے سب جام بھر کر پی سکتے ہیں۔

میں یسوع کی ایک بات نہ سمجھ سکی۔ وہ ہمیشہ اپنے سامعین کیساتھ خوش وخرم رہتا۔ وہ الفاظ کیساتھ کھیلتا اور اس کی خوشی کا اظہار اس کے دل کی گہرائیوں سے ہوتا، حتیٰ کہ ایسے لمحات بھی آتے جب اس کی آنکھوں میں فاصلوں کے سائے منڈلاتے اور اس کی آواز میں غم کی جھلکیاں دکھائی دیتیں، لیکن یہ سب کچھ میں اب سمجھتی ہوں۔

جب یسوع بولتا تو ساری دنیا اس کی باتوں کو سننے کے لیے خاموش ہو جاتی۔ اس کے الفاظ صرف ہمارے کانوں کے لیے نہیں بلکہ ان تمام عناصر کے لیے تھے، جن سے خدا نے اس دنیا کو بنا دیا۔

وہ سمندر یعنی ہماری عظیم ماں سے باتیں کرتا جس نے ہمیں جنم دیا۔ وہ ہمارے

بڑے بھائیوں یعنی پہاڑوں سے محو گفتگو ہوتا جن کی چوٹیاں ہمارے لیے نشان وعدہ ہیں۔

اور اب بھی اس کی باتیں ہمارے دلوں میں محو خواب ہیں، اس محبت بھرے نغمہ کی طرح جس کو شاید ہم کسی حد تک بھول چکے ہیں۔ لیکن اب بھی ہماری یادوں کے طاقچہ میں اس کی یادوں کے چراغ جل اٹھتے ہیں۔

اس کی تقریر سادہ اور پر لطف ہوتی اور اس کی آواز گویا خشک سالی سے متاثرہ سر زمین میں ٹھنڈے پانی کی طرح تھی۔

ایک دفعہ اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور بلند آواز سے کہا،

''گزرے زمانہ میں انبیاء نے تم سے کلام کیا ہے اور تمہارے کان ان کی تقریروں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم نے جو کچھ سنا ہے اس سے اپنے مکان خالی کر دو۔

یسوع کے یہ الفاظ کہ ''میں تم سے سچ مچ کہتا ہوں'' نہ تو ہماری نسل اور نہ ہی ہماری دنیا کے کسی شخص کی زبان سے نکلے تھے، شاید فرشتوں کے ایک گروہ کے یہ الفاظ ہونگے جو یہودیہ کی فضا گونج رہے ہوں۔

وہ بار بار شریعت اور صحائف انبیاء سے حوالے پیش کر کے کہتا ''میں تم سے سچ مچ کہتا ہوں۔''

اف، کس قدر یہ موثر الفاظ ہیں، مانند سمندر کی ان لہروں کے جو ہمارے ذہن کے ساحلوں سے نا آشنا ہوں۔ ''میں تم سے سچ مچ کہتا ہوں۔''

یہ کیسے ستارے تھے جو روح کی تاریکیوں کی تلاش میں تھے اور یہ کیسی بے چین روحیں تھیں جو صبح صادق کی منتظر تھیں۔

یسوع کی تقریر کو بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میں یا تو اس کی تقریر سنا سکوں، یا اس کی گونج سے آشنا کر سکوں۔

لیکن میرے پاس نہ تو اس کی گونج ہے اور نہ اس کی تقریر۔

مجھے معذور رکھیں کہ میں نے ایک ایسی داستان چھیڑ دی جسے ختم بھی نہ کر سکی، لیکن اس کا اختتام ابھی میرے ہونٹوں پر نہیں، بلکہ یہ ابھی ہوا میں محبت کا ایک نغمہ ہے۔

.....

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

گدرینیوں کا نعمان

یسوع کے شاگرد تتر بتر ہو چکے ہیں، کیونکہ اس نے اپنی موت سے پہلے انہیں دکھ اور اذیت۔۔۔وراثت میں دے دی۔ ان کی اذیت کا یہ حال ہے کہ کھیت کی لومڑیوں اور جنگل کے ہرنوں کی طرح انکا شکار کیا جاتا ہے اور شکاری کا ترکش ابھی تک تیروں سے بھرا ہوا ہے۔

اور جب انہیں پکڑنے کے بعد موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو وہ مسرور شادمان ہوتے ہیں اور ان کے چہرے ایسے چمکتے ہیں جیسے ضیافت کے وقت دلہا کا چہرہ درخشاں ہوتا ہے، کیونکہ اس نے وراثت میں انہیں ابدی خوشی بھی دی ہے۔

ملک کے شمالی حصہ میں میرا ایک دوست بنام ستفنس یہ منادی کرتا تھا کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے، اس لیے اسے چوک میں لے جا کر سنگسار کر دیا گیا۔

اور جب ستفنس زمین پر منہ کے بل گرا تو اس نے اپنے بازو اس طرح سے پھیلا رکھے تھے گویا کہ وہ اپنے آقا یسوع کی سی موت مرنے کو ہے۔۔اس کے بازو ایسے پھیلے ہوئے تھے جیسے کہ وہ اپنے پروں سے اڑنے کو تیار ہے، اور جب روشنی کی آخری کرن ان کی آنکھوں میں مدھم پڑ رہی تھی تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک انجانی سی مسکراہٹ تھی۔ یہ مسکراہٹ ہوا کے اس جھونکے کی طرح تھی، جو اختتام سرما کے بعد بہار کا پیغام لاتا ہے۔

میں یہ کیونکر بیان کروں؟

کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ستفنس کہہ رہا ہو، اگر میں ایک اور دنیا میں جاؤں اور وہاں کے لوگ ایک اور چوک میں جا کر سنگسار کریں، تب بھی اس سچائی کا اظہار کرونگا جو اسمیں تھی اور وہ سچائی جو مجھ میں ہے۔"

اور میں نے دیکھا کہ وہیں نزدیک ایک شخص تھا جس نے ستفنس کے شہید کیے جانے کے منظر سے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وغریب خوشی تھی۔

وہ ترسس کا شاؤل تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے ستفنس کو کاہنوں اور رومیوں کے ہجوم کے حوالہ کیا تا کہ اس ک زندگی کے چراغ کو پتھروں کی بارش سے بجھا دیں

۔

شاؤل سر کے بالوں سے محروم پست قد آدمی تھا۔ اس کے کندھے خمیدہ اور چہرے کے نقوش بھدے تھے، اس لیے مجھے اس سے نفرت سی ہوگئی۔

پھر میں نے سنا کہ وہ مکانوں کی چھتوں پر سے یسوع کے نام سے منادی کر رہا ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا۔

تاہم قبر یسوع کے قدموں کو نہیں روک سکتی کہ وہ اپنے مخالفوں کے پاس جا کر انہیں مطیع کر کے اپنا اسیر بنا لے۔

اب بھی میں ترسس کے اس آدمی کو پسند نہیں کرتا، گو مجھے بتایا گیا ہے کہ ستفنس کی موت کے بعد دمشق کی راہ پر وہ قائل ہوگیا ہے، لیکن اسکا ذہن اتنا وسیع ہے کہ اس میں ایک حقیقی شاگرد کا دل پیدا ہونا مشکل ہے۔

شاید یہ سوچتے ہوئے میں غلطی پر ہوں، کیونکہ اکثر مجھ سے غلطی ہو جاتی ہے۔

.....

توما

میرے دادا نے ، جو ایک قانون دان تھا، ایک دفعہ کہا: ''آؤ سچائی کا مشاہدہ کریں،اس وقت تک جب سچائی ہم پر ظاہر نہ کی جائے۔

جب یسوع نے مجھے بلایا تو میں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی کیونکہ میری مرضی کی نسبت اس کا حکم زیادہ موثر ہے لیکن پھر بھی میں اپنی مرضی کو افضل درجہ دیتا ہوں۔

آج سے تین سال قبل اس نے ہمیں ایک منتشر گروہ کی صورت میں چھوڑا تا کہ ہم اس کے نام کی حمد وستائش کریں اور قوموں میں اس کے نام کی گواہی دیں۔

اس وقت مجھے ایمان پر شک کرنے والے توما کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔میرے دادا کا سایہ ابھی تک میرے ذہن پر منڈلا رہا تھا، اور ہمیشہ میری یہی خواہش ہوتی کہ سچائی مجھ پر اپنی شکل میں ظاہر ہو جائے۔

یہاں تک کہ زخموں کی ٹیسوں کو محسوس کرنے سے پہلے ، میں زخموں کے اندانگلی ڈال کر دیکھتا تا کہ اپنی آنکھوں سے خون کو دیکھ سکوں۔

وہ شخص جسے اپنے دل سے محبت ہے،لیکن اس کے ذہن میں شک سمایا ہوا ہے، مانند اس غلام کے ہے جو کشتی میں سویا ہو اپنی آزادی کے خواب دیکھتا رہتا ہے، جب تک کہ آقا کے کوڑے اسے خواب غفلت سے بیدار نہ کریں۔

میں خود بھی ایک غلام تھا اور آزادی کے خواب دیکھا کرتا تھا،لیکن میرے باپ دادا کا خواب غفلت مجھ پر طاری تھا، چنانچہ میرے جسم کو اپنے ایام کے کوڑوں کی ضرورت تھی۔

یہاں تک کہ میں نے یسوع ناصری کی موجودگی میں اپنی آنکھیں بند کرلیں تا کہ چپوؤں سے بندھے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکوں۔

شک اس قدر تنہا ہوتا ہے کہ اسے معلوم نہیں کیا جا سکتا اور یہاں تک کہ ایمان اس کا جڑواں بھائی نظر آتا ہے۔

شک اپنی گمراہی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اگر اس کی اپنی ماں جس نے اسے جنم دیا، اسے اپنے بازوؤں میں لینے کے لیے آگے بڑھے، تو وہ خوف اور ڈر سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے گا۔

اس لیے شک اس وقت تک سچائی کو نہیں جان سکے گا جب تک کہ اس کے زخم مند مل نہ ہو جائیں۔

جب تک یسوع نے اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر نہ کیا، میرے دل میں اس کے لیے شک تھا، یہاں تک کہ میں نے اس کے زخموں میں اپنا ہاتھ ڈال کر دیکھا۔

تب مجھ کو یقین آ گیا اور اس کے بعد میں اپنے آباؤ اجداد کے ماضی سے آزاد ہو گیا۔

مجھ میں مردوں نے اپنے مردے دفن کر دیے اور زندہ اس ممسوح بادشاہ یعنی ابن آدم کے لیے زندہ رہیں گے۔

کل ہی انہوں نے مجھے بتایا کہ میں فارسیوں اور ہندوؤں میں جا کر اس کے نام کی بشارت دوں۔

میں ضرور جاؤں گا اور اس دن سے لے کر آخری دن تک صبح صادق اور غروب آفتاب تک میں اپنے خداوند کو جلال میں بلندیوں پر دیکھوں گا اور اسکی آواز سنوں گا۔

ابن مریم

اس کا سر ہمیشہ بلند رہتا اور خدا کے شعلے اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے نظر آتے۔

وہ اکثر اوقات اداس و مغموم سا رہتا لیکن اس کی اداسی میں ان لوگوں کے لیے، جو رنج و الم سے دوچار تھے، محبت کے جذبات تھے، اس کی ہمیشہ یہی تمنا رہتی کہ تنہا لوگوں کو رفاقت کے لمحات سے ہم کنار کیا جائے۔

جب وہ مسکراتا تو اس کی مسکراہٹ میں ان لوگوں کی سی گرسنگی نظر آتی جو کسی ان دیکھی اور نامعلوم ہستی کے متلاشی ہوں۔

یہ مسکراہٹ ستاروں کی اس دھول کی طرح تھی جو بچوں کی آنکھوں میں پڑتی ہے، اور یہ مسکراہٹ بھوکے کے لیے روٹی کے نوالہ کی مانند تھی۔

یہ مسکراہٹ خزاں کی اس سنہری چاندی کی طرح تھی جس نے جنگل کے گرد ہالہ کر رکھا ہو۔

اس کی مسکراہٹ گویا شادی کے گیتوں کی طرح پرکشش اور جاذب توجہ تھی۔

لیکن اس کی اداسی اس پرندے کی سی تھی جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلندیوں پر اڑنا پسند نہیں کرتا۔

.....

رمینس

(ایک یونانی شاعر)

یسوع ایک شاعر بھی تھا، وہ ہماری آنکھوں کے لیے دیکھتا اور ہمارے کانوں کے لیے سنتا تھا، اور ہمارے خاموش الفاظ اس کے لبوں پر تھے، اور اس کی انگلیوں نے ایسی چیزیوں کو چھوا جنہیں ہم محسوس نہ کر سکے۔

اس کے دل کے دروازوں سے بے شمار پرندے گاتے ہوئے شمال اور جنوب کی سمت پرواز کر جاتے۔

اکثر اوقات میں نے اسے جھکے ہوئے گھاس کی پتیوں کو چھوتے ہوئے دیکھا اور میں نے اپنے دل میں اسے یہ کہتے سنا۔ ''اے ننھی منی سرسبز پتیو، بسن کے بلوط اور لبنان کے صنوبر کی طرح تم بھی میری بادشاہت میں میرے ساتھ ہو گی۔''

وہ تمام خوبصورت اور دلکش چیزوں سے محبت رکھتا تھا۔ بچوں کے شرمیلے چہروں اور عود، عنبر اور لوبان کی خوشبوؤں سے بھی اسے پیار تھا۔

اسے انار پسند تھے اور محبت سے پیش کئے ہوئے انگور کے شیرہ کے پیالہ سے بھی محبت تھی۔ خواہ وہ اسے سرائے کے کسی اجنبی یا کسی امیر میزبان نے پیش کیا ہو۔

اور اسے بادام کے غنچوں سے بھی محبت تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ان غنچوں کو جمع کر کے اپنے چہرے کو ان سے ڈھانپ لیتا۔ یوں محسوس ہوتا گویا کہ وہ دنیا کے تمام درختوں کو اپنے ساتھ چمٹا لے گا۔

اسے سمندر کی گہرائیوں اور فلک کی بلندیوں سے پوری وقفیت تھی۔ اکثر اوقات وہ ایسے موتیوں کے متعلق باتیں کرتا جن کی آب و تاب ایسی ہے جو اس دنیا میں نہیں پائی جاتی اور وہ ایسے ستاروں کی باتیں کرتا جو ہماری راتوں سے کہیں دور ہیں۔

ہاں وہ ایک شاعر تھا جس کا دل ان بلندیوں سے پرے، کسی کنج میں سکونت پذیر

تھا، اور اسکے گیت ہمارے کانوں کے لیے گائے گئے۔۔لیکن وہ ان لوگوں کے لیے بھی گائے گے جو ایک اور دنیا کے باسی ہیں، جن کی زندگیوں میں ہمیشہ شباب اور جن کے وقت میں ہمیشہ سحر کا سماں رہتا ہے۔

میں بھی سوچا کرتا تھا کہ میں ایک شاعر ہوں، لیکن ایک دفعہ جب اس سے میری ملاقات بیت عنیاہ میں ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاس صرف ایک ایسا ساز ہے جس کا صرف ایک تار ہے۔لیکن وہ تو سب سازوں پر حاوی ہے اور وہ ایک ماہر سا زندہ ہے، کیونکہ اس کی آواز میں گرج کا سا قہقہہ، بارش کے قطروں کے سے آنسو اور ہوا میں مسرور دروختوں کا سا رقص تھا۔

جب میں نے معلوم کیا کہ میرے بربط کا صرف ایک تار ہے اور میری آواز نہ تو ماضی کی یادوں اور نہ مستقبل کی امیدوں میں تھرتھراہٹ پیدا کرسکتی ہے تو میں نے اپنا بربط ایک طرف رکھ دیا، اور اب میں خاموش رہوں گا، لیکن ہمیشہ جھٹپٹے کے وقت خاموشی میں صرف اس شاعر کی آواز سنوں گا جو سب شاعروں کا حاکم ہے۔

لاوی

(ایک شاگرد)

شام کا وقت تھا کہ یسوع کا میرے گھر کے پاس سے گزر ہوا، اور میری روح میرے اندر پھڑ پھڑا اٹھی۔

وہ مجھ سے یوں گویا ہوا "اے لاوی آ کر میرے پیچھے ہو لے۔"

اور میں نے اس دن سے اس کی پیروی شروع کر دی۔

اگلے دن شام کے وقت میں نے اس سے درخواست کی کہ میرے گھر میں آ کر قیام کرے۔

چنانچہ وہ اور اس کے دیگر احباب نے میرے گھر کے اندر قدم رکھا اور مجھے اور میری بیوی اور میرے بچوں کو سلام کیا۔

میرے گھر میں کچھ اور مہمان بھی تھے لیکن وہ محصول لینے والے اور عام لوگ تھے۔ وہ سب کے سب دل سے اسکے مخالفت تھے۔

جب ہم کھانے کی میز پر بیٹھے تو ایک محصول لینے والے نے یسوع سے سوال کیا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ تم اور تمہارے شاگرد سبت کو توڑتے اور اس دن آگ جلاتے ہو؟"

یسوع نے جواب دیا: "ہم ضرور سبت کے دن آگ جلاتے ہیں، ہم سبت کو بھی جلا دیں گے اور اپنی مشعل سے ایام کے سوکھے ڈنٹھلوں کو خاکستر کر کے رکھ دیں گے۔"

ایک اور محصول لینے والے نے کہا: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم سرائے میں ناپاک لوگوں کے ساتھ انگوری رس پیتے ہو؟"

یسوع نے جواب دیا: "ہاں ہمیں ان کا دل بھی رکھنا ہے۔ کیا ہم یہاں پر صرف تمہارے جیسے بے تاج و بے لگام لوگوں کے ساتھ انگوری رس اور روٹی میں شرکت

کرنے کے لیے آتے ہیں۔

ہاں صرف گنتی کے بعد ایسے لوگ ہیں جو بے بال و پر ہونے کے باوجود اونچی اڑان کے لیے پر تولتے ہیں۔ زیادہ تعداد ان کی ہے جو اڑان کی پوری قوت رکھنے کے باوجود آشیانوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔

ان سب تیز رفتار اور سست اڑان والوں کو ہم دانے چن چن کر خوراک پہنچائیں گے۔''

ایک اور محصول لینے والے نے کہا: ''کیا یہ صحیح ہے کہ تم یروشلم کی کسبیوں کے بھی محافظ ہو؟''

تب یسوع کے چہرے پر ہم نے لبنان کی پہاڑیوں کی بلندی و برتری کا سا تاثر دیکھا۔ اس نے کہا: ''یہ سچ ہے۔

عدالت کے دن یہ عورتیں میرے باپ کے تخت کے سامنے کھڑی ہوں گی، اور ان کے اپنے ہی آنسو انہیں پاک کریں گے۔ لیکن تم اپنے ہی انصاف کی زنجیروں میں جکڑے جاؤ گے۔

بابل فاحشہ عورتوں کے سبب سے برباد نہ ہوا، بلکہ وہ اس لیے خاکستر ہو گیا کہ ریاکاروں کی آنکھیں دن کی روشنی کو نہ دیکھ سکیں۔''

ایک اور محصول لینے والا سوال کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ ان کا منہ بند کر دے گا۔ وہ میرے مہمان تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ شرمندہ ہوں۔

آدھی رات کے وقت محصول لینے والے میرے گھر سے چلے گئے لیکن ان کی روحیں لڑکھڑا رہی تھیں۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور میں نے دیکھا کہ رویا میں سات عورتیں سفید لباس زیب تن کیے ہوئے یسوع کے گرد کھڑی ہیں۔ وہ دست بستہ سر جھکائے

ہوئے تھیں اور میں نے خواب کی دھند میں دیکھا کہ ان سات عورتوں میں سے ایک کا چہرہ تاریکی میں چمک رہا تھا۔

ایک کسبی کا چہرہ تھا جو یروشلم میں رہتی تھی۔

تب میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور یسوع کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے اور ان دوسرے لوگوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا جو کھانے کی میز پر سے نہیں اٹھے تھے۔

میں نے اپنی آنکھیں پھر بند کر لیں اور روشنی میں سات آدمیوں کو یسوع کے گرد کھڑے دیکھا۔ میں نے ایک چہرہ پر نگاہ کی۔

یہ ایک ڈاکو کا چہرہ تھا جو بعد میں اس کی دائیں طرف مصلوب کیا گیا۔

اس کے بعد یسوع اور اسکے شاگرد میرے گھر کو چھوڑ کر سڑک کی طرف چل دیے۔

.....

ابن زکریا

ماہ اگست کی ایک شب کو ہم خداوند کے ساتھ جھاڑیوں کے پاس بیٹھے تھے جو جھیل سے زیادہ دور نہ تھیں۔

اور یسوع گھاس پر ٹیک لگائے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک دو شخص ہمارے پاس دوڑتے ہوئے آئے جن کا سانس پھولا ہوا تھا اور ان کے چہرے کسی شدید مصیبت کی غمازی کر رہے تھے۔ وہ یسوع کے پاؤں پر منہ کے بل گر پڑے۔

یسوع نے کھڑے ہو کر ان سے پوچھا: ''تم کہاں سے آئے ہو؟''

ان میں سے ایک نے جواب دیا: ''میکارلس سے۔''

یسوع نے اس کے چہرہ پر نگاہ کی اور پریشان لہجے میں پوچھا: ''یوحنا کا کیا حال ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''اسے آج قتل کر دیا گیا ہے۔ قید خانہ میں ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا ہے۔''

یسوع نے اپنا سر اوپر اٹھایا، اور کچھ دیر کے لیے جیسے ہم سے دور چلا گیا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد وہ پھر ہمارے درمیان واپس آ گیا۔

اور کہنے لگا، بادشاہ نبی کو اس سے پہلے بھی قتل کر سکتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا کی خوشنودی کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔۔ ماضی کے بادشاہ تو سر کے شکاریوں کو نبی کا سر پیش کرنے میں اتنے سست نہیں تھے۔

مجھے یوحنا کا تو کوئی غم نہیں ہے، لیکن ہیرودیس کے لیے ضرور افسوس ہوتا ہے جس نے تلوار چلانے کی اجازت دی۔ بے چارے بادشاہ کی اتنی قوت ہے کہ اسے جانور کی طرح زنجیروں سے جکڑ لیا گیا۔

بے چارے بادشاہ اپنی ہی تاریکیوں میں ٹھوکر کھا کر لڑکھڑاتے اور گر پڑتے ہیں۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ اس ساکت و جامد سمندر کی تہہ میں انہیں مردہ مچھلیوں کے علاوہ کچھ اور بھی ملے گا؟

مجھے بادشاہوں سے نفرت تو نہیں ہے لیکن انہیں صرف اسی صورت میں لوگوں پر حکومت کرنے کا حق ہے، بشرطیکہ وہ ان سے زیادہ عقل مند ہوں۔''

تب خداوند نے ان دو مغموم چہروں پر نظر کی اور اس کے بعد ہماری طرف دیکھا۔ پھر یوں گویا ہوا: ''یوحنا زخموں سے چور پیدا ہوا اور اسکے زخموں کا خون اس کے الفاظ کے ساتھ نہ نکلتا تھا، وہ پیکر آزادی تھا لیکن وہ اپنی ذات سے بھی آزاد نہ تھا، جو صرف راست بازوں اور نیکوں کے ساتھ متحمل تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہروں کی سرزمین میں ایک چیختی چلاتی ہوئی آواز تھا، اور مجھے اس کے دکھوں اور تنہائیوں سے نفرت تھی۔

میں اس کی خودداری کو سراہتا ہوں کہ اس نے اپنا سر زمین کی خاک پر گرنے سے پہلے تلوار کی نذر کر دیا۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یوحنا ابن زکریا اپنی نسل کا آخری فرد تھا جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قربان گاہ اور ہیکل کی دہلیز کے درمیان ذبح کر دیا گیا۔''

اور یسوع پھر ہم سے تھوڑی دور چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ مڑا اور ہم سے مخاطب ہوا۔ ''دنیا والوں کی ہمیشہ یہ ریت رہی ہے کہ جو ایک گھنٹہ کے لیے حکومت کرتے ہیں، وہ برسوں کے حکمرانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے شخص کی سزا کا حکم سنا دیتے ہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا، اور ارتکاب جرم سے پہلے ہی اس کی سزائے موت کا اعلان کر دیتے ہیں۔

اب زکریا یا میری بادشاہت میں میرے ساتھ ہوگا اور وہ زندہ جاوید رہے گا۔''

تب وہ یوحنا کے شاگردوں سے مخاطب ہوا۔ ہر ایک عمل اپنے مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔ میں خود اس عمل کا مستقبل ہوں گا۔ میرے دوست کے دوستوں کے پاس

واپس جاؤ۔اوران سے کہہ دو کہ میں ان کے پاس آؤں گا۔''

وہ دونوں آدمی ہمارے پاس سے چلے گئے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ ان کے غم کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔

اس کے بعد پھر یسوع گھاس پر لیٹ گیا اور ستاروں کو دیکھنے لگا۔

اب کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں یسوع سے کچھ زیادہ دور نہ لیٹا تھا۔لیکن مجھے کسی پل بھی آرام نہ تھا کیونکہ میری نیند کا دروازہ کوئی ہاتھ کھٹکھٹا رہا تھا اور میں اپنی آنکھیں کھولے لیٹا رہا، حتی کہ یسوع اور صبح صادق نے مجھے اٹھا دیا اور ہم سڑک پر چل دیئے۔

گلیل کی ایک بیوہ

میرا بیٹا۔۔۔۔میرا اکلوتا اور پہلوٹھا بیٹا تھا۔وہ ہمارے کھیتوں پر محنت کرتا تھا اور اپنی زندگی سے مطمئن تھا،لیکن جب اس نے یسوع نامی ایک شخص کو مجمع کو تعلیم دیتے سنا تو وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا۔

تب میرے بیٹے کے رویے میں ایک زبردست تبدیلی آ گئی، گویا کہ کسی نئی اور اجنبی روح نے اس روح پر سایہ کرلیا ہو۔

اس نے تاکستان اور کھیتوں کو چھوڑ دیا،اس نے مجھے بھی خیرباد کہہ دیا اور وہ اوباش لوگوں کی طرح سڑکوں پر آوارہ پھرنے لگا۔

یسوع ناصری کیسا شخص تھا، کیونکہ ایک نیک دل شخص کبھی بھی کسی ماں سے اس کے بیٹے کو جدا نہیں کرسکتا۔

میرے بیٹے نے مجھے یہ آخری بات کہی: میں یسوع کے ایک شاگرد کے ساتھ ملک کی شمالی اطراف میں جا رہا ہوں، میری زندگی تو اب ناصری کے لیے وقف ہو چکی ہے۔اے ماں، چونکہ تو نے مجھے جنم دیا،اس کے لیے میں تیرا شکر گزار ہوں، لیکن میں اس کے پیچھے ضرور جاؤں گا۔ کیا میں تیرے پاس یہ زرخیز کھیت اور سونا چاندی چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں۔ میں ان میں سے سوائے اس کرتے اور لاٹھی کے اور کچھ نہیں لے جاؤں گا۔

یہ کہہ کر میرا بیٹا مجھ سے جدا ہو گیا۔

اور اب میں نے سنا ہے کہ یسوع کو رومیوں اور کاہنوں نے پکڑ کر مصلوب کر دیا ہے میں سمجھتی ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔

وہ شخص جو بیٹے کو اس کی ماں سے جدا کر دے،وہ کبھی بھی دیندار نہیں ہوسکتا۔

میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا کبھی واپس نہیں آئے گا کیونکہ یہ تاثرات میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھے تھے۔ مجھے یسوع ناصری سے سخت نفرت ہے،اس لیے میں

یہاں پر تنہا ہوں ۔میرے کھیتوں میں کوئی ہل چلانے والا نہیں اور میرا تاکستان اجاڑ پڑا ہے۔

مجھے ان سب سے بھی، جو اس کی تعریف کرتے ہیں نفرت ہے۔

چند دن ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ یسوع نے ایک دفعہ کہا تھا۔

''میرا باپ، ماں اور بہن بھائی وہ لوگ ہیں جو میرا کلام سنتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔''

میرا بیٹا میری چھاتیوں کے دودھ کو بھول کر کیوں اس چشمہ سے تسکین حاصل کرے جس کا مزہ اس نے چکھا ہی نہیں؟ اور میرا بیٹا کیوں شمالی اطراف میں بے یار و مددگار سرگرداں رہے؟

ہاں! میں یسوع ناصری سے نفرت کرتی ہوں اور میں آخری دم تک اس سے نفرت کرتی رہ گی کیونکہ اس نے میرے پہلوٹھے اور اکلوتے بیٹے کو مجھ سے چھین لیا ہے۔

صحرا کا باسی

میں یروشلم میں اجنبی تھا۔ میں شہر مقدس میں عظیم ہیکل کو دیکھنے کے لیے آیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہاں قربان گاہ پر قربانی دوں، کیونکہ میری بیوی نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دے کر میرے قبیلہ کی آبادی میں اضافہ کیا تھا۔

قربانی کے بعد میں ہیکل کے برآمدہ میں کھڑا ہو کر صرافوں اور کبوتر فروشوں کو دیکھ رہا تھا کہ اور احاطہ کے اندر ایک بہت بڑے شور کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔

جب میں وہاں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ اچانک ایک شخص ان صرافوں اور کبوتر فروشوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

اس کی شخصیت بڑی پروقار تھی، اور وہ بڑی سرعت سے آیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، اس نے کبوتر فروشوں اور صرافوں کی چوکیاں الٹ دیں اور انہیں کوڑے سے پیٹنے لگا۔

اور میں نے بلند آواز سے اسے کہتے سنا: ''ان پرندوں کو آسمان کے حوالے کر دو، جہاں کا گھر ہے۔''

سب مرد و زن اس سے خائف تھے۔ وہ انکے درمیان چل رہا تھا جیسے بگولا ریت کے درمیان۔ یہ سب کچھ ایک لمحہ میں ہو گیا اور ہیکل کا احاطہ کبوتر فروشوں اور صرافوں کے وجود سے خالی ہو گیا۔ صرف وہی شخص اکیلا وہاں کھڑا تھا، اور اس کے شاگرد کچھ فاصلے پر اس سے دور کھڑے تھے۔

میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو ہیکل کے برآمدہ میں میری نظر ایک شخص پر پڑی۔

میں نے اس کے پاس جا کر کہا: ''جناب یہ شخص جو اکیلا کھڑا ہے کون ہے؟ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ ایک دوسری ہیکل ہے۔''

اور اس آدمی نے جواب دیا: ''وہ یسوع ناصری ہے جو گلیل کا ایک نبی ہے، یہاں یروشلم میں سب لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔''

میں نے کہا کہ ''میں اتنا مضبوط ہوں کہ اس کے کوڑے کی تاب لا سکتا ہوں اور اس کے پاؤں پر گر جانے کی سکت بھی مجھ میں ہے۔''

یسوع اپنے شاگردوں کی طرف مڑا جو اس کا انتظار کر رہے تھے لیکن ابھی وہ ان کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ ہیکل کی تین قمریاں اڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ ایک تو اس کے بائیں کندھے پر بیٹھ گئی اور اس کے قدموں میں گر پڑیں۔ اس نے نہایت محبت سے انہیں چھوا۔ اس کے بعد وہ چل پڑا۔ اور اس کے قدموں میں ایک اتحاد تھا۔

اب آپ ہی مجھے بتائیے کہ اس میں کونسی ایسی قوت تھی جس نے بلا مخالفت سینکڑوں مردوں اور عورتوں کو منتشر کر دیا؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ ان سب سے نفرت کرتے ہیں، لیکن اس دن کوئی بھی ان کے پاس کھڑا نہ رہ سکا۔ کیا اس نے ہیکل کے احاطہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کے نفرت کے زہریلے دانت اکھاڑ پھینکے تھے؟

بیروت کا جارجیس

یسوع اور اس کے دوست میرے باغیچہ کی باڑ کے اس پار کھڑے تھے اور وہ ان سے باتیں کر رہا تھا۔

میں باڑ کے نزدیک کھڑا ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، کیونکہ ان ساحلوں تک پہنچنے سے پہلے اس کی شہرت ہم تک پہنچ چکی تھی۔

جب وہ اپنی باتیں ختم کر چکا تو میں اسکے پاس گیا اور کہا: ''اے خداوند! ان لوگوں کے ساتھ میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیے۔''

اس نے مسکرا کر مجھ سے کہا: ''آج نہیں، میرے دوست..... آج نہیں۔''

اس کے الفاظ میں کس قدر راحت تھی، جیسے یخ بستہ شب میں کوئی گرم لبادہ میں لپیٹ دے۔ وہ اپنے دوستوں کی طرف مڑ کر کہنے لگا: ''اس شخص کو دیکھو جو ہمیں بالکل اجنبی خیال نہیں کرتا، اور گو اس نے آج سے پہلے دیکھا تک نہیں، پھر بھی اپنے گھر جانے کی دعوت دیتا ہے۔

میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میری بادشاہت میں کوئی اجنبی نہیں، ہماری زندگی دوسروں کی زندگی ہے اور ہمیں یہ اس لیے دی گئی ہے کہ دوسرے لوگوں کی جانیں اور اسی پہچان میں ان سے محبت رکھیں۔

سب لوگوں کے اعمال، ہمارے اپنے اعمال ہیں، خواہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر۔

میں تمہیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تمہاری ایک اکیلی ذات ہو، بلکہ تم نت نئی ذاتوں کا مجموعہ ہو۔ تم صاحب خانہ بھی ہو اور بے خانماں بھی۔ اور تم ہل چلانے والے ہو اور اس چڑیا کی مانند بھی جو بیج کے زمین میں سو جانے سے پہلے اسے چگ لیتی ہے۔ تم اس سخی کی طرح ہو جو نہایت اچھے جذبات سے سخاوت کرتا ہے اور تم اس محتاج کی طرح ہو جو نہایت فخر سے اس سخاوت کو قبول کر لیتا ہے۔ وقت کی خوبصورتی وہ نہیں ہے جو تم کو نظر آتی ہے بلکہ وہ ہے جو دوسروں کو نظر آتی ہے۔

اسی لیے جنہوں نے مجھے چنا ہے، ان میں سے میں نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے۔''

وہ پھر میری طرف مڑا اور مسکرا کر کہنے لگا: ''میں یہ باتیں تم سے بھی کہتا ہوں تا کہ تم انہیں یاد رکھو۔''

میں نے پھر اس سے التجا کی: ''اے خداوند، کیا تو ہمارے گھر نہیں آئے گا۔''

اس نے جواب دیا: ''میں نے تیرا دل دیکھا ہے جو تیرے اس گھر سے بہت بڑا ہے۔''

اور جب وہ اپنے دوستوں کیساتھ چلنے لگا تو اس نے کہا: ''شب بخیر خدا تمہیں برکت دے اور تمہارا گھر اتنا بڑا ہو کہ ملک کے سب اجنبیوں کو پناہ دے سکو۔''

پطرس

شام کا وقت تھا اور ہم یسوع کے ساتھ بیت صیدا میں گئے۔ ہم سب تھکے ماندے تھے اور ہمارے پاؤں اٹے ہوئے تھے۔

اور ہم ایک بہت بڑے گھر کے پاس پہنچے جو باغ کے وسط میں تعمیر کیا ہوا تھا۔ گھر کا مالک بڑے دروازے پر کھڑا تھا۔

یسوع نے اس سے کہا: ''یہ لوگ تھکے ماندے ہیں، انہیں اپنے گھر میں سونے کی اجازت دے۔ آج بہت زیادہ سردی ہے اور انہیں آرام کرنے اور سر چھپانے کے لیے جگہ درکار ہے۔''

اس امیر آدمی نے جواب دیا: ''انہیں میرے گھر میں سونے کی اجازت نہیں ہے۔''

پھر یسوع نے اس سے پوچھا: ''تب انہیں اپنے باغ میں ہی قیام کرنے دے۔''

اس شخص نے جواب دیا: ''نہیں وہ میرے باغ میں نہیں سو سکیں گے۔''

تب یسوع نے پیچھے مڑ کر ہم سے کہا: ''یاد رکھو یہ آج دن تمہارے کل کی غمازی کر رہا ہے، اور تمہارا حال، تمہارے مستقبل کی طرح ہے، تمام دروازے تم پر بند ہو جائیں گے اور ستاروں کے نیچے تاکستانوں میں بھی تمہیں آرام نہ مل سکے گا۔

کیا تمہارے قدموں میں اتنی تاب ہے کہ سڑک پر مزید میرے پیچھے چل سکو؟ ممکن ہے کہ تمہیں کہیں بستر مہیا ہو جائے اور شاید کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے انگوری رس بھی مل سکے، لیکن اگر ان چیزوں میں سے کوئی بھی تمہیں نہ ملے تو اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا کہ تم نے میرے صحراؤں میں سے ایک کو عبور کر لیا ہے۔

آؤ چلیں۔''

تب وہ امیر آدمی پریشان سا ہو گیا، اور اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونے لگا، اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ کہا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ وہ ہمارے پاس سے دبک کر اپنے باغ میں واپس چلا گیا۔

اور ہم یسوع کے پیچھے سڑک پر چل پڑے۔

ناصرۃ کا یوتام

(ایک رومی سے)

میرے دوست تم دوسرے تمام رومیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کی نسبت اس پر غور وفکر کرتے ہو کہ تم ملکوں پر حکومت کرتے ہو بہ نسبت اس کے کہ روح تم پر حکومت کرے۔

تم مختلف قوموں کو محکوم کرتے ہو اور وہ تم پر لعن طعن کرتی ہیں۔ لیکن تم روم میں قیام پذیر ہو کر اپنے دامن کو مسرتوں سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتے۔

تمہارے ذہنوں پر ہر وقت یہی تصورات چھائے رہتے ہیں کہ فوجیں کوچ کرتی رہیں اور جہاز سمندر میں حملے کے لیے تیار کھڑے رہیں۔

پھر تم یسوع ناصری کو کیونکر سمجھ سکتے ہو، جو ایک سیدھا سادہ اور تن تنہا انسان تھا۔ جو جہازوں اور فوجوں کے بغیر آیا کہ دلوں میں آسمان کی بادشاہت قائم کرے، اور روح کی خلاؤں میں سلطنت کی حدیں وسیع کرے۔

تم اس شخص کو کیونکر سمجھ سکتے ہو جو ایک جنگجو نہیں تھا، لیکن وہ آسمانی قوتوں کے ساتھ اس دنیا میں آیا۔ وہ ایک کامل انسان تھا..... وہ زمین کی سلگتی خوشبو میں آسمانی خوشبوؤں کا ملاپ تھا۔ ہماری لڑکھڑاتی روح نے اس کے الفاظ میں ایک ان دیکھی دنیا کی سرگوشیاں سنیں اور اس کی آواز میں ایک دلکش نغمہ سنا۔

ہاں یسوع ایک کامل انسان تھا۔ یہی بات ہمارے لیے عجیب اور حیران کن تھی۔

لیکن تم رومی لوگ دیوتاؤں کے سوا کسی اور سے متعجب نہیں ہوتے، اور کوئی انسان تمہارے لیے حیرانگی کا باعث نہیں بن سکتا۔ اسی لیے تم یسوع ناصری کو نہیں سمجھ سکے۔

وہ ذہن کے شباب کا مالک تھا، اور تم اس کے بڑھاپے کے آقا ہو۔

تم آج ہم پر حکومت کرتے ہو لیکن ہم ایک اور دن کی راہ دیکھتے ہیں۔

کون جانتا ہے کہ کل یہی شخص بغیر فوجوں اور جہازوں کے دنیا پر حکومت کرے گا۔

ہم جو اس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے پیچھے سفر میں ہمارا پسینہ خون بن بن کر گرے گا۔لیکن روم ایک سفید ڈھانچے کی طرح دھوپ میں سوکھ رہا ہوگا۔

ہمیں طرح طرح کی ایذائیں دی جائینگی، پھر بھی ہم صبر سے زندگی بسر کریں گے ،لیکن رومہ کو ضرور ایک دن زوال کا منہ دیکھنا پڑیگا۔

اس کے باوجود جب رومہ عاجز اور شرمسار ہونے کے بعد اس کے نام کی منادی کرے گا،تو وہ اس کی آواز سنے گا۔وہ اس کی ہڈیوں میں ایک نئی روح پھونکے گا، رومہ پھر زندہ ہوگا اور دنیا کے شہروں میں ایک لاثانی اور یکتا شہر ہوگا۔

لیکن وہ سب کچھ فوجوں کے بغیر سر انجام دیگا، اور اس کے جہازوں کے چپو چلانے کے لیے غلاموں کی ٹولی نہیں ہوگی۔وہ اکیلا ہوگا۔

.....

یریحو کا افرائیم

جب یسوع تریحو میں آیا تو میں تلاش کر کے اس کے پاس آیا اور کہا: ''اے خداوند، کل میرے بیٹے کی شادی ہوگی۔ میری تجھ سے التجا ہے کہ شادی میں شرکت کر کے ہماری بھی اسی طرح حوصلہ افزائی کرنا جس طرح قانا کی ضیافت میں شریک ہو کر تو نے انہیں برکت دی تھی۔''

اس نے جواب دیا: ''یہ سچ ہے کہ ایک دفعہ میں ایک ضیافت میں شریک ہوا تھا، لیکن آئندہ میں کسی کا مہمان نہیں بنوں گا کیونکہ اب میں خود برات کا دولہا ہوں۔''

پھر میں نے کہا: ''میں تجھ سے التجا کرتا ہوں، میرے بیٹے کی شادی میں ضرور تشریف لانا۔''

وہ کچھ اس طرح مسکرایا گویا کہ مجھے ملامت کرے گا اور کہنے لگا: ''تم مجھ سے کیوں التجا کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس مے کافی نہیں ہے۔''

میں نے جواب دیا: ''میری صراحیاں مے سے بھری ہوئی ہیں لیکن میں پھر التجا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے کی شادی میں ضرور آنا۔''

وہ بولا: ''کون جانتا ہے، میں شاید آ ہی جاؤں اور ضرور آؤں، بشرطیکہ تمہارا دل تمہارے مقدس میں ایک قربان گاہ ہو۔''

اگلے دن میرے بیٹے کی شادی ہوگئی، لیکن یسوع ضیافت میں شریک نہ ہوا اور ضیافت میں بہت سے مہمان تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود جو مہمانوں کو خوش آمدید کہنے والا تھا، وہاں پر موجود نہ تھا۔

شاید جب میں نے اسے مدعو کیا، میرا دل ایک قربان گاہ نہیں تھا۔ شاید میں ایک معجزہ دیکھنے کا خواہاں تھا۔

بنیامن فقیہ

لوگ کہتے ہیں کہ یسوع روم اور یہودیہ کا دشمن تھا۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ یسوع کسی نسل اور کسی انسان کا دشمن نہ تھا۔

میں نے اسے یہ کہتے سنا کہ: ''ہوا میں اڑنے والے پرندے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنیوالے تاریک بلوں میں چھپے ہوئے سانپوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دو تم زندوں کے درمیان رہو اور اونچی پرواز پر کمربستہ رہو۔''

میں اسکا شاگرد تو نہ تھا لیکن اس بھیڑ میں ضرور شامل تھا جو اس کی دید کے لیے اس کے پیچھے پیچھے جاتی۔

وہ رومہ پر نظر ڈالتا اور پھر ہمیں دیکھتا جو رومہ کے غلام ہیں۔۔۔اس کی نگاہیں بالکل اس باپ کی طرح ہوتیں جو اپنے بچوں کو کھلونوں سے کھیلتے اور ایک بڑے کھلونے کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہے اور وہ اپنی بلندیوں سے ہم پر قہقہہ لگاتا ہے۔

وہ ملک ملت سے کہیں عظیم تھا اور وہ انقلاب سے کہیں بالاتر تھا۔

وہ اکیلا تھا، تنہا تھا، لیکن بیداری کا پیغام تھا۔

وہ ہمارے آنسوؤں کے ساتھ روتا اور ہماری ہنگامہ آرائیوں پر مسکرا دیتا۔

ہم جانتے تھے کہ یہ اس کی قدرت و اختیار میں تھا کہ اس کے ساتھ پیدا ہو جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ وہ انہیں بھی سب کچھ دیتا، ان کی اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ خود اپنی بینا نظروں سے۔

یسوع زمین پر ایک نئی بادشاہت کا آغاز تھا، اور وہ بادشاہت قائم رہیگی۔

وہ ان تمام بادشاہوں کی نسل سے تھا۔ جنہوں نے روح کی بادشاہت قائم کی۔

اور صرف روح کے بادشاہوں نے ہماری دنیا پر حکومت کی ہے۔

زکائی

تم صرف اپنے کانوں سے سنی ہوئی باتوں پر یقین رکھتے ہو۔ ان کہی باتوں پر بھی یقین رکھنا سیکھو کیونکہ انسان کی خاموشی میں اس کے الفاظ کے شور سے زیادہ سچائی ہے۔

تم پوچھتے ہو کہ آیا یسوع اپنی ذلت کی موت سے بچ سکتا تھا، اور اپنے حواریوں کو ایذا رسانی سے بچا سکتا تھا؟

میرا جواب ہے کہ اگر وہ چاہتا تو بچ سکتا تھا لیکن وہ اپنی محافظت کا جویاں نہ ہوا اور نہ ہی اس نے شب کے بھیڑیوں سے اپنے گلہ کی حفاظت کے لیے سوچا۔

وہ اپنے انجام سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے شاگردوں کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس نے پہلے ہی پیشن گوئی کر دی تھی کہ ہم پر کیا گزرے گی۔ اس نے موت کو خود تلاش نہیں کیا بلکہ موت کو اس طرح قبول کیا کہ جس طرح موسم سرما میں خود ہی اپنے غلہ کے بیجوں کو مٹی میں دفن کر دیتا ہے اور موسم بہار اور فصل کی کٹائی کے موسم کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اس معمار کی طرح تھا جو سب سے بڑے پتھر کو عمارت کی بنیاد میں رکھ دیتا ہے۔

ہم گلیل کے رہنے والے لوگ تھے۔۔۔۔ ہم لبنان کی ڈھلوانوں کے باسی تھے۔ ہمارا خداوند ہمیں نکال کر ہمارے ملک میں واپس لا سکتا تھا۔ اور ہم اس کے شباب کے ساتھ اپنے گلستانوں میں سکونت کرتے حتیٰ کہ بڑھاپا آ کر ہمارے ماضی کے بیتے ہوئے برسوں میں ہمارے ساتھ سرگوشیاں کرتا۔

کیا ہمارے عبادت خانوں کی طرف جاتے ہوئے راستوں پر کوئی اس کا راستہ روک سکتا تھا؟ کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ''اب مغربی ہوا کے ساتھ مشرق کی سمت جاتا ہوں۔'' اور یہ کہتے ہوئے اپنے ہونٹوں کی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں منتشر کر دیتا ہے۔

ہاں وہ بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ ''اپنے رشتہ داروں میں واپس چلے جاؤ'' دنیا میرے لئے تیار نہیں ہے، میں اب سے ہزاروں سال بعد واپس آؤں گا۔ جاؤ اپنے بچوں کو سکھا دو کہ میرا انتظار کریں۔

اگر وہ چاہتا تو یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ ایک ان دیکھے مقدس کی تعمیر کے لیے وہ اپنے آپ کو کونے کا پتھر ٹھہرائے۔ اور ہمیں چھوٹے چھوٹے پتھروں کی طرح نصب کرے،

وہ جانتا تھا کہ اس کے آسمانی درخت کا رس ضرور جڑوں سے پھوٹنا چاہیے۔ اس نے اپنا خون اس کی جڑوں میں ڈال دیا۔ اور اس کے لیے قربانی نہیں بلکہ ماحصل تھا۔

موت منکشف ہے، اور یسوع کی موت نے اس کی زندگی کا انکشاف کیا۔

اور اگر وہ اپنے آپ کو اور تم کو دشمنوں سے بچا لیتا۔ تو آج تم دنیا کے فاتح ہوتے۔ اسی لیے اس نے اپنے آپ کو نہیں بچایا۔

صرف وہی سب کچھ دے سکتا ہے۔ جو تمام چیزوں کو حاصل کرنے کی تمنا کرتا ہے۔

ہاں یسوع اپنے دشمنوں سے بچ کے پیر سالی تک زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن وہ موسموں کے گزر جانے کے بھید کو جانتا تھا، اس لیے اپنا گیت گاتا رہا۔

اب کون سا آدمی ہوتا ہے جو مسلح دنیا کے مقابلہ میں صرف ایک لمحہ کے لیے مفتوح نہ ہو جائے۔ تا کہ وہ پورے دور اور زمانے پر فتح حاصل کرے۔

اور اب تم پوچھتے ہو کہ یسوع کو کس نے قتل کیا، رومیوں نے یا یروشلم کے کاہنوں نے؟۔

نہ تو رومیوں نے اور نہ ہی کاہنوں نے اسے مصلوب کیا۔ ساری دنیا اس پہاڑ پر اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔

یوناتن

ایک دن میں اور میری محبوبہ جھیل میں کشتی چلا رہے تھے، اور لبنان کی بلند پہاڑیاں ہمارے اردگرد کھڑی تھیں۔

ہم ذرا بید مجنوں کی طرف ہو لیے، ہمارے چاروں طرف ان درختوں کے سایے کتنے گہرے تھے،

جونہی میں نے چپو کو موڑا، میری محبوبہ نے اپنا بربط لے کر اپنا نغمہ یوں الاپنا شروع کر دیا۔

کنول کے علاوہ وہ کون سا پھول ہے جو آفتاب اور پانی دونوں کو جانتا ہے۔ سوا کنول کے دل کے اور کون سا دل ہے، جسے زمین اور آسمان دونوں کا علم ہوگا،؟۔

میری محبت پر نظر ڈالو، جس طرح سنہرا پھول گہرے اور اتھلے پانی میں تیرتا ہے،

اسی طرح میں اور تم دونوں ایک ایسی محبت کے درمیان تیر رہے ہیں، جو ہمیشہ سے قائم رہی ہے، اور ہمیشہ قائم رہے گی۔

اے میرے محبوب! چپوؤں کو ذرا اور تیز کرو،

اور مجھے اپنے بربط کے تاروں کو چھیڑنے دو

آؤ ہم بید مجنوں کا پیچھا کریں، اور نیلوفر کو بھی خیر باد نہ کہیں۔

ناصرۃ میں ایک شاعر رہتا ہے، جن کا دل کنول کے پھول کی طرح ہے۔

وہ عورت کی روح کا مطالعہ کر چکا ہے۔

وہ اس کی پانیوں سے ابھرتی ہوئی پیاس کو جانتا ہے،

اور آفتاب کے لیے اس کی بھوک کو بھی جانتا ہے،

لوگ کہتے ہیں کہ وہ گلیل میں گھومتا نظر آتا ہے،
لیکن میں کہتی ہوں وہ ہماری کشتیوں میں موجود ہے،
اے میرے محبوب! کیا تم اس کا درخشاں چہرہ نہیں دیکھ سکتے،
جب ہم چلتے ہیں تو وہ ہمارے ساتھ چلتا ہے۔

اے میرے محبوب! زندگی کے شباب کو جاننا کتنا اچھا ہے۔
اس کی گاتی اور مسکراتی خوشیوں کو معلوم کرنا کس قدر مرغوب ہے،
کاش تم چپوؤں کو ہمیشہ یونہی اپنے ہاتھوں میں تھامے رہو،
اور میں اپنے بربط کے تاروں جو چھیڑتی رہوں،
جہاں کنول آفتاب کی روشنی میں مسکراتا ہے،
اور بید مجنوں جھک کر پانی سے اٹھکیلیاں کرتا ہے،
اور اس کی آواز میرے تاروں سے بکھرتی رہے۔

میرے محبوب! اپنے چپوؤں کو اور تیز کرو،
اور مجھے اپنے بربط کے تار چھیڑنے دو،

ناصرۃ میں ایک شاعر ہے،
جو ہمیں جانتا ہے اور ہم سے محبت رکھتا ہے،

میرے محبوب! اپنے چپوؤں کو ذرا اور تیز کر دو،
اور مجھے اپنے بربط کے تار چھیڑنے دو۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بیت صیدا کی جنہ

میری پھوپھی نے اپنے شباب ہی میں ہمیں چھوڑ کر دادا جان کے پرانے تاکستان کے پاس ایک جھونپڑی میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

وہ اکیلی رہتی تھی، اور گاؤں کے لوگ بیماری کے دوران علاج کے لیے آتے۔ وہ جڑی بوٹیوں، جڑوں اور دھوپ میں سکھائے ہوئے پھولوں سے ان کا علاج کرتی۔

لوگوں کا خیال تھا کہ وہ غیب دان تھی، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اسے ساحرہ اور جادوگرنی تصور کرتے تھے۔

ایک دن میرے باپ نے مجھ سے کہا: ''گیہوں کی یہ روٹیاں، مے کی صراحی اور کشمکش کی یہ ٹوکری اپنی پھوپھی کے پاس لے جاؤ۔''

یہ سارا سامان اس نے ایک بچھیا پر رکھ دیا اور میں سڑک پر چل پڑی، حتیٰ کہ تاکستان کے اندر پھوپھی کی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

جب ہم دونوں اکٹھی بیٹھی ہوئی تھیں تو سڑک کی طرف سے ایک شخص آیا اور اس نے میری پھوپھی کو یہ کہتے ہوئے سلام کیا: ''تم پر سلامتی ہو اور رات کی برکتیں تم پر نازل ہوں''

اور وہ کھڑی ہو گئی اور نہایت احترام سے کہنے لگی: ''اے نیک روحوں کے آقا اور تمام بدروحوں کے فاتح، تم پر بھی سلامتی ہو''

اس شخص نے نہایت پرمحبت نگاہوں سے اسے دیکھا اور چل پڑا۔

اور میں اپنے دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میری پھوپھی پگلی ہے، لیکن اب میں جانتی ہوں کہ وہ پگلی نہیں تھی، کیونکہ اس وقت میں یہ سبب کچھ نہیں سمجھتی تھی۔

تاہم وہ میرے پوشیدہ قہقہوں سے لاعلم نہیں تھی۔

وہ کچھ یوں گویا ہوئی، لیکن اس میں غصہ کے تاثرات نہیں تھے۔ اس نے کہا: ''

میری بیٹی! سنو میری باتوں کو غور سے سنو اور انہیں یاد رکھنا۔ وہ شخص جو آفتاب اور زمین کے درمیان ایک پرندہ کی طرح ادھر سے ابھی ابھی گزرا ہے، وہ قیصر اور قیصر کی حکومت پر چھا جائے گا۔ وہ کسدیوں کے تاجدار بیل اور مصر کے انسانی سر نما شیر سے کشتی لڑے گا۔ وہ ان پر غالب آئے گا اور وہ دنیا پر حکومت کرے گا۔''

یہ زمین جس پر وہ ابھی چل کر گیا ہے، ختم ہو جائے گی اور یروشلم جو نہایت تمکنت و غرور سے پہاڑ پر کھڑا ہے، دھوئیں کی طرح بیابان کی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا

جب اس نے یہ باتیں کیں تو میرا قہقہہ ساکت ہو گیا اور میں خاموش ہو گئی۔ میں نے پوچھا: ''یہ کون شخص ہے، اور اس کا کس ملک اور قبیلے سے تعلق ہے، اور وہ کیونکر عظیم بادشاہوں اور ان کی سلطنتوں کو فتح کرے گا؟''

اس نے جواب دیا: ''وہ اسی ملک میں پیدا ہوا ہے لیکن ہم اپنے تصورات اور آرزوؤں میں دیکھتے ہیں کہ وہ زمانہ ازل سے ہے۔ وہ سب قبیلوں کا ہے لیکن کسی کا بھی نہیں۔ وہ اپنے منہ کے کلام اور اپنی روحوں کے شعلہ سے دنیا کو فتح کرے گا۔''

اچانک وہ ایک چٹان کی مانند کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: ''یہ بات کہنے پر خداوند کے فرشتے مجھے معاف کریں، کہ یسوع کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا شباب زمین کی مٹی میں کفنا دیا جائے گا۔ زمین کے بے زبان دل کے پہلو کی خاموشیوں میں اسے دفن کر دیا جائے گا اور یروشلم کی کنواریاں اس کے لیے نوحہ کریں گی۔''

تب اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: لیکن صرف اس کے بدن کو قتل کیا جائے، روح میں وہ زندہ ہو گا۔ اور اس سرزمین سے اپنے لشکروں کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں اس جگہ لے جائے گا جہاں آفتاب جنم لیتا ہے اور جہاں شام کے جھٹپٹے میں آفتاب کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

اور اس کا نام آدمیوں میں سرفہرست ہو گا۔

جب اس نے یہ باتیں کیں تو اس وقت وہ ایک بوڑھی اور عمر رسیدہ غیب دان تھی

اوران میں محض ایک نوعمر لڑکی تھی میں ایک ایسا پتھر تھی جسے دیوار میں نصب نہ کیا گیا ہو۔

لیکن اس نے وہ سب کچھ جو اپنے ذہن کے آئینہ میں دیکھا تھا۔میری زندگی ہی میں پورا ہو چکا ہے۔

یسوع ناصری مردوں میں سے جی اٹھا اور مردوں اور عورتوں کو غروب آفتاب کے پاس لے گیا۔وہ شہر جس نے اسے عدالت کے حوالے کیا، تباہ ہو گیا اور وہ کچہری جس میں اس کی پیشی ہوئی اور اسے سزا ہوئی، وہاں پر اب الو بولتے ہیں اور شب ان گرے ہوئے پتھروں پر روتی ہوئی اپنے دل کی شبنم کے موتی بکھیرتی ہے۔

میں اب ایک بوڑھی عورت ہوں، وقت کے دھارے نے میری کمر کو جھکا دیا ہے۔میرے لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہا اور میری نسل بھی ختم ہو چکی ہے۔

اس دن کے بعد میں نے یسوع کو ایک بار پھر دیکھا۔اور ایک دفعہ اس کی آواز سنی، میں اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر تھی جب وہ اپنے دوستوں اور پیروکاروں سے باتیں کر رہا تھا۔

اور اب میں عمر رسیدہ اور تن تنہا ہوں، لیکن اب بھی وہ میرے خوابوں میں مجھ سے ملنے آتا ہے۔

وہ ایک سفید فام فرشتہ کی طرح میرے پاس آتا ہے اور اپنے فضل سے شب کی تاریکیوں سے مجھے نجات دیتا ہے اور میرے خوابوں میں مجھے اور بلندیوں پر لے جاتا ہے۔

میں ابھی تک ایسا پتھر ہوں جسے دیوار میں نصب نہ کیا گیا ہو اور میں ایک ایسے پھل کی طرح ہوں جو گرنے کا نہیں۔میرا اثاثہ صرف آفتاب کی گرمی اور اس شخص کی یادیں ہیں۔

میں جانتی ہوں کہ میرے لوگوں میں سے اب کوئی بادشاہ، نبی اور کاہن پیدا نہ ہو

گا۔میری پھوپھی نے بھی یہی پیشین گوئی کی تھی۔

ہم بہتی ہوئی ندیوں کے ساتھ اس جہان سے کوچ کر جائیں گے، اور ہمارا کوئی بھی نام لینے والا نہ ہوگا۔

لیکن وہ جنہوں نے اسے مصلوب کیا، انہیں دنیا والے ہمیشہ مصلوب کرنے والوں کے نام سے یاد کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

یسوع کا محبوب شاگرد یوحنا

(اپنی پیر سالی کے ایام میں)

تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں یسوع کے متعلق تمہیں کچھ بتاؤں، لیکن میں کس طرح دنیا کے دکھ کا گیت ایک کھوکھلی بانسری سے الاپ سکتا ہوں۔

دن کی ہر گھڑی اور ہر لمحہ میں اسے اپنے باپ کی حضوری کا احساس تھا۔ اس نے اسے بادلوں اور بادلوں کے سایوں میں دیکھا ان سایوں میں جو زمین پر سے گزرتے ہیں۔ اس نے ساکن اور خاموش جھیلوں میں اپنے باپ کے چہرے کا عکس دیکھا اور اس نے اس کے پاؤں کے مدھم نشانات کا ریت پر مشاہدہ کیا۔ اکثر وہ اپنے باپ کی مقدس آنکھوں میں جھانکنے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیتا۔

شب اس کے باپ کی آواز میں اس سے ہم کلام ہوتی، اور تنہائی میں وہ سنتا کہ مائیک اسے بلا رہے ہیں اور جب وہ نیند کی وادیوں میں ساکت و جامد ہو جاتا تو وہ اپنے سپنوں میں آسمان کے مکینوں کی سرگوشیاں اپنے کانوں سے سنتا۔

وہ اکثر ہم سے خوش رہتا، اور ہمیں بھائی کہہ کر پکارتا تھا۔

دیکھو! وہ جو ابتدا میں کلام تھا، ہمیں بھائی کہہ کر پکارتا تھا، حالانکہ ہم تو وہ حروف ہیں جو گویا کل ہی کسی کی زبان سے نکلے ہوں۔

تم مجھ سے ضرور پوچھو گے کہ میں کیوں کہتا ہوں کہ وہ ابتدا میں کلام تھا۔

سنو! میں اس کا خود ہی جواب دوں گا۔

ابتدا میں خدا خلا میں متحرک تھا، اور اس کی بے پایاں حرکت سے اس زمین نے جنم لیا اور پھر موسم نمودار ہوئے۔

خدا نے ایک بار پھر حرکت کی اور زندگی کا دم جاری ہوا، زندگی کی آرزوؤں نے پستیوں اور بلندیوں کی جستجو کی اور اس کی خواہشات میں اضافہ ہوتا گیا۔

تب خدا گویا ہوا۔ اس کا کلام انسان تھا اور انسان ایک روح تھا جس نے خدا کی روح سے جنم لیا۔

اور جب خدا اس طرح گویا ہوا، تو مسیح جو کلمہ تھا اس کے ساتھ تھا اور وہ کلمہ کامل تھا۔ جب یسوع ناصری دنیا میں آیا تو یہ کلمہ ہم سے ہم کلام ہوا اور یہ آواز اور گوشت کا روپ دھار کر ہمارے پاس آئی۔

مسیح یسوع جو کلام تھا انسان سے ہم کلام ہوا۔ یوں کسی باغ میں سیب کا ایک درخت دوسرے درختوں سے ایک دن پہلے پتیاں اور شگوفے نکالتا ہے اور خدا کے باغ میں اس دن کو ہم ابدیت کے نام سے پکار سکتے ہیں۔

میں یہ سب کچھ اس لیے کہتا ہوں تا کہ تم نہ صرف عقل بلکہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اسے سمجھ سکو۔ عقل جانچتی اور پرکھتی ہے لیکن روح زندگی کے دل میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں رازوں سے ہم آغوش ہوتی ہے، اور روح کا بیج ابد تک زندہ رہے گا۔

ہوا چلتی اور ٹھہر جاتی ہے، سمندر پھیل جاتا ہے اور پھر سکڑ جاتا ہے، لیکن قلب حیات پرسکون اور خاموش رہے گا اور چمکنے والا ستارہ ہمیشہ اپنی جگہ پر چمکتا رہے گا۔

☆☆☆☆☆

پنطس پلاطس

میرے سامنے لائے جانے سے پہلے کئی مرتبہ میری بیوی نے مجھ سے یسوع کے بارے میں تذکرہ کیا، لیکن مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

میری بیوی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ہے اور دوسری رومی خواتین کی مانند وہ مشرقی توہمات اور عقائد سے بہت متاثر ہے۔ یہ تمام باتیں سلطنت کے لیے خطرناک ہیں۔ مذہبی عقیدے جب ہماری عورتوں کے دلوں میں کوئی گزرگاہ ڈھونڈ لیتے ہیں تو یہ تباہ کن انجام کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔

سلطنت مصر کا اس وقت خاتمہ ہو گیا جب صحرائے عرب کے واحد خدا کو عربی ہاگیساس مصر کی سرزمین میں لے آیا اور یونان بھی اس وقت ختم ہو گیا جب عشتارات اور اس کی سات کنیزیں، اسور کے ساحلوں سے اس سرزمین میں آ داخل ہوئیں۔

جہاں تک یسوع کا تعلق ہے، میں نے اسے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ میرے سامنے ایک ملزم کی حیثیت سے لایا گیا ایک ملزم جس پر یہ الزام تھا کہ وہ اپنی قوم اور روم کا دشمن ہے۔

جب اسے کمرہ عدالت میں لایا گیا تو اس کے ساتھ رسیوں سے اس کے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

میں مسند عدالت پر بیٹھا ہوا تھا، اور وہ لمبے اور پر اعتماد قدموں سے میری طرف چلتا ہوا آیا۔ وہ سیدھا کھڑا تھا اور اس کے سر میں ذرہ بھر بھی خم نہیں تھا۔

میں اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس وقت مجھ پر کونسی چیز غالب آ گئی، لیکن اچانک میری مرضی کے خلاف میرے دل میں شدید خواہش اٹھی کہ مسند عدالت سے اٹھ کر اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو جاؤں۔

میں نے محسوس کیا گویا قیصر خود کمرۂ عدالت میں داخل ہو گیا ہے۔ ایک شخص جو روما کی سلطنت سے بھی کہیں عظیم ہے۔

لیکن یہ تاثر صرف ایک لمحہ کے لیے قائم رہا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک شخص کھڑا ہے جس پر اس کے اپنے ہی لوگوں نے الزام لگایا ہے اور میں اس کا حاکم اور منصف تھا۔

میں نے اس سے سوال کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں رحم تھا گویا کہ میں نہیں وہ میرا منصف اور حاکم ہو۔

پھر لوگوں کا شور و غل شروع ہو گیا لیکن وہ بالکل خاموش رہا اور ابھی تک مجھے رحم بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

میں باہر نکل کر محل کی سیڑھیوں پر گیا جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو شور و غل ختم ہو گیا۔ میں نے کہا: ''تم اس شخص سے کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟''

وہ یک زبان ہو کر بولے: ''ہم اسے مصلوب کریں گے۔ وہ ہمارا اور روم کا دشمن ہے۔''

اور ان میں سے چند ایک نے پکار کر کہا: ''کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ہیکل کو گرا دے گا؟ اور کیا اس نے یہ بھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بادشاہ ہے؟ ہمارا سوائے قیصر کے اور کوئی بادشاہ نہیں ہے؟''

میں انہیں چھوڑ کر پھر کمرۂ عدالت میں چلا گیا، اور میں نے اسے اکیلا کھڑا پایا۔ اس کا سر اب بھی ایک شان کے ساتھ اسی طرح بلند تھا۔

مجھے یاد آیا کہ ایک یونانی منطقی نے کہا تھا کہ: ''تنہا شخص سب سے زور آور ہے'' اس وقت یسوع ناصری اپنی قوم میں سب سے زیادہ زور آور تھا۔

میرے دل میں اس کے لیے رحم کا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ میرے رحم کی حدوں سے کہیں دور تھا۔

پھر میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟''

اس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔

پھر میں نے اس سے سوال کیا: ''کیا تو نے یہ نہیں کہا کہ تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟''

اس نے مجھ پر نگاہ کی

اور نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیا: ''تو نے خود میرے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ میں تو اسی لیے دنیا میں آیا تھا کہ سچائی کی گواہی دوں۔''

عجیب بات ہے کہ ایک شخص ایسے لمحات میں بھی سچائی کی باتیں کرتا ہے۔

میں نے نہایت بے صبری سے جھنجھلا کر کہا: ''سچائی کیا ہے؟ ایک بے گناہ شخص کے لیے کیا وقعت ہے جبکہ جلاد کا ہاتھ اور تلوار اسے ختم کرنے کو ہے؟''

تب یسوع نے بڑے اختیار سے کہا: ''کوئی شخص روح اور سچائی کے بغیر دنیا پر حکومت نہیں کر سکتا۔''

میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تو روح سے آیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''تو بھی ایسے ہی آیا ہے گو تو نہیں جانتا''

روح کیا تھی اور سچائی کا کیا مطلب تھا؟ میں نے سلطنت کی خاطر، اور لوگوں نے اپنی دیرینہ مذہبی رسومات کو زندہ رکھنے کے لیے حسد اور نفرت کی آگ میں جل کر ایک بے گناہ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

جب سچائی اپنی راہ پر اپنے مقصد کے لیے رواں دواں ہو تو کوئی شخص، کوئی نسل اور کوئی حکومت اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔

میں نے اس سے پھر پوچھا: ''کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''تو خود کہتا ہے اس دنیا کو تو میں نے پہلے ہی فتح کر لیا ہے۔''

یہ سب کچھ جو اس نے کہا مجھ مہمل سا معلوم ہوا کیونکہ صرف روم نے دنیا کو فتح کیا ہے۔

بھیڑ کا شور ایک بار پھر بلند ہوا، اور یہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ تھا

میں اپنی مسند سے اترا اور اس سے کہا: ''میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ''

اور جب لوگوں نے اسے دیکھا تو وہ شدت جذبات سے چلا اٹھے۔ ان کے شور میں ان الفاظ ''اسے صلیب دے صلیب دے'' کے علاوہ اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔

تب میں نے اسے کاہنوں کے سپرد کر دیا جنھوں نے اسے میرے سپرد کیا تھا، اور ان سے کہا: ''اس راست باز کے ساتھ جو چاہو کرو۔ اگر تم چاہتے ہو تو اس کی نگہبانی کے لیے رومی سپاہی لے جاؤ۔''

وہ اسے لے گئے اور میں نے حکم دیا کہ صلیب پر یہ لکھ دیا جائے ''یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے'' لیکن مجھے یہ لکھنا چاہیے تھا ''ناصرۃ کا یسوع ایک بادشاہ''

اسے کوڑے لگائے گئے اور اسے مصلوب کر دیا گیا۔

گو یہ میرے اختیار میں تھا کہ اسے بچا لیتا لیکن اسے بچانا ایک انقلاب کو جنم دینے کے مترادف تھا۔ اور یہ ایک رومی حاکم کے لیے دانشمندانہ قدم ہے کہ وہ محکوم رعایا کی مذہبی اور معاشرتی رسومات کا احترام کرے۔

میرا اب بھی اعتقاد ہے کہ وہ شخص ایک انقلابی شخص سے کہیں زیادہ تھا۔ میں نے جو کچھ حکم دیا وہ میری اپنی مرضی نہیں تھی بلکہ مے نے یہ سب کچھ روم کی خاطر کیا۔

کچھ دیر بعد ہم اسوریہ کی سرزمین کو چھوڑ آئے لیکن اس دن سے میری بیوی غم کی ایک تصویر بن گئی ہے۔

اکثر اوقات میں اس باغ میں بھی اس کے چہرے پر کسی المیہ کے تاثرات دیکھتا ہوں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ روم کی دوسری عورتوں سے یسوع سے متعلق باتیں کرتی ہے۔

ذرا غور کرو! جس شخص کی موت کا حکم میں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا، وہ سایوں کی دنیا سے آ کر میرے گھر میں داخل ہو گیا ہے۔

اور میں اپنے آپ سے بار بار پوچھتا ہوں کہ سچائی کیا ہے؟

کیا یہ سچ نہیں کہ اسوریہ کے لوگ شب کی خاموشی میں ہم پر غالب آ رہے ہیں۔

لیکن ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

روم کو اپنی خواتین کے بھیانک خوابوں پر غلبہ پانا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

متی

ایک شام یسوع ایک قید خانہ کے پاس سے گزرا جو داؤد کے برج میں واقع تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

اچانک وہ ٹھہر گیا اور اپنا رخسار قید خانہ کے پتھروں کے ساتھ لگا کر کھڑا ہو گیا اور یوں گویا ہوا:

''قدیم الایام سے میرے بھائیو! قید خانہ کی سلاخوں کے پیچھے تمہارے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی ہم نوا ہیں۔ کاش کہ تم میری آزادی کے دور میں آزاد ہو کر میرے اور میرے ساتھیوں کے ہم رکاب ہوتے۔''

تم قید میں ہو لیکن اکیلے نہیں ہو۔ کتنے ایسے قید ہیں جو کھلی گلیوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ ان کے پر بھی کٹے نہیں ہیں، اس کے باوجود وہ مور کی طرح پھڑ پھڑاتے ہیں لیکن اڑ نہیں سکتے۔

میرے یوم ثانی کے بھائیو! میں تمہاری کوٹھڑیوں میں تمہارے پاس آؤں گا اور تمہارا بوجھ اپنے کندھوں پر برداشت کروں گا کیونکہ معصوم اور گنہگار دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیے جا سکتے۔ وہ بازو کے اگلے حصے کی ہڈیوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

میرے آج کے دن کے بھائیو! یہ آج کا دن جو میرا ہے، تم ان کے احکام و دلائل کے دھارے کے خلاف چلے اور تم پکڑے گئے، اور وہ کہتے ہیں کہ میں بھی دور حاضرہ کے خلاف چلتا ہوں۔ میں بھی جلد ہی تمہارے ساتھ ہوں گا، یعنی قانون شکنوں کے ساتھ ایک اور قانون شکن آ ملے گا۔

میرے مستقبل کے بھائیو! یہ دیواریں گر جائیں گی اور ان پتھروں سے خدا ایک اور عمارت تعمیر کرے گا۔ اس کا ہتھوڑا نور کا بنا ہوگا۔ اس کی چھینی میں طوفان کی تیزی ہوگی اور میری آزادی کے اس نت نئے دن میں تم میرے ساتھ ہوگے

یسوع نے یہ باتیں کہیں اور پھر وہ چل پڑا۔ اس کا ہاتھ اس وقت تک زنداں کو چھوتا رہا جب تک کہ وہ داؤد کے برج سے آگے نہ بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ایک دولت مند

یسوع ہمیشہ دولت مندوں کا مخالف تھا۔ ایک دن میں نے اس سے سوال کیا: ''اے نیک استاد! میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟''

اور اس نے مجھے نصیحت کی کہ اپنا سب کچھ غریبوں میں بانٹ کر اس کی پیروی کروں۔

چونکہ وہ خود خالی ہاتھ اور محتاج تھا، اس لیے دولت کی آزادی اور تقویت سے واقف نہ تھا اور نہ ہی وہ اس شان وشوکت اور ذاتی قدر ومنزلت سے واقف تھا جو دولت میں پنہاں ہے۔

میرے گھر میں ایک سو چالیس غلام اور مختار ہیں۔ کچھ میرے کھیتوں اور تاکستانوں میں کام کرتے ہیں اور کچھ تجارت کے لیے میرے جہازوں کو لے کر دیگر ممالک کو جاتے ہیں۔

اب اگر میں اس کی بات مان کر اپنا سب کچھ غریبوں میں بانٹ دیتا، تو میرے غلاموں، نوکروں اور ان کی بیویوں اور بچوں کا کیا انجام ہوتا؟ وہ سب بھکاری بن کر شہر کے دروازے پر یا ہیکل کے برآمدہ میں ہر آنے جانے والے کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلاتے۔

نہیں، نہیں! وہ نیک استاد دولت کے راز کی گہرائیوں کو نہ جان سکا۔ چونکہ وہ اور اس کے شاگرد سب دوسروں کی خیرات پر بسر اوقات کرتے تھے، اس لیے وہ چاہتا تھا کہ ہر شخص اسی طرح اپنی زندگی بسر کرے۔

دیکھو تو یہ کس قسم کا تضاد ہے کیا دولت مند کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ساری جائیداد غریب کو دے دے۔ اور کیا غریب کے لیے ضروری ہے کہ وہ امیر کی دی ہوئی روٹی کھا کر اور اس کی مے پینے کے بعد اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہے؟

کیا یہ ضروری ہے کہ ایک قلعے کا سردار، خود اپنی زمین کا مالک بننے سے پہلے ہی

اپنے مزارعوں کی میزبانی شروع کردے؟

چیونٹی موسم گرما کے لیے خوراک جمع کرتی ہے، وہ اس ٹڈے سے بہتر ہے جو ایک دن گانے گاتا ہے اور دوسرے دن مر جاتا ہے۔

گزشتہ سبت کے موقع اس کے ایک شاگرد نے کہا: ''آسمان کی دہلیز پر جہاں یسوع اپنی جوتی اتارے گا، وہاں کسی اور کو سر دھرنے کی جرأت نہ ہوگی''

لیکن میں پوچھتا ہوں کہ وہ بے خانماں کس کے گھر کی دہلیز پر اپنی جوتی اتارے گا؟ اس کا تو خود نہ کوئی گھر تھا اور نہ ہی اپنی دہلیز تھی اور اکثر اوقات وہ جوتی کے بغیر ہی سفر کیا کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆

یوحنا

(پتمس کے جزیرے میں)

ایک دفعہ پھر میں یسوع کے متعلق کچھ بتانے کے لیے اپنی زبان کھولوں گا۔

خدا نے مجھے اچھی آواز دی اور شعلہ خو بھی بنایا لیکن مجھے تقریر کا فن نہ دیا۔

گو کہ میں اتنی اونچی باتیں بیان کرنے کے نااہل ہوں، پھر بھی میں اپنے دل سے التجا کروں گا کہ وہ اپنے جذبات زبان پر لائے۔

مجھے اس سے شدید محبت تھی کیونکہ وہ میری روح کو میری پہنچ سے بھی زیادہ بلندیوں پر اور سمندر سے بھی زیادہ عمیق گہرائیوں میں لے گیا۔

محبت ایک مقدس راز ہے۔

محبت کرنے والوں کے لیے یہ راز ہمیشہ بے بیان ہے۔

لیکن محبت نہ کرنے والوں کے لیے یہ محض ایک مذاق ہے۔

یسوع نے مجھے اور میرے بھائی کو اپنی پیروی کے لیے بلایا جب ہم کھیت میں کام کر رہے تھے۔

اس وقت میں جوان تھا اور صرف صبح صادق کی آواز سے میرے کان آشنا تھے۔

لیکن اس کی آواز اور اس کی آواز کی گونج نے میری محنتوں کو ختم کر کے میرے جذبات کی شدت کو بیدار کر دیا۔

اور میرے لیے سوائے اس کے اور کوئی کام نہ رہ گیا کہ میں آفتاب کی شعاعوں میں چلتا رہوں اور دن کی حسین گھڑیوں میں اس کی عبادت کروں۔

کیا تم ایسے وقار کو اپنے ذہن میں لا سکتے ہو جو اس قدر مہربان ہو کہ وہ پروقار معلوم نہ ہو، یا ایسا تاباں حسن کی تابانی میں خود حسن ہی ماند پڑ جائے۔

کیا تم اپنے سینوں میں کسی ایسی آواز کو سن سکتے ہو جو خود ہی اپنی خوشی پر شرما رہی ہو۔

اس نے مجھے بلایا اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔

اس شام میں اپنے باپ کے گھر اپنا دوسرا چغہ لینے کے لیے گیا

اور میں نے اپنی ماں سے کہا: ''یسوع ناصری مجھے اپنے شاگردوں میں شامل کرنا چاہتا ہے۔''

اور ماں نے کہا: ''جاؤ میرے بیٹے! اپنے بڑے بھائی کی طرح ضرور اس کی پیروی کرو۔''

اور میں یسوع کے ساتھ چل پڑا۔

اس کی خوشبو نے مجھے بلایا اور حکم دیا تا کہ مجھے آزاد کر دے۔

محبت اپنے مہمانوں کے لیے مہربان میزبان ہے، لیکن دھوکہ اور فریب اس کے گھر کی دہلیز کے پار نہیں جا سکتے۔

☆☆☆☆☆

تم چاہتے ہو کہ میں یسوع کے معجزوں کی وضاحت کروں۔

ہم سب ایک لمحہ کی معجزانہ حرکات ہیں، اور ہمارا خداوند اس لمحہ کا مرکز تھا۔

تاہم وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی حرکات کسی کو معلوم ہوں۔

میں نے اسے ایک دفعہ ایک لنگڑے سے یہ کہتے سنا: ''اٹھو اور اپنے گھر جاؤ لیکن کاہن کو یہ مت بتانا کہ میں نے تجھے اچھا کیا ہے۔''

یسوع کا ذہن اس مفلوج کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ اس کی دلچسپی اس مضبوط اور توانا شخص میں تھی جو اس مفلوج کے بعد نمودار ہوا۔

اس کا ذہن، دوسرے ذہن تلاش کر کے ان پر قابو پا لیتا تھا۔

اور یوں اس کی روح نے ان ذہنوں اور ان روحوں کو تبدیل کر دیا۔

یہ معجزانہ فعل نظر آتا تھا لیکن ہمارے خداوند کے نزدیک یہ محض سانس لینے کے فطری عمل سے مشابہ تھا۔

☆☆☆☆☆

اور آؤ! اس سے متعلق میں تمہیں چند اور باتیں بتاؤں۔

ایک دن جب وہ اور میں اکٹھے کھیتوں میں جا رہے تھے۔

ہم دونوں بھوکے تھے، اور ہم ایک جنگلی سیب کے درخت کے پاس پہنچے۔

اس پر صرف دو سیب لٹک رہے تھے۔

اور اس نے درخت کے تنے کو پکڑ کر ہلایا تو دونوں سیب نیچے آ پڑے۔

اس نے وہ دونوں سیب اٹھا کر ایک مجھے دے دیا، اور دوسرے کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا۔

میں نے اپنی بھوک کے باعث اسے جلدی سے کھا لیا۔

جب میں نے اس پر نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ ابھی تک سیب کو اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔

اور اس نے مجھے یہ کہتے ہوئے سیب دے دیا: ''لو اسے کھا لو''

میں نے وہ سیب لیا، اور اپنی بے حیا اشتہا سے مجبور ہو کر اسے بھی کھا لیا۔

اور پھر جب ہم روانہ ہوئے تو میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

میں کیونکر بیان کروں کہ میں نے کیا دیکھا؟

گویا شب ہے جہاں خلا میں شمعیں جل رہی ہوں۔

ایک ایسا خواب جو ہماری رسا سے کہیں بعید ہے۔

ایک دوپہر جہاں سب چرواہے مطمئن اور خوش و خرم ہیں،

اور ان کے ریوڑ چر رہے ہیں۔

ایک جھٹپٹا، ایک خاموشی اور اپنائیت،

اور پھر نیند اور خواب،

ان سب چیزوں کو میں نے اس کے چہرے پر دیکھا

اس نے مجھے دو سیب دیے تھے۔ اور مجھے معلوم تھا کہ جتنا میں بھوکا تھا اسی قدر اس کو بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔

لیکن اب میں جانتا ہوں کہ مجھے سیب دے کر وہ آسودہ ہو گیا۔

اس نے ایک اور درخت سے ایک اور پھل کھا لیا تھا۔

میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق تمہیں مزید بتاؤں، لیکن کیسے اور کیونکر بتاؤں؟

جب محبت وسیع ہو جاتی ہے تو وہ بے بیان ہو جاتی ہے۔

اور جب یادوں پر پردہ پڑ جاتا ہے تو یہ خاموش گہرائیوں کی متلاشی ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

All rights reserved. ©2002-2006

پطرس

ایک دفعہ کفر نجوم میں ہمارا خداوند یوں گویا ہوا:

''تمہارا پڑوسی تمہارا نفس ثانی ہے جو دیوار کے پیچھے سکونت پذیر ہے۔ اسے پہچاننے اور سمجھنے کے بعد یہ سب دیواریں گر جائیں گی۔''

کون جانتا ہے کہ تمہارا پڑوسی تمہارا بہتر نفس ہے۔ جو ایک جسم میں مجسم ہے؟ لازم ہے کہ تم اپنی طرح اس سے بھی محبت رکھو۔

وہ ابھی خدا کا ظہور ہے جسے تم نہیں جانتے۔

تمہارا پڑوسی ایک کھیت ہے جہاں تمہاری امید کی بہار سبز ملبوسات پہنے ہوئے چہل قدمی کر رہی ہے، اور جہاں تمہاری خواہش کا موسم سرما برف پوش بلندیوں کے خواب دیکھتا ہے۔

تمہارا پڑوسی وہ آئینہ ہے جس میں تم اپنی صورت دیکھتے ہو جو خوشی سے حسین و جمیل نظر آتی ہے، جسے تم خود بھی نہیں سمجھ سکے، اور اس میں تمہارے غم کا بھی پرتو نظر آتا ہے جس میں تم نے کسی کو شریک نہیں کیا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے پڑوسی سے ایسی محبت رکھو جیسے میں نے تم سے محبت کی ہے۔

تب میں نے اس سے پوچھا: ''میں ایسے پڑوسی سے کیسے محبت رکھ سکتا ہوں جو مجھ سے محبت نہیں رکھتا، اور جو میری جائیداد کا لالچ کرتا ہے، اور جو میری چیزوں کو چرا لے جائے گا؟''

اس نے جواب دیا: ''جب تم ہل چلاتے ہو اور تمہارا نوکر تمہارے پیچھے پیچھے بیج بوتا ہے تو کیا تم پیچھے مڑ کر اس چڑیا کو اڑانے کی کوشش کرو گے جو تمہارے بیج کا کچھ حصہ کھا رہی ہو؟ اگر تم ایسا کرنے کے لیے تیار ہو، تو تم فصل سے اپنے کھیتوں کو بھرنے کے اہل نہیں ہو۔''

جب یسوع یہ کہہ چکا تو میں شرمسار ہو گیا۔ میں گم صم تھا لیکن میرے دل میں ڈر نہ تھا کیونکہ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ناصرۃ کی سوسناہ

(مریم کی پڑوسن)

میں یسوع کی ماں مریم کو اس وقت سے جانتی ہوں جب اس کی یوسف نجار سے منگنی بھی نہیں ہوئی تھی اور ہم دونوں ازدواجی دنیا سے نا آشنا تھیں۔

ان دونوں مریم رویائیں دیکھتی اور مختلف آوازیں سنتی، اور اکثر آسمانی مہمانوں کا ذکر کرتی جو اس کے خوابوں میں اس سے ملنے کے لیے آتے۔

ناصرۃ کے لوگ اس کا خاص خیال رکھتے اور اس کی آمد و رفت کا مشاہدہ کرتے رہتے۔ وہ اسے نظر التفات سے دیکھتے، کیونکہ اس کے ابروؤں میں بلندیاں اور اس کے قدموں میں فاصلے تھے۔

لیکن بعض ایک کہتے تھے کہ اس پر کسی چیز کا سایہ ہے، کیونکہ وہ اپنے کام کی ضرورت سے کہیں جاتی تھی۔

عین عالم شباب میں بھی میں اسے عمر رسیدہ سمجھتی تھی، کیونکہ اس کے کھلتے ہوئے شگوفوں میں پکتی فصل کا گمان ہوتا تھا۔

وہ ہمارے درمیان پیدا ہوئی اور ہمارے درمیان اس نے پرورش پائی۔ اس کے باوجود وہ شمالی علاقہ سے آئی ہوئی کوئی اجنبی لگتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ ایک ایسی حیرت ہوتی تھی، گویا کہ وہ ابھی تک ہمارے چہروں سے ناواقف ہے۔

فخر و ناز میں وہ عہدہ عتیق کی مریم کی مانند تھی جس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ دریائے نیل کو پار کر کے بیابان کی طرف کوچ کیا تھا۔

اور پھر مریم کی منگنی یوسف نجار سے ہوگئی۔

☆☆☆☆☆

جب یسوع مریم کے پیٹ میں تھا، تو وہ پہاڑوں پر چلی جاتی اور اپنی آنکھوں میں درد اور محبت کا تاثر لیے ہوئے شام کے جھٹپٹے میں واپس آجاتی۔

اور جب یسوع پیدا ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ مریم نے اپنی ماں سے کہا: ''میں وہ درخت ہوں جس کی ابھی تک شاخ تراشی بھی نہیں ہوئی۔ اس پھل کی اب تم لوگ حفاظت کرنا'' اس وقت مارتھا بھی اس کے قریب تھی۔

تین دن کے بعد میں اسے ملنے گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کے سائے تھے۔ شدت جذبات سے اس کی سانس بھاری ہو رہی تھی اور اس نے اپنے پہلوٹھے بیٹے کو سینے سے یوں لپٹا رکھا تھا جیسے صدف نے گود میں موتی چھپا رکھا ہو۔

ہم سب مریم کے بیٹے کو پیار کرتی تھیں اور اسے تکتی رہتیں، کیونکہ اس کی شخصیت میں ایک عجیب حرارت تھی، جیسے اس کے وجود میں زندگی کے شرارے مچل رہے ہوں۔

موسم گزرتے گئے، اور وہ ایک لڑکا بن گیا جو قہقہے لگاتا اور ادھر ادھر گھومتا پھرتا تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے گا، کیونکہ ہم یہی محسوس کرتیں کہ وہ ہماری نسل سے بالاتر ہے۔ اسے کبھی کسی نے ملامت نہ کی، حالانکہ وہ بہت جرات مند تھا اور مشکل سے مشکل کام کو بھی ہاتھ لگانے سے گریز نہ کرتا تھا۔

وہ خود دوسرے لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لیے جاتا، بجائے اس کے کہ وہ اس کے پاس آتے۔ جب وہ بارہ سال کا تھا تو ایک دن اس نے ایک اندھے کا ہاتھ تھام کر ندی کو پار کرنے میں اس کی مدد کی اور صاف سڑک پر جانے کے لیے اس کی رہنمائی کی

شکر گزاری کے لہجے میں اس اندھے نے پوچھا: ''اے چھوٹے لڑکے! تو کون ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''میں چھوٹا لڑکا نہیں ہوں، میں یسوع ہوں''

اندھے نے پھر پوچھا: ''تمہارا باپ کون ہے؟''

''میرا باپ خدا ہے'' یسوع نے جواب دیا۔

اندھے نے کہا: ''تب تو مجھے خدا کے بیٹے نے سہارا دیا اور میں نے ندی کو پار کر لیا۔''

یسوع نے جواب دیا: ''تم جہاں چاہو میں تمہیں لے جا سکتا ہوں، اور میری آنکھیں تمہارے قدموں کے ساتھ ساتھ چلیں گی''

☆☆☆☆☆

اور پھر یسوع باغ میں ایک قیمتی کھجور کے درخت کی طرح بڑھتا گیا۔

جب وہ انیس برس کا ہوا تو وہ جوان ہرن کی طرح خوبصورت و دلکش تھا۔ اس کی آنکھوں میں شہد کی مٹھاس تھی اور وہ وقت کی حیرت سے معمور تھیں۔

اس کے لبوں سے ایک ایسی پیاس کا اظہار ہوتا تھا جیسے کہ ریگستان میں بھیڑوں کا گلہ جھیل پر جانے کے لیے بے قرار ہو۔

وہ اکثر اکیلا کھیتوں کی طرف نکل جاتا اور ہماری نگاہیں اس کا تعاقب کرتی رہتیں۔ ناصرۃ کی دوشیزائیں بھی اس کو تکتی رہتیں، لیکن ہمیں اس سے شرم محسوس ہوتی تھی،

محبت حسن کے سامنے شرمیلی ہوتی ہے، لیکن محبت ہمیشہ حسن کا تعاقب کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

تب وقت کے دھارے نے اسے اس عمر تک پہنچا دیا کہ وہ ہیکل میں اور گلیل میں تعلیم دینے لگا۔

اکثر اوقات مریم اس کے پیچھے جاتی تا کہ اس کی باتوں کو سنے جو اس کے اپنے دل کی آواز ہوتی تھیں، لیکن جب وہ اور اس کے پیرو کار یروشلم کو جاتے تو مریم اکثر وہاں جانے سے ہچکچاتی۔

کیونکہ یروشلم کی گلیوں میں ہم گلیلی لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، خاص کر اس وقت جب ہم اپنی قربانیاں لے کر ہیکل کو جاتے ہیں۔

اور مریم کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ جنوب والوں کے سامنے سر جھکائے۔

☆☆☆☆☆

یسوع مشرق و مغرب کے دوسرے علاقوں میں بھی گیا۔ ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کون کونسی جگہ گیا، تاہم ہمارے دل اس کا تعاقب کرتے رہے،

لیکن مریم اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑی اس کا انتظار کرتی رہتی، اور ہر شام اس کی نگاہیں سڑک کی طرف اٹھی رہتیں۔

اس کی واپسی پر وہ ہم سے کہتی: ''وہ اس قدر عظیم ہے کہ وہ میرا بیٹا نہیں ہو سکتا، اور وہ اس قدر فصیح ہے کہ میرا خاموش دل اسے سن نہیں سکتا، میں کیونکر اس پر اپنا حق جتاؤں؟''

کچھ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مریم یہ یقین نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی میدان بھی پہاڑ کو جنم دے سکتا ہے۔ اپنے دل کی سادگی میں وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ پہاڑیوں کا سلسلہ چوٹی پر پہنچنے کا راستہ ہے۔

وہ اس انسان کو جانتی تھی، لیکن چونکہ وہ اس کا بیٹا تھا، اس لیے اس نے اس کی برگزیدہ حیثیت کو جاننے کی جرأت نہ کی۔

ایک دن جب یسوع جھیل پر مچھیروں کے پاس گیا تو مریم نے مجھ سے کہا: ''انسان کیا ہے؟ وہ جسے کبھی بھی چین نہیں، اور جو زمین سے اٹھ کر ستاروں کی آرزو کرتا ہے۔''

میرا بیٹا ایک آرزو ہے۔ ہم سب ستاروں کی تمنا کرنے والوں کا وہ ایک مجسم وجود ہے۔

کیا میں نے کہہ دیا، میرا بیٹا؟ خدا مجھے معاف کرے، تاہم دل میں، میں اب محسوس کرتی ہوں کہ وہ میرا بیٹا ہے۔

☆☆☆☆☆

مریم اور اس کے بیٹے یسوع کی بابت اب مزید کچھ بتانا میرے لیے مشکل ہے، پھر بھی باوجود اس کے کہ میرا گلا خشک ہے اور میرے الفاظ بیساکھیوں والے لنگڑوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے تم تک پہنچیں گے، میں اپنی آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی باتیں تم سے ضرور بیان کروں گی۔

سال اپنے شباب پر تھا اور پہاڑیوں پر سرخ پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو یہ کہتے ہوئے بلایا: ''آؤ میرے ساتھ یروشلم کو چلو تا کہ فتح کے برہ کی قربانی کے گواہ ٹھہرو۔''

عین اسی دن مریم میرے گھر آئی اور مجھ سے کہنے لگی: ''وہ شہر مقدس کو جا رہا ہے۔ کیا تم اور دیگر عورتیں میرے ساتھ چلو گی''

اور ہم مریم اور اس کے بیٹے کے پیچھے پیچھے سڑک کا طویل سفر کرتی ہوئی یروشلم پہنچ گئیں۔ وہاں پھاٹک پر مردوں اور عورتوں کے ایک بڑے گروہ نے ہمیں خوش آمدید کہا کیونکہ اس سے محبت رکھنے والوں تک اس کی آمد کی خوشخبری پہنچ چکی تھی۔

لیکن اسی شب یسوع اپنے شاگردوں کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

ہمیں پتہ چلا کہ وہ بیت عنیاہ کو گیا ہے۔

مریم میرے ساتھ سرائے میں ٹھہری رہی اور اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔

آئندہ جمعرات کی شام کو یسوع کو ایک قیدی اور ملزم کی طرح گرفتار کر لیا گیا۔

اور جب ہم نے سنا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے تو مریم نے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا، لیکن ہمیں اس کی آنکھوں میں ان موعودہ دکھوں اور خوشیوں کی تکمیل نظر آئی جن کے لرزتے سائے ہم نے اس کی آنکھوں میں اس وقت دیکھے تھے جب وہ ناصرۃ میں ابھی دلہن تھی۔

اس کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہ گرا۔ وہ ہمارے درمیان ایک ماں کی روح کی طرح چلتی پھرتی رہی جو اپنے بیٹے کی روح پر ماتم نہ کرے گی۔

ہم فرش پر سوگوار بیٹھی تھیں، لیکن وہ سیدھی کھڑی رہی اور کمرے میں ادھر ادھر چہل قدمی کرتی رہی۔

وہ دریچہ کے پاس خاموش کھڑی مشرق کی سمت دور خلاؤں میں کچھ دیکھ رہی تھی۔ اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف ہٹا دیتی۔

صبح صادق کے وقت بھی وہ ہمارے درمیان اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی جیسے کہ بیابان میں فوجوں کے بغیر اکیلا علم ہو۔

ہم رو رہی تھیں کیونکہ ہم جانتی تھیں کہ کل اس کے بیٹے کا کیا انجام ہوگا، لیکن مریم کی آنکھیں خشک تھیں حالانکہ وہ بھی جانتی تھی کہ اس کے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مریم کی ہڈیاں کانسی کی اور اس کی نسیں مضبوط درخت کی لکڑی سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں آسمان کی طرح صاف اور کشادہ تھیں جن سے جرأت و حوصلہ ٹپک رہا تھا۔

کیا تم نے کبھی بلبل کو گاتے سنا ہے جبکہ اس کا آشیانہ ہوا میں جل رہا ہو؟

کیا تم نے کسی ایسی خاتون کو دیکھا ہے جس کے غم کی شدت سے آنسو خشک ہو جائیں؟ یا کوئی ایسا دل دیکھا ہے جو اپنے درد کی انتہا سے گزر جائے۔

تم نے کسی ایسی عورت کو نہیں دیکھا، کیونکہ تمہیں مریم کے پاس کھڑے ہونے کا موقع نہ ملا اور تم کو ایک نادیدنی ماں سے ملاقات کا موقع نصیب نہیں ہوا۔

ان خاموش لمحات میں جب سکوت کے لپٹے ہوئے سم بے خوابوں کی چھاتیوں پر ٹھوکر مار رہے تھے، زبدی کا چھوٹا بیٹا یوحنا آ کر کہنے لگا: ماں مریم! یسوع جا رہا ہے، آؤ ہم بھی اس کے پیچھے چلیں

مریم نے اپنا ہاتھ یوحنا کے کندھے پر رکھا اور پھر یہ لوگ باہر چلے گئے۔ ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

جب ہم داؤد کے برج کے پاس آئے تو ہم نے دیکھا کہ یسوع اپنی صلیب اٹھائے جا رہا ہے اور اس کے اردگرد ایک انبوہ کثیر تھا۔

دو اور دوسرے شخص بھی اپنی صلیبیں اٹھائے ہوئے تھے۔

مریم کا سر بلند تھا وہ بھی ہمارے ساتھ اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور اس کے قدم مضبوط تھے۔

اور اس کے پیچھے سیون اور روم بھی چل رہے تھے۔ نہیں نہیں، بلکہ ساری دنیا ایک اکیلے شخص سے انتقام لینے کے لیے اس کے پیچھے تھی۔

اور جب ہم پہاڑ پر پہنچے تو اسے صلیب پر لٹکا دیا گیا۔

جب میں نے مریم کو دیکھا تو اس کا چہرہ ایک افسردہ خاتون کا سا چہرہ نہ تھا۔ اس کا چہرہ اس زرخیز زمین سے مشابہ تھا جو ہمیشہ بچوں کو جنم دیتی اور انہیں دفن کرتی رہتی ہے۔

یکا یک اس کی آنکھوں میں اس کے بچپن کی یادیں لہرانے لگیں اور اس نے بلند آواز میں کہا:

''میرے بیٹے! جو میرا بیٹا نہیں ہے، جس نے ایک دفعہ میرے رحم میں پرورش پائی۔ مجھے تیری عزت و جلال پر ناز ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تیرے خون کا ہر قطرہ، جو تیرے ہاتھوں سے گرتا ہے، وہ ایک قوم کو سیراب کرنے کے لیے ایک ندی سے کم نہیں ہے۔''

تو اس طوفان میں مرتا ہے، جبکہ ایک دفعہ میرا دل غروب آفتاب کے لیے مر گیا، لیکن پھر بھی میں افسوس نہیں کروں گی۔

اس لمحہ میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے پیراہن سے اپنا منہ چھپا کر شمالی ملک کی طرف بھاگ جاؤں، لیکن اچانک میں نے مریم کو یہ کہتے سنا: ''میرے بیٹے! تو کہ میرا بیٹا نہیں ہے، تو نے اپنی دائیں طرف والے شخص سے کیا کہہ دیا ہے کہ وہ اس قدر درد

کرب میں بھی خوش وخرم ہے؟ موت کا سایہ اس کے چہرہ پر اتنا گہرا نہیں، اور جو تیری طرف سے اپنی آنکھیں پھیر نہیں سکتا؟''

اب تو مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے، اور تیری مسکراہٹ سے میں جانتی ہوں کہ تو فاتح ہے۔

اور یسوع نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کہا: ''مریم! اس لمحہ سے تو یوحنا کی ماں ہے۔''

اور یوحنا سے کہا: ''تو اس مشفق خاتون کا بیٹا بن جا۔ اس کے گھر جا اور اپنے سائے ان دہلیزوں سے گزرنے دے، جہاں کبھی میں کھڑا ہوا کرتا تھا، اور یہ سب کچھ میری یادگار سمجھ کر کرنا۔''

مریم نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ اس وقت وہ اس درخت کی طرح تھی جس کی صرف ایک شاخ ہو۔ اور ایک دفعہ پھر وہ چلا اٹھی! ''میرے بیٹے! جو میرا بیٹا نہیں، اگر یہ خدا کی طرف سے ہے، تو میری دعا ہے کہ وہ ہمیں صبر دے، اور اگر یہ کسی انسان کی طرف سے ہے تو خدا اسے ہمیشہ کے لیے معاف کرے۔''

اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو لبنان کی برف تیرا کفن ہوگی، اور اگر یہ کاہنوں اور سپاہیوں کی طرف سے ہے تو میرے پاس یہ لباس تیری برہنگی کے لیے ہے۔

میرے بیٹے! جو میرا بیٹا نہیں، جس عمارت کو خدا تعمیر کرتا ہے وہ برباد نہیں ہوگی۔

اسی لمحے ایک ہچکی اور ایک سسکی کے ساتھ آسمان نے اسے زمین کی گود میں پہنچا دیا۔

اور مریم نے اسے انسان کے حوالہ کیا، اس کو جو خود مجسم زخم تھا اور مرہم بھی

مریم نے کہا: دیکھو! وہ جا چکا ہے، کشمکش ختم ہو چکی ہے، ستارہ چمکنے لگا ہے اور جہاز اپنے ساحل تک پہنچ گیا ہے۔ وہ جو کبھی میرے دل کے پاس لیٹا کرتا تھا، اب خلا میں اس کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

ہم اس کے قریب آئیں اور مریم بولی: ''دیکھو! وہ موت کے لمحات میں بھی مسکرا رہا ہے۔ اسی کی جیت ہے، میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ میں ایک فاتح کی ماں ہوں''

اور مریم نوجوان شاگرد یوحنا کے کندھے کے ساتھ ٹیک لگائے یروشلم کو واپس آ گئی۔

وہ ایک ایسی عورت کی مانند تھی جس کے خوابوں کی تکمیل ہو چکی تھی۔

جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے تو میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، اور میں حیران تھی، کیونکہ اس دن یسوع کا سر سب لوگوں سے بلند تھا، لیکن مریم کا سر بھی کسی سے کم اونچا نہ تھا۔ سب کچھ موسم بہار میں وقع پذیر ہوا۔

اب خزاں کا موسم آ چکا ہے۔ مریم اپنی رہائش گاہ میں واپس آ چکی ہے، اور وہ اکیلی ہے۔

دو سبت پہلے میرا دل میرے سینے میں پتھر کی مانند تھا، کیونکہ میرا بیٹا مجھے چھوڑ کر ایک جہاز میں عموراہ کو چلا گیا۔ اب وہ جہاز ران ہو گا۔

اس نے کہا تھا کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

ایک شام میں مریم کے پاس گئی۔

جب میں اس کے گھر میں داخل ہوئی تو وہ کھڑکی پر بیٹھی ہوئی تھی، لیکن کچھ بن نہیں رہی تھی۔ وہ ناصرۃ سے پرے دور خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

میں نے پاس آ کر کہا: ''مریم! تم پر سلامتی ہو''

اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا کر کہا: ''آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ، اور میرے ساتھ آفتاب کو پہاڑیوں پر خون کی سرخیاں بکھیرتے دیکھو''

میں پاس رکھی ہوئی میز پر بیٹھ گئی اور دریچہ سے مغرب کی طرف دیکھنے لگی۔

ایک لمحہ کے بعد مریم نے کہا: ''میں حیران ہوں کہ آج شام آفتاب کو کون مصلوب

کر رہا ہے۔''

تب میں نے کہا: ''میں تو تمہارے پاس تسلی اور سکون کے لیے آئی تھی کیونکہ میرا بیٹا مجھے چھوڑ کر سمندر پر چلا گیا ہے اور میں گھر میں اکیلی ہوں''

تب مریم نے کہا: ''میں ضرور تمہیں تسلی دوں گی لیکن کس طرح؟''

میں نے کہا: ''اگر تم صرف اپنے بیٹے کی باتیں کرو تو مجھے سکون مل جائے گا۔''

مریم مجھے دیکھ کر مسکرائی اور اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے ہوئے کہنے لگی: میں ضرور اس کی باتیں کروں گی، کیونکہ جس بات سے تمہیں سکون ملے گا، وہ میرے لیے بھی باعث تسکین ہے۔

پھر وہ یسوع کے متعلق باتیں کرنے لگی اور وہ بڑی دیر تک شروع زمانے کی بیتی باتیں سناتی رہی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اپنی گفتگو میں وہ اپنے بیٹے اور میرے بیٹے میں کوئی فرق نہ سمجھتی تھی۔

کیونکہ اس نے کہا: ''میرا بیٹا بھی دریا نورد ہے، تم کیوں سمندر کی لہروں میں اپنے بیٹے پر اعتماد نہیں کرتی، جس طرح میں نے کہا ہے۔''

''عورت ہمیشہ صدف اور گہوارہ ہے وہ کبھی مقبرہ نہیں بن سکتی۔ ہم مر جاتی ہیں تاکہ ہم ایک اور زندگی کو جنم دیں جیسے کہ ہماری انگلیاں لباس کے لیے اس دھاگے کو بنتی ہیں جس سے بنا ہوا لباس ہمیں کبھی بھی پہننا نصیب نہ ہوگا۔''

ہم مچھلی پکڑنے کے لیے اپنا جال ڈالتی ہیں اور شاید مچھلی ہمیں چکھنا نصیب نہ ہو۔

اسی سے ہم مغموم ہیں، لیکن اسی میں ہماری خوشی ہے۔

یوں مریم مجھ سے گویا ہوئی

میں اسے چھوڑ کر گھر واپس آ گئی، حالانکہ دن کی روشنی ختم ہو گئی تھی، پھر بھی دیر تک بیٹھی کپڑا بنتی رہی۔

ایک شخص از بیرون یروشلم

جمعہ کے روز یہوداہ اسکریوتی میرے پاس آیا اور بڑے زور وشور سے میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

جب وہ داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد تھا۔ اس کے ہاتھ اس طرح تپ رہے تھے جیسے تنکے ہوا میں ہل رہے ہوں۔ اس کے کپڑے پسینہ سے شرابور تھے گویا کہ وہ ابھی ابھی دریا سے نکل کر آیا ہو۔ اس شام ایک بہت بڑے طوفان نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

اس نے مجھ پر نگاہ کی۔ اس کی آنکھوں کے حلقے تنگ و تاریک غاروں کی طرح تھے، اور آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

اس نے کہا: ''میں نے یسوع ناصری کو اس کے اور اپنے دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے۔''

پھر یہوداہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا: ''یسوع نے کہا تھا کہ وہ اپنے اور اپنے لوگوں کے دشمنوں پر غالب آئے گا۔ میرا اس پر ایمان تھا اور میں اس کی پیروی کرتا رہا۔

جب اس نے ہمیں پہلے پہل اپنے پاس بلایا تو اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمیں ایک مضبوط اور وسیع سلطنت دے گا۔ ہم نے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی حمایت حاصل کی کہ وہ ہمیں اپنے دربار میں اعلیٰ مقام دے گا۔''

ہم اپنے آپ کو شہزادے سمجھ کر یہ سوچتے رہے کہ ہم رومیوں سے بھی وہی سلوک کریں گے جو وہ ہمارے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ یسوع نے اپنی بادشاہت کے بارے میں بڑی باتیں کی تھیں، اور میرا خیال تھا کہ وہ مجھے اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کرے گا۔ یہ سب سوچ کر میں نہایت رضامندی کے ساتھ اس کی پیروی کرتا رہا۔

لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہت نہیں جس کا تصور میں اپنے ذہن میں لاتا

تھا، اور نہ ہی وہ ہمیں رومیوں سے آزاد کرانے والا تھا۔ اس کی بادشاہت دل کی بادشاہت تھی۔ میں اسے محبت، رحم اور معافی کی باتیں کرتے سنتا۔ خواتین اس کی باتوں کو بڑے غور سے سنتی تھیں۔ لیکن میرے دل کی تلخی بڑھتی گئی اور میرا دل سخت ہوتا گیا۔

یہوداہ کے موعودہ بادشاہ کا میرا تصور خاک میں مل گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ تو آزاد منش اور آوارہ لوگوں کو تسلی دینے والا ہے۔

میں نے اپنے قبیلے کے دیگر لوگوں کی طرح اس سے محبت کی تھی۔ میری کتنی ہی امیدیں اس سے وابستہ تھیں کہ وہ ہمیں غیر ملکی حکمرانوں سے مخلصی دلائے گا، لیکن جب مخلصی دلانے سے متعلق اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اور جب اس نے کہا: ''جو قیصر کا ہے، قیصر کو دو'' تو میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور میں نے کہا: ''وہ جو میری آرزوؤں کا خون کرتا ہے، اس کا خون بہا دیا جائے گا کیونکہ میری امیدیں اور توقعات کسی شخص کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہیں۔''

تب یہوداہ نے دانت پیس کر اپنا سر جھکا لیا اور پھر وہ یوں گویا ہوا: ''میں نے اسے ان کے حوالے کر دیا ہے اور اسے آج مصلوب کر دیا گیا ہے۔ تاہم وہ صلیب پر مرتے ہوئے ایک بادشاہ کی حیثیت سے مرا۔ وہ طوفانوں میں ایک بچانے والے کی موت مرا، ان عظیم انسانوں کی طرح جو کفن اور قبر کے پتھروں کی دنیا سے کہیں پرے ہیں۔''

اور اپنی موت کے لمحات میں بھی مہربان رہا۔ اس کا دل رحم کے جذبات سے بھی معمور تھا، حتیٰ کہ اسے مجھ پر بھی رحم آ رہا تھا، جس نے اسے دشمنوں کے حوالے کیا۔

میں نے کہا: ''تم نے بڑا گناہ کیا ہے۔''

یہوداہ نے جواب دیا: ''لیکن جب وہ بادشاہ کی طرح مرا تو بادشاہ کی طرح زندہ کیوں نہیں رہ سکتا تھا؟''

میں نے پھر کہا: ''تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔''

وہ پاس پڑے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا اور پھر پتھر کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

لیکن میں کمرے میں ادھر ادھر پھرتا رہا اور میں نے پھر کہا: ''تم نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔''

لیکن یہوداہ کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ وہ مٹی کی سا کت و جامد رہا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور میری طرف دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا قد اونچا ہو گیا ہے۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح بجھی ہوئی تھی اور اس نے کہا: ''میرے دل میں گناہ نہیں تھا۔ میں آج ہی شب اس کی بادشاہت تلاش کروں گا، اور اس کی حضوری میں کھڑا ہو کر اس سے معافی کا خواستگار ہوں گا۔''

وہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے مرا، اور میں ایک مجرم کی حیثیت سے مروں گا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے گا۔

یہ کہنے کے بعد اس نے اپنا گیلا چغہ اپنے گرد لپیٹ لیا اور مجھ سے کہنے لگا: ''اچھا ہوا کہ آج شب میں آپ کے پاس چلا آیا، گو آپ کے دل کو میں نے تکلیف پہنچائی ہے۔ کیا آپ بھی مجھے معاف کر دیں گے؟''

اپنے بیٹوں اور ان کی اولاد سے کہنا: ''یہوداہ اسکریوتی نے یسوع ناصری کو اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا، کیونکہ اس کا یقین تھا کہ یسوع خود اپنی نسل کا دشمن ہے۔''

اور ان سے یہ بھی کہنا کہ اسی دن ایک بہت بڑی غلطی کے ارتکاب کے بعد وہ بادشاہ کے تخت کے پاس پہنچ گیا اور اپنی روح اس کے سپرد کر دی تا کہ وہ اس کی عدالت کرے۔

میں یسوع کو یہ بتاؤں گا کہ میرا خون قبر کے لیے بے قرار تھا۔ یوں میری پریشان

روح آزاد ہو جائے گی۔

تب یہوداہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور چلا اٹھا: ''اے خدا! جس کا خوفناک نام کوئی شخص اس ڈر سے اپنی زبان پر نہیں لا سکتا تھا کہ کہیں موت کی انگلیاں اس کے ہونٹوں کو نہ چھو لیں، تو نے مجھے کیوں ایسی آگ سے جلایا جس میں روشنی نہیں ہے؟''

تو نے اس گلیلی کے دل میں ایک ایسی نا معلوم سرزمین کی تمنا کیوں پیدا کی؟ کیوں مجھ پر ایسی آرزو کا بوجھ لاد دیا جس کے سامنے میں نے عزیز و اقارب اور گھر بار کی بھی پرواہ نہ کی۔ یہ شخص یہوداہ نام کون ہے جس کے ہاتھ خون آلودہ ہیں؟

میری طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا کہ میں پرانے لباس کو اتار پھینکوں۔

اس کے لیے آج ہی شب میری مدد کر۔

اور مجھے پھر ان دیواروں کے باہر کھڑا کر دے۔

میں اس بے پر آزادی سے تنگ آ گیا ہوں۔ یہ تو ایک وسیع و تاریک غار ہے۔

میں تلخی کے سمندر میں اپنے آنسوؤں کی ندی بہا دوں گا۔ میں ایک ایسا شخص ہوں گا جو صرف تیرے رحم و کرم پر ہو گا، بجائے اس کے کہ وہ اپنے ہی دل کے دروازے پر کھٹکھٹاتا ہے،

یہ کہنے کے بعد یہوداہ نے دروازہ کھولا اور پھر باہر طوفان میں چلا گیا۔

تین دن کے بعد میں یروشلم گیا اور میں نے وہ سب کچھ سنا جو وقوع میں آیا تھا اور میں نے یہ بھی سنا کہ یہوداہ نے ایک بلند چٹان کی چوٹی پر سے اپنے آپ کو گرا لیا۔

میں اس دن سے بہت سوچ بچار کرتا رہا ہوں۔ میں یہوداہ کو سمجھ گیا ہوں۔ اس نے اپنی مختصر سی زندگی گزاری۔ رومیوں کی غلامی میں جکڑی ہوئی، اس سرزمین پر اس کی روح کہر کی طرح منڈلاتی پھر رہی تھی، جبکہ وہ عظیم نبی بلندیوں کا سفر کر رہا تھا۔

ایک شخص ایسی بادشاہت کا آرزو بند تھا جس میں وہ شہزادہ بننے کا خواہاں تھا۔
اور دوسرا شخص ایک ایسی بادشاہت کا خواہش مند تھا جس میں سارے لوگ شہزادے ہوں۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

صابورہ

(یہوداہ اسکریوتی کی ماں)

میرا بیٹا ایک دیانتدار اور نیک شخص تھا۔ اسے میرے ساتھ محبت تھی اور اپنے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کے ساتھ بھی والہانہ پیار تھا، لیکن اسے ہمارے معلوم رومی دشمنوں سے سخت نفرت تھی جو قرمزی لباس زیب تن کرتے ہیں، جن کا نہ تو وہ دھاگہ کاتتے ہیں اور نہ ہی کھڈی پر کام کرتے ہیں اور جو وہاں سے فصل کاٹتے اور اکٹھی کرتے ہیں جہاں انہوں نے نہ تو ہل چلایا اور نہ بیج بویا۔

میرے بیٹے کو، جب وہ سترہ برس کا تھا، گرفتار کر لیا کیونکہ اس نے ہمارے تاکستانوں میں سے گزرتی ہوئی فوج پر تیر چلائے تھے۔

اس عمر میں بھی وہ اسرائیل کی جاہ وحشمت کی باتیں دوسرے لڑکوں سے بیان کرتا اور ایسی ایسی عجیب باتیں بتاتا جنہیں میں بھی نہ سمجھ سکتی تھی۔

وہ میرا بیٹا اکلوتا بیٹا تھا۔

اس نے ان چھاتیوں سے دودھ پیا جو اب خشک ہیں۔ اس نے اس باغ میں پہلے قدم اٹھائے، اور ان گلیوں کا سہارا لیا جو اب بید مجنوں کی طرح کانپ رہی ہیں۔

بالکل انہیں ہاتھوں سے جو اس وقت لبنان کے تازے انگوروں کی طرح جوان تھے، میں نے اس کے بچپن کے پہلے جوتے اپنی ماں کے دیے ہوئے ریشمی رومال میں سنبھال کر رکھے ہیں۔

وہ میرا پہلوٹھا بیٹا تھا، اور جب اس نے اپنا پہلا قدم اٹھایا تو گویا میں نے بھی اپنا پہلا قدم اٹھایا، کیونکہ عورتیں اس وقت تک سفر نہیں کرتیں جب تک ان کے بچے ان کی رہنمائی نہ کریں۔

اور اب لوگ مجھے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے مر گیا ہے، اس نے ایک بلند چٹان سے اپنے آپ کو گرا لیا، کیونکہ اس نے اپنے ایک دوست یسوع ناصری کو

گرفتار کرا دیا تھا۔

میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا مر چکا ہے، لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا کیونکہ اسے تو اپنے بھائی بندوں سے پیار تھا۔ اسے صرف رومیوں سے نفرت تھی۔

میرا بیٹا تو اسرائیل کے جاہ و جلال کا جویاں تھا اور اس کے کردار و گفتار میں اس جاہ جلال کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

جب وہ سڑک پر یسوع ناصری سے ملا تو وہ مجھے چھوڑ کر اس کے پیچھے ہولیا اور میں جانتی تھی کہ کسی شخص کی تقلید کر کے وہ غلطی پر تھا۔

جب اس نے مجھے خدا حافظ کہا تو میں نے اسے بتایا کہ وہ غلطی پر ہے لیکن اس نے میری بات پر کان نہ دھرا۔

ہمارے بچے ہماری بات نہیں سنتے۔ حال کے فرزند، ماضی کے فرزندوں کے مشورہ کو ترجیح نہیں دیتے۔

میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ میرے بیٹے کے بارے میں مزید سوال نہ کرو۔

میں اسے پیار کرتی تھی اور ہمیشہ پیار کرتی رہوں گی۔

اگر محبت کا تعلق صرف جسم سے ہوتا تو میں اپنے جسم کو گرم لوہے سے جلا دیتی تا کہ مجھے سکون مل جائے، لیکن یہ محبت روح کی گہرائیوں میں پنہاں ہے جو میری پہنچ سے بہت دور ہے۔

اس سے زیادہ اب میں کوئی بات نہیں کروں گی۔ جاؤ اور کسی اور خاتون سے سوال کرو جو یہوداہ کی ماں سے زیادہ قابل احترام ہے۔

یسوع کی ماں کے پاس جاؤ۔ اس کا دل بھی تلوار سے چھد گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

لبنان کا ایک شخص

(انیس سو سال بعد)

اے خداوند! ماہر موسیقار،
ابھی تک نہ کہی ہوئی باتوں کے مالک،
تیری چند روزہ آمد اور مختصر استقبال کے دوران،
میں ہر روز مرا اور ہر روز زندہ ہوا،
اور دیکھ میں پھر زندہ ہوں،
پہاڑیوں کے درمیان اس شب و روز کی یاد میں،
جب تیرے مد و جزر نے ہمیں اوپر اٹھا دیا تھا،
میں نے بہت سے سمندر پار کیے اور بہت سے ملک دیکھے،
اور میں جہاں کہیں بھی گیا،
وہیں میں نے تیرا نام سنا بحث کے لیے یا دعا کے لیے،
لوگ یا تو تیری مدح سرائی کرتے ہیں یا تجھے برا بھلا کہتے ہیں،
بدگوئی جو ناکامی کے خلاف احتجاج ہے،
اور مدح سرائی جو ایک شکاری کا نغمہ ہے،
جب وہ پہاڑیوں سے واپسی پر،
اپنے ساتھی کے لیے خوراک لاتے ہوئے گاتا ہے۔

☆☆☆☆☆



اور جہاں بھی لوگ اپنی تسکین کے لیے آتے ہیں۔
اور تیرے دشمن بھی قوت اور خود اعتمادی کے لیے یہاں موجود ہیں۔
تیری ماں ہمارے ساتھ ہے۔
میں نے تمام ماؤں کے چہروں میں، اس کے چہرے کی تابانی دیکھی ہے،
اس کا ہاتھ بڑے پیار سے جھولا ہلاتا ہے،
اور یہی ہاتھ نہایت نرمی کے ساتھ کفن تہہ کرتے ہیں۔
مریم مگدلینی بھی ابھی تک ہمارے درمیان ہے،
جس نے زندگی کا تلخ سرکہ پینے کے بعد مے کی شیرینی چکھی
یہوداہ ابھی اپنے درد و کرب اور جھوٹی آرزوؤں کے ساتھ،
اس دھرتی پر بھٹکتا پھر رہا ہے،
اور اجبکہ اس کی بھوک کہیں سے نہیں مٹتی تو وہ خود اپنا ہی شکار کر لیتا ہے،
اور اپنی تباہی میں اپنی عظمت کا جویاں ہے۔



اور یوحنا جس کے شباب کو حسن سے محبت تھی، یہیں موجود ہے،
وہ اپنا راگ الاپتا ہے لیکن کوئی اسے سنتا نہیں،
شمعون پطرس بھی جو نہایت جوشیلا تھا، اور جس نے تیرا اس لیے انکار کیا،
کہ وہ تیرے لیے زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے،
ہمارے آتش دان کے پاس بیٹھا ہے،
ممکن ہے کہ ایک اور صبح صادق سے پہلے وہ پھر تیرا انکار کر دے،
تاہم وہ تیرے نصب العین کے لیے مصلوب ہوگا، اور پھر
بھی خود کو اس عزت کے اہل نہیں سمجھے گا۔

اور کائفا اور حنا بھی اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں،
اور مجرموں اور بے گناہوں کا فیصلہ کرتے ہیں،
وہ خود تو نرم و گداز بستروں پر سوتے ہیں،
لیکن جن کا انہوں نے فیصلہ کیا ہے، انہیں کوڑوں سے سزا دی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

اور وہ عورت جو زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی،
ہمارے شہروں کی گلیوں میں چلتی پھرتی ہے،
اور اس روٹی کے لیے بھوکی ہے جو ابھی پکائی بھی نہیں گئی،
وہ ایک خالی مکان میں تن تنہا ہے۔
پنطس پلاطس بھی یہاں موجود ہے،
وہ تجھ سے مرعوب تیرے سامنے کھڑا ہے،
اور ابھی تک تجھ پر شک کرتا ہے،
لیکن وہ اپنی حیثیت و مرتبہ کو خطرہ میں ڈال کر، ایک اجنبی نسل کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔
وہ اب بھی اپنے ہاتھ دھو رہا ہے۔
اور اب بھی یروشلم کے ہاتھ میں طشت ہے، اور روم کے ہاتھ میں آفتاب،
اور ان دونوں کے درمیان ہزاروں لاکھوں ہاتھ
دھل کر سفید ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

اے خداوند! اے عظیم شاعر!
زبان سے نکلے ہوئے اور لگائے ہوئے الفاظ کے مالک،
لوگوں نے تیرے نام کی رہائش کے لیے معبد بنا لیے ہیں،

اور ہر ایک اونچے مقام پر تیری صلیب کو بلند کیا ہے،
جو ان کو بہکے ہوئے سرکش پاؤں کی رہنمائی کے لیے ایک نشان ہے۔
لیکن تیری خوشی تک وہ اب بھی نہیں پہنچ سکے،
تیری خوشی تو ان کی بصیرت سے بعد ایک پہاڑ ہے،
جس سے ان کی تسلی نہیں ہوتی،
وہ ایک انجانے شخص کی عزت کر سکتے ہیں،
لیکن وہ شخص کیونکر ان کی تسلی کا باعث ہو سکتا ہے جو ان کی اپنی طرح ہے،
ایک شخص جس کا شبیہ ان کی مانند ہے،
ایک معبود جس کی محبت ان کی محبت کی سی ہے،
اور جس کی مہربانیاں ان کے اپنے رحم و کرم میں پنہاں ہیں،
وہ اس آدمی کی، اس زندہ آدمی کی عزت نہیں کرتے،
جس پہلے آدمی نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بے جھجک نظروں سے آفتاب پر نگاہ ڈالی،
وہ اسے نہیں جانتے، اور نہ اس کی طرح سن سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

وہ انجانے لوگوں کے جلوس میں چلتے ہوئے، خود بھی انجانے رہیں گے۔
وہ خود اپنا اپنا غم برداشت کر لیں گے،
لیکن تیری مسرتوں میں سکون نہیں تلاش کر سکیں گے،
ان کے دکھی دل تیری باتوں اور تیرے نغموں میں تسلی
نہیں تلاش کرتے،
ان کے اس خاموش اور بے مقصد درد نے
انہیں تنہا اور بے یار و مددگار مخلوق بنا ڈالا ہے،

گوان کے چاروں طرف ان دوستوں اور عزیزوں کا جھمگٹا ہے،
پھر بھی وہ تنہائی اور بے کسی کے خوف میں زندگی بسر کر رہے ہیں،
لیکن آخر کار وہ تنہا نہیں ہوں گے،
جب مغرب سے ہوا چلے گی، تو وہ مشرق کی سمت جھک جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

اے خداوند! محبت کے خداوند،
شہزادی اپنے معطر محل میں تیرا انتظار کرتی ہے،
اور بیاہتا عورت اپنے قفس میں،
اور فاحشہ جو اپنی رسوائیوں کی گلیوں میں روٹی تلاش کرتی ہے،
اور راہب جس کا کوئی خاوند نہیں، اپنے راہب خانہ میں،
وہ بے اولاد عورت بھی اپنے دریچہ میں،
جہاں دھند شیشہ پر جنگل کی شبیہ بناتی ہے،
تیری منتظر ہے،
وہ بے اولاد تجھے گورستان میں تلاش کرتی ہے،
تا کہ تجھے بیٹا کہہ کر سکون حاصل کر سکے۔

☆☆☆☆☆

اے خداوند! عظیم شاعر!
ہماری خاموش تمناؤں کے مالک،
دنیا کا دل، تیرے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ تھرتھراتا ہے،
لیکن یہ تیرے نغمے سے شعلہ زن نہیں ہوتا،
دنیا تیری آواز کو خاموشی سے سنتی اور خوش ہوتی ہے،
لیکن اپنی جگہ سے اٹھتی نہیں،

تا کہ تیرے کوہساروں کی بلندیوں کا راستہ پا سکے۔
انسان تجھے اپنے خوابوں میں دیکھتا ہے، لیکن وہ تیری صبح صادق کے وقت بیدار نہیں ہوتا،

حالانکہ یہ اس کا سب سے بڑا خواب ہے،
وہ تیری بصیرت سے دیکھنا چاہتا ہے،
لیکن اپنے بھاری قدموں کو گھسیٹتے ہوئے تیرے تخت کے پاس نہیں آئے گا،
تاہم بہت سے لوگ تیرے نام پر تخت نشیں کیے گئے ہیں،
کتنوں کو تیری طاقت و اقتدار کی کلاہ دراز پہنائی گئی ہے،
اور انہوں نے تیری زریں آمد کو،
اپنے سر کے لیے تاج اور اپنے ہاتھ میں عصائے شاہی بنا ڈالا ہے۔
اے خداوند! نور کے مالک،
جس کی آنکھیں، اندھوں کی انگلیوں میں بسیرا کرتی ہیں،
تجھ سے ابھی بھی لوگ نفرت کرتے اور تیر انداق اڑاتے ہیں،
کہ ایک خدا جس میں انسانیت کا اس قدر دخل ہے کہ اس کی عبادت نہیں ہو سکتی۔
ان کی آس اور ان کے گیت،
ان کی مذہبی رسمیں اور ان کی روزی سب ان کی اسیرانہ ذات کے لیے ہیں،
تو بھی تو ان کی ذات بعید، ان کے جذبات اور دکھوں کو جانتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اے خداوند! اے بیکراں خداوند، ہمارے سہانے سپنوں کے شہزادے،
تو آج کے دن بھی چلتا پھرتا ہے،
تیرو کمان اور بھالے تیرے قدموں کو روک نہیں سکیں گے،

تو ہمارے تیروں کے درمیان بھی چلتا پھرتا رہے گا،

تو ہمیں دیکھ کر مسکراتا ہے،

تو جو سن وسال میں تمام انبیاء کے بعد پیدا ہوا،

ہم سب کا مشفق باپ ہے۔

☆☆☆☆☆

اے شاعر! موسیقار اور عظیم دل والے،

ہمارا خدا تیرے نام کو برکت دے،

اور ہم سب کو معاف کر دے،

☆☆☆☆☆

اختتام

ماں

دنیائے فردوس کے پرمسرت ترانوں میں وہ کشش نہیں اور نہ بربط شیریں سے نکلے ہوئے پر فضا نغموں میں وہ شیرینی ہے پہاڑی جھرنوں کی سہانی آواز ایسی مسرور کن نہیں اور نہ ہی سمندری ہواؤں کے جلترنگ میں وہ لطافت ہے۔

ماہ چہاردہم کی تابانی اس قدر پر کیف نہیں اور نہ ہی حسین پھولوں کے حسن میں اس قدر دل کشی ہے۔

کائنات کی دلفریبیاں اس پیارے نام کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس کے تمام افسوں، ماں کے مقدس تبسم کے آگے ہیچ ہیں اس ذرہ ناچیز کی طرح! جو مہر عالم تاب کا مقابلہ کرنے سے معذور ہے۔

دنیا کی تمام مسرتیں اس ایک لفظ میں مجمع ہیں اور تمام لطافتیں اسی میں پوشیدہ! دہر کی تمام خوبیوں کا مجموعہ یہی مقدس ترین ہستی ہے اور محفل حیات کی آرائش جس کا وجود اس شیریں راگ سے کم نہیں جو سنسان اور تاریک راتوں میں سب کو متوجہ کر لیتا ہے۔ از سر نو تازگی حیات عطا کرتا ہے۔

ماں ایک نعمت ہے نایاب نعمت! اس کا نعم البدل ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن! زمین کی گہرائیاں اس جواہر کو اگلنے کے نا قابل ہیں اور آسمان ایسا فرشتہ رحمت بھیجنے سے قاصر۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں! جو اس بے بہا نعمت سے مالا مال ہیں جن کے سروں پر ماں کا مقدس سایہ ہے اور اس کے میٹھے میٹھے سانسوں میں پوشیدہ جنت۔

اور اس بدنصیب کا کیا ذکر جو اس مخزن لطف و کرم سے محروم ہے جس کی بہار حیات پر وقت سے پہلے ہی خزاں نے غلبہ پالیا۔

☆☆☆☆☆

خوابوں کے جزیرے

سحر کے ملگجے اور دھندلے سمے میں ہوا شور مچا رہی ہے اس کے لطیف جھونکوں سے پھولوں کی پتیوں پر سے شبنم کے قطرے اس طرح گرتے ہیں جیسے نوگرفتار عورس سحر کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوں جو کائنات کی تجدید حیات ہیں اور دہر کی شادابی کا باعث۔

درختوں کی آڑ سے آفتاب طلوع ہو رہا ہے اس کی دھندلی کرنوں نے تعاقب تاریکی شروع کر دیا جیسے گناہگاری کے اہرمن کے پیچھے آسمانی فرشتے بھاگ رہے ہوں اس کے ناپاک وجود سے کائنات کو پاک کرنے میں کوشاں ہوں۔

سنہرے اور قرمزی بادل آسمان پر لہرا رہے ہیں وسیع خلاؤں میں بار بار چکر کاٹتے ہیں جیسے مقدس روحیں مصروف گلگشت چمن ہوں فضائے لامحدود میں اڑ کر جو بار نور پھیلا رہی ہو۔

غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے ہیں ان کی تیز اور سہانی خوشبو دور دور تک مہک رہی ہے۔ جیسے کوئی جل پری مشکیں لباس میں ملبوس ہواؤں میں اڑ رہی ہو سب کو مدہوش اور سرشار کر رہی ہو۔

☆☆☆☆☆

جستجوئے سکوں

میری تھکی ہوئی روح متلاشی سکون ہے اور تنگ آیا ہوا دل اطمینان کا متجسس۔

جب نسیم سحر شرمیلی سرسراہٹ سے غنچوں میں سے گزرتی ہے تو نہ معلوم لہجہ سرگوشی میں ان سے کیا کہہ دیتی ہے کہ وہ فرط مسرت سے کھلکھلا اٹھتے ہیں ایک انداز بے خودی میں تالیاں بجانے لگتے ہیں؟

اللہ! مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ شاید نسیم سحر نے ان سے کوئی راز کہہ دیا ہے۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ شاید نسیم سحر نے ان سے کوئی راز کہہ دیا ہے۔ انہیں امن و سکون کا پتہ بتا دیا ہے۔

لیکن جب یہی غنچے پھول بن جاتے ہیں حد سے زیادہ کھل کر فضا میں منتشر ہو جاتے ہیں تو میری مایوسی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا آہ! دل بے قرار و تشنہ سکون!

سمندری لہریں اک عالم بے نیازی میں آگے بڑھتی ہیں گرد و پیش سے بے خبر قہقہے لگاتی ہوئی آگے جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آشنائے سکون ہیں اور بہر اندوز راحت قلبی۔

لیکن معبود! جب وہ ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں ایک مشت خاک اور سمندری جھاگ میں تبدیل ہو جاتی ہیں تو مجبوراً مجھے اپنی رائے بدلنی پڑتی ہے آہ! وہ تو جان شیریں دے کر بھی سکون قلبی نہ پا سکیں۔ دم واپسیں بھی تو انہیں طمانیت نہ نصیب ہو سکی۔

روشن اور چاندی راتوں میں جب چاند آہستہ آہستہ راستے طے کرتا ہے جیسے ملکہ فطرت آسمانی فضاؤں کی سیر کر رہی ہو۔ روح کی طرح مبارک اور نغمے کی طرح معصوم ماہ پوری شوخی پر ہوتا ہے اور تا حد امکان مسرور و خندہ زن۔

گویا سکون قلب سے مالا مال ہے اور لطف حیات سے پوری طرح بہر اندوز لیکن اسی سمے! آہ اسی لمحے! اک لکہ ابر اسے نگاہوں سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور خلائے

آسمان میں نہاں۔

چاند کی تابانی غائب ہو جاتی ہے اور باندنی مفقود از نظر اس وقت میری ناکامی کی انتہا نہیں رہتی! مالک!

ماہ منور بھی تو سکون قلب سے محروم ہے۔

ارغوانی آسمان پر ستارے جگمگاتے رہتے ہیں طلوع آفتاب کی زریں کرنیں احاطہ کائنات گھیر لیتی ہیں اور روپہلی و قرمزی بادل صفحہ آسمان پر اس طرح اڑتے پھرتے ہیں جیسے سفید پروں والے فرشتے مصروف خرام ہوں۔

مگر آہ! میرا مایوس دل! وہ تو اب بھی تشنہ ہے اور طمانیت کی پھوار کے لئے بے قرار! جیسے پرسکوت ساز کے سینے میں نغمہ لرز رہا ہو۔

تو مالک! تیری اس وسیع کائنات میں کہیں سکون کا وجود بھی ہے یا نہیں؟

میری روح اس کی جستجو میں خیاباں کے چکر کاٹ رہی ہے دل مضطر حد سے زیادہ مضطرب ہے اور بے چین۔

☆☆☆☆☆

لمحہ نشاط آ گیں

وہ پر کیف و روح پرور لمحہ!

خزاں کے دھندلے آسماں پر ستارے رقص کر رہے تھے۔ چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اور ہوا شرمیلی سرسراہٹ سے درختوں میں چھپی ہوئی چل رہی تھی جیسے کوئی معصوم جل پری جھجک جھجک کر آگے بڑھ رہی ہو۔

اف! وہ لمحہ کیف انگیز! جو خواب کی طرح خوش گوار تھا اور مستقی جیسا لطیف، جھیل کے ساکت پانی پر چاندی ناچ رہی تھی۔ نیند کا فرشتہ اپنے سفید پر پھیلائے ہوئے تھا اور ہر چہار طرف ہلکی ہلکی مدہوشی چھا رہی تھی۔

جیسے کسی خواب آور نغمے کے زیر اثر کائنات بے خود ہو ارسرشار۔

وہ لمحہ نشاط انگیز! جو تبسم جیسا خوبصورت تھا اور برق جیسا حسین! جھاڑیوں میں کہیں کہیں جگنو چمک رہے تھے دور پام کے درختوں سے کوئل بار بار کوک اٹھتی۔ اس کی آواز موسم بہار کی پھوار کی طرح روح پر چھا جاتی ہوا میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا اور فضا میں مسلسل لرزش۔

جیسے ننھی ننھی بوندیں آبشار میں گر کر ہلکی ہلکی لہریں بناتی ہیں۔

وہ لمحہ نشاط آ گیں! جو قوس و قزح کی طرح رنگین تھا اور شفق کی طرح دلفریب!

☆☆☆☆☆

''راہبر''

میں حیات کی طویل گھاٹیوں کو عبور کر رہی تھی اس کی بے پناہ وادیوں کو طے کر رہی تھی تمہاری راہبری میں خوشی خوشی آگے بڑھتی اور سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔

یہاں کے پرخطر راستے میرے لئے بے معنی کھیل تھے اور پیچیدہ شاہراہیں مجھ انبساط و سرور!

دہر کا ذرہ ذرہ میری مسرتوں کا شریک تھا۔ حسین تتلیاں اپنے سنہری پر پھڑ پھڑا کر اظہار شادمانی کرتیں اور جگمگاتے ہوئے تارے ہنس ہنس کر اپنی شادکامی کا یقین دلاتے! تمہاری معیت میں سفر حیات مجھے ایک سہانا سا خواب معلوم ہوتا تھا ایک حسین و پرکیف خواب!

لیکن اب! جب کہ حیات کا کٹھن سفر شروع ہوا یہ آبلہ پا اور بے بال و پر کر دینے والا سفر! جہاں چپے چپے پر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر گام پر روح فرسا مناظر کا مشاہدہ۔

تو کسی پوشیدہ طاقت نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علیحدہ۔

اف! ایک بے کس سے اس کا آخری سہارا بھی چھٹ گیا! اس کے سرمایہ حیات کو اس سے چھین لیا گیا۔

اب میں اکیلی ہوں، اس برگ خزاں رسیدہ کی طرح جسے بگولوں نے لق و دق صحرا میں لا پھینکا ہو اپنی تنہائی کے خیال سے متوحش ہوں اور تمہاری آمد کی منتظر کہ شاید کبھی تمہیں میری بے بسی پر رحم آجائے اور تم اس طرف آنکلو۔ آہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ مجھے تمہارا انتظار ہے۔ شاید انتظار!

وہ عہد مسرت و انبساط ختم ہو چکا۔ اب نا امیدی کا حصار ہے اور ہجوم پریشانی! آہ میرا دل افسردگی کی گہرائیوں میں تیر رہا ہے میرے مشفق راہبر! عزیز ترین دوست! جب فنا کے لرزہ خیز ہاتھ مجھے ان فضاؤں میں پہنچا دیں گے جن سے میں مانوس

نہیں! جہاں کی ہر شے میرے لئے اجنبی ہو گی اور ہر ہستی بیگانہ۔ جہاں ایک مہیب سا خوف فضا میں سانس لے رہا ہو گا اور ہر طرف شب یلدا کی سی تیرگی!

کیا وہاں! اس وقت بھی تم میری مدد کو نہ آؤ گے۔ میری آخری منزل کے آخری مدد کو نہ آؤ گے۔ میری آخری سانس منزل کے آخری مددگار بن کر مجھے اپنی پناہ میں نہیں لو گے؟

کیا میرا انتظار! میرا بڑھتا ہوا انتظار! اس وقت بھی مبدل بہ مسرت و نشاط نہ ہو گا!

آہ! میرے مونس اور ہمدرد جو کچھ ہو تو اور صرف تم ہی ہو!

☆☆☆☆☆

دل کی کلی

خشک اور مرجھائے ہوئے پتوں کی جگہ بہار کی شاداب کونپلوں نے لے لی تھی۔ وہ پھول جو کبھی دل شکستہ ہو کر گر گئے تھے آج نئی نئی چمکیلی کلیوں کی شکل میں دکھائی دے رہے تھے، ہر طرف مسرت و شادمانی کا دور دورہ تھا اور رعنائی و کیف آفرینی بہار۔

ایک تختہ گلاب سے بلبل شیدا نے اپنا راگ شروع کر دیا جیسے بہار کی دیوی نغمات شادمانی گا رہی ہو وہ اپنے گزشتہ مصائب بھول چکی تھی اور دور خزاں، حرف غلطی کی طرح اس کے دل سے محو ہو گیا تھا اب وہی عندلیب خوشنوا تھی اور وہی اس کے ترانہ ہائے بہار۔

اس کے ننھے سے قلب کا مسرتوں نے حصار کر لیا تھا اور غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے تھے۔ لیکن وہ کھلے تو تھے خواہ اک عارضی عرصہ کے لئے سہی بلبل شیدا مسرور تو تھی خواہ وہ مسرت برق آسا ہی کیوں نہ تھی۔

مگر وہ محروم تمنا اور ناکام آرزو کیا کرے؟ جس کے دل حزیں کو کبھی کھلنا نصیب ہی نہ ہوا ہو جس کی قلبی گہرائیوں میں ہر وقت خزاں ہی چھائی رہتی ہے۔

جس طرح روشنی کی کرنیں تعاقب تاریکی کر کے اسے مٹا دیتی ہیں امید کی کرن میرے غم رسیدہ قلب کو بھی جگمگایا کرتی تھی۔ اپنی دنیائے تخیل میں میں مسرور تھی اور خواہشوں کے بر آنے کی غلط توقع میں شاد شاد۔ قوس و قزح جیسی رنگین! اور صبح درخشاں جیسی سہانی تمنائیں وہ عرصہ دراز تک میرے دل میں پرورش پاتی رہیں لیکن لذت بہار سے آج تک محروم اور شرمندہ تکمیل ہونے سے معذور۔

آہ! امتداد وقت نے تو ان کے مدھم سے نقش بھی مٹا دیئے جیسے کسی مجذوب کی آواز فضا میں تھرتھرا کر غائب ہو جاتی ہے اسی طرح میری آرزوؤں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر واپس لوٹ کر نہ آنے کے لئے۔

ہر آنے والی شب ظلمت بداماں بن کر آتی ہے کسی خفتہ بخت کے نصیب کی طرح

سیاہ و تاریک میرے الم رسیدہ دل پر بھی یاس کی سیاہی چھا رہی ہے اور اس کی مرجھائی ہوئی کلی۔ آہ! اس کی تو پنکھڑیاں منتشر ہیں اور بڑھتی ہوئی ناکامیوں کی شاکی۔

اسے تو شاید زندگی کی بڑی سے بڑی فصل بہار بھی نہ کھلا سکے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

انقلاب

بہار جو ہر سال کائنات کو رشک ارم بنا دیتی تھی آج پورے وقار سے جلوہ گر عالم ہے مع اپنی رعنائیوں اور کیف آفرینیوں کے۔

گھنی جھاڑیوں میں بلبل اس کے خیر مقدم کے ترانے گا رہی ہے کوئل کی کوک ہے اور پتوں کا رقص! ناچتا ہوا سبزہ ہے اور عالم بے خودی میں اٹے ہوئے بال

دنیا حسن بن صباح کی روایتی جنت سے بڑھ کر خوشنا معلوم ہوتی ہے جیسے ایک چشمہ مسرت پھوٹ پڑا ہو اور ہر تشنہ مسرت کو مدہوش و سرشار کر رہا ہو۔

لیکن مجھے تو اس کے بہنے کے انداز میں کسلمندری نظر آتی ہے جیسے تمہارے دائمی مسکن پر رنج و تاسف کے چھینٹے اڑاتا بہہ رہا ہو۔

مجھے تو اس بہار میں بھی آمیزش خزاں معلوم ہوتی ہے جبھی تو بلبل کے میٹھے گیتوں میں درد کا عنصر ہے۔ کوئل کی کوک سراپا سوز ہے اور اڑتے ہوئے بادل بادل گرفتہ۔

میرا دل جو کبھی حد سے بڑھ کر پرسکون تھا اور طمانیت قلبی سے مالا مال! آج ریت کے ذروں کی طرح پریشان ہے اور گرجتی ہوئی موجوں کی طرح بے قرار۔

آہ! تمہارے بعد تو اس کی شوریدگی بڑھتی جاتی ہے اور تڑپ ہر لمحہ بہ لمحہ افزوں تر میں ہر روز دیکھتی تھی کہ حد سے زیادہ کھلے ہوئے پھول مرجھا جاتے ہیں اور پتیاں ہوا میں اڑ جاتی ہیں فضاؤں میں منتشر ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب از نظر۔

لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تمہیں کھو کر میرا مسرور دل بھی یوں ہی پژمردہ ہو جائے گا۔ ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لئے راحت و سکون سے محروم۔

قطرات شبنم کو گلاب کی پتیوں پر لرزاں دیکھ کر میں افسردہ ہو جاتی تھی اور شعاع آفتاب میں جذب ہوتے دیکھ کر پژمردہ!

لیکن مجھے اس بات کا خیال ہی کب تھا کہ تمہاری مقدس یاد میں مجھے بھی آنسو

بہانے پڑیں گے قطرات شبنم کی طرح تھرتھراتے آنسو! جو میری نذر عقیدت ہوں گے اور دنیائے فانی کا آخری تحفہ۔

دیوار پر کانپتے ہوئے سائے اکثر مجھے متوجہ کر لیتے تھے کہ کہیں بے قرار روح تلاش سکون میں تو نہیں بھٹک رہی غیر مرئی وادیوں کی کوئی ہستی راستہ تو نہیں بھول گئی۔

لیکن آج! میری روح بھی اسی طرح بھٹک رہی ہے تمہاری تلاش میں مسلسل چکر کاٹتی ہے اور مایوس ہو کر لوٹ آتی ہے مہجورونا کام تمنا۔

آہ! مجھے کیا معلوم تھا کہ موت اس قدر حامل راز ہائے سربستہ ہے۔ اتنی سبب مفقود سکون ہے اور ایسی وجہ انقلاب!

☆☆☆☆☆

شیطان

سمعان پادری روحانیات کی باریکیوں کا عالم تھا اور لاہوتی مسائل کا بحر بیکراں، صغیرہ و کبیرہ گناہوں کا رمز شناس اور دوزخ، اعتراف اور بہشت کے رازوں کا امین!

وہ شمالی لبنان کے ایک ایک گاؤں میں جاتا، وسط کہتا اور لوگوں کو شیطانی پھندوں سے نکال کر ان کی ذہنی بیماریوں کا علاج کرتا۔ اس کی ان کوششوں نے شیطان کو اس کا دشمن بنا دیا اور شب و روز اس سے برسر پیکار رہنے لگا۔

دیہاتی، سمعان پادری کی بے انتہا عزت کرتے اور سونے چاندی کے عوض اس کی دعائیں اور نصیحتیں حاصل کر کے خوش ہوتے۔ ان میں سے ہر ایک پہل کرتا کہ اپنے درختوں کے بہتر سے بہتر پھل اور اپنے کھیتوں کی بہتر سے بہتر پیداوار اس کی خدمت میں پیش کرے۔

موسم خزاں کا ذکر ہے! ایک دن سمعان پادری اپنے گاؤں کی طرف جاتے ہوئے، جو ان پہاڑوں اور وادیوں میں تنہا واقع تھا، کسی ویران مقام سے گزر رہا تھا کہ سڑک کی طرف سے ایک دردناک آواز اس کے کان میں آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا: ایک برہنہ شخص پتھروں پر پڑا تھا، اس کے سر اور سینہ کے گہرے زخموں سے جیتا جیتا خون نکل رہا تھا اور وہ التجا آمیز لہجہ میں پکار رہا تھا:

''مجھے بچاؤ! میری مدد کرو! میں مر رہا ہوں، مجھ پر رحم کھاؤ!''

سمعان پادری اس منظر سے حیرت زدہ ہو کر ٹھہر گیا۔ اور اس درد سے بے چین شخص کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے دل میں کہنے لگا:

''یہ کوئی سنگدل ڈاکو ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی راہ چلتے کو لوٹنا چاہا، لیکن وہ اس پر غالب آ گیا یہ اس وقت نزع کے عالم میں ہے، اگر میری موجودگی میں مر گیا تو میں ناکردہ گناہ، خواہ مخواہ اس جرم میں پکڑا جاؤں گا''

وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ مجروح نے یہ کہہ کر اسے روک لیا:

''مجھے تنہا نہ چھوڑ! تو مجھے جانتا ہے اور میں تجھے جانتا ہوں۔ اگر تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں یقیناً مر جاؤں گا''

پادری کی رنگت پیلی پڑ گئی اور ہونٹ کانپنے لگے، اس نے خود سے کہا:

''میرا خیال ہے کہ یہ ان دیوانوں میں سے ایک دیوانہ ہے، جو جنگل جنگل بھٹکتے پھرتے ہیں۔''

اس نے اپنے خیالات کا رخ بدلا اور پھر اپنے دل سے کہنے لگا:

''اس کے زخموں کا منظر مجھے خوفزدہ کر رہا ہے۔ لیکن میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ روحانی طبیب جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکتا۔''

پادری نے جانے کے ارادہ سے دو چار قدم اٹھائے اور مجروح پتھر کو پگھلا دینے والی آواز میں چلایا:

''میرے قریب آ! ہم دونوں عرصہ دراز سے ایک دوسرے کے دوست ہیں، تو سمعان پادری ہے پاکباز اعظم! اور میں میں نہ چور ہوں، نہ دیوانہ! میرے پاس آ! اور مجھے اس ویران جنگل میں تنہا مرنے کے لئے نہ چھوڑ! میرے نزدیک آ! تاکہ میں تجھے بتاؤں میں کون ہوں؟''

سمعان پادری مجروح کے پاس گیا اور جھک کر اسے نہایت غور سے دیکھا۔ اس کے خدوخال عجیب وغریب تھے، جن سے ذہانت کے ساتھ عیاری، دل کشی کے ساتھ کراہت اور نرمی کے ساتھ خباثت نمایاں تھی۔ پادری جھجک کر پیچھے ہٹا اور چلایا:

''تو کون ہے؟''

مجروح نے دھیمی آواز میں کہا:

''مقدس باپ! خوف نہ کھا! ہم دونوں بہت پرانے دوست ہیں۔ مجھے اٹھا اور کسی قریبی نہر پر لے جا کر اپنے رومال سے میرے زخم دھو دے۔''

پادری نے بلند آواز میں کہا:

''مجھے بتا کہ تو کون ہے؟ میں تجھے نہیں جانتا اور نہ مجھے یہ یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں تجھے کبھی دیکھا ہے!''

مجروح نے جواب دیا، اس طرح کہ موت کی خرخراہٹ اس کی آواز میں شامل تھی۔

''تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ تو مجھ سے ہزاروں دفعہ ملا ہے اور ہر جگہ تو نے میری صورت دیکھی ہے۔ میں مخلوق میں سب سے زیادہ تجھ سے قریب ہوں بلکہ میں تجھے تیری زندگی سے زیادہ عزیز ہوں۔''

پادری نے چلاتے ہوئے کہا:

''تو جھوٹا اور فریبی ہے، حالانکہ مرنے والے کو سچ بولنا چاہئے! میں نے اپنی زندگی میں کبھی تیری صورت نہیں دیکھی بتا! تو کون ہے؟ ورنہ میں تجھے چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور تو، خون بہتے بہتے، مر جائے گا۔''

مجروح نے قدرے حرکت کی اور پادری کی آنکھوں کو نہایت غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں پر معنی خیز تبسم نمودار ہوا اور اس نے نرم، شیریں اور گہری آواز میں کہا:

''میں شیطان ہوں!''

پادری نے ایک ہولناک چیخ ماری، جس سے وادی کا ذرہ ذرہ لرز اٹھا پھر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس فیصلہ کی روشنی میں، جو گاؤں کے کلیسا کی دیواروں پر لٹکا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ مجروح کا جسم اپنی ترکیب اور آثار کی بنا پر ابلیسی ہیت پر منطبق ہوتا ہے۔ کانپتے ہوئے چلایا:

''اللہ نے مجھے تیری جہنمی صورت اس لئے دکھائی ہے کہ میرے دل میں تیری طرف سے کراہت اور بڑھ جائے۔ تجھے ابدالاباد تک مردود و ملعون ہی رہنا چاہئے!''

شیطان نے کہا:

''مقدس باپ! جلد بازی سے کام نہ لے اور بے ہودہ گفتگو میں وقت ضائع نہ کر! میرے قریب آ اور اس سے پہلے کہ میری زندگی، خون کی شکل میں، میرے جسم سے بہہ جائے، میرے زخموں پر مرہم رکھ!''

پادری نے جواب دیا:

''وہ ہاتھ، جو روزانہ خداوندی قربانیوں کے لئے اٹھتا ہے تیرے جہنمی شراروں سے بنے ہوئے جسم کو نہیں چھو سکتا۔ تو زمانہ کا دشمن اور انسانیت کی بربادی کے درپے ہے، اس لئے تجھے مرنا ہی چاہئے، اس حالت میں کہ زمانہ کی زبانیں تجھ پر لعنت بھیجیں اور دنیا کے ہونٹ تجھے ملامت کریں۔''

بے چین ہو کر شیطان نے کہا:

''تو نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے؟ اور تجھے نہیں معلوم کہ تو کس گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے؟ سن! میں تجھے اپنی کہانی سناتا ہوں۔ آج میں ان وادیوں میں تنہا چلا جا رہا تھا۔ جب یہاں پہنچا تو کم ظرف فرشتوں کی ایک جماعت سے دوچار ہوا۔ وہ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے بری طرح زخمی کر دیا۔ اگر ان میں سے ایک فرشتہ کے پاس دو دھاری تلوار نہ ہوتی، تو میں یقیناً ان سب کو مار گراتا، لیکن مسلح کے مقابلہ میں نہتا کیا کر سکتا ہے؟''

شیطان تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور اس نے اپنا ہاتھ پہلو کے ایک گہرے زخم پر رکھ لیا۔ دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا:

''لیکن وہ مسلح فرشتہ، جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ میکائیل تھا، بڑا پھرتیلا اور تلوار چلانے میں کمال رکھتا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر میں زمین پر نہ گر پڑتا اور میری حالت مردوں کی سی نہ ہو جاتی تو میرا ایک ایک عضو علیحدہ نظر آتا۔''

فتح مندانہ لہجہ میں پادری نے کہا:

''خدا میکائیل کا مرتبہ بلند کرے کہ اس نے انسانیت کو اس کے بدترین دشمن سے نجات دلا دی۔''

شیطان نے جواب دیا۔

''انسانیت سے میری دشمنی اس قدر اندھی نہیں ہے۔ جس قدر تیری دشمنی خود اپنی ذات سے ہے۔ تو میکائیل کو مبارک باد دے رہا ہے حالانکہ اس نے تیرے ساتھ رزمہ برابر سلوک نہیں کیا، اور بیچارگی کے عالم میں میرے نام پر لعنت بھیج رہا ہے، حالانکہ میں تیری راحت و کامرانی کا سبب تھا اور ہوں۔ کیا تو میری عنایتوں اور احسانوں سے انکار کر رہا ہے؟ ایسی حالت میں جبکہ تو میرے ہی سایہ میں پل رہا ہے! کیا یہ میرا ہی وجود نہیں ہے؟ جس نے تیرے لئے ایک پیشہ وضع کیا؟ کیا یہ میرا نام نہیں ہے، جس نے تیرے اعمال کے لئے ایک ضابطہ بنایا؟ کیا میرے ماضی نے تجھے میرے حال اور مستقبل سے بے نیاز کر دیا ہے؟ کیا تیری دولت و ثروت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اب اس میں اضافہ کی مطلق گنجائش نہیں؟ کیا تو نہیں جانتا کہ تیرے بیوی بچے اور عزیز و اقارب مجھے کھو دینے سے اپنا رزق کھو دیں گے۔ بلکہ میرے مرنے سے بھوکوں مر جائیں گے؟ تو کیا کرے گا اگر مشیت مجھے فنا کر دے گی؟ کون سا پیشہ اختیار کرے گا، اگر زمانہ کی آندھیاں میرے نام کو مٹا ڈالیں گی؟ تو لوگوں کو میری پیدا کردہ مصیبتوں اور پھندوں سے بچانے کے لئے پچیس برس سے ان کو ہستانہ دیہاتوں میں جھومتا پھر رہا ہے۔ اور لوگ تیرے وعظوں کو دولت اور غلہ کے عوض خرید رہے ہیں۔ بتا! اگر کل انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کا دشمن شیطان مر گیا ہے اور اب وہ اس کے پھندوں سے آزاد ہیں، تو وہ تجھ سے کیا خریدیں گے؟ اگر تیرا یہ وظیفہ، جو شیطان سے مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں تجھے ملتا ہے، اس کے مرنے سے بند ہو گیا، تو لوگ تجھے کس بات کا وظیفہ دیں گے؟ تو کہ لاہوتی مسائل کا رمز شناس ہے، کیا نہیں جانتا کہ شیطان کا وجود ہی اس کے دشمنوں پادریوں کی تخلیق کا

سبب ہے اور یہ پرانی عداوت گویا ایک مخفی ہاتھ ہے، جو سونے چاندی کو ایمان پرستوں کی جیب سے واعظوں اور مرشدوں کی جیب میں منتقل کرتا ہے؟ تو کہ سمجھ بوجھ والا عالم ہے کیا نہیں جانتا کہ سبب کے زوال سے مسبب خود بخود زائل ہو جاتا ہے؟ پھر تو میرے مرنے سے کیوں خوش ہے؟ جبکہ میری موت تجھے اپنے مرتبہ سے گرا دے گی، تیرا رزق بند کر دے گی اور تیرے بیوی بچوں کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین لے گی۔"

شیطان ایک منٹ کے لئے خاموش ہو گیا اس کے چہرہ پر مہربانی کے بجائے استقلال کے آثار نمایاں ہوئے، اور اس نے پھر کہنا شروع کیا:

"دیکھ او مغرور جاہل! میں تجھے اس حقیقت کی تصاویر دکھاتا ہوں جس نے میری ہستی کو تیری ہستی میں ضم کر دیا ہے اور میرے وجود کو تیرے وجدان سے مربوط! آفرینش عالم کی ابتدائی ساعت میں انسان سورج کے سامنے کھڑا ہوا اور اپنا ہاتھ اٹھا کر پہلی مرتبہ بلند آواز میں کہا: "آسمان سے پرے، خدائے جلیل ہے، جو نیکی سے محبت کرتا ہے!" پھر اس نے روشنی کی طرف پیٹھ کر لی اور زمین پر اپنا سایہ پڑتے دیکھ کر چلایا "اور زمین کی تہوں میں مردود شیطان ہے، جو بدی سے خوش ہوتا ہے!" اس کے بعد وہ اپنے غار کی طرف چلا، دل ہی دل میں کہتا ہوا: "میں دو ہولناک خداؤں کے درمیان ہوں۔ ایک خدا وہ ہے، جس سے میں منسوب ہوں اور دوسرا وہ جو پہلے خدا سے برسر پیکار ہے۔ زمانہ پر زمانہ گزرتا چلا گیا، لیکن انسان دو آزاد قوتوں پر گھرا رہا۔ ایک وہ قوت، جو اس کی روح کو بلندیوں پر لے جا کر برکت دیتی ہے اور دوسری وہ قوت، جو اس کے جسم کی تاریکیوں میں گر کر ملعون بناتی ہے۔ تاہم وہ برکت کے معنی سے واقف تھا، نہ لعنت کے مفہوم سے آشنا۔ بلکہ وہ ان دونوں قوتوں کے درمیان اس درخت کی مثال تھا، جو گرمی اور جاڑے کے درمیان ہو گرمی، جو اسے دھانی پوشاک پہناتی ہے اور جاڑا، جو اسے ننگا بوچا کر دیتا ہے۔ آخر کار جب

وہ صبح تمدن الفت بشریٰ سے دوچار ہوا تو پہلے اس نے خاندان کی بنیاد ڈالی پھر قبلہ کی۔ اب اس کے مشاغل، میلانات کے فرق کی بناء پر، متفرق ہو گئے اور صنعتیں، مزاج و مذاق کے اخلاف کی بنا پر مختلف۔ چنانچہ ایک قبیلہ کے بعض افراد نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کرلیا اور بعض نے معماری کا۔ بعض کپڑا بننے لگے اور بعض کانیں کھودنے لگے۔ اسی قدم زمانہ میں کہانت نمودار ہوئی اور یہ پہلا پیشہ تھا، جسے انسان نے بغیر کسی فطری ضرورت کے ایجاد کیا۔

شیطان ایک منٹ تک خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک قہقہہ لگایا، جس سے وادی کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ اس نے کراہتے ہوئے اپنے پہلو کو ہاتھ سے دبالیا، گویا قہقہہ نے اس کے زخموں کے منہ کھول دیئے اور سمعان پادری کو غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

''کہانت نے اس زمانہ میں جنم لیا، لیکن کس طرح؟ یہ بھی ابھی بتاتا ہوں۔ دنیا کے اس ابتدائی قبیلہ میں ایک شخص لادیص تھا میں نہیں سمجھ سکا اس نے یہ عجیب و غریب نام اپنے لئے کیوں پسند کیا تھا؟''

بہر حال وہ نہایت ذہین مگر نہایت جھوٹا اور سست آدمی تھا، جسے زراعت، معماری، گلہ بانی، شکار غرض ہر کام سے نفرت تھی، جس میں قوت بازو یا جسمانی حرکت کی ضرورت ہو اور چونکہ اس زمانہ میں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے رزق ملنا دشوار نہیں، ناممکن تھا۔ اس لئے اس کی اکثر راتیں بھوک کی شدت سے جاگتے کٹتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے گرمیوں کی رات تھی۔ اس قبلہ کے افراد اپنے سردار کے مکان کے گرد بیٹھے، اپنی اپنی زندگی کے واقعات دہرا رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ نیند آجائے۔ اچانک ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا، اور چاند کی طرف اشارہ کر کے خوفناک آواز میں چلانے لگا:

''ذرا چاند دیوتا کو تو دیکھو! اس کا چہرہ کتنا ماند پڑ گیا ہے اور روشنی کس حد تک زائل

ہوگئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی گنبد میں ایک سیاہ پتھر لٹک رہا ہے۔''

لوگوں نے چاند پر اپنی نگاہیں جمائیں اور یہ دیکھ کر کہ ان کی راتوں کا دیوتا آہستہ آہستہ ایک سیاہ کرہ کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نہ صرف یہ کہ زمین کی رنگت بدل رہی ہے، بلکہ وادیاں اور ٹیلے بھی ایک سیاہ چادر میں چھپتے جا رہے ہیں، خوف و دہشت سے کانپنے چلانے لگے، گویا دست ظلمت نے ان کے دلوں کو دبوچ لیا ہے۔

اس وقت لادیص، جو اس سے پہلے کئی بار کسوف وخسوف کے مناظر دیکھ چکا تھا، آگے بڑھا اور لوگوں کے وسط میں جا کر ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا دیئے۔اس نے بلند آواز میں کہا، جس سے اس کی ذہانت، تصنع اور عیاری صاف نمایاں تھی۔

''لوگو! سجدہ کرو! سجدہ کرو اور آسمانی امداد کے لئے دعائیں مانگو! اپنی پیشانیاں زمین پر رگڑو کہ بدی کا تاریک دیوتا رات کے روشن دیوتا سے نبرد آزما ہے۔اگر وہ غالب آ گیا تو ہم مر جائیں گے اور اگر مغلوب ہو گیا تو زندہ بچ جائیں گے۔سجدہ کرو! دعائیں مانگو! اپنی پیشانیاں زمین پر رگڑو، بلکہ اپنی آنکھیں بند کر لو اور سجدہ سے سر نہ اٹھاؤ! اس لئے کہ اگر تم میں سے کسی نے تاریکی کے دیوتا کو روشنی کے دیوتا سے لڑتے دیکھ لیا تو وہ اپنی بصارت وبصیرت کھو دے گا اور آخر عمر تک اندھا اور پاگل ہو رہے گا۔''

لوگو! سجدہ کرو اور اپنے دلوں کی قوت سے روشنی کے دیوتا کو اس کے دشمن کے خلاف مدد پہنچاؤ۔لادیص اسی لہجہ میں بولتا رہا۔وہ اپنے دماغ سے نئے نئے الفاظ تراش رہا تھا، جو اس رات سے پہلے کسی نے نہیں سنے تھے۔یہاں تک کہ آدھا گھنٹہ گزر گیا اور چاند اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔اب لادیص کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہوگئی اور اس نے مسرت وکامرانی کے لہجہ میں کہا:

''لوگو! اٹھو اور دیکھو! رات کا دیوتا اپنے شریر دشمن پر غالب آ چکا اور اب ستاروں

کی سیر میں مصروف ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے اپنی نمازوں اور دعاؤں سے رات کے دیوتا کو مدد پہنچا کر، خوش کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تم اسے زیادہ روشن اور تابناک دیکھ رہے ہو۔''

لوگوں نے سجدہ سے سر اٹھایا اور چاند کو نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ اس کی روشن شعاعوں نے ان کے خوف و اضطرات کو مسرت اور اطمینان سے بدل دیا اور وہ مارے خوشی کے اچھلنے کودنے اور ناچنے گانے لگے۔ وہ اپنی لکڑیوں سے تانبے اور لوہے کے گھنٹے بجا رہے تھے اور وادی کی تمام فضا ان کی پرمسرت چیخ پکار سے گونج رہی تھی۔

اسی رات قبیلہ کے سردار نے لادیص کو بلایا اور کہا:

'' آج کی رات تم نے وہ کام کیا ہے، جو تم سے پہلے کوئی انسان نہ کر سکا۔ تم زندگی کے ان اسرار سے واقف ہو، جو تمہارے سوا، ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ خوش ہو جاؤ! کہ آج سے میرے بعد اس قبیلہ کے سب سے بڑے آدمی تم ہو۔ میں لوگوں سے اگر اپنی بہادری اور قوت کی بنا پر ممتاز ہوں تو تم اپنی عقل و فراست کے لحاظ سے ہم سب پر فوقیت رکھتے ہو۔ یہی نہیں بلکہ تم میرے اور دیوتاؤں کے درمیان ایک واسطہ ہو۔''

تم مجھے ان کی مرضی سے باخبر کرو گے، ان کے اعمال و اسرار مجھ پر ظاہر کرو گے اور مجھے مشورہ دو گے کہ میں ان کی محبت و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا کروں؟

لادیص نے جواب دیا:

'' دیوتا جو کچھ مجھے خواب میں بتائیں گے، میں بیداری میں حضور سے عرض کر دوں گا اور جو راز وہ مجھ پر منکشف کریں گے، میں آپ پر ظاہر کر دوں گا۔''

ہاں! میں آپ کے اور دیوتاؤں کے درمیان ایک واسطہ ہوں۔

سردار کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے لادیص کو دو نہایت شاندار گھوڑے، سات

بچھڑے، سات بھیڑیں اور ستر بکریاں عطا فرما کر کہا:

''قبیلہ کے لوگ تمہارے لئے ایک ایسا ہی مکان تیار کر دیں گے، جیسا میرا ہے۔ اور ہر موسم کے خاتمہ پر اپنے باغوں کے پھل اور کھیتوں کی پیداوار تمہاری خدمت میں نذرانے کے طور پر پیش کریں گے۔ اس طرح تم سرداروں کی طرح نہایت عزت کی زندگی بسر کرو گے۔''

لادیص جانے کے لئے اٹھا، لیکن سردار نے یہ کہہ کر اسے ٹھہرالیا:

''لیکن یہ دیوتا کون ہے، جسے تم بدی کا دیوتا کہتے ہو؟ کیا یہ وہی دیوتا ہے جس نے رات کو روشن دیوتا سے مقابلہ کی جرأت کی تھی؟ ہم نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا، نہ ہمیں اس کے وجود کا علم ہے!''

لادیص نے تھوڑی دیر سر کھجانے کے بعد جواب دیا:

''پرانے زمانے میں انسان کی پیدائش سے پہلے تمام دیوتا، کہکشاں سے پرے ایک دور دراز مقام پر نہایت امن وخلوص کے ساتھ رہتے تھے۔ مہادیو، جوان سب کا باپ تھا، علم وعمل میں ان سب پر امتیاز رکھتا تھا اور اس نے اپنی ذات کے لئے بعض خداوندی اسرار محفوظ کر رکھے تھے، جو ناموس ازلی کے پردہ میں روپوش ہیں۔ چنانچہ بارہویں زمانہ کے ساتویں عہد میں بعطار نے، جو مہادیو سے نفرت کرتا تھا، بغاوت کی اور اس کے مقابلہ پر آ کر کہا:''

''تو نے ہم سے ہستی، ناموس اور زمانہ کے اسرار پوشیدہ رکھ کر مخلوقات پر اپنا مطلق اقتدار کیوں قائم کر رکھا ہے؟ یا ہم تیری اولاد نہیں ہیں؟ اور کیا تیری قوت اور دوام میں ہماری شرکت نہیں ہے؟''

مہادیو غصہ سے کانپ اٹھا اور اس نے کہا:

''میں تمام بنیادی اسرار، مطلق اقتدار اور اولین قوت ابدالاباد تک اپنے لئے محفوظ رکھوں گا، اس لئے کہ میں ہی آغاز ہوں اور میں ہی انجام۔''

بعطار نے کہا:

''اگر تو اپنی قوت و جبروت تقسیم کرنے پر تیار نہیں تو میں اور میری اولاد تیرے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہے۔''

شدت غضب سے مہادیو اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کہکشاں کی تلوار کھینچی اور دوسرے ہاتھ میں آفتاب کی ڈھال لے لی۔ پھر نہایت خوفناک آواز میں، جس سے دنیا کا ذرہ ذرہ لرز اٹھا، چلایا:

''اچھا! اگر یہ بات ہے تو اے شریر باغی! میں تجھے اس پست و ذلیل دنیا میں پھینکتا ہوں، جہاں تاریکی ہے اور بدبختی۔ جا! اور جب تک سورج راکھ کا ڈھیر اور ستارے فضا کے منتشر زروں میں تبدیل نہ ہو جائیں، وہاں اپنی جلاوطنی کے دن، آوارگی و گم کردہ راہی میں گزار!''

اسی لمحہ بعطار دیوتاؤں کے مسکن سے، اس پست عالم میں پھینک دیا گیا، جہاں خبیث روحیں رہتی ہیں اور اس نے مہادیو کے دوامی اسرار کی قسم کھا کر فیصلہ کیا کہ وہ ابد تک اپنے باپ اور بھائیوں کے خلاف آمادہ پیکار رہے گا۔ اور ہر شخص کو گمراہ کرے گا، جو اس کے باپ سے محبت کرتا ہے یا اس کے بھائیوں کا ارادت مند ہے۔

سردار کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس نے ماتھا سکیڑ کر کہا:

''اچھا! تو بدی کے دیوتا کا نام بعطار ہے'' لادیص نے جواب دیا۔

''اس کا نام بعطار اس وقت تھا، جب وہ دیوتاؤں کے مسکن میں رہتا تھا، لیکن اس عالم میں پھینک دیئے جانے کے بعد اس نے اپنے بہت سے نام رکھ لئے ہیں۔ مثلاً معلو بول، ابلیس، مطنائیل، بلیال، زمیال، اہرمن، مارہ، ابدون اور شیطان لیکن ان سب میں زیادہ مشہور نام شیطان ہے!

سردار نے شیطان کا نام کئی بار دہرایا۔ اس کی آواز اس طرح کانپ رہی تھی کہ

معلوم ہوتا تھا ہوا کے جھونکوں سے خشک پتوں میں سرسراہٹ پیدا ہو رہی ہے۔ اس نے پوچھا:

''لیکن شیطان تو دیوتاؤں کا مخالف ہے۔ پھر اسے انسان سے نفرت کیوں ہے؟''

لادیص نے جواباً کہا:

''شیطان اس لئے انسان کی تباہی و بربادی کے درپے ہے کہ وہ اس کے بہن بھائیوں کی اولاد ہے!''

حیرت آمیز لہجہ میں سردار نے کہا: ''اچھا تو شیطان انسان کا چچا بھی ہے اور ماموں بھی''

''تشویش و اضطراب کے عالم میں لادیص نے جواب دیا:''

''جی ہاں! لیکن وہ اس کا سب سے بڑا دشمن اور کینہ پرور نگران ہے! جو اس کے دنوں کو بدبختی اور راتوں کو خوفناک خوابوں سے گرانبار کرتا رہتا ہے۔ وہ ایک قوت ہے، جو آندھیوں کے ذریعہ انسان کے گھروں کو جڑ بنیاد سے اکھڑ پھینکتی ہے۔ قحط سالی کے ذریعہ اس کے کھیتوں کو اجاڑ دیتی ہے، وباؤں کے ذریعہ اس کے مویشیوں کو مار ڈالتی ہے اور بیماری کے ذریعہ اس کے جسم کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ وہ ایک طاقتور لیکن بے ایمان و دغاباز دیوتا ہے، جو ہماری مصیبتوں سے خوش اور مسرتوں سے غمگین ہوتا ہے۔ اس لئے ہم پر فرض ہے کہ اس کی فطرت کے ایک ایک گوشہ کو سمجھیں، اس کی ذہانت کے ایک ایک راز سے واقف ہوں تا کہ اس کے حیلہ و شر سے محفوظ رہیں۔''

سردار نے لکڑی کا سہارا لیتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا:

''اس عجیب و غریب قوت کے مخفی راز، آج میری سمجھ میں آئے جو آندھیوں کی صورت میں ہمارے گھروں کو تباہ کرتی اور وباؤں کی شکل میں ہمارے مویشیوں کو

موت کے گھاٹ اتارتی ہے۔ لادیص! مجھے یقین ہے کہ جو راز آج تو نے مجھ پر منکشف کئے ہیں، کل تمام آدمیوں پر ظاہر ہو جائیں گے اور وہ سب تیرے حضور ہدیہ عقیدت و نیاز پیش کریں گے۔ کہ تو نے انہیں، ان کے سب سے بڑے دشمن کے اسرار سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس کے پھندوں سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔''

لادیص نے سردار سے اجازت چاہی اور اپنی عقل و ذہانت سے مخمور و شادماں اپنے گھر چلا گیا، لیکن سردار اور قبیلہ کے دوسرے افراد ساری رات پریشان خوابوں اور خوفناک تصورات کی بنا پر چونکتے اور جاگتے رہے۔

مجروح شیطان تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ سمعان پادری اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کا جمود تھا اور ہونٹوں پر موت کا تبسم!

شیطان نے پھر اپنے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا:

''کہانت نے اس طرح دنیا میں جنم لیا اور اس طرح میری ہستی اس کے ظہور کا سبب ہوئی۔ لادیص پہلا شخص تھا جس نے میری دشمنی کو باقاعدہ ایک پیشہ بنایا لادیص کی موت کے بعد، اس کی اولاد کے ذریعہ یہ پیشہ رواج پا گیا اور نشوو ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کر کے ایک نازک اور مقدس فن بن گیا، جسے صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے تھے، جن کی عقل تیز، روح شریف، دل پاک اور خیال وسیع ہوں! چنانچہ بابل میں لوگ اس کاہن کو سات مرتبہ سجدہ کرتے تھے، جو اپنے منتروں کے ذریعہ مجھ سے نبرد آزما ہوتا تھا۔ نینوا میں اس شخص کو، انسان اور دیوتاؤں کے درمیان ایک سنہری کڑی سمجھتے تھے، جو میرے اسرار و رموز سے واقفیت کا دعویٰ کرتا تھا۔''

شب میں اسے ''چاند سورج کا بیٹا'' کہتے تھے، جو مجھ سے برسر پیکار ہوتا تھا۔ بابل، افس اور انطاکیہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو بھینٹ چڑھاتے تھے، جو مجھ سے خصوصیت رکھتے اور یورشلم اور رومہ

میں اپنی جانیں اس کے حوالے کر دیتے تھے، جو مجھ سے نفرت اور دوری کے اظہار میں طرح طرح کے کمالات ظاہر کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ہر شہر میں، جو اس زمین پر آباد ہوا، میرا ہی نام مذہب، علم، فن اور فلسفہ کے دائروں کا مرکز رہا۔ چنانچہ عبادت گاہیں میرے زیر سایہ قائم ہوئیں، مدارس اور تعلیم گاہوں کی بنیاد میرے مظاہر پر رکھی گئی۔ محلوں اور برجیوں نے رفعت و بزرگی میرے مرتبہ کی بلندی سے حاصل کی! میں ایک قوت ہوں، جو انسان میں عزم و ارادہ پیدا کرتی ہے۔ میں ایک تصور ہوں، جو انسان کے ہاتھوں کو حرکت میں لاتا ہے۔ میں ازلی اور ابدی شیطان ہوں، ہاں! وہ شیطان جو انسان سے اس لئے مقابلہ کرتا رہتا ہے کہ وہ زندہ رہے ورنہ اگر وہ میرے مقابلہ سے بے نیاز ہو جائے تو بے نیاز ہو جائے تو بے شغلی اس کے افکار کو زنگ آلود کر دے گی، سستی اس کی روح کو گھن لگا دے گی اور راحت اس کے جسم کو فنا کر دے گی۔

میں ازلی ار ابدی شیطان ہوں! وہ پر جوش لیکن خاموش آندھی جو مردوں کے دماغ اور عورتوں کے سینہ میں طوفان برپا کر کے ان کی عقلوں اور دلوں کو بت خانوں اور خانقاہوں کی طرف اڑا لے جاتی ہے، تا کہ وہ مجھ سے خوف کھا کر میرے اقتدار کا لوہا مانیں، یا پھر ہوسنا کی و بدکاری کے اڈوں کی طرف، تا کہ وہ میری ماضی کے آگے سر جھکا کر مجھے مسرور و شادکام کریں۔ چنانچہ وہ پادری، جو رات کی خاموشی میں دعائیں مانگتا ہے، اس لئے کہ مجھے اپنے بستر سے دور رکھے، درحقیقت اس کسبی کی مثال ہے، جو مجھے اپنے بستر پر بلانے کے لئے گڑگڑاتی ہے۔

میں ازلی اور ابدی شیطان ہوں، جس نے بت کدوں اور خانقاہوں کی بنیاد، خوف و دہشت پر رکھی اور شراب خانوں اور چکلوں کو لذت و ہوس رانی کی اساس پر قائم کیا۔ اس لئے اگر میرا وجود فنا ہو گیا، تو دنیا سے لذت و خوف بھی فنا ہو جائیں گے۔ جانتے ہو! لذت و خوف کے فنا ہونے سے کیا ہو گا؟ یہ ہو گا کہ انسانوں کے دل کی تمام امیدیں اور آرزوئیں فنا ہو جائیں گی اور زندگی ویران و بے کیف ہو کر رہ

جائے گی، جیسے بوسیدہ سارنگی، جس کا ایک تار سلامت نہ ہو!

میں ازلی و ابدی شیطان ہوں! جھوٹ، غمازی، تہمت، دغا اور مسخرگی کا خالق! اور اگر یہ چیزیں دنیا میں باقی نہ رہیں، تو انسانی جماعت اس اجاڑ باغ کی مثال ہو جائے گی، جس میں فضیلت کے کانٹوں کے سوا کوئی چیز نہ اگے۔

میں ازلی و ابدی شیطان ہوں! گناہوں کا سرچشمہ! اور اگر گناہ مٹ جائیں، تو اس سے مقابلہ کرنے والے بھی مٹ جائیں گے اور ان کے ساتھ تو، تیری اولاد، تیرے پیروکار اور عقیدت مند بھی، ہاں! میں گناہوں کا سرچشمہ ہوں! تو کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میرے مٹنے سے گناہ بھی مٹ جائے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میرے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ انسانی حرکت بھی رک جائے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ سبب کے سات مسبب بھی زائل ہو جائے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں، جو دنیا کی چہل پہل کا بنیادی سبب ہوں، اس ویران جنگل میں مر جاؤں؟

جواب دے! اے لاہوتی مسائل کے عالم بے ہمتا! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ وہ اولین تعلق ختم ہو جائے، جو میرے اور تیرے درمیان ہے؟

شیطان نے اپنے بازو پھیلائے، اس کی گردن آگے کی طرف جھک گئی اور وہ دیر تک کراہتا رہا۔ اپنے سبز، مائل منیالے رنگ میں وہ ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے نیل کے کنارے مصری مجسمہ! جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہو۔ اس نے سمعان پادری کو اپنی شعلہ فگن آنکھوں سے گھورا اور کہا:

''گفتگو نے مجھے نڈھال کر دیا ہے، حالانکہ میرے زخموں کا تقاضا یہ تھا کہ تجھ سے زیادہ باتیں نہ کروں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ میں نے تیرے سامنے اس حقیقت کی توضیح کی ہے، جسے تو خود مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہ باتیں بیان کی ہیں جو میری مصلحتوں کے مقابلہ میں تیری مصلحتوں سے زیادہ قریب ہیں! اب جو تیرا جی چاہے کر! مجھے اپنی پیٹھ رپ اٹھا کر گھر لے جا اور میری مرہم پٹی کر یا یہیں پڑا رہنے

دے کہ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں۔''

شیطان گفتگو کر رہا تھا اور سمعان پادری سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ حیرت و پریشانی کے لہجہ میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا:

''مجھے وہ راز معلوم ہو گیا، جواب سے ایک گھنٹہ پہلے مجھے معلوم نہ تھا۔ میری نادانی کو معاف فرما! اب میری سمجھ میں آ گیا تو دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے اور آزمائش ایک کسوٹی ہے، جس کے ذریعہ اللہ انسان کی قدر، قیمت پہچانتا ہے۔ بلکہ ایک ترازو ہے، جس میں خدائے بزرگ و برتر روح کو تول کر، اس کے ہلکے یا بھاری ہونے کا اندازہ کرتا ہے۔ میں نے جان لیا کہ اگر تو مر گیا تو یہ آزمائش اور اس کے ساتھ وہ معنوی قوتیں ختم ہو جائیں گی جو انسان کو پاکبازی کی تعلیم دیتی ہیں۔ بلکہ وہ سبب بھی زائل ہو جائے گا جو انسان کو نماز، روزہ اور عبادات کی طرف لے جاتا ہے۔ تجھے زندہ رہنا چاہئے! اس لئے کہ اگر تو مر گیا اور لوگوں کو اس کا علم ہو گیا تو دوزخ کے عذاب سے بے خوف ہو کر عبادات چھوڑ دیں گے اور گناہوں کی دلدل میں جا پھنسیں گے۔ تجھے زندہ رہنا چاہئے! اس لئے کہ تیری زندگی نوع انسان کو برائیوں سے بچاتی ہے۔ رہا میں! سو انسانی محبت کی قربان گاہ پر اس نفرت کو بھینٹ چڑھا دوں گا، جو مجھے تیری ذات ہے۔''

شیطان نے ایک قہقہہ مارا، جو آتش فشاں کے پھٹنے سے مشابہ تھا اور کہا:

''مقدس باپ تو کس قدر ذہین اور کتنا لائق ہے۔ لاہوتی مسائل کے متعلق تیرا مطالعہ کس قدر عمیق ہے! تو نے اپنی قوت ادراک سے میرے وجود کا سبب ظاہر کیا ہے، جو میں اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ اب کہ ہم میں سے ہر ایک ان فطرتی اور لاہوتی اسباب کی حقیت کو پا گیا ہے، جو ہماری آفرینش اول کے بھی ضامن تھے اور اس نشاۃ ثانیہ کے بھی، ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔''

آ! بھائی میرے قریب آ، اور مجھے اٹھا کر اپنے گھر لے چل!

آہ! رات نے اپنا سیاہ پردہ چھوڑ دیا ہے، جب کہ میں اپنے جسم کے تقریباً آدھے خون سے اس وادی کے پتھروں کو رنگین کر چکا ہوں۔

سمعان پادری نے اپنی آستینیں کہنوں تک چڑھا لیں اور عبا کے دامن کو سمیٹ کر پیٹی سے کس لیا۔ اس کے بعد وہ شیطان کے پاس گیا اور اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر سڑک کا رستہ لیا۔

ان پرسکون وادیوں میں جن کے چہرے پر رات کی سیاہ نقاب پڑی تھی، سمعان پادری اپنی پیٹھ پر ایک برہنہ جسم کو لادے، گاؤں کی طرف جا رہا تھا، جس کے زخموں سے خون بہہ بہہ کر اس کی داڑھی اور سیاہ کپڑوں کو دھبوں سے بھرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

آزادی

کیا محکوم قوموں کے پہلو میں دل نہیں ہوتے یا دلوں میں آرزوئے آزادی نہیں ہوتی۔ کیا مسموم فضاؤں میں سانس لینا ان کے صفحہ تقدیر پر ہی تحریک ہوتا ہے یا دہر میں آنے کے جرم میں زندگی ان کے لئے دہکتا ہوا انگارہ بن کر رہ جاتی ہے۔

نہیں تو! اے آزاد کہلانے والی ہستیو! تم اپنی آزادی کے بے جا اور بے محل دعوے کیوں کرتی ہو اور کس لئے؟

جب تک روئے زمین پر ایک ذی روح ہستی بھی شکار غلامی ہے اور فنا کردہ خزاں جب تک اس کے جذبات کچلے جائیں گی اور آرزوئیں مجروح و حسرت زدہ رہیں گی۔

تب تک تمہیں بھی اس امر کا استحقاق نہیں کہ آزادی کے خوش آئند لفظ کو اپنے نام سے منسوب کرو اسی خیال خام میں مسرور رہو اور شاد شاد۔

جب تم میں جذبہ احساس ہی نہ رہا اور نہ ہی مادہ اماده باہمی جب اوروں کو محکوم بنا کر خود کو حاکم کہلانے میں تمہیں حسرت محسوس ہو اپنی خواہشات کے لئے مظلوموں کی تمناؤں کو خون آلودہ کر دینے میں باک نہ ہو اور نہ ہی ان کی آرزوؤں کی کونپلوں کو جھکا دینے میں کچھ جھجک۔

تو تم غلاموں سے کہیں بدتر ہو اور محکوم قوموں سے کہیں گئے گزرے تم آزادی کے قطعی غیر مستحق ہو اور اس امر کا تمہیں حق ہی نہیں کہ اس متبرک لفظ کو اپنے نام سے ملوث کرو۔ اس کی پاکیزگی کو آلودہ کردو اور اس کی قیمت کو ارزاں۔

☆☆☆☆☆

غریب

اس کی ناتواں ہستی سینہ زمین پر "بوجھ" سمجھی جاتی ہے بے مہر دنیا کے ہاتھوں برباد کی جاتی ہے اور کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح نوچ کر پھینک دی جاتی ہے۔

اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ یہ غریب کا شکار ہے اور راندی درگاہ سرمایہ دارہ و مفلسی کی زنجیروں میں پابجولاں ہے اور گرفتار و قفس ناداری! غریبی نے اس کی راہ کو پرخار بنا دیا ہے اور عرصہ حیات بے حد طویل اور بھاری جیسے وقت کی سوئیاں پیچھے مڑ کر رہ گئی ہوں۔

پھر مصائب کا ہولناک سمندر ہے دکھوں کی گرجتی ہوئی موجیں اور مدو جزر تکالیف۔

نگاہیں دو افق پر کسی چیز کو تلاش کرتی رہتی ہیں غمناک آنکھیں دریائے الم میں تیرتی رہتی ہیں اور اداس چہرے پر رنگت ملال لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی ہے۔

اسی طرح قید حیات پوری ہو جاتی ہے جیسے ہوائی جھونکے سے اک ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ کر رہ جائے۔ شب دیجور کی لامحدود اور تاریک فضا میں نفوذ کر جائے اور تیرگی بردوش فضا میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جائے۔

اف اس کی بے معنی زندگی جس کی مثال ایسی آگ جیسی ہے جس میں تپش ہے اور نہ روشنی یا ایسا ریگستان جس میں بگولے ہیں اور نہ ریت کے ٹیلے۔

ارمانوں کے ہجوم پر یاس کی اوس پڑتی رہتی ہے ہر گزرتی ہوئی گھڑی سوگوار بن جاتی ہے اور جان سپار زندگی ناکام آرزوؤں کا افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور اک مہیب ناک خواب اور یہ تمام اس جرم کی پاداش ہے کہ بے چارہ غریب، غریب ہے اور دور دراز لذت ہائے حیات، گوناگوں مسرتوں سے ناواقف اور چیرہ دستی فطرت کا شکار۔

☆☆☆☆☆

دہقان

پچھلے پہر کی چاندی میں اس کے لئے سکون نہیں نہ ہی تاروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں سرور ہے وہ صبح کی رنگینیوں سے متاثر نہیں ہوسکتا اور نہ نسیم کے پر کیف جھونکوں سے لطف اندوز۔

اس کی زندگی تو محض ایک کھیت تک محدود ہے اور کسی مہاجن کے در دولت سے وابستہ! وہ سراما حسرت ویاس زندگی! جو مشتمل بر افلاس مکمل ہے اور مجسم بے کلی! ناتواں بازو، بارگراں اٹھانے سے معذور ہیں مگر پھر بھی ایک لمحہ آرام کئے بغیر کام کرنے پر مجبور۔ تھکی تھکی روح کشاکش حیات سے گریزاں ہے مگر بڑھتی ہوئی تگ ودو سے نپٹنے کے سوا چارہ نہیں چلنے میں قدم لڑکھڑا رہے ہیں مگر جرأت آرام ایک ساعت نہیں۔

اس کے الجھے الجھے بال، زرد زرد چہرہ اور تمازت آفتاب سے جھلسا ہوا جسم بتا رہے ہیں کہ یہ دہقان ہے اور فرزند کوہستان جس کی زمین کبھی سیم وزر اگلتی تھی جو آزاد تھا اور جنت نشان۔

مگر اس کے بچوں کے لئے آج زندگی لعنت مسلسل ہے اور قہر خداوندی وہ مفلس و بے نوا ہیں۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے فاقہ مست مگر پھر بھی دم بخود وصورت جمیاد۔

تاہم وہ دن بھی دور نہیں جب یہی سرزمین خون سے لالہ گوں ہو جائے گی۔ آسمان پر تہلکہ مچ جائے گا اور ہوائیں چلتی چلتی تھم جائیں گی۔

اور یہ وقت ہوگا جب اپنے کھیتوں پر دہقان کا جائز تصرف ہوگا اس کے کمزور بازو علم سرمایہ داری کو نگوں کر دیں گے اور وہ ہر کو اس سب سے بڑی مصیبت سے آزاد۔

اس وقت اسے صبح کی لطافتوں سے کیف حاصل ہوگا اور اولین شعاع آفتاب سے بہت تازگی حیات پتوں کی سرسراہٹ میں بہجت سے راگ سنائی دیں گے اور ہوا کے جھونکوں میں فراغت کے نغمے

☆☆☆☆☆

بازیافت

بھول جاؤ گزری ہوئی ناکامیوں اور رفتہ و گزشتہ شورشوں کو! کم از کم کچھ دیر کے لئے تو بھول جاؤ۔

رنج و الم کی داستانوں اور مصائب کے لرزہ خیز افسانوں کو فراموش کر دو۔ اور صفحہ اول دل سے اک قلیل عرصے کے لئے محو۔

لمحات حیات مختصر ہی تو ہیں انہیں یا دایام میں سرنگوں رہ کر کیوں گنوایا جائے؟

ان گزرے ہوئے دنوں کی یاد میں جو کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے جو اس طرح غائب از دہر ہو چکے ہیں جیسے عندلیب کی لے بہار کی ہواؤں میں تحلیل ہو جایا کرتی ہے۔

تم کھوئے ہوئے لمحات کے متلاشی ہو حالانکہ آنے والی گھڑیاں ان سے بھی کہیں قیمتی ہیں اور حامل بہجت و سرور۔

اس کی تو کچھ قدر کرو کہ بہار بھی مسلط برسر دہر ہے اس کی تابشیں ہر ذرہ مدہوشی میں سرسراتی ہیں اور گھٹائیں لڑکھڑاتی ہوئی چلتی ہیں اور کائنات پر نشاط انگیز کیف چھا رہی ہے۔

اف! وقت کو تو قرار نہیں کہیں یہ ہنگامہ آفریں ساعتیں یونہی گزر جائیں اور تم یاد ایام میں کھوئے کھوئے رہو اور اسی افسانہ پارینہ میں بے خبر از دنیا و مافیہا۔

کیا تمہیں اس امر کا اندازہ نہیں کہ بہار کو سامان عیش لاتے دیکھ کر عندلیب دل نگار بھی تلخی ایام کو بھول گئی اب صحن گلشن میں کھلے ہوئے خوش رنگ پھول ہیں اور اس کے قلب مضطرب کے لئے سامان تسکین۔

دریا کا چلتا ہوا پانی بھی بہار کے مسرت خیز تاثرات سے خالی نہیں۔ وہ اک انداز والہانہ سے بہہ رہا ہے اور اس کی مسرتیں زبان بے زبانی سے مصروف کلام ہیں۔

مگر حیرت ہے کہ تم ابھی تک زمزمہ سرائیوں پر کمر بستہ نہیں۔ کیا ایسا کیف آگیں

وقت بار بار آتا رہتا ہے یا تمہیں اس کی قیمت کا کچھ اندازہ ہی نہیں؟

اف! اٹھو! بہار کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوؤ اور اس کی دلفریبیوں سے محفوظ۔ زندگی کے دن دو چار ہی تو ہیں اور عالم ناپائیدار محض۔

تو پھر کیوں نہ ہر میسر آنے والی مسرت سے فائدہ اٹھایا جائے اور وقت کی سیمابی لہروں پر چھلکتے ہوئے عکس بہار سے کیف و مسرت۔

☆☆☆☆☆

All rights reserved. ©2002-2006

اعتراف

یہ جانتے ہوئے بھی کہ دنیا نفرت گاہ ہے مجھے کبھی اس سے دلچسپی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ مدفن ارمان ہے اور چند روزہ خواب وخیال لیکن پھر بھی مجھے اس سے لگاؤ تھا اور قلبی تعلق۔

یہ دیکھ کر کہ یہاں خود پرور انسان بستے ہیں جس کی کائنات مشتمل ''برجھنکارز'' ہے۔ مجھے رنج ہوتا تھا اور اس کی نفس پروری پر تاسف۔

پر حیرت! کہ پھر بھی میں اس کی حد تک شیدائی تھی۔

غریبوں کو دیوانہ وار کشاکش حیات سے پنپتے دیکھ کر مجھے قلبی رنج پہنچتا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتیں اور ان کے بڑھتے ہوئے مصائب پر ملول۔

لیکن دنیا کے لئے پھر بھی میں ایک پیار سا محسوس کرتی۔

پر اب! ہاں اب! وہ قابل نفرت اور اذیت دہ کشش ختم ہو چکی ہے اور مع اپنی دل فریبیوں کے درجہ صفر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

روح اس مرقع جبر و استبداد سے نکل کر فضاؤں میں منتشر ہونے کو اس طرح بے قرار ہے جیسے پرسکوت ساز کے سینے میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔

یہاں کی امروز اب میرے لئے روز محشر سے کم نہیں اور فردا کا تصور ہی کپکپاہٹ طاری کر دیتا ہے۔

موت کا فرشتہ دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھا رہا ہے کاش! وہ مجھے اپنی موت پناہ میں لے سکے اور اس طرح غائب از دہر کر دے جیسے آسمان سے کوئی تارا ٹوٹے اور فضاؤں میں گھل کر رہ جائے موسیقی سے معمور سکون میں جب آسمان پر ستارے چمکتے ہیں تو میرا دل اس وادی میں پہنچنے کو بے قرار ہو جاتا ہے جہاں سکون ہی سکون ہے اور پاکیزگی نے اپنا دل نکال کر خطہ زمین پر بکھیر دیا ہے۔

جہاں آسمانی ساز پر حوریں نجات کے گیت گاتی ہیں اور فرشتے اپنے سفید سفید

پروں سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔

کاش! میں اس وادی میں پہنچ سکتی جو اس دنیا سے بالکل متضاد ہے اور اس کا ماحول یہاں سے جداگانہ۔

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پروانہ سے

ننھے سرفروش! اس بے قراری سے شمع کا طواف کیوں کر رہا ہے مطلوب کے قریب پہنچ کر بھی اتنی بے چینی اس قدر آہ و زاری۔

شب کی تاریکی میں لپٹی ہوئی ہر شے غرق خواب نوشیں ہے لیکن تیرے لئے شاید نیند کا نام عنقا ہو گیا تیرے شاندار قافلے کے ہم سفر لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہے ہیں لیکن تجھ پر کوئی اثر ہی نہیں۔ اس قدر غرق یم خیال کہ اپنے آپ تک کا ہوش نہیں۔

جانباز پروانے! شعلہ بار آتشیں لو پر اپنی ہستی سے بے نیاز ہو کر لپکنا اور بیک ثانیہ بے جان ہو کر محبوب کے قدموں پر گر پڑنا کیا تیری اصطلاح میں انجام حیات اسے ہی کہتے ہیں۔ کہ شمع کے اندر اندر گھلنے کا دلسوز منظر برداشت سے باہر ہے۔

رات کی تاریکی رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے۔ کائنات مردہ صد سالہ کی طرح خاموش ہے اور ہر ذرہ نشہ خواب میں لڑکھڑاتا ہوا۔ پرندے آشیانوں میں ساکت ہیں اور درندے جنگلوں میں خوابیدہ۔

لیکن تیری یہ شب بیداری کیسی؟ تو کوئی ننھا سا دیوتا تو نہیں جو شمع کی حیات جاودانی اور اپنی قبولیت قربانی کے لئے دست بدعا ہے۔

تصویر درد! آسمان پر چاند بھی طلوع ہو گیا اس کا عکس جھیل کے پانی پر ناچ رہا ہے اور سمندری موجوں کے نغموں نے سالخوردہ دنیا کے چہرے پر مسکراہٹ طاری کر دی۔

لیکن تو! آہ! کہ تیری کائنات مشتمل بر یک شمع ہے اور اس کی آتشیں لو میں ماحصل حیات پوشیدہ۔

عندلیب شیدا تو ہر وقت سرگرم فغاں رہتی ہے اور سننے والوں کے لئے سامان محشر سے کم نہیں لیکن آفریں ہے تجھے! کہ لپکتے ہوئے شعلے کو بوسہ دینے کی تمنا اشتیاق فنا کو دوبالا کر دیتی ہے۔

اللہ ! اللہ یہ وارفتگی کہ دہر میں دم بھر کا قیام بھی بار خاطر ہے۔ دل صد پارہ میں اک عزم آہنی ہے اور روح کی گہرائیوں میں ملکوتی درخشانی۔

کتنی مختصر ہے تیری زندگی لیکن کس قدر شاعرانہ اور بعید از وسعت خیال۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شیاما سے

کہر آلود فضا میں سرگرداں شیاما! تو اس قدر بے قرار کیوں ہے؟ ان ننھے ننھے پروں میں یہ اضطراب کی بجلیاں کیسی؟ اور یہ سوز و گداز سے لبریز آواز! جیسے کوئی راندہ درگاہ فرشتہ نجات کے گیت الاپ رہا ہو۔

ننھی سی معصوم شیاما! تو شعلہ کی طرح لرزاں اور غرق یم خیال کیوں ہے؟ کیا تیرا مطلوب کہیں روپوش ہو گیا یا دہر کی نمناک خلا میں کوئی جائے قیام نہیں رہی۔

برشگال کی اس حسین صبح کو جب مینہ برس کر کھل جاتا ہے اور آسمان پر قرمزی بادلوں کے ٹکڑے دوڑتے پھرتے ہیں تو تیری حیران سی آنکھوں میں ایسی چمک کہاں سے آ جاتی ہے۔ یہ مقیر کن چمک! جو پہلی شعاع آفتاب سے بھی زیادہ درخشاں ہے۔

تیری وہ معصومانہ ادائیں وہ حسن ملیح اور وہ پیکر نزاکت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان کی ابر آلود چھاتی سے کوئی جل پری اتر آئی ہے۔

اور اس پر بھی یہ انتظار مسلسل فضاؤں میں کسی کی جستجو اور جنبش پیہم!

حسین پرند! تجھ میں اس قدر شوریدگی کیوں ہے اور یہ بڑھتی ہوئی وارفتگی کاش! اس کا ازالہ کسی کے بس میں ہوتا۔

جب تو ساون میں ملہار گا رہی ہے کیف سرمدی عطا کرنے والے ملہار! جیسے گلاب کی پتیوں پر ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی ہوں تو نبض کائنات تیز تیز ہو جاتی ہے اور ہر شے احساس حیات سے جنباں۔

میرے قلب حزیں پر کوئی نامعلوم خلش اور بے پایاں اداسی چھا رہی ہے موسیقار شیاما! کوئی نغمہ چھیڑ دے روح کو سرشار کر دینے والا نغمہ! تاکہ آلام کے یہ گھرتے ہوئے بادل چھٹ جائیں اور تیری بڑھتی ہوئی خستگی بھی مبدل بہ اطمینان ہو۔

میری حسین شیاما! مجھے ایک سکوں بخش نغمہ سنا دے۔

☆☆☆☆☆

محفل عندلیب

رات سنسان ہے اور بدھ مندروں جیسی تر ایک نیند کی طلسمی دیوی ہر ایک کو اپنے حلقہ دام میں لا چکی۔ شوریدہ سمندری موجیں کسی نوزائیدہ بچے کی طرح عالم مدہوشی میں ہیں۔

کبھی کبھی ایک شرمیلی سرسراہٹ سے پتے کانپنے لگتے ہیں یا کسی ننھے پرند کی چیخ اس جمود کو توڑ دیتی ہے اور سب سکوت ہے اور کائنات مردہ صد سالہ کی طرح ساکت۔

ایسے عالم سکون میں چند عندلیبیں گلاب کے پودے پر جمع ہیں صد پارہ دل کی سینہ میں لئے اپنا مسئلہ تقدیر حل کر رہی ہیں چمن کا پتہ پتہ محو خواب ہے اور تھکی ہوئی شاخیں سر جھکائے ہوئے فضا میں ایک مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے۔

کبھی کبھی زرد چاند کفن میں لپٹی ہوئی نعش کی طرح نظر آ جاتا ہے یا کوئی مقید لہر ساحل سے ٹکرا کر آہ وزاری کرنے لگتی ہے۔

اس کے سوا کوئی نشان حیات نہیں سکون کامل ہے اور شہر خموشاں کا سا ماحول۔

کبھی کبھی ہوا سسکیاں بھرنے لگتی ہے یا آسمان پر کہیں کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آ جاتے ہیں۔ لیکن دفور گریہ سے لڑکھڑاتی ہوئی عندلیبیں ماحول سے بے نیاز ہیں اور اپنی ہستی سے بے خبر۔

ان کا مطمح نظر تو صرف ایک ہی ہے محض ایک خیال ان کے قلوب پر ہاوی اور معصوم روحوں کو مجروح کر رہا ہے۔

اور وہ یہ کہ اگر صباح فردا ''حامل خزاں'' بن کر آئی تو ''رنگ چمن'' کیسا ہو جائے گا استبداد کے پنجہ آہنی میں گرفتار ہونے سے ساکنان چمن پر کیا بیتے گی اور یہ تجدید کتاب حیات کا کون سا ورق پیش نظر کرے گی۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ حیات

موسم خزاں کے دھندلے آسمان پر تارے چمک رہے ہیں رات کے ہلکے ہلکے سائے گہرے ہو چلے اور شوریدہ جھونکوں کی مسلسل چھیڑ سے لرزاں شاخیں ساکت!

اس مغموروخواب وقت میں، میں غرق یم خیال ہوں دل ناتوانی کے عمیق سمندر میں ڈوب رہا ہے اور روح مائل بہ پریشانی جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر اس کے نغموں کو خاموش کر دیتے ہیں۔

کاش! میں مسئلہ حیات کی تہہ تک پہنچ سکتی یہ پیچیدہ مسئلہ حیات! جسے جتنا سلجھانا چاہتی ہوں اسی قدر الجھتا چلا جاتا ہے۔

دور گھنی جھاڑیوں میں کوئل کوک رہی ہے کیا اس کی آواز پر از سوز و ساز نہیں یا اس کا نغمہ آوازہ فغان سے کم ہے۔

ماہ شب تاب اپنی جملہ تابانیوں سے دہر کو جگمگا رہا ہے لیکن اس کی ہر لمحہ بڑھتی ہوئی زردی؟ آہ! یہ تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔

اور یہ دہر! مخزن راحت و آرام؟ جس کے سالخوردہ چہرے پر آنے والا لمحہ ایک نئی شکن ڈال دیتا ہے جس کا قلب امتداد زمانہ سے چور چور ہے اور ہستی بے بال و پر۔

سکوت شب! اپنی آغوش میں صد ہا نا ہائے یاس پنہاں کئے ہوئے ہے۔

تو پھر؟ جب ہر طرف درد کے مضراب چھڑ رہے ہوں تو حیات فانی "مشتمہ بہ چند نوحہ ہائے پرسوز" ہوئی نہ اور معدن گریہ والم لیکن پھر باد سحر کے لطیف جھونکے جو اپنی جنبش پیہم سے نبض کائنات کو تیز تر کرتے ہیں۔

بیگانہ از ہستی و نیستی سمندر ہے جو اپنی سریلی آواز سے لمحات حیات کو لافانی بنانے کی تلقین کرتا ہے۔

یہ پرسرور نغمات موسیقی! جو اس طرح بے قرار کر دیتے ہیں جیسے ساز کے پرسکوت تاروں میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔

اور پہلی شعاع آفتاب! حیات نو کی علمبردار اور تبسم سے بڑھ کر حسین۔

تو معبود! ''نوحہ ہائے غم'' کے ساتھ یہ ''نغمات شادمانی'' کیوں؟ یہ انجماد جرعات تلخ و شیریں کیسا؟

بلند گہرائیوں سے ایک شوخ ستارہ میری شوریدگی پر ہنس رہا ہے۔ سیاہ رات اپنا لبادہ لپیٹنے میں مصروف ہے اور صباح کی دھندلی کرنوں نے تعاقب تاریکی شروع کر دیا۔

لیکن میں اسی طرح مسئلہ حیات تک پہنچنے کی ناتمام کوشش میں مصروف ہوں۔

آہ! یہ دشوارترین مسئلہ!

جس سے تنگ آکر اک دل جلا شاعر کہتا ہے۔

بعد یک عمر بھی نہ جینے کا انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

☆☆☆☆☆

کس نے

بہار مخزن مسرت کیونکر ہوگئی؟ اس کی ہر شے کو اپنے رنگ میں رنگ کر دلفریب کس نے بنا دیا؟ اور ہوا کے مسلسل جھونکوں سے نوشگفتہ غنچوں میں لرزش کہاں سے آ گئی؟

یہ روپہلی اور سنہری پروں والی تتلی کسی چمکیلی وادی کی مقدس حور! اسے ملکہ نزاکت کس نے بنا دیا اور اپنے ہی حسن پر مست خرا۔

دور سے سنائی دینے والا نغمہ اتنا پرکشش کیوں ہوتا ہے اور حسین پھولوں میں شان دلربائی کس نے پیدا کر دی۔

جب افق کے کنارے دن کو الوداع کہنے لگتے ہیں تو کس کی لانبی لانبی انگلیاں ان پر سرخیاں بکھیر دیتی ہیں اور غروب ہونے والی کرنوں کو تبسم جیسا حسین کس نے بنا دیا؟ جیسے فانوس میں ایک شعلہ آتشیں لرز رہا ہو۔

کرمک شب تاب کو پاسبان عروس شب کس نے بنا دیا اور بہتے ہوئے جھرنے کو اپنی تیز روانی پر نازاں۔

کس نے؟ آہ! کس نے؟ اپنی جنبش پیہم سے نبض کائنات تھام رکھی ہے۔

☆☆☆☆☆

مرغ بادنما

مرغ بادنما نے ہوا سے کہا ''تمہارا ہمیشہ ایک ہی طرح چلتے رہنا تھکا دینے والا ہے۔ کیا تم میرے چہرے سے ہٹ کر کوئی دوسرا رخ اختیار نہیں کر سکتیں؟ کیونکہ تم میری خدا داد استقامت کو پریشان کئے دیتی ہو۔''

لیکن ہوا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور فضا میں صرف ایک قہقہہ سنائی دیا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شاہ اردوس

ایک دفعہ اردوس کے زعما بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنی مملکت میں ایک ایسا فرمان جاری فرمائے جس کی رو سے رعایا کے لئے تمام قسم کی شرابیں اور دیگر منشیات ممنوع قرار دی جائیں۔

لیکن بادشاہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

تب شہر کے زعما مایوس ہو کر وہاں سے لوٹے۔

محل کے دروازے پر وہ حاجب سے ملے اور حاجب نے معلوم کیا کہ انہیں کچھ رنج ہے۔ اور وہ ان کے معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

پھر اس نے کہا "حالت قابل رحم ہے میرے دوستو"

لیکن اگر تم بادشاہ کو ایسی حالت میں ملتے جبکہ وہ نشہ میں چور ہوتا تو وہ تمہاری درخواست یقیناً قبول کر لیتا۔

☆☆☆☆☆

دل کی گہرائی

میرے دل کی گہرائیوں سے ایک پرندہ اٹھا اور آسمان کی طرف اڑ گیا، وہ بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ لیکن اس کا قد کاٹھ چھوٹا ہونے کی بجائے بڑھتا گیا۔

پہلے وہ ایک ابابیل اتنا تھا۔ پھر کوے جتنا اس کے بعد ایک شاہین کے برابر اور پھر اتنا بڑا ہو گیا۔ جتنا کہ ابر بہار اور پھر اس نے ستاروں سے بھرپور آسمان کو ڈھانپ لیا۔

میرے دل کی گہرائیوں سے ایک پرندہ آسمان کی طرف اڑا جوں جوں وہ اڑتا گیا بڑا ہوتا گیا۔ لیکن وہ میرے دل سے نہ نکلا۔

اے میرے عقیدے اور غیر تربیت یافتہ علم! میں تیری بلندی پر کیونکہ پہنچ سکتا ہوں۔ اور انسان کی امفوق البشریت کو کیونکر آسمان پر منقوش دیکھ سکتا ہوں۔

میں اپنے دل کے سمندر کو دھند میں کیسے بدل سکتا ہوں اور اس نا قابل پیمائش خلا میں کیونکر تیرا ساتھ دے سکتا ہوں۔

ایک معبد میں قیدی معبد کے سنہری میناروں کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔

ایک پھل کے دل کو کیونکر اتنا وسیع کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ پھل کو اپنے آغوش میں لے لے۔

اے میرے عقیدے! میں چاندی اور آبنوس کی سلاخوں کے پیچھے پا بہ زنجیر ہوں اور تیرے ساتھ پرواز نہیں کر سکتا۔

پھر بھی تو میرے دل سے آسمان کی طرف اڑتا ہے۔ اور یہ میرا ہی دل ہے۔ جو تجھے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور میں اس بات پر مطمئن ہوں۔

☆☆☆☆☆

دو راستے ایک منزل

لبنان کی ایک گھاٹی میں صدیاں گزریں، دو فلسفی ملے۔

ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

''کہاں جا رہے تم؟''

دوسرا بولا

''میں شباب کے چشمے کی تلاش میں ہوں اور وہ میرے خیال میں یہیں کہیں ان پہاڑیوں سے پھوٹتا ہے۔ میں نے اس کی بابت پرانے صحیفوں میں بھی دیکھا ہے کہ وہ سورج کی طرف پھول کی طرح کھلتا ہے۔''

پہلے نے جواب دیا۔

''مگر میں تو موت کے بھید کی تلاش میں ہوں۔''

دونوں فلسفی اپنے اپنے دل میں یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ دوسرا حکمت سے بالکل بے بہرہ ہے، اور اس نظر سے کورا جو اسے ودیعت کی گئی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر اپنی برتری جتانے کے جنون میں بھڑ گئے۔

وہ ایک دوسرے کی روحانی عظمت بصیرت و بصارت کو جھٹلا رہے تھے۔

جھگڑا بڑھتے بڑھتے بات ہاتھا پائی تک پہنچی تو کہیں سے ادھر ایک ایسا دیہاتی آن نکلا، جسے اس کے گاؤں والے، سیدھا سادا، اور بیوقوف سمجھتے تھے

اس نے ان دو پڑھے لکھے عالموں کو جھگڑتے دیکھا، تو ان کی باتیں سننے کے لئے رک گیا! کچھ دیر دور کھڑا ان کی باتیں سنتے رہنے کے بعد وہ ان کے قریب آ گیا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کر کے بولا۔

''میرے دوستو، معلوم ہوتا ہے، آپ دونوں فلسفے کے ایک ہی نظریئے پر متفق ہیں۔ اور آپ دونوں کو ایک ہی چیز کی جستجو ہے۔ اگر چہ آپ دونوں نے اسے الگ نام دے رکھے ہیں۔''

آپ میں سے ایک کو چشمہ شباب کی تلاش ہے، اور دوسرے کو اسرار موت کی جستجو حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں، اور آپ دونوں کے اندر موجود الوداع میرے دوستو!

اجنبی یہ کہہ کر رخصت ہو گیا، وہ ان سے کسی قدر فاصلے پر پہنچتے ہی دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

دونوں فلسفی پل بھر، تو چپ چاپ کھڑے ایک دوسرے کو تکتے رہے اور پھر ایکا ایکی وہ بھی کھل کھلا کر ہنس پڑے!

ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

''تو کیوں نہ اب ہم ایک ساتھ تلاش شروع کریں؟''

☆☆☆☆☆

شراب کہنہ

ایک امیر وک اپنے سرد آب اور اپنی پرانی شراب پر بڑا ناز تھا۔ اس کے پاس پرانی شراب کا ایک بہت بڑا پیمانہ تھا۔ جو کسی خاص تقریب کے لئے جس کا صرف اسے ہی علم تھا۔ سرد آب میں مدتوں سے رکھا تھا! شہر کا حاکم اس کے یہاں آیا، تو اس نے سوچا۔

''پرانی شراب کا پیمانہ میں معمولی حاکم کے لئے کھول دوں۔ نہیں ہرگز نہیں!''

کلیسا کا بڑا پادری اس کی ملاقات کے لئے آیا لیکن اس نے اپنے آپ سے پھر یہی کہا۔

''نہیں وہ پیمانہ میں نہیں کھولوں گا اس پادری کو پرانی شراب کی قدر کیا معلوم اس کی تو مہک بھی اس کے نتھنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے۔''

اس ملک کا شہزادہ اس کے یہاں کھانے پر آیا، لیکن اس نے سوچا ''یہ عظیم الشان شراب اور ایک معمولی شہزادے کے پیالے میں انڈھا دوں نہیں ہرگز نہیں!''

یہاں تک کہ اپنے بھتیجے کی شادی پر جہاں بڑے بڑے رئیس و امراء مدعو تھے۔ اس نے اپنے آپ سے صرف یہی کہا۔

''نہیں، ان مہمانوں کے لئے ہرگز میں اپنی پرانی شراب کا پیمانہ نہیں کھول سکتا!''

وقت یونہی گزر گیا، اور آخر کار بوڑھا مر گیا، معمولی آدمیوں کی طرح اسے بھی خاک کے سپرد کر دیا گیا جس دن اسے دفن کیا گیا اس دن وہ قدیم پیمانہ شراب کے دوسرے مٹکوں کے ساتھ باہر لایا گیا جسے اس نواح کے دیہاتیوں نے آپس میں بانٹ لیا مگر کسی کو اس پرانی شراب کی کسی خاص خوبی کا پتہ تک بھی نہ چلا ان کے نزدیک جو کچھ بھی ساغر میں انڈھیلا جائے صرف شراب ہے!

☆☆☆☆☆

پاگل خانہ

پاگل خانے کے باغ میں، میں نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ جس کا خوبصورت چہرہ پیلا پڑا جا رہا تھا۔ جس پر تحیر کی سیاہی چڑھی ہوئی تھی! میں اس کے پاس بنچ پر بیٹھا اور میں نے پوچھا تم یہاں کیسے؟

اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا اور کہا

یہاں آپ کا یہ سوال اگرچہ بے معنی ہے

بہر حال میں جواب ضرور پیش کروں گا۔

''میرے باپ کی یہ خواہش تھی کہ میں ہو بہو اس کا نمونہ بنوں اور یہی تمنا میرے چچا کی تھی، میری ماں کی آرزو تھی، کہ میں اپنے مرحوم نانا کے نقش قدم پر چلوں اور میری ہمشیرہ اپنے بے باک ملاح خاوند کو میرے لئے بہتر نمونہ سمجھتی تھی۔ میرا بھائی سوچتا کہ مجھے اور کچھ نہیں، بس اس کی طرح ایک نامی گرامی پہلوان بننا چاہئے!''

اور یہی حال میرے اساتذہ کا تھا۔ فلسفے کے استاد، موسیقی اور منطق کے، سب کی یہی خواہش تھی اور وہ بڑی جانفشانی سے اس کوشش میں تھے کہ وہ مجھ میں اپنے جوہر اس طرح معکوس دیکھیں، جس طرح آئینہ میں اپنا عکس دیکھتے ہیں!

''اور میں یہاں اس لئے چلا آیا کہ یہاں مقابلتاً زیادہ سکون ہے۔ اور میں کم از کم میں تو بن سکتا ہوں؟''

پھر ایکا ایکی وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا ''لیکن آپ یہاں کیسے پہنچے، اونچی تعلیم یا اچھی صحت کے فیض سے؟''

میں بوکھلا سا گیا۔

''نہیں نہیں میں تو صرف ملاقاتی ہوں''

ہوں وہ بولا

میں تو سمجھا آپ ان میں سے ہیں۔ جو اس دیوار کے ادھر والے پاگل خانے میں رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

محبت یا نفرت

عورت نے مرد سے کہا

''مجھے تم سے محبت ہے''

مرد بولا

''وہ میری دلی تمنا ہے کہ میں تمہاری محبت کے قابل بن جاؤں!''

پھر عورت نے کہا

''تو کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟''

مرد نے صرف اس کی طرف دیکھا اور خاموش رہا۔

اس پر عورت نے چلانا شروع کر دیا

''مجھے تم سے نفرت ہے میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں!''

اور مرد نے کہا

''تو پھر یہ میری دلی آرزو ہے، کہ تمہاری نفرت کے قابل بن جاؤں!''

☆☆☆☆☆

تعبیر

ایک آدمی نے ایک سپنا دیکھا جب اس کی آنکھ کھلی تو اپنے خواب کی تعبیر کے لئے اپنے معبر کے پاس پہنچا معبر نے اسے کہا۔

''میرے پاس جب ایسے خواب لے کر آؤ گے، جنہیں تم نے بیداری میں دیکھا ہو تو ان کی تعبیر میں تمہیں بتا سکوں گا کیوں کہ تمہاری نیند کے سپنوں کو نہ تو میری عقل سے کوئی نسبت ہے اور نہ ہی تمہارے تخیل سے کوئی واسطہ!''

☆☆☆☆☆

مجرم

ایک نوجوان سر راہ بیٹھا، بھیک مانگ رہا تھا۔قوی الجثہ نوجوان، جسے بھوک نے بے جان کر دیا تھا، اور وہ سڑک کے موڑ پر آنے جانے والوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، منتوں سے گڑگڑا کر سوال کر رہا تھا، اپنی ذلت و بدبختی کی کہانی دہرا رہا تھا، بھوک کی تکلیفوں کا دکھڑا رو رہا تھا۔

رات نے اپنا پرچم گاڑ دیا۔نوجوان کے ہونٹ خشک ہو گئے اور زبان زخمی، لیکن ہاتھ پیٹ کی طرح خالی رہا۔

وہ اٹھا اور شہر کے باہر چلا گیا۔وہاں درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔اس کے بعد اس نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں، جن پر آنسوؤں کا پرچہ پڑا تھا۔اس عالم میں کہ بھوک اس کا کلیجہ کھرچے لیتی تھی، اس نے کہا:

''خدایا! میں سیٹھ کے ہاں کام کی تلاش میں گیا، لیکن میرے بدن پر بسیرے لگے دیکھ کر اس نے مجھے نکلوا دیا۔میں نے اسکول کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے مجھے گھسنے نہ دیا گیا، صرف دو وقت کی روٹی پر میں نے نوکری کرنی چاہی، لیکن میری بدقسمتی کہ اس سے بھی محروم رہا۔مجبور ہو کر بھیک مانگنے کی کوشش کی، لیکن یا رب! تیرے بندوں نے میری طرف دیکھا اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ'' یہ موٹا مشٹنڈا ہے ایسے ہڈحرام کو بھیک دینا جائز نہیں۔

یا رب! مجھے میری ماں نے تیرے حکم سے جنا اور اب میں تیرے وجود کی بناء پر زندہ ہوں! پھر لوگ مجھے روٹی کا ٹکڑا کیوں نہیں دیتے، جب کہ میں تیرے نام پر مانگتا ہوں۔

غم زدہ نوجوان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آنکھیں شعلوں کی طرح چمکنے لگیں۔وہ اٹھا اور خشک شاخوں میں سے ایک موٹی ٹہنی اٹھالی، پھر اس نے شہر کی طرف اشارہ کیا اور

بلند آواز سے چلایا:

''میں نے ماتھے کے پسینے کے عوض زندگی طلب کی، لیکن اسے نہ پایا، اب میں اسے اپنے بازوؤں کی قوت سے حاصل کروں گا! میں نے محبت کے نام پر روٹی مانگی، لیکن انسان نے کوئی توجہ نہ کی اب میں ظلم و سرکشی کے نام پر روٹی ہی نہیں بلکہ اور بہت کچھ اس سے لوں گا اور وہ دینے پر مجبور ہوگا!''

ایک زمانہ گزر گیا۔ نوجوان ہاروں کے لئے برابر گردنیں کاٹتا اور اپنے لالچ کے محل تعمیر کرنے کے لئے مسلسل روحوں کے ہیکل مسمار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کی دولت بے اندازہ اور شجاعت عام ہوگئی۔ ملک کے ڈاکو اس کو محبوب رکھنے لگے اور حکومت کے ارکان اس کے نام سے ڈرنے لگے۔ انجام کار بادشاہ نے اس شہر میں اسے اپنا نائب بنا دیا اور اپنے متعمدین کے حلقہ میں شامل کر کے اسے منصب امارت پر فائز کر دیا۔

اس طرح انسان اپنی کنجوسی سے مسکین کو بدمعاش اور اپنی سنگدلی سے امن پسند کو قاتل بناتا ہے!

☆☆☆☆☆

ماہ شب تاب

کس قدر حسین ہے تو! اے ماہ شب تاب!! اور کیا پیکر پاکیزگی۔

جیسے بلند آسمان کا کوئی مقدس فرشتہ نجات کی تلقین کر رہا ہو۔

اکثر پرسکوت راتوں میں جب کہ میرے خیال پر اداسی چھا جاتی ہے۔ پرفریب دنیا کی نت نئی شعبدہ بازیوں سے۔

اور میں اپنی ہستی سے بیزار ہو جاتی ہوں اور مجسم بے کس ہستی سے

تو تیری اٹھلاتی ہوئی کرنیں دریچہ سے داخل ہوتی ہیں جیسے قسمت ناکام کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے کہہ رہی ہوں۔

اور جب دامن شب کی آڑ میں دہر کے گناہوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اہرمن کے فرستادہ کائنات کے چپے چپے پر چھا جاتے ہیں اور فضا میں ایک آسیبی سا سکوت ناچتا ہے۔

تو میرا کمزور دل، اس ماحول سے دہل جاتا ہے اور تیری ہر آلودگی سے پاک، مقدس روشنی تک پہنچنے کے لئے بے قرار۔

اور کیسا طمانیت بخش ہوتا ہے وہ لمحہ! جب تیری قبائے الوہیت پر میرا لبادہ بن جاتی ہے اور تیری روحانیت مددگار۔ میں اپنے آپ کو دنیائے معصومیت میں محسوس کرتی ہوں جہاں تیری کرنیں راہبر ہوتی ہیں اور جمال بے پایاں، سامان راحت۔

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں دلچسپیوں کی کمی نہیں لیکن ماہ شب چراغ! میں ان فانی دلچسپیوں سے بے نیاز رہنا چاہتی ہوں جن کے تعاقب میں اضطراب کی لہریں ہیں اور الم کے چھینٹے۔

میرے خیالات کا لعل بے بہا تو تو ہی ہے اور زندگی کے تاریک کھنڈر کی روشنی بھی جس کی درخشانی پر امتداد زمانہ بھی اثر انداز ہونے سے معذور ہے۔

سرمایہ تسکین! جب تو شب چہار دہم کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ

نیکی کی مقدس دیوی جلوہ گر عالم بسیط ہے دہر سے گناہوں کا خاتمہ وہ گیا اور ہر چہار طرف عرفانیت کا دور دورہ ہے

تیرا جمال روح پرور! جسے دیکھ کر میری روح رقص میں آجاتی ہے تو اسی طرح اپنا روئے منور دکھایا کرتا کہ کائنات سرشار رہے تیری تقدس مآبی ہے اور الوہیت سے۔

اس عالم سفلی میں! دنیائے لایموت کی جھلک دکھانے والے ماہ، الم تاب!

☆☆☆☆☆

نغماتِ حیات

زندگی تمہارے لئے ایک بربطِ شیریں ہے۔ عزیز دوست! اور مخزنِ نغماتِ شادمانی!! جو محض ذرا سی چھیڑ پر مسرتوں کا انبار لگا دیتا ہے۔

لیکن مجھے تو یہ حاصلِ نغمہ ہائے بے کیف معلوم ہوتا ہے اور قبل از وقت بے کار۔

تم اسے سرسبز و شاداب غنچہ قرار دو لیکن میرے لئے تو ایک کملایا ہوا پھول ہے جس میں رنگ ہے اور نہ خوشبو۔

اسے اک کیف آفریں خواب نہ تصور کرو۔ اس کی تعبیر تو مایوس کن ہے اور حدِ خیال سے بڑھ کر غم آگیں۔

یہ اک شاداب کھیتی سہی لیکن ہر لمحہ ابر کو بارانِ مسرت سمجھنے والی جو اپنی آرزوؤں کو جڑ نہ پکڑتے دیکھ کر اجڑ جاتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرزوئے شگفتگی سے بے نیاز۔

وادیِ حیات دلفریب نظر آتی ہے اور تبسم سے بھی بڑھ کر حسین، جہاں چاند اپنی پوری شوخی سے چمکتا ہے۔ مسرور ستارے اس کے گرد رقص کرتے ہیں اور نیم خوابیدہ کلیوں کو نسیمِ سحر کے جھونکے دعوت دے دیتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں یہ وادی پر فریب ہے۔ ان زہریلے جھونکوں میں، کلیوں کی خوابیدگی میں مایوسی منہ چھپائے ہوئے ہے تاکہ موقع پاتے ہی اپنی آہنی گرفت میں لے لے اور یہ زندگی جسے شہد جیسے سانسوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ میرے نزدیک ایک جرعہ ہلاہل ہے جسے محض چھونا ہی سینکڑوں مصائب کا پیش خیمہ ہو۔

اے مالک! کیا اس شوریدہ بربط کا کوئی ایسا نغمہ ہے؟ جو میرے قلبِ حزیں کو ایک لمحہ سکون دے سکے اور پریشان دماغ کو طمانیت

ایک ایسا نغمہ! جو کچھ دیر کے لئے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے اور اپنی تھرتھراتی ہوئی گونج میں پوشیدہ۔

☆☆☆☆☆

نالہ بے اختیار

تم کہتے ہو کہ حوادث حیات سے ہنستے کھیلتے دن گزارنے چاہئیں۔ پر خوشی! آہ اس دہر میں خوشی ہی تو ناپید ہے۔ اک پھیکی سی مسکراہٹ بھی تو ہزاروں تلخیاں پوشیدہ کئے ہوئے ہے۔

کیا پپیہے کی پی میں گداز نہیں یا کوئل کی کوک مرقع الم نہیں۔ گرم دوپہر کو کوے کی کائیں کائیں بھی تو درد آمیز معلوم ہوتی ہے۔

یہ نیلگوں آسمان! مسکن ماہ و انجم!! کبھی تو نے اس کی سرخی خون جگر کو بھی دیکھا ہے افق کے سنہرے کناروں پر چھائی ہوئی سرخی۔

اور مہر عالم تاب! سبب درخشانی کائنات! خزاں کی دوپہر کو زرد زرد ہو جاتا ہے جیسے ناتوانی کے سمندر میں اندر ہی اندر ڈوبا جا رہا ہو۔ نغمات چنگ در باب! مجھے تو آہوکے مضراب سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اور مُیالے مُیالے بادل جو برس کے فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں جس طرح کسی دیوانے کی چیخ فضا میں کھو جائے مظلوم روحوں کے اشک خونیں ہیں جن کی نہ وقعت ہے اور نہ کچھ قیمت۔

اور پھر روتا ہوا سمندر مصروف آہ زاری لہریں! پامال سرسبزہ اور افسردہ ساکت پتے۔

مجھے کہنے دو کہ مسرت اس دہر میں کمیاب ہے اور اور سایہ ہما جیسی نایاب۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ شے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جس کا کچھ وجود ہی نہیں مسرت! خوشی!! آہ!!!

☆☆☆☆☆

نغمات پرسوز

کتنا دلریش ہے یہ سانحہ اور کیا پر درد باب!! کہ ایک خواب شیریں سہانا سپنا! شرمندہ تکمیل ہو کر رہ جائے اور تعبیر سے معذور۔

اس سے بڑھ کر بدنصیبی کی اور کیا دلیل ہے کہ کھلنے سے پیشتر ہی کوئی کلی توڑ لی جائے۔ نسیم سحر کے لطیف جھونکوں سے لطف اندوز ہونے سے قبل ہی کچل دیا جائے۔

کتنی قابل رحم ہے وہ آرزو! جو ایک عرصہ سے دل کی گہرائی میں پرورش پاتی رہے اور موقع پا کر پوری ہونے کو مچل رہی ہو لیکن بہ یک جنبش کاتب تقدیر مبدل بہ حسرت ہو کر رہ جائے۔

کس قدر دردانگیز ہے وہ منظر جب زندگی کے تار پر مسرت نغموں کی لے سے جھنجھنانے کو ہوں لیکن کسی آفت ناگہانی سے ٹوٹ کر رہ جائیں۔ فضاؤں میں منتشر ہو جائیں۔

کتنا الم ناک حادثہ ہے اور کیا واقعہ فاجعہ!! کہ جام حیات دھیرے دھیرے پر ہونے لگا ہو لیکن موت کی بے رحم انگلیاں اسے الٹ کر رکھ دیں۔ وقت سے پہلے ہی گلشن حیات کی ننھی کلی کو کاٹ لیں۔

ہر صباح نو آمدہ مجھے رنگین امیدوں کے خواب دکھائے اور خوش رنگ تمناؤں کے غنچے۔

لیکن آہ! کہ ہر آنے والی شام ان میں تہلکہ مچا دیتی جسے کسی المناک خیال سے چنچل چہرے پر مردنی چھا جائے۔

وہ چمکیلے خواب ماضی کے دھندلکے میں روپوش ہو جاتے اور بڑھتی ہوئی آرزوئیں مرہون حسرت۔

تو کیا ہر خوش آئند خواب، کسک درد جاگداز ہے اور بربادی تمنا ان کا تمہ

☆☆☆☆☆

گل خزاں رسیدہ

آفتاب کی روپہلی کرنیں ایک دلفریب انداز سے مسکرا رہی تھیں۔ ننھی ننھی کلیاں آج غنچوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ بھونرے انہیں ساکنان چمن سے واقف کر رہے تھے اور تتلیاں فرط مسرت سے چکر کاٹ کاٹ کر رہ جاتیں۔

غنچے مسرور تھے کیونکہ وہ نا آشنائے خزاں تھے اور صیاد کے نام سے بے خبر! نسیم سحر کی معمولی سی جنبش ان پر اک پر کیف لرزش طاری کر دیتی اور عندلیب خوشنوا کی آواز فرط مسرت سے گلرنگ۔

جب ان کے چہار طرف سے مسرت ہی مسرت تھی تو وہ مسرور کیوں نہ ہوتے۔

لیکن انہیں غنچوں میں ایک دہر کے المیہ کا مرقع بھی تھا۔ اس کا جگر فرط الم سے شق تھا اور پنکھڑیاں منتشر۔

آج سے ایک روز پہلے وہ اس چمن کا حسین ترین غنچہ تھا۔ بھونرے اس کے گرد بیتابی سے طواف کرتے اور آفتابی کرنیں بار بار اپنی رفاقت کا احساس دلاتیں۔

لیکن ایک شہد کی مکھی اس کی زندگی کا رس جذب کر چکی تھی۔ خوشبو نہ معلوم کہاں کھو کر رہ گئی تھی اور سرخ و سفید رنگ اب سیاہی میں تبدیل ہو رہا تھا۔

اس کا ننھا سا قلب صد چاک تھا اور روح فضاؤں میں آوارہ۔

اک دوشیزہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی باغ میں آئی ''کاش! یہ مجھے توڑ لے'' پھول نے دل ہی دل میں کہا۔ ساکنان چمن کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے سے تو یہ بہتر ہے کہ حیات کو ہی خیر باد کہہ دیا جائے۔

دوشیزہ کے ہاتھ آگے بڑھے اور پھول فرط اشتیاق سے شاخ پر کانپ رہا تھا۔

لیکن یہ کیا وہ شمعی انگلیاں تو ساتھ والے غنچوں کو توڑ رہی تھیں پھول ٹہنی پر اور بھی جھک کر رہ گیا۔ اس نے اک دلوز آہ بھری اب دو پنکھڑیاں بھی اس سے علیحدہ ہو چکی تھیں۔

''میری ہستی بے کار ہے۔غنچہ ہائے نو دمیدہ میں مجھ مردہ دیروز کا کیا کام'' اس نے رنجیدگی سے اک جھرجھری لیتے ہوئے کہا اور ہوا کا شوریدہ جھونکا اس کی باقی پتیوں کو بھی اڑا لے گیا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

جل پریاں

مشرقی جزیروں کے گرد پھیلے ہوئے سمندر کی گہرائیوں میں، جہاں بے شمار موتی ہیں، ایک نوجوان کی لاش پڑی تھی۔ پاس ہی سنہری بالوں والی جل پریاں مرجان زار میں بیٹھی اپنی حسین نیلی آنکھوں سے لاش کی طرف دیکھ دیکھ کر نغمہ آگیں لہجے میں باتیں کر رہی تھیں۔

ان کی گفتگو سمندر نے سنی، موجیں اسے ساحل تک لے گئیں اور وہاں سے ہوا کے لطیف جھونکے مجھ تک پہنچا گئے

ایک بولی:

''یہ آدمی کل اس وقت پانی میں اترا تھا، جب سمندر بپھرا ہوا تھا''

دوسری نے کہا

''سمندر تو بپھرا ہوا نہیں تھا، ہاں! انسان جو اپنے تئیں دیوتاؤں کا جوہر سمجھتا ہے ایک خوفناک جنگ میں مبتلا ہے، جس میں اب تک اتنی خوں ریزی ہو چکی ہے کہ پانی کا رنگ سرخ ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اسی جنگ کے مقتولوں میں سے ہے۔''

تیسری نے کہا:

''جنگ و نگ کو تو میں جانتی نہیں، کیا بلا ہے، ہاں! یہ جانتی ہوں کہ انسان نے خشکی پر قبضہ پر لینے کے بعد، حرص کی کہ سمندر پر بھی حکومت کرے، نت نئے آلے بنائے اور ان سے سمندروں کے سیلاب کو کاٹا، جب اس کی اطلاع نپتون پانی کے دیوتا کو ہوئی تو وہ اس دراز دستی پر بہت برہم ہوا، اور انسان کے لئے سوائے قربانی کے کوئی چارہ کار نہ رہا، جس سے وہ ہمارے بادشاہ کو رضامند کر سکتا، وہ مردہ اجسام، جنہیں ہم نے کل پانی میں گرتے دیکھا تھا، نپتون اعظم کے حضور انسان کی آخری قربانی تھے۔''

نپتون کتنا جلیل القدر مگر کتنا سنگ دل ہے، اگر میں جل رانی ہوتی تو کبھی خونی پیش

کشوں سے خوش نہ ہوتی، آؤ اس نوجوان کی لاش کو دیکھیں، ممکن ہے نوع انسانی کے متعلق کوئی بات معلوم ہو جائے!

جل پریاں نوجوان کی لاش کے قریب آئیں اور اس کی جیبیں ٹٹولنے لگیں۔ دل کے قریب جیب کے اندر ایک خط نظر آیا، ایک نے بڑھ کر اسے نکال لیا اور پڑھنے لگی:

رات آدھی گزر چکی ہے اور میں جاگ رہی ہوں، اس عالم کس مپرسی میں اگر کوئی تسلی دینے والا ہے، تو میرے آنسو، یا یہ امید کہ تم جنگ کے چنگل سے نکل کر زندہ سلامت میرے پاس آؤ گے۔

میں اب سوچ بچار کے قابل بھی نہیں رہی، اگر کچھ سوچتی بھی ہوں تو تمہارے وہ الفاظ جو چلتے وقت تم نے مجھ سے کہے تھے ''ہر انسان کے پاس آنسوؤں کی ایک امانت ہوتی ہے، جو ایک نہ ایک دن واپس کرنی ضروری ہے۔''

پیارے! سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا لکھوں؟ اپنے دل ہی کو کیوں نہ کاغذ پر نکال کر رکھ دوں۔

دل جسے بدبختی مبتلائے عذاب کرتی ہے اور درد کو لذت اور غم کو مسرت بنا دینے والی محبت، تسکین دیتی ہے۔

جب محبت نے ہمارے دلوں کو ایک کیا تھا تو ہمیں امید تھی ہمارے جسم آپس میں اس طرح گھل مل جائیں گے کہ ان دونوں میں ایک ہی روح گردش کرے گی۔

اچانک جنگ نے تمہیں پکارا تم ''فرض'' اور ''وطنیت'' کے جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

یہ کون سا ''فرض'' ہے جو وہ محبت کرنے والوں کو جدا کر دے عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دے؟

یہ کونسی ''وطنیت'' ہے جو معمولی معمولی باتوں پر شہروں کو تباہ و غارت کرنے کے لئے جنگ برپا کر دے؟

یہ کیسا ''اہم فرض'' ہے جو غریب دیہاتیوں کے لئے ناگزیر ہے مگر طاقت ور اور موروثی شریف زادے اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے؟

اگر ''فرض''، قوموں کی سلامتی کو تباہ اور ''وطنیت'' حیات انسانی کے سکون کو تباہ کر دے تو ایسے فرض اور ایسی وطنیت کو دور ہی سے سلام۔ نہیں، نہیں، میرے حبیب! تم میری باتوں کی پرواہ نہ کرو اور وطن کے لئے زیادہ سے زیادہ بہادری اور جاں نثاری کا ثبوت دو۔ اس لڑکی کی باتوں پر کان نہ دھرو، جسے محبت نے اندھا کر دیا ہے، جس کی عقل پر جدائی نے پردہ ڈال دیا ہے۔ اگر محبت نے تمہیں زندہ سلامت میرے پاس نہیں پہنچایا، تو آنے والی زندگی میں، مجھے تم سے ضرور ملا دے گی۔

جل پریوں نے وہ خط نوجوان کی جیب میں اسی طرح رکھ دیا اور غم ناک خاموشی کے ساتھ واپس ہو گئیں تھوڑی دیر جا کر، ان میں سے ایک نے کہا:

''انسان کے دل تو بتوں کے دل سے بھی زیادہ سخت ہے!''

☆☆☆☆☆

محبوبہ

اس وقت تو کہاں ہے؟ اے میری حسینہ!

کیا اپنی چھوٹی سی جنت میں ان پھولوں کا رس چوس رہی ہے، جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، جس طرح بچہ اپنی ماں کی چھاتیوں سے محبت کرتا ہے؟ یا اپنے خلوت کدہ میں ہے، جہاں تو نے پاکیزگی کے لئے ایک قربان گاہ بنائی ہے اور میری روح اور اس کی باقی ماندہ قوتوں کو اس پر بٹھا دیا ہے؟ یا اپنی کتابوں میں گم ہے جن کے ذریعہ تو حکمت انسانی سے بڑھ کر، کچھ چاہتی ہے، حالانکہ تو دیوتاؤں کی حکمت سے مالا مال ہے؟

تو کہاں ہے؟ اے میری من موہنی! کیا ہیکل میں میرے لئے عبادت کر رہی ہے؟ یا باغ میں اپنے انوکھے تصورات کی چراگاہ کے متعلق فطرت سے سرگوشیاں کر رہی ہے؟ یا غریبوں کی جھونپڑیوں میں اپنی روح کی حلاوت سے، دل شکستہ لوگوں کو تشفی دے رہی ہے اور اپنے احسان سے ان کی مٹھیاں بھر رہی ہے؟

تو ہر جگہ ہے، اس لئے، اس لئے کہ تو روح خداوندی کا ایک جزو ہے! تو ہر وقت ہے، اس لئے کہ تو زمانہ سے قوی ہے!

کیا تو ان راتوں کو یاد کر رہی ہے، جن میں ہم ایک جگہ جمع ہوئے تھے۔ تیرے نفس کی شعاعیں، ہالہ کی طرح ہمیں گھیرے ہوئے تھیں اور محبت کے فرشتے، روح کے کارناموں کا راگ گاتے ہوئے، ہمارا طواف کر رہے تھے؟

کیا تو ان دنوں کو یاد کر رہی ہے، جن میں ہم شاخوں کے سائے میں بیٹھے اور وہ ہم پر اس طرح سایہ فگن تھیں گویا ہمیں انسان کی نگاہوں سے چھپانا چاہتی ہیں، جیسے پسلیاں دل کے مقدس اسرار کو چھپائے رہتی ہیں؟

کیا تو ان راستوں اور ڈھلانوں کو یاد کر رہے ہے، جن پر ہم چلتے تھے۔ تیری انگلیاں میری انگلیوں سے اس طرح پیوست ہوتی تھیں، جیسے تیری مینڈھیوں کے

بال ایک دوسرے سے پیوست ہیں اور ہم اپنے سر اس طرح جوڑ لیتے تھے، گویا خود کو، خود سے بچانا چاہتے ہیں؟

کیا تو وہ ساعت یاد کر رہی ہے؟ جب میں تجھ سے رخصت ہونے آیا تھا اور تو نے مجھے گلے لگا کر میرا الوداعی بھوسہ لیا تھا، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ دو چاہنے والوں کے ہونٹ جب آپس میں ملتے ہیں تو ایسے بلند اسرار ظاہر ہوتے ہیں، جنہیں زبان نہیں جانتی۔ وہ بوسہ جو دہری آہ کا پیش خیمہ تھا اور وہ آہ، اس روح سے مشابہ، جسے اللہ نے مٹی میں پھونکا اور اس مٹی سے انسان بن گیا! یہی آہ ہماری عظمت نفس کا اعلان کرتی ہوئی ہمیں روحوں کی دنیا میں لے گئی، جہاں وہ اس وقت تک رہے گی جب تک ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے نہ جا ملیں۔

اس کے بعد تو نے مجھے پھر پیار کیا، پھر پیار کیا، پھر پیار کیا اور اس طرح کہ آنسو تجھے سہارا دے رہے تھے، تو نے کہا:

''اجسام کے مقاصد نا قابل اعتناء ہیں، وہ دنیوی معاملات پر قطع تعلق کر لیتے ہیں اور مادی اغراض پر لڑتے جھگڑتے ہیں، لیکن ارواح سکون و اطمینان کے ساتھ محبت کے سائے میں رہتی ہیں، یہاں تک کہ موت آتی ہے اور انہیں خدا کے حضور میں لے جاتی ہیں!''

جا! میرے حبیب! زندگی نے تجھے پکارا ہے، اس کی آواز پر جا!! کیونکہ وہ ایک حسینہ ہے، جو اپنے فرماں برداروں کو، لذت و عشرت کی کوثر کے بھرے ہوئے جام پلاتی ہے! رہی میں، سو میری بالکل فکر نہ کر، کہ تیرا عشق میرے لئے کبھی نہ جدا ہونے والا دولہا ہے اور تیری یاد کبھی نہ ختم ہونے والی مبارک شادی!

اب تو کہاں ہے؟ اے میری رفیقہ حیات! کیا تو رات کی خاموشی میں اس نسیم کے لئے جاگ رہی ہے جو تیری طرف جب کبھی جاتی ہے، میرے دل کی دھڑکنیں اور میرے سینہ کے بھید لے جاتی ہے؟ یا اپنے محبوب کی تصویر کو دیکھ رہی ہے، جو صاحب

تصویر سے بالکل نہیں ملتی، کیونکہ غم نے اس کی پیشانی کو سکیڑ دیا ہے، جو کل تیرے قرب کی وجہ سے کشادہ تھی، گریہ و زاری سے ان آنکھوں کو بے نور کر دیا ہے، جو تیرے جمال کے اثر سے سرمہ آلود تھیں اور دل کی آگ نے ان ہونٹوں کو خشک کر دیا ہے، جو تیرے بوسوں سے تر رہتے تھے۔

تو کہاں ہے؟ اے میری محبوبہ! کیا تو سات سمندر پار سے میری پکار اور نالہ و فریاد سن رہی ہے، میری ذلت و بے چارگی کو دیکھ رہی ہے، میرے صبر و تحمل کا اندازہ کر رہی ہے؟ کیا فضا میں وہ روحیں نہیں ہیں جو ایک درد و کرب سے تڑپتے ہوئے جاں بلب کے الفاظ لے جاتی ہیں؟ کیا روحوں کے درمیان وہ مخفی رشتے نہیں ہیں، جو قریب المرگ عاشق کا شکوہ اس کی محبوبہ تک پہنچا سکیں؟

تو کہاں ہے؟ میری زندگی! ظلمت نے مجھے اپنی آغوش میں کھینچ لیا ہے اور مایوسی مجھ پر غالب آ گئی ہے!!

فضا میں مسکرا کہ مجھ میں حرکت پیدا ہو! ایتھر میں سانس لے کہ میں پھر زندہ ہو جاؤں!!

تو کہاں ہے؟ میری محبوبہ! تو کہاں ہے؟؟

آہ! کتنی عظمت مآب ہے محبت اور کتنا بے بضاعت ہوں میں!!

☆☆☆☆☆

محبت کی کہانی

ایک نوجوان، جس نے ابھی صبح زندگی میں قدم رکھا تھا، اپنے تنہا مکان میں بیٹھا، کبھی کھڑکی میں سے تاروں بھرے آسمان کو دیکھتا اور کبھی نوخیز حسینہ کی تصویر کو، جو اس کے ہاتھ میں تھی تصویر، جس کے خطوط اور رنگ اس کے چہرہ پر منعکس ہو کر، اس عالم کے اسرار اور ابدیت کے رموز کے انکشاف کا سبب بن رہے تھے ایک عورت کے خدوخال کے نقوش، جو اس کی آنکھوں کو کان بنا کر، ان سے سرگوشیاں کر رہے تھے ایسے کان بنا کر، جو اس کمرہ کی فضا میں منڈلاتی ہوئی روحوں کی زبان سمجھتے تھے اور اپنے مجموعی اثر سے ایسے دل وجود میں لا رہے تھے، جو محبت سے روشن تھے اور شوق سے لبریز!

ایک گھنٹہ اس طرح گزر گیا، گویا وہ دلکش خوابوں کا ایک لمحہ ہے یا بقا کی زندگی کا ایک سال۔ نوجوان نے وہ تصویر اپنے سامنے رکھی اور کاغذ و قلم لے کر لکھنا شروع کیا:

''میری روح کی محبوبہ!''

وہ بڑی بڑی حقیقتیں، جو ماورائے فطرت ہیں، عام انسانی کلام کے ذریعہ ایک انسان سے دوسرے انسان کی طرف منتقل نہیں ہوتیں لیکن وہ دو روحوں کے درمیان خاموشی کو اپنے لئے راستہ بنا لیتی ہیں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس رات کی خاموشی ہم دونوں کے درمیان گرم رفتار ہے، اس کے ہاتھ میں وہ خطوط ہیں، جو سطح آب پر موج نسیم کی لکھی ہوئی تحریروں سے زیادہ نرم و نازک ہیں اور وہ ہمارے دلوں کے مکتوب ہمارے دلوں کو پڑھ کر سنا رہی ہے۔

لیکن جس طرح خدا نے چاہا اور روح کو جسم کے قید خانہ میں مقید کر دیا، اسی طرح محبت نے چاہا اور مجھے کلام کا اسیر کر دیا۔

میری محبوبہ! لوگ کہتے ہیں! ''محبت اپنے حلقہ بگوش کے لئے ہلاکت آفریں آگ

بن جاتی ہے'' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ فراق کی گھڑیاں ہماری ذات معنوی کو جدا کرنے پر قادر نہ ہوسکیں۔ جس طرح پہلی ملاقات کے وقت مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ میری روح تجھے ہمیشہ سے جانتی ہے اور تیرے چہرہ پر یہ میری پہلی نظر درحقیقت پہلی نظر نہیں ہے۔

میرے دل کی ملکہ! وہ ساعت، جس نے ہمارے دلوں کو عالم علوی سے نکالے ہوئے دلوں کو ایک جگہ جمع کیا، ان چند ساعتوں میں سے ایک ساعت ہے، جس نے نفس کے ازلی اور ابدی ہونے پر میرے اعتقاد کو پختہ کیا۔ اس قسم کی ساعت میں فطرت اپنے انتہائی عدل کے چہرہ سے نقاب اٹھاتی ہے۔ جسے عام طور پر ظلم سمجھا جاتا ہے!

میری پیاری! تجھے وہ باغ یاد ہے، جہاں کھڑے ہوکر ہم اپنے اپنے محبوب کا چہرہ دیکھتے تھے؟ تجھے معلوم ہے! تیری نگاہیں مجھ سے کہتی تھیں کہ تجھے جو محبت مجھ سے ہے، وہ مجھ پر تیری مہربانی کا نتیجہ نہیں ہے؟ وہ نگاہیں جنہوں نے مجھے بتایا کہ میں خود سے اور دنیا والوں سے کہوں: ''وہ عطا، جس کا سرچشمہ عدل ومساوات ہو، اس بخشش سے کہیں بہتر ہے، حسن جو دلکشی پر مبنی ہو، جو ہڑوں کے گندے پانی سے مشابہت رکھتی ہے!''

میری جان! میرے سامنے جو زندگی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے عظمت و جمال کا مرقع دیکھوں۔ وہ ایک ایسی زندگی ہو، جو آنے والے انسان کے تصور سے پیمان اخوت باندھے اور اس کے اعتبار و محبت کی طالب ہو۔ ہاں! میں وہ زندگی چاہتا ہوں جس کا آغاز اس وقت ہوا تھا، جب میں تجھ سے پہلی مرتبہ ملا تھا اور جس کے غیر فانی ہونے کا مجھے کامل یقین ہے۔ اس لئے کامل یقین ہے کہ تیرے وجود کے متعلق میرا یہ ایمان ہے کہ وہ میری اس وقت کو، جو اللہ نے مجھ میں ودیعت کی ہے، مہتمم بالشان اقوال و اعمال کی صورت میں نمایاں کرسکتا ہے، جس طرح سورج باغ کے

خوشبودار پھولوں کو زمین سے نمودار کرتا ہے۔

اپنی ذات اور قوموں سے میری یہ محبت یونہی رہے گی۔ وہ اپنی ہمہ گیری کے لئے اسی طرح انانیت سے پاک اور تجھ سے خصوصیت کی بنا پر اسی طرح اتبذل سے بلند رہے گی۔

نوجوان اٹھا اور آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے بعد اس نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ چاند افق کے پیچھے سے طلوع ہو رہا ہے اور فضا اس کی لطیفت شعاعوں سے روشن کرتا ہے۔ وہ لوٹا اور اپنے خط میں یہ سطریں بڑھا دیں:

''میری پیاری! مجھے معاف کر! کہ میں نے غیر کی طرح تجھے مخاطب کیا ہے، حالانکہ تو میرا وہ نصف جمیل ہے، جسے میں نے اس وقت کھو دیا تھا، جب ہم دونوں ایک ہی وقت میں دست خداوندی سے نکلے تھے مجھے معاف کر! میری محبوبہ!''

☆☆☆☆☆

حکمت کی زیارت

رات کی خاموشی میں حکمت آئی اور میرے پلنگ کے پاس کھڑی ہوگئی ایک شفیق ماں کی طرح اس نے میری طرف دیکھا اور میرے آنسو پونچھ کر بولی:

''میں نے تیری روح کی پکار سنی اور تیری تشفی کے لئے آ گئی۔ اپنا دل میرے سامنے کھول! تا کہ میں اسے نور لبریز کر دوں۔ میرا دامن تھام! تا کہ میں تجھے حقیقت کا راستہ دکھاؤں۔''

میں نے پوچھا:

'' اے حکمت ! میں کون ہوں؟ اور اس خوفناک مقام پر کیسے آ پہنچا ہوں؟..... یہ اہم خواہشیں، یہ کثیر التعداد کتابیں اور یہ عجیب وغریب تصویریں کیا ہیں؟..... یہ افکار کیا ہیں، جو کبوتروں کے جھلڑ کی طرح پھڑ پھڑاتے گزر جاتے ہیں؟..... یہ کلام کیا ہے، جسے میلان مرتب کرتا اور لذت منتشر کر دیتی ہے؟..... یہ غم آفریں وفرحت نتائج کیا ہیں، جو میری روح سے ہمکنار اور میرے دل کے لئے ہوش ربا ہیں؟..... یہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والی آنکھیں کیا ہیں، جو میری گہرائیوں کو دیکھ رہی ہیں اور میرے آلام کی طرف سے بند ہیں؟..... یہ میری زندگی پر ماتم کرنے والی آوازیں کیا ہیں جو میری بے بضاعتی پر مترنم ہیں؟..... یہ میری تمناؤں سے کھیلنے والا شباب کیا ہے؟ جو میرے جذبات کا مذاق اڑاتا ہے، ماضی کے افعال اعمال کو بھلا دیتا ہے، حال کی بے کیفی پر مسرور ہے اور مستقبل کی سست قدمی پر ناک بھوں سکیڑتا ہے؟..... یہ عالم کیا ہے، جو مجھے ایسی جگہ لے جا رہا ہے، جسے میں نہیں جانتا، اور جو میرے ساتھ مقام ذلت پر کھڑا ہے؟..... یہ زمین کیا ہے، جو اجسام کو نگل جانے کے لئے منہ کھولے ہوئے ہے اور جس نے حرص وطمع کو آباد کرنے کے لئے اپنا سینہ چیر دیا ہے؟..... یہ انسان کیا ہے، جو سعادت وکامرانی کی

محبت پر راضی ہے، حالانکہ اس کی محبت دوزخ کے انتہائی حلقہ تک نہیں پہنچتی، جو بوسہ حیات کا طالب ہے اور موت اس کی منہ پر طمانچے مار رہی ہے، جو لذت کے ایک لمحہ کے لئے ندامت کا ایک سال خرید رہا ہے، جو نیند کے ہاتھ بک چکا ہے اور خواب اسے بلا رہے ہیں، جو نادانی و جہالت کی نہروں کے ساتھ ظلمت کی خلیج کی طرف لے جا رہا ہے؟..... یہ تمام چیزیں کیا ہیں؟ اے حکمت!''

حکمت نے جواب دیا:

''اے آدم زاد! تو اس دنیا کو اللہ کی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے، آنے والے زمانے کے بھیدوں کو انسانی فکر کے ذریعہ سمجھنا چاہتا ہے اور یہ حماقت کی انتہا ہے۔ جنگل میں جا! تو شہد کی مکھی کو پھولوں پر بھنبھناتے اور عقاب کو شکار پر منڈلاتے دیکھے گا۔ اپنے ہمسائے کے گھر میں داخل ہو کر دیکھے تو بچہ کو آگ کے شعلوں سے گھبراتے اور ماں کو گھر کا کام کاج کرتے پائے گا۔''

شہد کی مکھی کی مثال ہو جا اور بہار کے دن عقاب کے اعمال دیکھنے میں برباد نہ کر..... بچہ کی مثال ہو جا اور اپنی ماں کو اس کے حال پر چھوڑ کر آگ کے شعلوں سے فرحت حاصل کر!

جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ تیرے ہی لئے تھا اور تیرے ہی لئے ہے، یہ کثیر التعداد کتابیں یہ عجیب و غریب تصویریں اور یہ حسین و جمیل افکار، ان لوگوں کی پرچھائیاں ہیں، جو تجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ کلام، جسے تو مرتب کرتا ہے، تیرے اور تیرے بھائی..... بنی نوع انسان کے درمیان رشتہ اتحاد ہے، یہ غم آفریں اور فرحت بخش نتائج، وہ بیج ہیں، جنہیں ماضی نے روہ کے کھیت میں بویا ہے اور جن کا ثمر مستقبل حاصل کرے گا۔

..... یہ تیری تمناؤں سے کھیلنے والا شباب، تیرے دل کے دروازہ کو کھولنے والا ہے تاکہ اس میں نور داخل ہو سکے۔ یہ منہ کھولے ہوئے زمین،

وہ ہے جو تیری روح کو تیرے جسم کی غلامی سے نجات دلائے گی۔ یہ تجھے اپنے ساتھ لے جانے والا عالم تیرا دل ہے اور تیرا دل وہ سب کچھ ہے، جسے تو عالم سمجھتا ہے اور یہ انسان، جو تجھے حقیر و جاہل نظر آ رہا ہے، وہ ہے، جو غم سے خوشی کی ظلمت سے معرفت کی تعلیم حاصل کرنے، ارضِ خداوندی سے آیا ہے.....

حکمت نے اپنا ہاتھ مبری بھڑکتی ہوئی پیشانی پر رکھا اور کہا:

'' آگے بڑھ اور کہیں منزل نہ کر! کہ آگے بڑھنے کا دوسرا نام کمال ہے.....بڑھ اور راستہ کے کانٹوں سے نہ ڈر! کہ یہ کانٹے فاسد خون نکالنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے!!''

☆☆☆☆☆

عورت کی عظمت

میں نے ایسا ایک نوجوان دیکھا، جو زندگی کی راہوں میں گم، شباب کے اثرات سے مغلوب اور اپنی خواہشوں کا اصلی سبب معلوم کرنے کے لئے مرا جاتا تھا، ایک نرم و نازک پھول پایا، جسے تند ہوائیں لایعنی تمناؤں کے اتھاہ سمندر کی طرف لٹائے لئے جارہی تھیں۔

''میں نے اس گاؤں میں ایک شریر لڑکا دیکھا، جو پرندوں کے گھونسلے برباد کر کے ان کے بچوں کو مار ڈالتا تھا، پھولوں کی نازک پنکھڑیوں کو روند کر ان کے حسن و دلکشی کو غارت کر دیتا تھا۔ مدرسہ میں ایک نوجوان پایا، جسے لکھنے پڑھنے سے کوئی سروکار نہ تھا، جو خاموشی کا دشمن اور بدتمیزوں کی پوٹ تھا، اور شہر میں ایک کڑیل نوجوان دیکھا، جو گھناؤنے بازاروں میں آبائی شرافت کا سودا کرتا پھرتا تھا، ننگ و ذلت کے شبستانوں میں دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتا تھا اور جس نے اپنی عقل بنت زر کے حوالے کر دی تھی۔''

لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود میں اس سے محبت کرتا تھا ایسی محبت، جس میں افسوس کے ساتھ ہمدردی شامل تھی۔ میں اسے چاہتا تھا، اس لئے کہ یہ تمام بری عادتیں طبعی نہیں، اس کی کمزور اور مایوس فطرت کا نتیجہ تھیں۔

لوگو! نفس انسانی بجز و اکراہ عقل و حکمت کی راہوں سے ہٹتا ہے اور خوشی خوشی ان کی طرف لوٹتا ہے۔ جوانی کی آندھیاں گرد و غبار کو اپنے دامن میں لے کر اٹھتی ہیں، جو آنکھوں میں گھس کر انہیں بند کر دیتا ہے اندھا کر دیتا ہے، اور بسا اوقات ایک طویل مدت کے لئے اندھا کر دیتا ہے۔

میں اس نوجوان سے محبت کرتا تھا اور میرے دل میں اس کے لئے خلوص بے انتہا خلوص تھا، کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ اس کا ضمیر کا کبوتر اس کی بداعمالیوں کے گدھ پر غالب آنا چاہتا ہے لیکن مغلوب ہو جاتا اپنی بزدلی کی بناء پر نہیں انہیں دشمن کی قوت

کی وجہ سے!

ضمیر ایک انصاف پسند مگر کمزور قاضی ہے، جس کی کمزوری اس کی حکم جاری کرنے کی راہیں روکے کھڑی ہیں۔

میں نے کہا: میں اس سے محبت کرتا تھا اور محبت مختلف بھیس بدل کر آتی ہے کبھی حکمت کے بھیس میں، کبھی انصاف کے بھیس میں اور کبھی امید کے بھیس میں! مجھے اس سے جو محبت تھی، وہ اس آرزو کے بھیس میں تھی کہ اس کے آفتاب فطرت کی روشنی اس کی عارضی بدعنوانیوں کی ظلمت پر غالب آ جائے، لیکن میں اس سے نا آشنائے محض تھا کہ اس کی آلودگی پاکیزگی سے، بداخلاقی خوش اخلاقی اور جہالت عقلمندی سے کب اور کیوں کر بدلے گی؟ انسان نہیں جانتا کہ روح مادہ کی قید و بند سے کس طرح آزاد ہوتی ہے؟ جب تک وہ آزاد نہ ہو جائے! اسے معلوم نہیں کہ پھول کیوں کر مسکراتے ہیں؟ جب تک ملکہ سحر اپنے روشن چہرہ سے نقاب نہ الٹ دے!

☆☆☆☆☆

دن رات کے کندھوں پر سوار ہو کر گزرتے رہے۔ میں اس نوجوان کو رنج والم کے انتہا احساس کے ساتھ یاد کرتا تھا اور ان ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ اس کا نام لیتا تھا، جو دل میں زخم ڈال ڈال کر اس کا خون کئے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ کل مجھے اس کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا!

"پیارے دوست! میرے پاس آ جاؤ! میں تمہیں ایک نوجوان سے ملانا چاہتا ہوں، جسے دیکھ کر تمہارا دل خوش ہوگا اور جس سے مل کر تمہاری روح مسرور!"

میں نے کہا "افسوس! کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی دوستی کی غم آفرینیوں کو اپنی ہی جیسی ایک اور دوستی سے گنا کر دے؟ کیا وہ خود ضلالت و گمراہی کے متن کی تشریح و تعریف کے سلسلہ میں کافی مثال نہیں ہے؟ اور کیا اب اس کی خواہش یہ ہے کہ اس مثال پر

اپنے دوستوں کے حالات کا حاشیہ چڑھائے تا کہ ماضی کی کتاب کا کوئی حروف میری نگاہوں سے اوجھل نہ رہ جائے؟''

میرے خیالات کا رخ بدلا: ''لیکن مجھے جانا چاہئے! کہ نفس اپنی حکمت سے کام لے کر، کانٹوں سے پھول چن لیتا ہے اور دل اپنی محبت کے بل پر تاریکی کے سینہ سے نور کھینچ لیتا ہے۔''

جب شام ہوئی تو میں اس سے ملنے گیا اور دیکھا کہ وہ اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھا، کوئی دیوان پڑھ رہا ہے کتاب اس کے ہاتھ میں دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا، اور میں نے سلام کر کے اس سے پوچھا:

''وہ نئے دوست کہاں ہیں؟''

اس نے جواب نہ دیا:

وہ خاموشی سے بیٹھا رہا، جو میرے لئے ایک بالکل نئی چیز تھی، اور میری طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب نور تھا، جو سینہ کو چیر کر جسم کی ہر رگ اور ہر ریشہ کو اپنے حلقہ میں لے رہا تھا۔ وہ آنکھیں، جنہیں میں نے جب دیکھا، درشتی و سنگدلی کے سوا ان میں کچھ نہ پایا، اب ان سے وہ روشنی پھوٹ رہی تھی جو دل کو لطف و مہربانی سے لبریز کئے دیتی تھی۔ آخر کار اس نے ایک ایسی آواز میں، جسے میں یہ سمجھا کہ اس کے حلق سے نہیں، کسی اور کے حلق سے نکال رہی ہے، کہا:

''وہ شخص، جسے تم بچپن میں جانتے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں جس کی تم نے رفاقت کی اور جوانی میں جس کے تم ساتھ ساتھ رہے، اب مر چکا ہے اور اس کی موت سے میں پیدا ہوا ہوں۔ میں تمہارا نیا دوست ہوں، مجھ سے ہاتھ ملاؤ!''

میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں ایک لطیف روح ہے، جو خون کے ساتھ گردش کر رہی ہے وہ سخت اور کھردرا ہاتھ اب نرم و نازک ہو گیا تھا، وہ انگلیاں، جو اپنے اعمال کی بنا پر کل تک چیت کے پنجہ سے مشابہ تھیں

آخر اپنی رقت و لطافت کی بنا پر دل کو مس کر رہی تھیں۔ کاش! میں اپنی بات کی غرابت کا خیال کر سکتا! میں نے اس سے پوچھا! ''تم کون ہو؟ یہ تبدیلی تم میں کیسے اور کہاں پیدا ہوئی؟ کیا روح نے تمہارے جسم کو عبادت کدہ بنا کر تمہیں مقدس کر دیا ہے، یا تم میرے سامنے کسی شاعرانہ دور کی تمثیل پیش کر رہے ہو؟''

اس نے جواب دیا:

''ہاں! میرے دوست! روح نے مجھ میں نزول فرما کر مجھے پاک کر دیا ہے اور عظیم الشان محبت نے میرے دل کو مقدس قربان گاہ بنا دیا ہے۔ وہ عورت ہے، میرے دوست!''

وہ عورت ہے، جسے کل میں مرد کو کھلانا سمجھتا تھا لیکن آج اس نے مجھے جہنم کی تاریکی سے نکال کر جنت کے دروازے میرے لئے کھول دیئے اور میں اس میں داخل ہو گیا۔

وہ حقیقی عورت، جو مجھے اپنی محبت کے عشرے کدہ میں لے گئی اور میرے لئے سہارا بنی!

وہ عورت جس کی بانہوں کو میں نے اپنی جہالت سے ذلیل کیا، لیکن اس نے مجھے تخت عظمت پر بٹھا دیا۔

وہ عورت، جس کی ہم چشموں کو میں نے اپنی نادانی سے خراب کیا لیکن اس نے اپنی محبت سے مجھے، پاک کر دیا۔

وہ عورت، جس کی ہم جنسوں کو میں نے اپنی دولت سے اپنا غلام بنایا، لیکن اس نے اپنے حسن و جمال کا نور مجھ پر برسا کر مجھے آزاد کر دیا۔

وہ عورت جس نے اپنی قوت ارادی اور آدم کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے جنت سے نکلوایا آج اپنی مہربانی اور میری اطاعت کے زیر اثر مجھے اسی جنت میں لے گئی۔

اس وقت میں نے اس کی طرف دیکھا: آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی اور محبت کی شعاعوں کا تاج اس کے سر پر رکھا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور از راہ برکت طلبی اس کی پیشانی کو بوسہ دیا جس طرح کاہن قربان گاہ کے صحن کو بوسہ دیتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے رخصت چاہی اور اس کا یہ فقرہ دل ہی دل میں دہراتا ہوا واپس آ گیا۔ وہ عورت، جس نے اپنی قوت ارادی اور آدم کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے جنت سے نکلوایا، آج اپنی مہربانی اور میری اطاعت کے زیر اثر مجھے اسی جنت میں لے گئی۔

☆☆☆☆☆

انسان کی تکمیل

اور خداؤں کے خدا نے اپنی ''ذات'' سے ایک ''روح'' علیحدہ کر کے اسے حسن و جمال عطا فرمایا، پھر نسیم سحر کی نرمی، گل ہائے چمن کی خوشبو اور نور قمر کی لطافت۔

اس کے بعد، اسے عشرت کا ایک جام دیا اور کہا:

''یہ تو اس وقت پینا، جب غم دیروز سے غافل اور ''فکر فردا'' سے بے نیاز ہو جائے!''

پھر غم کا ایک جام دیا اور کہا:

''اس کے پینے سے زندگی کی مسرتوں کا راز تیری سمجھ میں آ جائے گا!''

پھر اس میں وہ محبت پیدا کی، جو کم حوصلگی کی پہلی آہ کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے، اور وہ رس، جو غرور کے پہلے بول کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے

پھر اس پر آسمانی علم اتارا، جو سچائی کے راستوں کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہے، اس کی گہرائیوں میں ایک بصیرت پیدا کی جو غیر مرئی چیزوں کو دیکھتی ہے اور اس میں ایک جذبہ ودیعت کیا، جو خیالات کے ساتھ بہتا اور تصورات کے ساتھ چلتا ہے۔

پھر اسے تمنا کا لباس پہنایا ہے، جسے فرشتوں نے قوس قزح کی لہروں سے بنا تھا۔

اس کے بعد اس میں حیرت کی تاریکی پیدا کی اور وہ نور کا سایہ ہے!

اور خداؤں کے خدا نے قہر و غضب کی بھٹی سے ''آگ'' جہالت کے صحراؤں سے ''ہوا'' اپنائیت کے ساحل سمندر سے ''ریگ'' اور زمانے کے قدموں تلے سے ''مٹی'' اور ان سب کے امتزاج سے انسان کو پیدا کیا۔

پھر اسے ایک اندھی قوت عطا کیا، جو ''جنون'' کے وقت بھڑک اٹھتی اور خواہشوں کے سامنے بجھ جاتی ہے۔

اور کے بعد اس میں زندگی پیدا کی اور وہ موت کا سایہ ہے! خداؤں کا خدا پہلے ہنسا، پھر رو دیا، اس نے محبت کا بے پایاں جذبہ محسوس کیا پھر انسان اور اس کی روح کو آپس میں ملا دیا۔

☆☆☆☆☆

رفیقہ حیات

پہلی نظر

یہ وہ ساعت ہے، جو زندگی کی بے خبری اور ہوشیاری کے درمیان خط فاصل ہے۔ یہ وہ اولین شعلہ ہے، جو زندگی کی خلاؤں کو روشن کر دیتا ہے۔ یہ سرور قلب انسانی کے پہلے تار کی طلسمی جھنکار ہے۔ یہ وہ مختصر سا لمہ ہے، جو گوش روہ میں بیتے ہوئے دنوں کے واقعات دہراتا ہے، اس کی بصارت پر اعمال شب واضح کرتا ہے، اس کی بصیرت کو اس دنیا کے وجدانی کارناموں سے آگاہی بخشتا ہے اور آنے والے عالم کی دائمی زندگی کا راز اس پر فاش کرتا ہے۔ یہ وہ بیج ہے جسے عشروت سے بلندی سے پھینکتی ہے اور آنکھیں دل کے کھیت میں ڈال دیتی ہیں۔ جذبات اس بیج کو سینچتے ہیں اور روح اس کے پھل کھاتی ہے۔

محبوبہ کی پہلی نظر اس روح سے مشابہ ہے، جو اتھاہ سمندر کی سطح پر منڈلایا کرتی تھی اور جس سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں۔

رفیقہ حیات کی پہلی نظر خدا کے قول ''کن'' کن مانند ہے!

پہلا بوسہ

یہ اس جام کا پہلا گھونٹ ہے، جسے دیوتاؤں نے محبت کی شراب سے لبریز کیا تھا یہ شک ..... جو دل کو بہکا سکھا کر اسے غم گین کرتا ہے ..... اور یقین ..... جو دل کی خلاؤں کو پر کر کے اسے مسرت بخشتا ہے ..... کے درمیان حد فاصل ہے۔ یہ روحانی زندگی کے قصیدہ کا مطلع اور معنوی انسان کی داستان حیات کا پہلا باب ہے۔ یہ وہ حلقہ ہے، جو ماضی کے دھندلکے کو مستقبل کی روشنی سے ہم رشتہ اور احساسات کی خاموشی کو ان کے نغموں سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے چار ہونٹ، دل کے تخت، محبت کے بادشاہ اور وفا کے تاج ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ لطیف لمس ہے،

جو گلاب کی پتیوں پر سے، نسیم کی انگلیوں کے گزرنے سے مشابہت رکھتا ہے.....وہ انگلیاں جن کی گرفت میں طویل و لذیذ آہیں اور مخفی و شیریں کراہیں ہیں۔ یہ ان طلسمی لرزش کا آغاز ہے، جو دو چاہنے والوں کو اس جہاں آب و گل سے نکال کر، وحی اور خوابوں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ یہ گل لالہ کا گل انار سے اتحاد، اور ایک تیسرے، نئے وجود کے لئے ان کا باہمی ازدواج ہے۔

اگر پہلی نظر اس بیج سے مماثلت رکھتی ہے، جسے محبت کی دیوی قلب انسانی کے میدان میں ڈالتی ہے، تو پہلا بوسہ شجر حیات کی پہلی شاخ کے کنارے کے، پہلے پھول سے مشابہت رکھتا ہے۔

وصال

یہاں محبت زندگی کے منتشر اجزا کو جمع کرنا شروع کرتی ہے اور مطالب زندگی کے زیر اثر، ان صورتوں کی شکل میں نمو پاتی ہے جنہیں دن خوشی آوازی کے ساتھ پڑھ اور راتیں ترنم سے دہراتی ہیں۔

یہاں شوق زمانہ گزشتہ کی چستانوں سے مشکلات کے پرچے اٹھاتا ہے اور لذتوں کے اجزاء سے وہ سعادت پیدا کرتا ہے، جس پر کسی کو امتیاز حاصل نہیں، سوائے نفس کی سعادت کے، جب وہ اپنے پروردگار سے ہم آغوش ہو جائے!

وصال، زمین پر یک تیسری الوہیت کو وجود پذیر کرنے کے لئے دو الوہیتوں کا اتحاد ہے۔ وہ کمزور زمانہ کے بغض و عناد کا مقابلہ کرنے کے لئے، دو طاقتور ہستیوں کا اپنی محبت کے ذریعہ پیمان ہمدوشی ہے وہ قرمزی شراب میں زرد شراب کی آمیزش ہے تا کہ اس سے وہ نارنجی شراب وجود میں آئے، جو شفق صبح کے رنگ سے ملتی جلتی ہے وہ دو روحوں کی نفرت سے نفرت اور دو نفوس کا اتحاد سے اتحاد ہے۔ وہ اس زنجیر کی سنہری کڑی ہے، جس کا پہلا سرا نگاہ ہے اور آخری سرا سرمدیت۔ وہ پاک آسمان سے فطرت کی مقدس زمین پر شفاف بادلوں کی تراوش ہے تا کہ کھیتوں کی مبارک

قوتیں ابھریں۔

اگر محبوبہ کے چہرے پر پہلی نگاہ اس بیج کی مثال ہے، جسے محبت دل کے کھیت میں ڈالتی ہے اور اس کے لبوں کا پہلا بوسہ شاخ حیات کے پہلے پھول کی مانند، تو اس کا وصال پہلے بیج کے پہلے پھول کا پہلا پھل ہے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اے ملامت کار

اے ملامت کار! مجھے تنہا چھوڑ دے!

میں تجھے اس محبت کی قسم دیتا ہوں! جو تیری روح کو تیری محبوبہ کے جمال میں جذب کرتی ہے، تیرے دل کو تیری ماں کی شفقت کی زنجیر میں جکڑتی ہے اور تیرے پدرانہ جذبات تیرے بیٹے سے وابستہ کرتی ہے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دے!!

مجھ سے اور میرے خوابوں سے کوئی واسطہ نہ رکھ اور کل تک کے لئے صبر کر! کل جو چاہے گا، میرے متعلق فیصلہ کر دے گا!

تو نے نصیحتوں سے اپنا خلوص ظاہر کیا، لیکن نصیحت ایک سایہ ہے جو روح کو حیرت کے سبزہ زار میں لے جاتا ہے، اس مقام کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے، جہاں زندگی مٹی کی رح جامد ہے!

میرا دل چھوٹا سا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے سینہ کی تاریکی سے نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھوں، اور اس کی گہرائیوں کا اندازہ کروں، اس کے اسرار کا کھوج لگاؤں! اس لئے اے ملامت کار! اپنے اعتقادات کے تیروں سے اس کی نگرانی نہ کر! اسے خوف زدہ کر کے پسلیوں کے پنجرہ میں چھپے رہنے پر مجبور نہ کر! جب تک کہ وہ اپنے اسرار کا خون نہ بہا لے، اپنا وہ فرض ادا نہ کر لے جو دیوتاؤں نے، اسے حسن و محبت کی آمیزش سے پیدا کرتے وقت اس کے ذمہ عائد کیا تھا۔

سورج نکل آیا اور بلبل ہزار داستاں چہکنے لگی۔ آس اور مشک کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ نیند کے لحاف سے نکل کر سفید بھیڑ کے بچوں کے ساتھ چلوں! اس لئے اے ملامت کار! تو مجھے نہ روک! جنگل کے شیروں اور وادی کے سانپوں سے مجھے نہ ڈرا! کہ میری روح خوف کو نہیں جانتی اور کسی برائی سے پیش از وقت نہیں ڈرتی۔

اے ملامت کار! مجھے چھوڑ دے اور نصیحت نہ کر! اس لئے کہ مصائب نے میری

چشم بصیرت کو وا کر دیا ہے۔ آنسوؤں نے میری بصارت کو چمکا دیا ہے اور غم نے مجھے دلوں کی زبان دکھا دی ہے۔

ممنوعات کا ذکر چھوڑ! کہ میرے ضمیر کی عدالت مجھ پر منصفانہ احکام صادر کرتی ہے۔ اگر میں بے گناہ ہوں گا، تو وہ مجھے سزا سے بچائے گی اور اگر مجرم ہوں گا، تو ثواب سے محروم کر دے گی۔

دیکھ! محبت کا جلوس جا رہا ہے، حسن اپنے جھنڈے بلند کئے اس کے ساتھ ہے اور جوانی خوشی کے بگل بجا رہی ہے!! مجھے نہ روک! اے ملامت کار! بلکہ جانے دے!! کہ راستوں پر گلاب اور چنبیلی کے پھول بچھے ہیں اور فضا مشک کی خوشبو سے بسی ہے۔

دولت کی کہانی اور عظمت کے قصے مجھے نہ سنا! کہ میرا نفس اپنی قناعت کی بنا پر بے نیاز اور دیوتاؤں کی عظمت و بزرگ کی پرستش میں محو ہے!

سیاست کی باتوں اور اقتدار کی خبروں سے مجھے معاف رکھ! کہ ساری زمین میرا وطن اور تمام انسان میرے ہم وطن ہیں۔

☆☆☆☆☆

بارگاہ جمال

میں اجتماعی زندگی سے بھاگا اور وسیع وادی میں بھٹکنے لگا۔ کبھی تو میں نہر کے کنارے کنارے چلنے لگتا اور کبھی چڑیوں کی چہکار سننے لگتا، یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچا، جسے گھنے درختوں نے سورج کی نگاہوں سے محفوظ کر رکھا تھا۔ وہاں بیٹھ کر میں اپنی تنہائی سے باتیں اور روح سے سرگوشیاں کرنے لگا اس پیاسی روح سے، جس نے جہاں نظر ڈالی، اس شے کو دیکھا، جو شراب نہیں، سراب نظر آتی ہے۔

جب میرا ذہن مادی قیود سے آزاد ہو کر فضائے خیال میں پرواز کرنے لگا تو میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا! ایک نوخیز حسینہ میرے پاس کھڑی تھی وہ نوخیز حسینہ، جو انگور کی شاخوں کے سوا جن سے اس کے جسم کا کچھ حصہ چھپ گیا تھا ہر قسم کے لباس اور زیور سے بے نیاز تھی، جس کے سنہری بالوں کو گل لالہ کے تاج نے سمیٹ رکھا تھا۔

جب اسے میری نگاہوں سے یہ معلوم ہوا کہ میں حیرت کا شکار ہوں تو بولی:

''ڈرو نہیں! میں جنگل کی شہزادی ہوں!''

اس کے لہجہ کی شیرینی نے مجھ میں کچھ ہمت پیدا کی اور میں نے کہا:

''کیا تم جیسی حسین شخصیت جنگل میں رہ سکتی ہے، جو تنہائی اور درندوں کا مسکن ہے؟ تمہیں اپنی زندگی کا واسطہ! مجھے سچ سچ بتاؤ! تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟''

وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور کہا:

''میں فطرت کا راز ہوں! میں وہ دوشیزہ ہوں، جس کی پرستش تمہارے آباؤ اجداد کرتے تھے اور جس کے لئے انہوں نے بعلیک، افقا اور جبل میں ہیکل اور قربان گاہیں بنائیں۔''

میں نے کہا۔

''وہ ہیکل مسمار ہو گئے اور میرے اجداد کی ہڈیاں مٹی میں مل ملا گئیں اب ان کے دیوتاؤں اور مذاہب کے نشانات کتابوں کے چند اوراق میں باقی رہ گئے ہیں اور

بس!''

اس نے جواب دیا:

''کچھ دیوتا ایسے ہیں، جو اپنے حلقہ بگوشوں کے ساتھ زندہ رہتے اور انہی کے ساتھ مر جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں، جو ازلی و ابدی الوہیت کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ رہی میری الوہیت، سو وہ اس جمال کی مرہون منت ہے، جسے تو ہر طرف جلوہ فرما دیکھتا ہے وہ جمال جو تمام فطرت کار کے لئے اور پہاڑوں اور ساحلوں کے درمیان خانہ بدوش قبائل کے لئے سعادت کا سرچشمہ ہے۔ وہ جمال، جو حکیم کے لئے عرش حقیقت کا زینہ ہے!''

ایسی حالت میں کہ میرے دل کی دھڑکنیں وہ کچھ کہہ رہی تھیں، جس سے زبان نا آشنائے محض ہے، میں نے کہا:

''بیشک جمال ایک قوت ہے، خوفناک اور ڈراؤنی!''

اس کے ہونٹوں پر پھولوں کا تبسم تھا اور نگاہوں میں زندگی کے اسرار اس نے کہا:

''تم انسان ہر چیز سے ڈرتے ہو، یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی۔ تم آسمان سے ڈرتے ہو، حالانکہ وہ امن و سلامتی کا سرچشمہ ہے، فطرت سے ڈرتے ہو، حالانکہ وہ اطمینان و راحت کا گہوارہ ہے، خداؤں کے خدا سے ڈرتے ہو اور عداوت و غضب کو اس کی ذات سے منسوب کرتے ہو حالانکہ وہ اگر محبت و رحمت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے!''

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد، جس میں لطیف خواب گھلے ملے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا:

''یہ جمال کیا ہے؟ کیونکہ لوگ تو اس کی تعریف و جدید میں مختلف الرائے ہیں بالکل، اسی طرح، جیسے اس کی محبت و تکریم میں!''

اس نے جواب دیا:

''جمال وہ ہے، جس کی طرف تو خود بخود کھنچے جسے دیکھ کر تو اسے دینا چاہے اس سے لینا نہ چاہے جسے اجسام مصیبت اور ارواح عطیہ سمجھیں جو رنج کے درمیان رشتہ اتحاد ہو جو تو روپوشی میں جلوہ فرما دیکھے، لاعلمی میں آشنا پائے اور خاموشی میں بولتے سنے جو ایک قوت ہے، جس کا آغاز تیزی ذات کی انتہائی پاکیزگی سے ہوتا ہے۔ اور انتہا اس نقطہ پر، جو تیرے تصورات سے ماوراء ہے۔''

جنگل کی شہزادی میرے قریب آئی اور اپنا معطر ہاتھ میرے آنکھ پر رکھ دیا، جب اس نے اپنا ہاتھ میری آنکھ سے ہٹایا تو میں نے خود کو اس وادی میں تنہا پایا۔ میں وہاں سے لوٹ آیا، دل ہی دل میں کہتا ہوا، اور بار بار کہتا ہوا:

''جمال وہ ہے، جسے دیکھ کر تو اسے دیکھنا چاہے، لینا نہ چاہے!''

☆☆☆☆☆

ملاقات

جب رات آسمان کے لباس کے جوہر ٹانک چکی، تو وادی نیل سے ایک پری، اپنے غیر مرئی پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے بلند ہوئی اور بحر روم پر چھائے ہوئے ان بادلوں کے تخت پر بیٹھ گئی جو چاند کی شعاعوں سے نقرئی معلوم ہو رہے تھے۔ فضا میں تیرتی ہوئی روحوں کا ایک جھکڑ اس کے سامنے سے گزرا جو بلند آواز میں کہہ رہا تھا:

''پاک ہے! پاک ہے! پاک ہے! مصر کی وہ بیٹی، جس کی عظمت سارے خطہ ارض کو محیط ہے!!''

اس چشمہ کے منبع کی بلندیوں سے، جو صنوبری جھنڈ کو گھیرے ہوئے تھا، ایک نوجوان کا سایہ سا روفیم کے ہاتھوں میں لپٹا ہوا، ابھرا اور پری کے پہلو میں تخت پر بیٹھ گیا۔ روحیں پھر آئیں اور یہ چلاتی ہوئی ان کے سامنے سے گزر گئیں!

''پاک ہے! پاک ہے! پاک ہے، لبنان کا وہ نوجوان، جس کی بزرگی سے زمانہ لبریز ہے!!''

جب عاشق نے محبوبہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو موجوں اور ہواؤں نے ان کی اس سرگوشی کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔

''ایسس کی بیٹی! تیرا حسن کس قدر مکمل ہے، اور میری محبت کتنی بے پناہ!''

''عشروت کے بیٹے! تو نوجوانوں میں کتنا حسین ہے، اور میرا جذبہ شوق کس درجہ وافر!''

''میری محبت تیرے اہرام کی مثال ہے میری محبوبہ! جسے زمانہ مسمار نہیں کر سکتا!''

اور میری محبت تیرے صنوبر کے درختوں سے مشابہ ہے، میری حبیب! جس پر عناصر غلبہ نہیں پا سکتے!

''مختلف اقوام کے فلسفی مشرق و مغرب سے آتے ہیں؟ میری محبوبہ! تا کہ تیری حکمت سے نفع اندوز ہوں اور تیرے اسرار و رموز معلوم کریں۔''

''دنیا کی بڑی بڑی ہستیاں مختلف ملکوں سے وارد ہوتی ہیں میرے حبیب! تا کہ تیرے جمال کی شراب سے مخمور اور تیرے معانی سے طلسم اور مسحور ہوں!''

''میری پیاری! تیری ہتھیلی ان بے شمار نیکیوں کا کھیت ہے، جن سے مودی خانے بھرے جاتے ہیں۔''

''میرے پیارے! تیرے بازو شیریں پانی کا سرچشمہ ہیں اور تیری سانس نشاط آفریں ہوائیں!''

''نیل کے محل اور ہیکل، میری پیاری! تیری عظمت کا ڈنکا بجاتے ہیں اور ابوالہول تیری بزرگی کی داستان سناتا ہے!''

''تیری چھاتی کے یہ صنوبری درخت، میری پیارے! تیری شرافت و نجابت کی نشانیاں ہیں اور تیرے گردوپیش کے یہ قلع تیری عظمت و شجاعت کے ترجمان!''

'' آہ! میری محبوبہ! کتنی حسین ہے تیری محبّ! اور کتنی شیریں ہے وہ امید، جو تیرے ارتقا سے وابستہ ہے!!''

''آہ تو کتنا محترم دوست اور کتنا وفادار شوہر ہے۔ تیرے تحفے کتنے حسین اور تیری بخششیں کتنی نفیس ہیں! تو نے میرے پاس ان نوجوانوں کو بھیجا، جو گہری نیند کے بعد کی بیداری تھے۔ تو نے مجھے تحفہ میں وہ شہسوار عطا کیا، جو میری قوم کی کمزوری پر غالب آ گیا۔ تو نے ہدیہ کے طور پر مجھے وہ ادیب دیا جس نے میری قوم کو بیدار کیا اور وہ نجیب مرحمت فرمایا، جس نے اس کی غیرت قومی کو بھڑکایا''

''میں نے تیرے پاس بیج بھیجے اور تو نے انہیں پھول بنا دیا، میں نے تیرے پاس پودے بھیجے اور تو نے انہیں درخت بنا دیا۔ تو وہ اچھوتا باغ ہے، میری پیاری! جو گلاب اور سوسن میں جان ڈالتا ہے سرو اور صنوبر کو بلندی عطا کرتا ہے!''

''مجھے تیری آنکھوں میں غم نظر آ رہا ہے، میرے حبیب! کیا تو میرے پہلو میں ہوتے ہوئے بھی غمگین ہے؟''

''میرے پیارے! کاش! مجھے بھی تیرے ہی جیسا غم مل جاتا اور خوف و ہراس کا کوئی اثر میرے دل پر باقی نہ رہتا!''

''نیل کی بیٹی! کیا قوموں کی پیاری ہوتے ہوئے بھی خوف زدہ ہے؟''

''میں اس شیطانی جماعت سے ڈرتی ہوں، جو اپنی مکاریوں کی ملاوٹ کے ذریعے میرے قریب آ رہی ہے، جو اپنے بازوؤں کی قوت سے میرے باگیں سنبھال رہی ہیں!''

''اقوام کی زندگی میری پیاری! افراد کی زندگی سے مشابہ ہے اس زندگی سے، جسے امید عزیز رکھتی ہے، جس سے خوف قریب تر ہے، جس کے گرد آرزو منڈلاتی ہیں اور جس پر مایوسی نگاہیں جمائے رہتی ہے!''

محبّ و محبوب ہم آغوش ہو گئے اور بوسوں کے پیالوں میں معطر شراب پینے لگے۔ اسی دوران میں روحوں کا جھلڑ گاتے ہوئے گزرا:

''پاک ہے! پاک ہے! پاک ہے! وہ محبت، جس کی عظمت و بزرگی نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔''

☆☆☆☆☆

قبرستان

کل میں شہر کے ہنگاموں سے اکتا کر، پرسکون سبزہ زاروں میں ٹہلنے کے لئے نکلا، ایک بلند پہاڑی پر پہنچ کر، جسے فطرت نے حسین ترین لباس پہنا رکھا تھا، ٹھہر گیا۔ شہر اپنی ساری بلند عمارتوں اور عالی شان محلوں کے ساتھ، کارخانوں کے دھوئیں کے کثیف بادل میں دبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں بیٹھ گیا اور دور سے انسان کی عملی زندگی کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے وہ سرتاپا ''مشقت'' نظر آئی۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب انسان کی اس بناوٹی زندگی پر غور نہ کروں گا اور اپنا رخ اس سبزہ زار کی طرف کر لیا، جو عظمت خداوندی کی جلوہ گاہ تھی۔ میں نے دیکھا! اس سبزہ زار کے وسط میں ایک قبرستان ہے، جس کی مرمریں قبریں سرو کے درختوں سے گھری ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ وہاں زندوں اور مردوں کی بستی کے درمیان میں ایک بستی کی مسلسل کش مکش اور دائمی حرکت اور دوسری بستی پر چھائی ہوئی خاموشی اور مستقل سکون کے متعلق بیٹھا سوچ رہا تھا۔

ایک طرف امیدیں تھیں اور ناامیدیاں، محبت تھی اور نفرت، امیری تھی اور غریبی، اعتقاد اور بے اعتقادی!

اور دوسری طرف مٹی میں مٹی تھی، جس کے باطن کو ظاہر سے بدل کر، فطرت سے سے نباتات، پھر حیوانات پیدا کرتی ہے اور یہ سب کچھ رات کی خاموشی میں ہو جاتا ہے۔

میں اپنے انہیں افکار میں گم تھا کہ میری توجہ ایک آہستہ رو، جم غفیر نے اپنی طرف مبذول کر لی۔ آگے آگے بینڈ تھا۔ جس کے غم انگیز نغموں سے فضا پر اداسی چھا گئی تھی یہ ایک بہت بڑا ہجوم تھا جس میں عظمت و اقتدار کے دیوتا شامل تھے، ایک عظیم المرتبت رئیس کا جنازہ تھا ایک مردہ کی ہڈیاں تھیں، جس کے پیچھے پیچھے زندہ لوگ روتے، واویلا مچاتے اور فضا کو اپنے نالہ و ماتم سے گراں بار کرتے، چلے آ رہے

تھے۔

جنازہ قبرستان پہنچا۔ پادری جمع ہوئے اور عود و لوبان سلگا کر مردہ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ادھر بینڈ بجانے والوں نے ایک طرف ہو کر غم کا بینڈ بجایا۔ اس کے بعد خطیب آگے بڑھے اور نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں مرنے والے پر ماتم کیا، پھر شاعروں نے اپنے اپنے مرثیے پڑھے، جن میں سوز و گداذ کے ساتھ ساتھ معنوی لطافتیں بھی تھیں۔ یہ سب کچھ اکتا دینے والے طوالت کے بعد ختم ہوا، اور مجمع رفتہ رفتہ اس قبر سے رخصت ہو گیا، جس کے بنانے میں گورکنوں اور انجینئروں نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی تھی اور جس پر ہنرمند ہاتھوں کے گوندھے ہوئے ہار پڑے تھے۔

لوگ شہر کی طرف واپس چلے گئے، لیکن میں دور سے یہ سب کچھ دیکھتا اور اس پر غور کرتا رہا۔ سورج ڈھل چکا تھا، چٹانوں اور درختوں کے سائے طویل ہو گئے تھے اور فطرت نے نور کا لباس اتارنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے نگاہ اٹھائی اور دیکھا دو آدمی ایک لکڑی کا تابوت اپنے کندھوں پر لئے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک عورت ہے، جس کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے، گود میں ایک دودھ پیتا بچہ اور پہلو میں ایک کتا ہے، جو کبھی اس کی طرف دیکھتا ہے اور کبھی تابوت کی طرف

یہ ایک مفلس کا جنازہ تھا، جس کے پیچھے ایک اس کی بیوی تھی، جو یاس و نومیدی کے آنسو بہا رہی تھی، ایک اس کا بچہ تھا، جو اپنی ماں کو روتے ہوئے دیکھ کر رو رہا تھا، اور ایک اس کا وفادار کتا، جس کی رفتار سے اس کے رنج و غم کا اظہار ہوتا تھا۔

یہ لوگ قبرستان پہنچے اور تابوت کو ایک قبر میں اتار دیا، جو مرمریں قبروں سے بہت دور ایک گوشہ میں تھی۔ اس کے بعد وہ پر اثر خاموشی کے ساتھ واپس ہوئے، کتا بار بار اپنے آقا کی آخری آرام گاہ کو دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ سب درختوں میں روپوش ہو گئے۔

اس وقت میں نے شہر کی طرف دیکھ کر اپنے دل میں کہا:

''یہ دولت اور قوت والوں کے لئے ہے!''

پھر قبرستان کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''اور یہ بھی دولت اور قوت والوں کے لئے ہے!! پھر کمزوروں اور غریبوں کا وطن کہاں ہے؟ میرے معبود!''

یہ کہہ کر میں نے تہ بہ تہ بادلوں کی طرف دیکھا، جن کے کنارے سورج کی حسین شعاعوں سے سنہرے ہو گئے تھے۔ میرے دل سے آواز آئی:

''وہاں.....''

☆☆☆☆☆

ملکہ خیال

میں تدمر (1) کے کھنڈروں میں پہنچا اور تھک کر گھاس پر بیٹھ گیا، جو ان ستونوں کے درمیان اگی ہوئی تھی، جنہیں زمانہ نے اکھیڑ کر، گڑھوں میں پھینک دیا تھا اور جو ایسے معلوم ہوتے تھے، گویا کسی خوفناک جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کے ڈھانچے ہیں۔ میں اس شہر کی بڑی بڑی عمارتوں کی تباہی پر غور کرنے لگا، جو صحیح وسالم اور سرسبز آثار سے الگ مسمار ہوئی پڑی تھیں۔

جب رات ہوئی اور مختلف الجنس مخلوقات نے خاموشی کا لباس پہننے میں ساجھا کر لیا تو میں نے محسوس کیا کہ ایتھر میں جو میرا احاطہ کئے ہوئے ہے، ایک سیال ہے، جو خوشبو میں عود ولوبان سے اور فعل میں شراب سے مشابہ ہے۔ کسی نہ معلوم قوت کے زیر اثر، میں نے اسے پینا شروع کر دیا اور مجھے ان مخفی ہاتھوں کا احساس ہوا، جو میری عقل کو بانٹ رہے تھے، میری آنکھوں کو بند کئے دیتے تھے اور میری روح کو اس کی بندشوں سے آزاد کر رہے تھے۔ اس کے بعد زمین میں تناؤ کی سی اور فضا میں لرزش کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ ایک طلسمی قوت سے مغلوب ہو کر میں نے جست لگائی اور خود کو ایک ایسے باغ میں پایا، جس کا تصور بھی انسان کی قدرت سے باہر ہے، میرے ساتھ نوخیز لڑکیوں کا جھمگٹ تھا، جن کا جسم، حسن کے سوا ہر لباس سے عاری تھا۔ جو میرے گرد و پیش میں مصروف خرام تھیں لیکن ان کے پاؤں گھاس سے مس نہ ہوتے تھے۔ جو نغمہ عبودیت الاپ رہی تھیں، جس کی ترکیب محبت کے خوابوں سے ہوئی تھی اور ہاتھی دانت کے سرود بجا رہی تھیں، جن کے تار سنہری تھے۔ ایک کشادہ مقام پر پہنچ کر، جس کے وسط میں جڑاؤ تخت بچھا تھا اور چاروں طرف وہ نظر فریب سبزہ زار تھے، جن سے قوس وقزح کے رنگ کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ لڑکیاں دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں، ان کی آوازوں میں مقابلتاً بلندی پیدا ہو گئی اور وہ اس سمت دیکھنے لگیں جہاں عود اور لوبان کی لپیٹیں چلی آ رہی تھیں۔ اچانک پھولوں

سے لدی ہوئی شاخوں میں سے ایک ملکہ نمودار ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ تخت کی طرف آ رہی تھی۔ تمکنت اور وقار کی ایک عجیب شان سے وہ تخت پر جلوہ افروز ہوئی اور برف کی مانند سفید کبوتروں کا ایک جھلڑ آسمان سے اتر کر اس کے قدموں میں بہ شکل ہلال بیٹھ گیا۔

یہ سب کچھ ہوا، اس حال میں دوشیزہ گان جمال ملکہ کی عظمت کی راگ گا رہی تھیں اور عود و لوبان کو دھواں اس کی تکریم و تعظیم کے لئے ستونوں کی طرف اٹھ رہا تھا۔ میں حیرت و استعجاب کا مارا ملکہ کے سامنے کھڑا، وہ کچھ دیکھ رہا تھا، جو انسان کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور سن رکھا تھا، جس سے ابن آرام کے کان کبھی آشنا نہیں ہوئے۔

ملکہ نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ہر حرکت سکون سے بدل گئی اس کے بعد ایک ایسی آواز میں، جو میری روح کو اس طرح حرکت میں لے آئی، جس طرح موسیقار کا ہاتھ عود کے تاروں کو حرکت میں لے آتا ہے اور جس نے اس طلسمی دائرہ وک اس طرح متاثر کر دیا، گویا ہر شے سراپا گوش و قلب ہے، اس نے کہا:

''اے آدم زاد! میں نے تجھے بلایا ہے، کہ میں خیال کی نزہت گاہوں کی پروردگار ہوں!! میں نے تجھے اپنے حضور طلب کیا ہے! کہ میں خوابوں کے جنگل کی ملکہ ہوں!! میری باتیں غور سے سن کر انہیں اپنے ہم جنسوں کے سامنے بلند آواز میں دہرائیو!''

کہیو! خیال کی مملکت، خانہ شادی ہے، جس کی دربانی ایک سرکش دیو کرتا ہے، اس مکان میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ شادی کا لباس پہنے ہوئے نہ ہو۔

کہیو! وہ ایک جنگ ہے، جس کی حفاظت محبت کے فرشتے کرتے ہیں۔ اس جنت کو وہی دیکھ سکتا ہے، جس کی پیشانی پر محبت کا نشان ہو! وہ تصورات کا ایک باغ سر سبز باغ ہے، جس کی نہریں شراب کی طرح خوشگوار ہیں، جس کے پرند فرشتوں کی طرح اڑتے ہیں اور جس کے پھولوں سے مشک و عنبر کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں۔ اس

باغ میں خیال پرست کے علاوہ کوئی قدم نہیں رکھ سکتا۔

انسان سے کہو! کہ میں نے اسے سرور سے بھرا جام عطا کیا لیکن اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے انڈیل دیا، یہ دیکھ کر ظلمت کا فرشتہ آیا اور اس جام کو افشردہ غم سے لبریز کر گیا، وہ بدنصیب اسے پی گیا اور مدہوش و بے خبر ہو گیا۔

کہو! کہ سرور زندگی کو چھیڑنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے، جن کی انگلیوں نے میرے دامن کو چھوڑا ہے اور جن کی آنکھوں نے میرے تخت کو دیکھا ہے، چنانچہ اشعبا نے اپنے حکمت کے موتی میری محبت کے رشتہ میں پروئے ہیں، یوحنا نے اپنا خواب میری زبان سے بیان کیا ہے اور دانتے نے عالم برزک کی راہیں میری رہنمائی میں طے کی ہیں میں وہ مجاز ہوں جس کے ڈانڈے حقیقت سے ملتے ہیں، وہ حقیقت ہوں، جو رو کی وحدانیت کا اظہار کرتی ہیں اور وہ شاہد ہوں، جس سے دیوتاؤں کے اعمال میں حسن و پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

کہو! فکر کے لئے اس مادی عالم سے بلند اور عالم ہے، جس کے آسمان کے سرور کے بادل مکدر نہیں کرتے اور تخیلات کے لئے، دیوتاؤں کے آسمان پر بنی ہوئی کچھ تصویریں ہیں، جن کا عکس روح کے آئینہ پر پڑتا ہے، ان عشرتوں کی امید کو عام کرنے کے لئے، جو اسے دنیوی زندگی سے چھٹکارا پانے کے بعد، حاصل ہوں گی۔

ملکہ خیال نے سحر آفریں نگاہوں سے مجھے اپنی طرف کھینچا اور میرے بھڑکتے ہوئے ہونٹوں کو بوسہ دے کر کہنے لگی:

''کہو! کہ جو کوئی اپنے شب و روز خیال و خواب کی دنیا میں بسر نہیں کرتا وہ شب و روز کا غلام رہتا ہے۔''

اس وقت دوشیزگان جمال کی آوازیں اونچی ہوئیں، عود و لوبان کا دھواں بلند ہوا اور خواب میری نگاہوں سے چھپ گیا۔ زمین میں تناؤ کی سی اور فضا میں لرزش کی سی

کیفیت پیدا ہوئی۔ اب میں پھر انہیں غم آفریں کھنڈروں میں تھا۔

صبح مسکرا رہی تھی اور میری زبان اور ہونٹوں پر یہ کلمے تھے:

''جو کوئی اپنے شب و روز خیال و خواب کی دنیا میں بسر نہیں کرتا وہ شب و روز کا غلام رہتا ہے!''

☆☆☆☆☆

1۔ تدمر: شام میں قدیم دور کا ایک شہر

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

زندگی

زندگی نے مجھے جوانی کے پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر دیا اور پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک عجیب وغریب وضع کا شہر نظر آیا، جو ایک ہموار زمین کی چھاتی پر آباد تھا۔ اس شہر میں مختلف قسم کی پرچھائیاں اور رنگ برنگ کے بخارات گردش کر رہے تھے اور اس پر ایک ایسی لطیف کہر کی نقاب پڑی تھی جو قریب تھا کہ اسے نگاہوں سے اوجھل کر دیتی۔

میں نے پوچھا:

''زندگی! یہ کیا ہے''

اس نے کہا:

''غور سے دیکھو! یہ دیار ماضی ہے!''

میں نے غور سے دیکھا تو مجھے نظر آیا: اعمال کے مدارس نیند کے بازوؤں تلے، دیووں کی طرح بیٹھے ہیں۔ اقوال کی مسجدیں مایوسی کی چیخیں مارتی اور امید کے راگ گاتی اس کا طواف کر رہی ہیں۔ مذہب کے ہیکلوں کو کبھی یقین تعمیر کرتا ہے اور کبھی شک وارتیاب ڈھا دیتا ہے۔ افکار کے مینار آسمان کی طرف اس طرح بلند ہیں، گویا بھیک منگوں کے ہاتھ ہیں۔ امیدوں کے راستے اس طرح پھیلتے چلے گئے ہیں جیسے ٹیلوں کے درمیان دریا۔ اسرار کے خزانے، جن کی حفاظت، راز دار کر رہی تھی شوق دریافت کے ڈاکوؤں نے لوٹ لئے ہیں۔ سبقت و پیش قدمی کے قلعوں میں، جنہیں شجاعت نے بنایا تھا خوف و ہراس نے شگاف ڈال دیئے ہیں۔ خوابوں کے محل، جنہیں راتوں نے سجا دیا تھا، بیداری نے ویران کر دیئے ہیں، چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں، کمزور کا مسکن ہیں، تنہائی کی یونیورسٹیوں میں افکار ذات براجمان ہے، علوم وفنون کی محفلیں جنہیں عقل نے روشن کیا تھا، جہل کے ہاتھوں تاریک ہوگئی ہیں، محبت کے شراب خانوں میں عاشق بے ہوش پڑے ہیں اور غفلت و بے خبری کا

مذاق اڑا رہی ہے۔انسانی عمر کے اسٹیج پر ''جو کبھی زندگی کے ڈراموں کی نمائش کے لیے وقف تھا، موت نے آ کر اپنی ٹریجیڈی ختم کر دی ہے!''

یہ دیار ماضی ہے، جو دور بھی ہے اور نزدیک بھی نگاہوں کے سامنے بھی ہے اور ان سے روپوش بھی۔

زندگی نے قدم اٹھایا اور کہنے لگی:

''بس اب اٹھو! بہت دیر ہو گئی!!''

میں نے پوچھا!

زندگی! اب کہاں کا ارادہ ہے؟

اس نے جواب دیا:

''مستقبل کے شہر کا!''

میں نے درخواست کی:

''تھوڑی دیر اور تھم جا! کہ میں چلتے چلتے تھک گیا ہوں، چٹانوں نے میرے پاؤں کو زخمی اور دشوار گزار راستوں نے میری قوتوں کو مضمحل کر دیا؟''

زندگی نے جھنجھلا کر کہا:

''اٹھ اور چل ٹھہرنا بزدلی ہے اور دیار ماضی کو دیکھنا جہالت!''

☆☆☆☆☆

خانقاہ

دو آدمی ایک ساتھ وادی میں گھوم پھر رہے تھے۔

ان میں سے ایک نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ سامنے خانقاہ دیکھ رہے ہو! اس میں ایک راہب رہتا ہے۔ جس نے مدتوں سے دنیا کو تج رکھا ہے۔ اسے صرف خدا کی تلاش ہے۔ اور دنیا کی کسی اور چیز سے اسے رغبت نہیں ہے۔ دوسرا بولا''

''جب تک وہ اس خانقاہ، اور اس خانقاہ کی تنہائی کو چھوڑ کر دنیا میں واپس نہیں آتا۔ خوشی میں ہمارا ساتھی اور غمی میں ہمارا مونس بننے کے لئے شادی کی محفلوں میں ناچنے والوں کے ساتھ مل کر ناچنے اور موت کے سانحوں پر، رونے والوں کے ساتھ آنسو نہ بہائے، اسے خدا نہیں مل سکتا!'' پہلا اگرچہ دل میں قائل ہو چکا تھا کہنے لگا۔

''تم نے جو کچھ بھی کہا مجھے اس سے اتفاق ہے۔ لیکن پھر بھی، یہ میرا ایمان ہے کہ راہب بہت اچھا آدمی ہے اور کیا یہ بہتر نہیں ہے۔ کہ ایک بھلا آدمی ہزاروں ایسے لوگوں سے دور ہی رہے جو اپنے آپ کو بھلا سمجھتے ہیں۔''

☆☆☆☆☆

بھوتوں کا بسیرا

تین آدمی دور کھڑے اس سفید مکان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو سامنے پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔

ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہ خاتون روحی کا گھر ہے، اس بوڑھی چڑیل کا!''

''اماں تم کیا جانو'' دوسرا بولا ''خاتون روحی تو بلا کی خوبصورت عورت ہے۔ جو دن رات اپنے خوابوں کے سحر میں کھوئی رہتی ہے!''

''تم دونوں غلط کہتے ہو'' تیسرے نے کہا'' خاتون روحی تو ان وسیع کھیتوں کی مالک ہے۔ اور سفاک زمینداروں کی طرح اپنے کسانوں کا خون چوستی ہے!''

وہ خاتون روحی کے متعلق باتیں کرتے بڑھتے چلے گئے!

جب چوراہے پر پہنچے۔ تو انہیں ایک بوڑھا ملا۔ ان میں سے ایک نے اس سے کہا۔

''کیا آپ خاتون روحی کے متعلق کچھ فرما سکتے ہیں؟ جو پہاڑی کے اس سفید مکان میں رہتی ہے!''

''بوڑھے نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا'' میں نوے (90) سال کا ہو گیا ہوں۔ بھائی، اور خاتون روحی کے متعلق اس زمانے سے سنا کرتا تھا۔ جب میں بھی چھوٹا سا بچہ تھا۔ خاتون روحی کو مرے اسی (80) سال گزر چکے ہیں اور وہ گھر جب سے خالی پڑا ہے۔ ہاں کبھی کبھی الو بولتے ضرور سنائی دیتے ہیں۔ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہاں بھوتوں کا بسیرا ہے!

☆☆☆☆☆

یہ دنیا ہے!

آج سے ان گنت سال پہلے ایک راہب رہتا تھا۔ وہ مہینے میں تین بار شہر جاتا اور چوک میں کھڑے ہو کر لوگوں کو باہمی اشتراک و بخشش کی نصیحت کرتا، اس کے بیان میں زور تھا اور زبان میں اثر دور دور تک اس کی دھوم تھی!

ایک شام تین آدمی اس کی کٹیا میں آئے، اس نے ان کا خیر مقدم کیا وہ بولے۔

''آپ باہمی اشتراک و بخشش کی نصیحت کرتے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ غریبوں سے مروت کرنے کا سبق دیا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپ کی شہرت نے آپ کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیئے ہیں! ہم ضرورت مند ہیں، آپ ہماری امداد کیجئے، ہمیں کچھ عطا فرمایئے! راہب بولا:''

''میرے دوستو! میرے پاس اس بستر چٹائی اور لوٹے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر آپ کے یہ کسی کام آسکیں۔ تو انہیں لے جایئے، اس کے علاوہ میرے پاس نہ چاندی ہے۔ نہ سونا!''

اس پر وہ ناراض ہو کر چل دیئے۔ مگر تیسرا جاتے جاتے دروازے میں رک گیا اور کہنے لگا۔

''تم دھوکے باز ہو، تم فریبی ہو۔ تم مکار ہو، تم دوسروں کو ایسی نیکی کی تلقین کیوں کرتے ہو، جس پر خود عمل نہیں کر سکتے!''

☆☆☆☆☆

چودھویں کا چاند

چودھویں کا چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نمودار ہوا۔شہر کے تمام کتوں نے چاند پر بھونکنا شروع کر دیا۔

صرف ایک کتا خاموش رہا۔اس نے بڑی سنجیدگی سے دوسروں سے کہا

''سکوت کو اس نیند سے نہ جگاؤ اور چاند کو اپنی للکار سے زمین پر نہ بلاؤ''

دوسرے کتوں نے بھونکنا بند کر دیا۔ہولناک خاموشی چھا گئی۔لیکن وہ کتا جس نے دوسروں کو چپ رہنے کو کہا تھا۔ساری رات خاموشی کی تلقین میں بھونکتا رہا!

☆☆☆☆☆

نو بار مرنا پڑے گا

ایک شاعر ایک شام ایک دیہاتی سے ملا، شاعر اجنبی تھا اور دیہاتی شرمیلا پھر بھی وہ دیر تک کھڑے آپس میں باتیں کرتے رہے! دیہاتی بولا۔

''میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں، جسے میں نے حال ہی میں سنا ہے۔ ایک چوہا پنجرے میں پھنس گیا اور پنجرے میں قید ہو کر بھی وہ مزے سے اندر پڑا پنیر کھا رہا تھا۔ باہر ایک بلی آن کھڑی ہوئی، چوہا پہلے تو ڈرا۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو پنجرے میں قید ہے اور بلی کے پنجوں سے محفوظ! یہ دیکھ کر بلی بولی۔''

''میرے دوست، جانتے بھی ہو کہ تم اپنا آخری کھانا کھا رہے ہو!''

''ہاں'' چوہے نے جواب دیا ''میرا جیون ایک ہے۔ اس لئے موت بھی ایک ہی ہوگی! لیکن تمہارا کیا خیال ہے خالہ؟''

سنتے ہیں، نو جیون ہیں تمہارے، اس خیال کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں نو بار مرنا پڑے گا۔

دیہاتی نے شاعر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کس قدر دلچسپ ہے یہ کہانی نہیں ہے کیا؟'' شاعر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنے دل میں یہ کہتا ہوا چل دیا۔

بے شک ہمارے بھی نو ہی جیون ہیں۔ یقیناً نو! اور نو بار ہی ہم کو مرنا پڑے گا۔

نو بار! اچھا تھا کہ ہمارا بھی ایک ہی جیون ہوتا، پنجرے میں بند دیہاتی کا سا جیون، آخری کھانے کے لئے، پنیر کے ایک قتلے کے ساتھ۔ مگر کیا ہم جنگل و صحرا کے بادشاہ شیر کے قریبی نہیں؟

☆☆☆☆☆

نیکی اور بدی کے فرشتے

شہر کے دروازے پر ایک شام دو فرشتے ملے رسمی سلام دعا کے بعد ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

کہو بھئی کیسے گزر رہی ہے کس کام پر ہو آج کل؟

''کیا کہوں تم سے'' دوسرا بولا میرے سپرد دور نیچے وادی میں بسنے والے ایک ایسے شخص کی نگہداشت کی گئی ہے۔ جو انتہائی گنہگار ہے۔ اور پست اخلاق اور یہ کام ایسا کٹھن ہے کہ تم شاید ہی اندازہ کر سکو۔ بس یہی سمجھو کہ دن رات جان مار رہا ہوں۔

''یہ تو سہل سی بات ہے'' پہلے نے کہا۔ کہ مجھے اکثر گنہگاروں سے سابقہ پڑا ہے۔ کئی بار بڑے بڑے پاپیوں کی نگہداشت پر رہا ہوں۔ مشکل تو اب آن پڑی ہے کہ مجھے اس درویش پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ جو اس ''برگ پوش'' میں رہتا ہے اور تم نہیں جان سکتے، کہ یہ کام کس قدر دشوار ہے۔ اور نازک! ''یہ تو تمہارا خیال ہی ہے'' دوسرا بولا۔

''بھلا ایک درویش کی نگہداشت کسی گنہگار کی نگہداشت سے کیونکہ مشکل ہو سکتی ہے؟''

''عجب بدتمیزی ہے'' پہلے نے کہا۔

''میں تم سے ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں اور تم اسے صرف خیال بتاتے ہو!''

بات تو تو، میں میں سے بڑھ کر ہاتھا پائی پر پہنچی اور پھر لگے دونوں طرف سے مکے اور پر برسنے!

ادھر یہ دونوں گتھی ہوئے کہ ایک شوخ و شنگ فرشتہ فرشتوں کا سردار کہیں سے ادھر آ نکلا۔ اس نے دونوں کو علیحدہ کراتے ہوئے کہا۔

''بڑی شرم کی بات ہے کہ شہر کے دروازے پر دو مربی فرشتے یوں آپس میں

لڑیں۔اور پھر بے وجہ مگر میں بھی تو سنوں کہ آخر قصہ کیا ہے؟''

دونوں ایک ساتھ چلا اٹھے۔وہ چلا چلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جو کام ایک کے ذمے ہے،وہ دوسرے کے کام سے کہیں زیادہ کٹھن ہے۔اور اس لئے وہ دوسرے سے افضل ہے!

یہ سن کر بڑا فرشتہ سوچ میں پڑ گیا!

''میرے رفیقو میں یہ فیصلہ تو نہیں دے سکتا'' وہ بولا کہ تم میں سے ستائش کا زیادہ حقدار کون ہے لیکن امن قائم رکھنے کے لئے میں تمہارے منصب ضرور بدلے دیتا ہوں۔اس لئے کہ تم دوسرے کے کام کو آسان سمجھتے ہو! اچھا اب خوش خوش اپنے اپنے نئے کام پر چلے جاؤ۔

دونوں فرشتے نئے احکام سن کر اپنے اپنے راستے پر چل تو دیئے مگر مڑ مڑ کر اس سردار فرشتے کو گھور رہے تھے۔اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے۔

''بڑے آئے سردار بن کر زندگی کا ہر روز پہلے سے بھی زیادہ دوبھر بنائے جا رہے ہیں!''

لیکن وہ سردار فرشتہ وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔اور سوچ رہا تھا۔اب ہمیں اور بھی زیادہ محتاط رہنا پڑے گا ان نگہبان فرشتوں کی نگہداشت کے لئے!

☆☆☆☆☆

قدر جوہر

دور پہاڑ کے دامن میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کے پاس پرانے استادوں کا بنایا ہوا ایک مجسمہ تھا۔ جو اس کے دروازے پر اوندھا پڑا رہتا تھا اور اسے اس کی کچھ قدر معلوم نہ تھی!

ایک دن ایک شہری ادھر سے گزرا، ایک پڑھا لکھا عالم، اس نے اس بت کو دیکھ کر اس کے مالک سے پوچھا۔

''کیا آپ اسے بیچیں گے؟''

یہ سن کر وہ ہنس دیا۔

''اس پتھر کو کون کیوں خریدے گا؟''

شہری بولا

''ایک درہم تو میں پیش کرتا ہوں''

دیہاتی اس سودے پر حیران تھا مگر اسے کیا، وہ اپنا درہم گرمین باندھ چکا تھا!

شہری بت کو ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر شہر اٹھا لے گیا۔

کئی مہینوں کے بعد وہ دیہاتی شہر گیا۔ تو بازار میں ھرتے پھرا تے ایک جگہ بھیڑ لگی دیکھ کر وہ بھی رک گیا اور ایک آدمی اونچی آواز میں پکار رہا تھا۔

''آؤ ایک نادر شاہکار دیکھو، ایک انمول مجسمہ جس کی نظیر دنیا بھر میں کہیں نہ مل سکے گی صناعی کے اس بے مثل نمونے کی ''زیارت'' کے لئے صرف دو درہم صرف دو درہم!'' دیہاتی بھی دو درہم دے کر وہ نادر روزگار مجسمہ دیکھنے کے لئے داخل ہو گیا۔ جسے اس نے خود ایک درہم کے بدل بیچا تھا!

☆☆☆☆☆

اطمینان و بے اطمینانی

ایک غریب شاعر ایک دفعہ کسی چوراہے پر ایک دولتمند بیوقوف سے ملا

وہ دیر تک کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اور ان کی اس بات چیت کے ترجیحی نغمے، کی ہر تان اطمینان کے فقدان پر ٹوٹتی!

قضاو قدر کا فرشتہ ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے دونوں کو اپنے پروں کے سائے تلے لے لیا یہ کرشمہ ہی تو تھا، کہ دونوں کی املاک کا باہم تبادلہ ہو گیا۔ انہیں اس کا پتہ تک بھی نہ چلا، اور پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے! لیکن حیرت ہی کی بات ہے نا کہ پھر بھی شاعر یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اب اس کے پلے کچھ نہیں رہا سوائے خشک ریت کے اور بے وقوف آنکھیں بند کرنے پر صرف یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے دل پر بادل تیر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

رقص کائنات

ایک رقاصہ سامان طرب کے مکمل التزام کے ساتھ پرکشا کے شہزادے کے حضور میں حاضر ہوئی۔ بازیابی پر اس نے اپنا رقص اس انداز سے پیش کیا کہ اس کے بدن کی ہر جنبش، شہنائی، بربط اور چھتار اہر ساز کے ساتھ ہم آہنگ تھی!

اس نے شعلوں کا ناچ پیش کیا۔ تلواروں اور بلموں کا قرص دکھایا اور پھر وہ زمان و مکان اور ستاروں کی گردش بن کر تھرکنے لگی اور آخر میں اس نے پھولوں کا رقص پیش کیا، پھول جنہیں آندھی اپنی لپیٹ میں لئے اڑ رہی ہو!

رقص کے بعد وہ شہزادے کے تخت کے سامنے کھڑی ہو گئی سرنگوں اور دست بستہ۔

شہزادے نے رقاصہ کو اپنے قرب کا فخر بخش کر اس کو مخاطب کیا۔

''اے خوب صورت عورت، اے زایدہ مسرت و رعنائی تو نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے۔ تو نے اپنے ترنم اور تناظم سے تو عناصر کو بھی مسخر کر لیا ہے!''

رقاصہ دو زانو ہو کر بولی۔

''اے جلیل القدر شہزادے، مجھے یہ تاب کہاں کہ میں تیرے سوالوں کا جواب دے سکوں لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اگر فلسفی کی روح اس کے دماغ میں شاعر کی اس کے دل میں ہوتی ہے اور مغنی کی اس کے گلے میں، تو رقاص کی روح اس کے روئیں روئیں میں پھڑکتی ہے۔''

☆☆☆☆☆

شکار اور شکاری

تین کتے دھوپ میں بیٹھے گپ لڑا رہے تھے۔

ایک کتے نے اونگھتے ہوئے دوسرے سے کہا۔

''آج کتوں کی دنیا میں رہنا بھی کیا غضب ہے۔''

دیکھو تو ہم کس بے تکلفی ہے، ہوا میں، پانی میں اور زمین پر چل سکتے ہیں اور ذرا ان ایجادوں پر بھی تو غور کرو، جو صرف ہماری آسائش کے لئے اختراع ہوئی ہے۔ ہماری ناک، کان اور آنکھ کے لئے! دوسرا کتا بولا۔

''میرے خیال میں، ہم میں جمالیاتی حس بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہم چاند پر اپنے اجداد سے کہیں بہتر انداز میں بھونکتے ہیں اور جب اپنے نقوش کا عکس پانی میں دیکھتے ہیں تو انہیں کل سے بہتر پاتے ہیں!''

تیسرے نے کہا۔

''لیکن بھائی جو اطمینان اور مسرت مجھے کتوں کی باہمی مفاہمت سے ہوتی ہے۔ وہ کسی اور شے سے نہیں ملتی وہ کہہ رہا تھا کہ ان سب نے کتوں کے شکاری کو آتے دیکھا، بس پھر تو بھاگنے لگے سب دم دبا کر۔''

تینوں کتے بے تحاشا بھاگ رہے تھے اور ایک چلا چلا کر کہہ رہا تھا ارے بھائی! خدا کے لئے نکل جاؤ جانیں بچا کر کہ تہذیب حاضر وہ ہمارے تعاقب میں ہے!

☆☆☆☆☆

سعادت کا گھر

میرا دل میرے سینہ میں اکتا گیا اور مجھے چھوڑ کر سعادت کے گھر کی طرف چلا گیا۔ اس حرم میں پہنچ کر جسے نفس نے مقدس کیا ہے، وہ حیران و پریشان کھڑا ہو گیا، اس لئے کہ وہاں اس نے وہ چیزیں نہیں دیکھیں جن کا تصور وہ اب تک کرتا رہا تھا۔ اسے وہاں قوت، مال، اقتدار، کچھ نظر نہ آیا۔ وہاں اس نے حسن کے نوجوان پیکر، اس کی بیوی، محبت کی بیٹی اور ان کی بچی حکمت کے سوا کسی کو نہ پایا۔

میرے دل نے محبت کی بیٹی سے پوچھا:

''محبت! قناعت کہاں ہے، میں نے تو یہ سنا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ اس گھر میں رہتی ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''قناعت پند و نصیحت کے لئے شہر میں گئی ہے، جہاں حرص و طمع کا دور دورہ ہے۔ ہم اس کے محتاج نہیں! سعادت کو قناعت کی بالکل خواہش نہیں، اس لئے کہ سعادت وہ شوق ہے جس سے وصال ہم آغوش ہے، اور قناعت وہ بلاوا، اس لئے کہ وہ کمال کو چاہتی ہے اور کمال ایک سلسلہ لامتناہی اور غیر مختتم سلسلہ!''

اب میرے دل نے حسن کے جوان پیکر سے سوال کیا:

''جمال! مجھے عورت کا راز سمجھا کہ تو ہی معرفت ہے!''

اس نے جواب دیا!

''عورت جو ہے! اے قلب انسانی جو تیری کیفیت ہے وہی اس کی بھی کیفیت ہے!! عورت میں ہوں! جہاں کہیں میں ہوتا ہوں وہ بھی وہیں ہوتی ہے۔ عورت مذہب سے، اگر جاہلوں نے اس میں کوئی تحریف نہ کی ہو، وہ ماہ کامل ہے، اگر بادلوں نے اسے روپوش نہ کر دیا ہو، وہ نسیم ہے، اگر اس کا دامن شر و فساد کے دھبوں میں سے پاک و صاف ہو۔ اب میرا دل حسن و محبت کی بیٹی حکمت کے پاس گیا اور

اس سے کہا:''

''مجھے حکمت عطا کر! کہ میں انسان کے پاس لے جاؤں۔''

اس نے جواب دیا!

''انسان سے کہہ دے! کہ حکمت وہ سعادت ہے، جو اس کے نفس کی انتہائی پاکیزگیوں میں جنم لیتی ہے، نہ وہ کہ جو خارج سے آتی ہے!''

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پھول کا گیت

میں وہ کلمہ ہوں، جسے فطرت نے اپنی زباں سے ادا کیا، پھر واپس لے کر اپنے دل کی تہوں میں چھپالیا اور اس کے بعد دوبارہ ادا کیا۔

میں وہ ستارہ ہوں، جو نیلگوں خیمہ سے سبز بساط پر اترا۔

میں عناصر کا نور چشم ہوں، جس کا نطفہ رحم سرما میں قرار پایا، جو بطن بہار سے پیدا ہوا، جسے آغوش گرما نے پروان چڑھایا اور دست خزاں نے سلادیا۔

میں عاشقوں کا تحفہ ہوں۔

میں شادی کا تاج ہوں۔

میں زندہ کی طرف سے مردے کی خدمت میں آخری پیشکش ہوں۔

میں صبح سویرے، نور کی آمد آمد کے اعلان میں نسیم کا معاون ہوں اور شام کو اسے رخصت کرنے میں پرندوں کا شریک۔

میں میدانوں میں لہلہا کر انہیں زینت بخشتا ہوں اور ہوا میں سانس لے کر اسے مہکاتا ہوں۔

میں نیند سے چمٹا ہوں اور رات کی بے شمار آنکھیں مجھ پر گڑ جاتی ہیں اور بیداری کی طلب کرتا ہوں تا کہ دن کی ایک آنکھ میں اپنی آنکھیں ڈال دوں۔

میں شبنم کی شراب پیتا ہوں۔ کوئل کے نغمے سنتا ہوں اور گھاس کی تالیوں پر ناچتا ہوں۔

میں مشاہدہ نور کے لئے ہمیشہ بلندی کی طرف دیکھتا ہوں، اپنے سائے پر کبھی نظر نہیں ڈالتا اور یہ وہ حکمت ہے، جسے انسان نے اب تک نہیں سیکھا!

☆☆☆☆☆

بے زبان جانور

ایک دن، شام، کو، جبکہ میرے تصورات میری عقل پر غالب آ گئے تھے، میں گھر سے نکلا اور شہر کے محلوں میں سے ہو کر گزرنے لگا۔ ایک خالی مکان کے سامنے پہنچ کر میں رک گیا، جس کی دیواریں گر چکی تھیں اور ستون زمین پر آ رہے تھے۔ مکان کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مدتوں سے غیر آباد ہے اور اس پر کوئی نہ کوئی غم انگیز تباہی نازل ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک کتا راکھ پر پڑا ہے کمزور جسم زخموں سے چور چور ہے اور بیماریوں نے اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا ہے۔ اس کی نگاہیں، مغرب میں غروب ہوتے ہوئے سورج پر جمی ہیں۔ اس کی آنکھوں کو ذلت کی پرچھائیوں نے تاریک کر دیا ہے اور یاس و نا امیدی ان سے ٹپکی پڑتی ہے۔ گویا جانتا ہے کہ سورج نے اس ویران مقام سے جو کمزور جانوروں کو ستانے والے لڑکوں کی دسترس سے دور ہے، اپنے انفاس کی حرارت واپس لینی شروع کر دی ہے اور اسی لئے وہ اسے افسوس ناک الوداعی نگاہوں سے تک رہا ہے۔ میں آہستہ آہستہ اس کی طرف چلا، اپنے دل میں خواہش لئے ہوئے کہ اگر میں اس کی زبان میں گفتگو کر سکتا تو ان تکلیفوں پر اسے دلاسا دیتا اور اس مصیبت پر اس سے ہمدردی ظاہر کرتا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا، تو اس نے مجھ سے خوف زدہ ہو کر اپنی قریب الختم زندگی کی باقی ماندہ قوتوں کو جمع کیا اور کوشش کی کہ اپنی ان ٹانگوں کے سہارے وہاں سے چلا جائے، جنہیں بیماری نے مفلوج کر دیا تھا اور موت جن کی حفاظت کر رہی تھی۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے اٹھ ہی نہ سکا اور مجھے تکنے لگا، ایسی نگاہ سے، جس میں استراحام کی تلخی اور کرم طلبی کی شرینی تھی ایک ایسی نگاہ سے، جو نطق کی قائم مقام تھی، اس لئے انسان کی زبان سے زیادہ فصیح اور عورت کے آنسوؤں سے زیادہ بلیغ تھی۔

جب میری نگاہیں اس کی غمگین نگاہوں سے ملیں تو میرے جذبات میں حرکت پیدا ہوئی اور احساسات بیدار ہو گئے۔ میں نے ان نگاہوں کو مجسم کیا اور انسانی کلام

کا جامہ پہنا دیا۔ وہ نگاہیں کہہ رہی تھیں:

''مجھ پر جو کچھ بیت رہی ہے، وہی میرے لئے کافی ہے! میں نے انسان کے جتنے مظالم برداشت کئے ہیں اور بیماریوں کی جتنی تکلیفیں جھیلی ہیں، وہی میرے لئے بہت ہیں! جاؤ! مجھ پر اور میرے سکون پر رحم کرو! مجھے سورج کی حرارت سے زندگی کے کچھ لمحے حال کرنے دو! میں ابن آدم کے ظلم اور سنگدلی سے بھاگ کر اس راکھ کے ڈھیر پر آ پڑا ہوں، جو اس کے دل سے نرم ہے، اس ویرانے میں آ چھپا ہوں، جو وحشت ناکی میں اس سے کہیں کم ہے۔ میرے پاس سے چلے جاؤ! کہ تم بھی زمین کے انہیں رہنے بسنے والوں میں سے ہو، جن کے فیصلے ادھورے اور انصاف سے عاری ہوتے ہیں۔''

میں ایک حقیر جانور ہوں، لیکن میں انسان کی خدمت کی ہے، اس کے گھر میں ایک مخلص و وفادار کی طرح رہا ہوں، اس کی رفاقت میں، میں نے حفاظت اور جاسوسی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ میں اس کے غم اور خوشی میں برابر کا شریک رہا، اس کی غیر موجودگی میں اسے یاد کرتا اور اس کی آمد پر خوشی سے پھولا نہ سماتا۔ میں نے اس کے دسترخوان کے ٹکڑوں پر قناعت کی اور اس کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کو اپنے لئے نعمت سمجھا لیکن جب میں بوڑھا ہو گیا، بیماریوں نے میرے جسم میں اپنے پنجے گاڑ دیئے تو اس نے مجھے نکال باہر کیا اور گلی کوچوں کے بے رحم لڑکوں کا کھلونا، اور بیماریوں کے تیروں کا نشانہ اور ہر قسم کی غلاظت کا مرکز بنا دیا۔

اے آدم کے بیٹے! میں ایک کمزور جانور ہوں، لیکن مجھ میں تیرے ان بہت سے کمزور بھائیوں میں ایک نسبت ہے جس کی قوتیں جواب دے جاتی ہیں تو روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو محتاج ہو جاتے ہیں اور تباہ حالی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔

میں ان سپاہیوں کی مثال ہوں، جو اپنی جوانی میں اپنے وطن کی طرف سے لڑے ہیں اور ادھیڑ عمر میں کھیتی باڑی کرتے ہیں، لیکن جب زندگی کا سرمائی موسم شروع ہو

جاتا ہے اور ان کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں تو انہیں دھکے دیئے جاتے ہیں، انہیں بھلا دیا جاتا ہے!

میں اس عورت کی طرح ہوں، جو اپنی جوانی کو جوان دل کی تفریح کے لئے بناتی سنوارتی ہے، بیوی بن کر، بچوں کو پالنے کے لئے رات رات بھر جاگتی ہے۔ پختہ عمر کی عورت ہو کر، مرد ان مستقبل تیار کرنے کے لئے مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ لیکن جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز سمجھ کر بالکل فراموش کر دی جاتی ہے آہ! اے انسان! تو کتنا ظالم ہے اور کس قدر سنگدل!

اس جانور کتے کی نگاہیں کلام کر رہی تھیں اور میرا دل سمجھ رہا تھا۔ میرے ذہن کا یہ عالم تھا کہ کبھی تو اس بے زبان جانور پر ترس کھاتا تھا اور کبھی اپنے ابنائے جنس کے ہولناک تصور سے لرز اٹھتا تھا۔

جب اس کتے نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تو میں نے اسے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆☆☆

شاعر کی زندگی

رات نے ڈیرے ڈال دیئے تھے اور برف باری نے سارے شہر کو سفید لباس پہنا دیا تھا۔ سردی اس بلا کی تھی کہ اہل شہر بازاروں سے بھاگ کر اپنے اپنے مکانوں میں جا چھپے تھے، ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی، جیسے کوئی غم زدہ، سنگین قبروں کے درمیان، اپنے عزیز کی موت پر جسے پنجہ شیر نے زندگی کی لذتوں سے محروم کر دیا ہو سسکیاں بھرے!

شہر کے کنارے، ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس کے ستون خمیدہ اور چھت برف کی شدت سے اس قدر جھک گئی تھی، گویا گرا ہی چاہتی ہے۔ اس مکان کے ایک گوشتہ میں، پھٹے پرانے بستر پر، ایک قریب المرگ آدمی پڑا تھا، اس کی نگاہیں ایک ٹمٹماتے چراغ پر تھیں، جو ہر ساعت تاریکی پر غالب آنا چاہتا تھا اور ہر لمحہ مغلوب ہو جاتا تھا۔

ایک نوجوان جسے معلوم تھا کہ اب زندگی کے جھگڑوں سے چھٹکارا پانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس کے زرد چہرہ پر امید کی روشنی تھی اور خشک ہونٹوں پر مایوس تبسم!

ایک شریف انسان جو زندگی کو شادکام بنانے کے لئے یزدانی برکتوں کا مژدہ لے کر اترا تھا اس سے پہلے کہ انسانیت اس پر مسکرائے، دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔

اس کے آخری سانس نزع کی کشمکش میں مبتلا تھے اور کوئی اس کے پاس نہ تھا، سوائے اس ٹمٹماتے چراغ کے، جو اس کا مونس تنہائی تھا، اور ان اوراق پریشاں کے، جن پر اس کے لطیف روحانی خیالات مرتسم تھے۔

اس جاں بلب جواں مرگ نے اپنی باقی تمام قوتوں کو، جو آغوش میں آسودہ ہونے ہی والی تھیں، جمع کیا، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور نیم مردہ پلکوں کو اس طرح جنبش دی، گویا تماشائے انجم کے لئے اپنی آخری نگاہوں سے جھونپڑے کی چھت کو پھاڑ دینا چاہتا ہے۔

وہ کہنے لگا:

''آ، اے حسین موت آ! میری روح تیری مشتاق ہے میرے قریب آ، اور مادی زنجیریں توڑ دے۔ میں اس لامتناہی سلسلہ سے اکتا گیا ہوں۔

آ، اے شیریں موت! اور مجھے ان لوگوں میں سے نکال، جو مجھے اجنبی سمجھتے ہیں، صرف اس بنا پر کہ میں جو کچھ فرشتوں سے سنتا ہوں، انسانی زبان میں ادا کر دیتا ہوں۔''

آ، جلدی سے میرے قریب آ، کیونکہ دنیا میرے خیال سے فارغ ہے، اس نے مجھے گوشہ نسیاں میں ڈال دیا ہے، صرف اس بات پر کہ میں اس کی طرح مال و دولت کی پوجا نہیں کرتا اور نہ اپنے سے کمزور کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہوں۔

آ، اے میری من موہنی! آ، اور مجھے اپنے ساتھ لے چل، کیونکہ میرے پس ماندوں کو اب میری ضرورت نہیں رہی۔ آ، اور مجھے اپنے محبت بھرے سینہ سے چمٹا لے، میرے ان ہونٹوں کو بوسہ دے جو کبھی اپنی ماں کے پیار سے لذت آشنا نہیں ہوئے جنہوں نے کبھی اپنی بہن کے رخساروں کو مس نہیں کیا اور جنہوں نے آج تک اپنے محبوب کے چہرہ کا بوسہ نہیں لیا۔ آ، میری پیاری موت! جلدی آ، اور مجھے آزاد کر!

اس وقت مرنے والے کے بستر کی جانب، نسوانی سایہ تھا، غیر مادی اور متحرک سایہ! جس کے جسم پر سفید برف سا لباس تھا اور ہاتھوں میں فردوسی پھولوں کا تاج۔

سایہ رینگا اور اس کے گلے لگ گیا اس نے شاعر کی آنکھوں کو بند کر دیا، تاکہ وہ روح کی آنکھوں سے مشاہدہ کرے اور اس کے لبوں کو محبت کا بوسہ دیا وہ بوسہ محبت جس نے اس کے ہونٹوں پر ابدی تبسم چھوڑ دیا۔

اب اس گھر میں، مٹی کے ایک ڈھیر اور ان اوراق کے سوا، جو اندھیرے میں ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے، اور کچھ نہ تھا۔

صدیاں بیت گئیں اور اس شہر کے رہنے والے، بے حسی، لاپروائی اور سکھ چین کی

نیند سوتے رہے۔ بالآخر جب وہ بیدار ہوئے اور ان کی آنکھیں صبح معرفت کے نور سے روشن ہوئیں تو انہوں نے ''میدان عام'' میں اس شاعر کا بت نصب کیا اور ہر سال اس کی برسی منانے لگے۔

آہ! انسان کی نادانی!

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بیوہ کی دعا

دن پر غالب آنے کے لئے، جس میں وادی قادیسا کے آس پاس کے گاؤں میں مسلسل برف باری ہوتی رہی تھی، رات نے نہایت تیزی سے حملہ کر دیا اور کھیتوں اور پہاڑیوں کو ایک سفید و سادہ صفحہ بنا دیا، جس پر ہوا پہلے کچھ لکھتی اور پھر مٹا دیتی تھی، جس سے آندھیوں کے جھکڑ، غضب ناک فضا کو دہشت انگیز فطرت سے آمیز کرتے ہوئے کھیل رہے تھے۔

انسان مکانوں میں جا چھپے تھے اور موسمی باڑوں میں، ہر ذی حیات حرکت و عمل سے عاجز تھا اور خلش آفریں سردی، بے پناہ خیلی، خوفناک و سیاہ رات اور ہولناک و طاقت ور موت کے کچھ باقی نہ رہا تھا۔

گاؤں کی آبادی سے الگ، ایک تنہا مکان میں، ایک عورت، انگیٹھی کے سامنے بیٹھی، اونی چادر بن رہی تھی، پہلو میں اس کا اکلوتا بچہ تھا، جو کبھی آگ کے شعلوں کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنی ماں کے پرسکون چہرہ کو۔ یکا یک آندھی تیز ہوگئی اور مکان کے در و دیوار لرزنے لگے۔ بچہ ڈر کر ماں سے اور قریب ہو گیا، تا کہ اس کی آغوش شفقت میں عناصر کی غضب ناکی سے محفوظ ہو جائے ماں نے اسے اپنے سینہ سے چمٹا کا پیار کیا اور اپنے گھٹنوں پر بٹھا کر کہنے لگی:

''بیٹا! ڈرو نہیں، فطرت انسان کو اس کی بے بضاعتی کے مقابلہ میں اپنی عظمت اور اس کی کمزوری کے مقابلہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے نصیحت کرنا چاہتی ہے۔ نہ ڈر! میرے بچے! کہ زمین پر گرتی ہوئی برف، آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں اور فضا کو تلپٹ کر دینے والی آندھی کے جھکڑوں کے پس پردہ ایک عام اور برگزیدہ روح ہے، جو میدانوں اور پہاڑوں کی ضروریات کو جانتی ہے، ہر چیز کے پس پردہ ایک روزن ہے، جس میں سے یہ روح انسان کے بے بضاعتی کو بہ نگاہ رحمت و شفقت دیکھتی ہے۔ خوف نہ کھا! میرے کلیجہ کے ٹکڑے! کہ فطرت، جو پہاڑ میں مسکراتی،

گرمیوں میں قہقہے لگاتی اور خزاں میں آہیں بھرتی ہے، اب رونا چاہتی ہے تاکہ زمین کے انتہائی طبقہ میں پڑی ہوئی زندگی اس کے سرد آنسوؤں سے اپنی پیاس بجھالے۔ میرے بچے! سو جا! کل جب تو بیدار ہوگا تو آسمان کو صاف اور میدانوں کو برف کی سفید چادر اوڑھے دیکھے گا جس طرح موت سے مقابلہ کے بعد روح پاکیزگی کا لباس پہن لیتی ہے سو جا! میرے اکلوتے بچے! تیرا باپ اس وقت ہمیں ابدیت کی نزہت گاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ مبارک ہے وہ آندھی اور وہ برفباری، جو ہمیں ان غیر فانی روحوں کی یاد سے ہم آغوش کردے! میرے پیارے! سو جا! بہار آنے پر تو انہیں عناصر سے، جو آج نہایت شدت سے۔ آپس میں دست و گریباں ہیں، خوبصورت پھول توڑے گا جس طرح انسان الم ناک دوری حوصلہ فرسا صبر اور ہلاکت خیز مایوسی کے بعد محبت کا پھل پاتا ہے میری آنکھوں کے نور! سو جا! سو جا! کہ شیریں خواب رات کی ہیبت اور سردی کی شدت سے بے خوف ہوکر، تجھ تک آئیں گے۔''

بچے نے اپنی ماں کی طرف دیکھا، نیند نے اس کی آنکھوں کی سرمگیں بنا دیا تھا۔ وہ کہنے لگا!

''اماں! نیند نے میری پلکوں کو بوجھل بنا دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں میں صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی نہ سو جاؤں۔''

مہربان ماں نے اسے اپنے گلے سے لگالیا اور اشک آلود آنکھوں سے اس کے چہرہ کو دیکھنے لگی، جس پر فرشتوں کی معصومیت کھیل رہی تھی، اس نے کہا:

''میرے بچے! میرے ساتھ دعا مانگ: یارب! فقیروں پر رحم کر! انہیں بے پناہ سردی کی سنگدلی سے بچا! اور ان کے عریاں جسموں کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ!''

جھونپڑیوں میں سوئے ہوئے یتیموں اور برف کی تیرافگنی کو دیکھ! جو ان کے جسموں کو چھیدے ڈالتی ہے!

یارب! بیواؤں کی فریاد سن! جو سڑکوں پر موت کے چنگل اور سردی کے پنجوں میں گھری کھڑی ہیں۔

یارب! اپنا ہاتھ سرمایہ دار کے دل کی طرف بڑھا، اور ان کی چشم بصیرت کو وا کر! تا کہ وہ کمزوروں اور مظلوموں کی تباہ حالی دیکھ سکیں!

یارب! ان بھوکوں پر مہربانی فرما! جو اس تیرہ و تار رات میں دروازے کے سامنے کھڑے ہیں اور پردیسیوں کی غریب الوطنی پر رحم کھا کر گرم مسکنوں کی طرف ان کی رہنمائی کر!

یارب! چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی طرف دیکھ! اور اپنے دائیں ہاتھ سے ان درختوں کی حفاظت کر! جو ہوا کی تندھی سے خائف ہیں۔

یارب! ایسا کر، کہ تجھ میں سب قدرت ہے!

جب نیند بچہ سے ہم آغوش ہوگئی تو ماں نے اسے، اس کے بستر پر لٹا دیا اور کانپتے ہونٹوں سے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور کے بعد اٹھی اور انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر، اس کے لئے اونی چادر بننے لگی۔

☆☆☆☆☆

---

1 وادی قادیسا، یعنی مقدس لوگوں کی وادی، اس نام سے اس لئے موسوم ہے کہ زاہدوں کا ملجاء اب بحر و پسندوں کا مادی ہے جو دنیا کی بد بختیوں اور سماج کے ہنگاموں سے اکتا کر بھاگتے ہیں۔ یہاں انہیں ایک عام سناٹا اور وہ غار بہ آسانی سے مل جاتے ہیں، جنہیں دست فطرت زمین کا سینہ چیر کا بناتا ہے۔ یہ وادی اس قدر گہری ہے کہ اگر سورج کی شعاعیں چاہیں بھی تو بیک وقت اس کی پنہائیوں کا احاطہ نہیں کر سکتیں اسے لبنان کے سینہ کا گہرا زخم سمجھنا چاہیے وہ گہرا زخم جو نہایت گہری دوستی کے بعد، زمانہ کے ہاتھوں اسے پہنچا۔

محبت

نہر کے کنارے، اخروٹ اور بید مشک کے درختوں کی چھاؤں تلے ایک غریب کسان کا لڑکا بیٹھا، بہتے پانی کو نہایت سکون و خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نوجوان کھیتوں میں پروان چڑھا تھا، جہاں ہر چیز محبت کی کہانی سناتی ہے، جہاں شاخیں آپس میں گلے ملتی ہیں، جہاں نسیم بہار پھولوں سے آنکھ مچولی کھیلتی ہے، جہاں پرندے الفت کے گیت گاتے ہیں، اور جہاں فطرت اپنی تمام نظر فریبیوں کے ساتھ روحانیت کی تلقین کرتی ہے۔

اس بیس سالہ نوجوان نے کل ایک دوشیزہ کو چشمہ کے کنارے، حسین لڑکیوں کے جھرمٹ میں دیکھا اور عاشق ہو گیا، لیکن اب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی لڑکی ہے تو اس نے اپنے دل کو ملامت کی اور اپنی روح سے خود اس کی شکایت کی۔ مگر بے سود! ملامت دل کی محبت سے باز رکھ سکتی ہے، نہ شکایت روح کو حقیقت سے ہٹا سکتی ہے۔ انسان، اپنے دل اور روح کے درمیان، اس نرم نازک شاخ کی مثال ہے، جو شمالی اور جنوبی ہواؤں کی زد میں ہو!

نوجوان نے نگاہ اٹھائی: بنفشہ کے پھول، بابونہ کے پھولوں کے ہم پہلو اگے ہوئے تھے، اور بلبل، قمری سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اسے اپنی تنہائی پر رونا آ گیا، محبت کی گھڑیاں اس کی نگاہوں کے سامنے سے پرچھائیوں کی طرح گزر گئیں۔ اس نے کہا الفاظ اور آنسوؤں کے ساتھ اس کے جذبات بھی رواں تھے:

''یہ محبت ہی ہے، جو میرا مذاق اڑاتی ہے! دیکھو! وہ مجھے بے وقوف بنا کر اس جگہ لے آئی ہے، جہاں آرزوئیں عیب سمجھی جاتی ہیں اور تمنائیں ذلت!''

محبت نے جس کا میں پجاری ہوں میرے دل کو تو شاہی محل میں اچھال پھینکا اور میری زندگی کو ایک غریب کسان کی پست و زبوں جھونپڑی میں دھکیل دیا۔ آہ! اس نے میری روح کو اس پری وش کے حسن کا اسیر کر دیا، جسے لوگ ہر وقت گھیرے رہتے

ہیں اور اقتدار اعلیٰ جس کی حفاظت کرتا ہے!

اے محبت! میں تیرا حلقہ بگوش ہوں، پھر تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ میں تیرے پیچھے پیچھے آتشیں راستوں پر چلا اور شعلوں نے مجھے لپک لیا، میں نے اپنی آنکھیں کھولیں، لیکن تاریکی کے سوا، مجھے کچھ نظر نہ آیا، میں نے اپنی زبان کو جنبش دی، لیکن یاس و ناامیدی کے سوا ایک لفظ میرے منہ سے نہ نکلا۔

اے محبت! ''شوق'' نے مجھے ایک ایسی ''روحانی تشنگی'' سے ہم کنار کر دیا ہے، جو محبوب کے بوسہ کے سوا، رفع نہیں ہو سکتی۔

میں کمزور ہوں، اے محبت! اور تو قوی، پھر مجھ سے کیوں جھگڑتی ہے؟ میں بے گناہ ہوں اور تو عادل، پھر مجھے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ کیوں بناتی ہے؟ مجھے کیوں ذلیل کرتی ہے؟ جبکہ تیرے سوا، میرا کوئی مددگار نہیں! مجھ سے بے تعلق کیوں ہوتی ہے؟ جبکہ تو ہی میری خلقت کا سبب ہے! اگر میرا خون تیری مرضی کے خلاف رگوں میں گردش کرے، تو اسے بہا دے! اگر میرے قدم، تیری راہ کے سوا، ذرا بھی حرکت کریں، تو انہیں کاٹ ڈال! اس جسم کے ساتھ جو تیرا جی چاہے، کر! لیکن میری روح کو ان پرسکون کھیتوں میں، اپنے بازوؤں کے زیر سایہ، لطف اٹھانے دے!

نہریں اپنے محبوب، سمندر کی طرف رواں ہوتی ہیں، پھول اپنے معشوق، نور کے لئے مسکراتے ہی، بادل اپنی ارادت مند، وادی میں اترتے ہیں لیکن میں جس کی بپتا سے نہریں واقف ہیں، نہ پھول اور بادل خود کو اپنے غم میں تنہا اور اپنی محبت میں اکیلا پاتا ہوں ''اس'' سے دور، جو مجھے اپنے باپ کی فوج کا سپاہی بنانا پسند کرے گی نہ اپنے محل کا خادم!

نوجوان تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا، گویا نہر کی نغمہ آگیں روانی اور شاخوں کے پتوں کی لطیف سرسراہٹ سے گفتگو کا سلیقہ سیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا:

''اے وہ، کہ میں تیرے نام سے اس قدر مرعوب و خائف ہوں کہ تجھے، تیرا نام لے کر پکار بھی نہیں سکتا! اے شان و شکوہ کے پردوں اور عظمت و جلال کی دیواروں میں مجھ سے چھپنے والی! اے وہ حور بقاء کی ابدیت کے سوا جہاں ہر طرف مساوات ہی مساوات ہے میں تجھ سے ملنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا! اے وہ، کہ تلواریں تیری اطاعت کرتی ہیں، گردنیں تیرے سامنے خم ہوتی ہیں اور خزانوں اور عبادتگاہوں کے دروازے تیرے لئے کھلے ہیں! تو نے میرے دل پر قبضہ کر لیا، جسے محبت نے مقدس کیا تھا، میری روح کو اپنا غلام بنا لیا ہے، جسے اللہ نے شرف و امتیاز بخشا تھا اور میری عقل کو پرچا لیا ہے، جو کل ان کھیتوں کی آزاد فضا میں بے فکر تھی، لیکن آج محبت کی زنجیروں میں مقید ہے۔''

اے حسین دوشیزہ! جب میں نے تجھے دیکھا، تو اپنی تخلیق کی غایت کو پا لیا، لیکن جب میری نظر تیری بلدی اور اپنی پستی پر گئی، تو مجھے معلوم ہو گیا فطرت کے کچھ راز ہیں، جو انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتے، اور کچھ راستے ہیں، جو روح کو ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہیں جہاں محبت انسانی قانون سے بالاتر ہو کر حکومت کرتی ہے۔

اے غزال رعنا! جب میں نے تیری مست انکھڑیاں دیکھیں، تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ زندگی ایک جنت ہے اور انسان کا دل، اس کا دروازہ! لیکن جب تیری عظمت اور ذلت کو مارو اور رٹبال کی طرح آپس میں گتھم گتھا ہوتے پایا، تو جان لیا کہ یہ زمین میرا وطن نہیں ہو سکتی۔

اے حسن و جوانی کے پیکر لطیف! جب میں نے تجھے حسین لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھے دیکھا جیسے پھولوں میں گلاب! تو گمان کیا کہ میرے خوابوں کی دلہن نے انسانی قالب، اختیار کر لیا ہے، لیکن جب مجھے تیرے باپ کی بزرگی اور مرتبہ کا علم ہوا تو میری سمجھ میں آ گیا کہ گلاب کا پھول توڑنے سے پہلے ان کانٹوں سے سابقہ پڑتا ہے، جو انگلیوں کو زخمی کر دیتے ہیں، ہاں میری سمجھ میں آ گیا کہ جو کچھ خواب جمع

کرتے ہیں، بیداری اسے منتشر کر دیتی ہے!

نوجوان اٹھا اور ان الفاظ میں یاس و نا امیدی کی تصویر کھینچا ہوا شکستہ دلی اور بے دمی کے ساتھ چشمہ کی طرف روانہ ہوا:

''اے موت! آ، اور مجھے زندگی کی قید سے چھڑا لے! وہ سرزمین، جہاں کانٹے پھولوں کا گلا گھونٹتے ہوں، رہنے کے قابل نہیں۔''

آ، اور مجھے اس زمانے سے نجات دے، جس میں محبت کو عظمت کی کرسی سے اتار کر، اس کی جگہ دنیوی عزت کو بٹھا دیا گیا ہے۔

مجھے آزاد کر، اے موت! دو محبت بھرے دلوں کی ملاقات کے لئے آغوش ابد اس دنیا سے کہیں زیادہ موزوں ہے۔ وہاں میں اپنی محبوبہ کا انتظار کروں گا! اور وہیں ہم دونوں ملیں گے!

جب وہ چشمہ پر پہنچا تو شام ہو چکی تھی اور سورج نے اس کھیت سے اپنی سنہری چادر سمیٹنی شروع کر دی تھی۔ حسین شہزادی کے قدموں تلے روندی ہوئی زمین پر بیٹھ کر وہ رونے لگا۔ اس نے اپنا سر سینہ کی طرف جھکا لیا، گویا ''قلب گریزاں'' پر قابو پانا چاہتا ہے۔

اس اثناء میں، بید مشک کے درختوں میں سے ایک دوشیزہ سبزے کو اپنے دامنوں سے نہال کرتی نمودار ہوئی۔ وہ نوجوان کے پہلو آ کھڑی ہوئی اور اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا، نوجوان نے گھبرا کر نگاہ اٹھائی اس سونے والے کی طرح، جسے سورج کی شعاعوں نے بیدار کر دیا ہو۔ اس نے دیکھا: شہزادی سامنے کھڑی ہے۔ وہ گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا، جس طرح موسیٰ طور کی چوٹی پر اپنی محبت کا جلوہ روشن دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی زبان نے جواب دے دیا اور اشک آلود آنکھوں نے زبان کا فرض ادا کیا۔

دوشیزہ نے اسے گلے لگایا، ہونٹوں اور آنکھوں کو بوسہ دیا، گرم گرم کلوں کو چوسا اور

بانسری سے زیادہ شیریں آواز میں بولی:

میرے محبوب! میں نے تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے تنہائیوں میں تمہارے تصور سے جی بہلایا ہے، تم میری روح کے رفیق ہو، جسے میں نے گم کر دیا تھا، تم میری ذات کے حسین نصف آخر ہو جو اس دنیا میں آنے سے پہلے مجھ سے جدا کر لیا گیا تھا۔

میں چوری چھپے تم سے ملنے آئی ہوں، میرے حبیب! دیکھو، اس وقت تم میری آغوش میں ہو۔ پریشان نہ ہو! میں اپنے باپ کے جاہ و چشم پر لات مار کر آئی ہوں، تاکہ تمہارے ہمراہ کسی دور دراز مقام پر چلی جاؤں اور ہم دونوں زندگی اور موت کے جام ایک ساتھ پئیں۔

اٹھو، میرے پیارے! ہم انسانوں سے دور، بہت دور، کسی ویرانے میں چلیں

وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے والے درختوں میں سے ہو کر کہیں چلے گئے، رات کے پردوں نے انہیں روپوش کر دیا تھا، اور وہ بادشاہ کی قوت اور ظلمت کی پرچھائیوں سے بے خوف چلے جا رہے تھے۔

شاہی جاسوسوں کو شہر کے آس پاس دو انسانی ڈھانچے ملے جن میں سے ایک کے گلے میں ہار تھا۔ قریب ہی ایک پتھر پڑا تھا، جس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔

''ہمیں محبت نے ملایا ہے، پھر کون ہے، جو ہمیں جدا کر سکے؟ ہمیں موت نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے، پھر کون ہے جو ہمیں اس کی پناہ سے نکال سکے؟''

☆☆☆☆☆

شاعر

ایک کڑی، جو اس عالم کو آں ے والے عالم سے ملاتی ہے!

ایک شیریں چشمہ، جس سے پیاسی روحیں پانی پیتی ہیں!

دریائے حسن کے کنارے، ایک درخت، جس کے پکے ہوئے پھول بھوکے دلوں کی غذائیں!

کلام کی شاخوں پر پھدکنے وال بلبل، جس کے نغمے جس کی خلاؤں کو رقت و لطافت سے پر کر دیتے ہیں! ایک سفید بادل، جو خط شفق پر نمودار ہو کر پھیلتا ہے، بلند ہوتا ہے اور آسمان پر چھا جاتا ہے، پھر برستا ہے تا کہ چمن حیات کے پھولوں کو سیراب کرے!

ایک پھیلی ہوئی روشنی، جسے تاریکی چھپا سکتی ہے، نہ اس پر غالب آسکی ہے!

ایک چراغ، جسے محبت کی دیوی عشتروت نے تیل سے بھرا اور موسیقی کے دیوتا اپالو نے روشن کیا۔

ایک تنہا انسان، جس کا لباس، سادگی اور غذا، لطافت ہے۔ جو شجر حیات کے سائے میں بیٹھ کر ایجاد و اختراع کا سبق پڑھتا اور رات کی خاموشی میں جاگ کر نزول روح کا انتظار کرتا ہے!

ایک کسان، جو احساسات کے مرغزار میں اپنے دل کے بیج بوتا ہے، جو اس سرسبز کھیتی کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، جسے انسانیت اپنی غذا بناتی ہے۔

یہی ہے وہ شاعر، جسے لوگ زندگی میں کوڑی کوڑی کو پوچھتے اور اس کی قدر و قیمت اس وقت پہچانتے ہیں، جب وہ اس دنیا کو خیر باد کہہ کر اپنے سامدی وطن کی راہ لیتا ہے۔ یہی ہے وہ، جو انسان سے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے سوا کچھ نہیں چاہتا، یہی ہے وہ، جس کے انفاس بلند ہوتے ہیں اور فضا کو زندہ اور حسین پرچھائیوں سے لبریز کر دیتے ہیں۔ لیکن انسان اسے کھانے کے لئے روٹی کے چند ٹکڑے اور رہنے کے

لئے چند گز زمین دینے میں بھی بخل سے کام لیتا ہے۔

اے انسان! کب تک؟ اے کارگاہ وجود! کب تک ان لوگوں کے لئے فخر و مسرت سے مکان بناتی رہے گی جو زمین کو خون کے چھینٹوں سے رنگین کرتے ہیں؟ اور کب تک بے پرواہی سے ان لوگوں کو نظر انداز کرتی رہے گی، جو ذاتی خوبیوں سے تجھے امن وسلامتی کا تحفہ دیتے ہیں، تو کب تک قاتلوں اور ان لوگوں کی تعظیم کرتی رہے گی، جو اپنی گردنوں پر غلامی کا جوا رکھ لیتے ہیں۔ اور کب تک ان ہستیوں کا فراموش کرتی رہے گی، جو رات کی تاریکی میں اپنی آنکھوں کا نور برساتی ہیں تا کہ تجھے دن کی روشنی کا نظارہ کرنا سکھائیں اور ساری عمر بدبختی کے چنگل میں پھنسی رہتی ہے اس خیال سے کہ کہیں تو خوش بختی کی لذت کو نہ گنوا بیٹھے!

اور تم، اے شاعرو! اس زندگی وک زندگی کا روپ دینے والو! تم قدموں کی سنگدلی سے تنگ آ کر قوموں پر غالب آ گئے ہو اور غرور کے کانٹوں سے غضبناک ہو کر تم نے غار کے تاجوں کو تتر بتر کر دیا ہے!

اے شاعرو! تم نے دلوں پر قبضہ جما لیا ہے اور تمہارے قبضہ کی کوئی حد نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

زمانہ اور قوم

لبنان کے دامن میں، نہر کے کنارے جو چٹانوں میں بہتی ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے چاندی کے تارے ایک بھیڑیں چرانے والی بیٹھی تھی۔ اس کے چاروں طرف سوکھی دبلی بھیڑوں کا ریوڑ تھا، جو تازہ کانٹوں کے درمیان سوکھی گھاس چر رہا تھا یہ نو خیز لڑکی دور افق کی طرف دیکھ رہی تھی گویا فضا کے صفحات پر مستقبل کے واقعات کا مطالعہ کر رہی ہے۔ آنسو اس کی آنکھوں میں اس طرح چمک رہے تھے، جیسے نرگس کے پھولوں پر شبنم کے قطرے چمکتے ہیں اور مایوسی نے اس کے لبوں کو اس طرح وا کر دیا تھا، گویا اس کے دل کی آہوں میں تبدیل کر کے سلب کر لینا چاہتی ہے۔

جب شام ہوئی اور ٹیلے سائے کی چادر اوڑھنے لگے تو اچانک ایک بوڑھا اس نوجوان لڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جس کے سفید بال سینہ اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور سیدھے ہاتھ میں ایک تیز درانتی تھی۔ ایسے لہجہ میں جو موجوں کی گڑگڑاہٹ سے مشابہ تھا، اس نے کہا:

''سلام! اے سیریا!''

لڑکی سہم کر کھڑی ہوگئی اور ایسی آواز میں، جسے خوف منقطع کر رہا تھا اور اداسی مربوط، اس نے کہا:

''زمانہ! اب تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

یہ کہہ کر اپنی بھیڑوں کی طرف اشارہ کیا اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولی:

جن بھیڑوں سے کبھی وادی بھری رہتی تھی، اب ان میں سے صرف یہ باقی ہیں، بس یہی ہیں وہ بھیڑیں، جو تیرے دندان حرص و آزار سے بچ گئی تھیں، تو کیا تو ان میں سے کچھ اور بھیڑیں چاہتا ہے؟

یہی ہیں وہ چراگاہیں، جنہیں میں تیرے قدموں سے پامال دیکھ رہی ہوں، حالانکہ یہی چراگاہیں کبھی سرسبز اور وسائل معاش کا ہر چشمہ تھیں، میری بھیڑیں ان

میں پھول کھاتی تھیں اور پاک و صاف دودھ دیتی تھیں۔لیکن اب ان بھیڑوں کو دیکھ! ان کے پیٹ خالی ہیں اور یہ موت سے بچنے کے لئے کانٹے اور درختوں کی جڑیں چبا رہی ہیں:

زمانہ! خدا سے ڈر اور میری آنکھوں سے دور ہو جا! تیرے مظالم کی یاد نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا ہے اور تیری درانتی کی تیزی کے سبب میں موت سے محبت کرنے لگی ہوں۔

مجھے تنہا چھوڑ دے! تا کہ میں آنسوؤں کی شراب پیتی رہوں اور نسیم غم کی موجوں میں سانس لیتی رہوں۔

جا! اے زمانہ! مغرب میں جا! جہاں لوگ زندگی کی مسرتوں سے شاد کام ہیں اور مجھے ان بربادیوں پر ماتم کرنے کے لئے چھوڑ دے، جو تیرے صدقہ میں ہم پر نازل ہوئی ہیں۔

بوڑھے نے باپ کی سی شفقت سے اس کی طرف دیکھا اور درانتی اپنے کپڑوں میں چھپا کر بولا:

''سیریا! میں نے جو کچھ تجھ سے لیا ہے، وہ میری ہی بخشش و عطا کا ایک حصہ ہے۔ میں غارتگر ہرگز نہیں ہوں، جو کچھ کسی سے لیتا ہوں، مستعار لیتا ہوں اور جوں کا توں واپس کر دیتا ہوں۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ مجد دشرف کی خدمت سے حاصل کیا ہے، جو کبھی تیرے غلام تھا، انہوں نے اپنا حق وہی چادر اوڑھ کر حاصل کیا ہے، جو کبھی تیرے لئے تھی میں اور انصاف ایک ہی ذات کے دو جوہر ہیں، اس لئے مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں تیری بہنوں کو وہ نہ دوں، جو تجھے عطا کیا تھا۔ اور نہ میں اس پر قادر ہوں کہ اپنی محبت میں جانبداری سے کام لوں اس لئے کہ محبت کی تقسیم تو از روئے انصاف ہی ہوتی ہے۔''

سیریا! تجھے اپنے ہمسایہ ممالک مصر، ایران اور یونان سے سبق لینا چاہئے کہ ان کی

بھیڑیں بھی تیری بھیڑوں کی طرح سوکھی دبلی اور ان کی چراگاہیں بھی تیری چراگاہوں کی طرح بے آب وگیاہ ہیں۔

سیریا! جسے تو انحطاط و زوال سے تعبیر کر رہی ہے، میں اسے ضروری نیند سمجھتا اور کہتا ہوں، جس کے نتیجہ میں حرکت وعمل کی عشرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پھول حیات تازہ سے ہمکنار نہیں ہوتا، جب تک موت سے ہم آغوش نہ ہو اور محبت، عظمت کے اوج کمال پر نہیں پہنچتی، جب تک فراق وہجر کی تنگ وتاریک گھاٹیاں طے نہ کرے!

بوڑھا، نوجوان لڑکی سے اور قریب ہوگیا اور اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا:

''اے پیغمبروں کی بیٹی! مجھ سے ہاتھ ملا:''

نوجوان لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اشک آلود آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی:

''الوداعی! اے زمانہ الوداع!''

''رخصت! اے سیریا! پھر کبھی ملیں گے!''

زمانہ روپوش ہوگیا، جس طرح بجلی چھپ جاتی ہے۔ لڑکی نے اپنی بھیڑوں کو پکارا، اور ان کے آگے، دل ہی میں یہ فقرہ دہراتی، چلنے لگی:

''کیا پھر ملاقات ہوگی؟ کیا پھر ملاقات ہوسکتی ہے؟''

☆☆☆☆☆

آتشیں حروف

کیا راتیں ہم پر اسی طرح گزرتی رہیں گی؟ کیا زمانہ کے قدموں تلے ہم اسی طرح پامال ہوتے رہیں گے؟ کیا قومیں، اپنی تہوں میں، ہمیں اسی طرح لپیٹتی رہیں گی، اور ہمارے نام کے سوا، جسے وہ روشنائی کی بجائے پانی سے کتاب روزگار پر لکھیں گی، ہماری کوئی حفاظت نہ کریں گی؟

کیا یہ روشنی بجھ جائے گی؟ یہ محبت فنا ہو جائے گی؟ اور یہ تمنائیں مٹ جائیں گی؟

کیا موت ہر اس چیز کو ڈھا دے گی، جو ہم نے بنائی ہے؟ کیا ہوا ہر اس بات کو منتشر کر دے گی، جو ہمارے منہ سے نکلی ہے؟ اور کیا تاریکی ہر اس فعل کو چھپا دے گی، جو ہم سے صادر ہوا ہے؟

کیا یہی ''زندگی'' ہے؟ کیا یہی ''ماضی'' ہے؟ جو اس طرح گزر گیا کہ اس کے نشانات بھی ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئے! کیا یہی ''حال'' ہے؟ جو ماضی کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا ہے! اور کیا یہی ''مستقبل'' ہے جو ''حال'' یا ''ماضی'' ہوئے بغیر، بالکل بے معنی ہے!

کیا ہمارے دل کی تمام مسرتیں اور ہماری روح کے سارے غم زائل ہو جائیں گے؟ بغیر اس کے کہ ہم ان کے نتیجوں سے واقف ہوں؟

کیا انسان اسی طرح رہے گا؟ اس بلبلے کی مثال، جو تھوڑی دیر کے لئے سطح سمندر پر نمودار ہوتا ہے، لیکن جب ہوا کے جھونکے آتے ہیں، تو پھوٹ جاتا ہے گویا کبھی تھا ہی نہیں!

نہیں! اپنی زندگی کی قسم! کبھی نہیں! زندگی کی حقیقت زندگی ہے وہ زندگی، جس کا آغاز رحم مادر سے ہوتا ہے، نہ خاتمہ قبر میں۔ یہ ماہ و سال اس ازلی اور ابدی حیات کے ایک لحظہ کے سوا کچھ نہیں! یہ دنیوی زندگی، اپنے تمام متعلقات کے ساتھ، ایک نیند ہے، اس بیداری کے ہم پہلو جسے ہم ''ڈراؤنی موت'' کہتے ہیں، ایک ایسا

خواب ہے کہ جو کچھ ہم اس میں دیکھتے اور کرتے ہیں، وہ بقائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے!

فضا، ان تمام مسکراہٹوں اور آہوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جو ہمارے دل سے نکلتی ہیں۔ اور ان بوسوں کی آواز کو محفوظ کر لیتی ہے جس کا سرچشمہ محبت ہے۔ فرشتے آنسوؤں کے ان قطروں کو نگاہ میں رکھتے ہیں، جنہیں غم ہماری آنکھوں سے بہاتا ہے، اور وہ نغمے، فضائے لانہایت میں اڑنے والی روحوں کو سناتے ہیں، جنہیں فرحت ہمارے محسوسات میں پیدا کرتی ہے۔

وہاں آنے والی زندگی میں ہم اپنے جذبات کی تمام موجیں اور اپنے دل کی تمام جنبشیں دیکھیں گے۔ وہاں ہم اپنی الوہیت کو پہنچانیں گے جسے اب یاس و نوامیدی کے اثرات کی بنا پر، حقارت سے دیکھتے ہیں۔

گمراہی جسے آج ہم کمزوری کے نام سے پکارتے ہیں، کل ہماری ہستی کا وہ حلقہ بن کر ظاہر ہوگی، جو انسان کے سلسلہ زندگی کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

مشقت جسے اب ہم اپنی برداشت سے باہر سمجھتے ہیں، ہمارے ساتھ زندہ رہے گی اور ہماری عظمت و بزرگی کا سبب بنے گی۔

تکلیف، جو آج ہم بادل ناخواستہ سہہ رہے ہیں کل ہمارے لئے فکر کا تاج ہو گی۔

جان کیٹس وہ بلبل خوش نوا، اگر یہ جانتا کہ اس کے نغمے انسان کے دل میں ہمیشہ محبت حسن و جمال سے محبت کی روح پھونکتے رہیں گے تو کہتا:

''میری قبر پر کندہ کر دو:''

یہاں اس شخص کی ہڈیاں ہیں، جس کا نام آسمان پر آتشیں حروف سے لکھا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مستقبل

حال کی دیواروں کے پیچھے میں نے انسانیت کے نغمہ ہائے عبودیت سنے، گھنٹوں کی آوازیں سنیں، جو عبادت گاہ جمال میں آغاز عبادت کا اعلان کرتی ہوئی، ایتھر کے ذرات کو متحرک کر رہی تھیں ہاں! ان گھنٹوں کی آوازیں سنیں جنہیں قوت نے احساسات کی دھات کو پگھلا کر بنایا اور اپنے مقدس ہیکل قلب انسانی پر لٹکا دیا تھا!

مستقبل کے پیچھے میں نے دیکھا کہ وہ مشرق کی طرف منہ کئے فطرت کے سینہ پر سر بہ سجدہ ہے، اور صبح صبح حقیقت کے ہجوم نور کا منتظر ہے!

میں نے تباہ شدہ شہر کو دیکھا، جس کے آثار میں سے، شبنم کے ان چند تازہ قطروں کے سوا کچھ باقی نہ تھا، جو لوگوں کو نور کے مقابلہ میں ظلمت کی شکست کا حال سنا رہے تھے۔

میں نے ادھیڑ عمر کے لوگوں کو بیدا اور چنار کے سائے میں بیٹھے دیکھا، جن کے چاروں طرف لڑکے بیٹھے، زمانہ کے واقعات سن رہے تھے۔

میں نے نوجوانوں کو دیکھا، جو سرود اور بانسری بجا رہے تھے اور نوخیز لڑکیاں، بال کھولے، ان کے اردگرد، یاسمین کی شاخوں تلے ناچ رہی تھیں۔

میں نے بوڑھوں کو دیکھا، جو کھیت کاٹ رہے تھے اور عورتیں اناج کی ٹوکریاں اپنے سروں پر رکھے عشرت و مسرت کے راگ گا رہی تھیں۔

میں نے انسان اور دوسری مخلوق کے درمیان محبت کا رشتہ استوار پایا، چنانچہ پرندوں اور تتلیوں کے پرے، بے خوف ہو کر انسان کے قریب آ رہے تھے اور ہرنوں کی ڈار اطمینان سے چشموں پر جھکی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا تو فقیری تھی نہ سرمایہ داری، بلکہ اخوت و مساوات کا دور دورہ تھا۔ مجھے ڈاکٹر نظر نہ آیا، اس لئے کہ اپنی سوجھ بوجھ کی بنا پر، ہر شخص اپنا معالج آپ تھا۔ نہ مجھے کوئی پادری دکھائی دیا اس لئے کہ سب سے بڑا کاہن ضمیر تھا۔ وہاں کسی وکیل کا بھی وجود نہ تھا۔ اس لئے کہ

عدالت کی جگہ فطرت نے لے لی تھی اور وہی محبت اور دوستی کے عہد ناموں کی تصدیق وتوثیق کر رہی تھی۔

میں نے دیکھا: انسان اس حقیقت سے آشنا ہو گیا ہے کہ وہی مخلوقات کے زاویئے کا مرکز ہے، اس لئے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتا اور ذلیل حرکات سے بلند ہو گیا ہے۔ اس نے ذہنی بصیرت کی آنکھ سے شک وشبہ کے پردے ہٹا دیئے ہیں، جس کی بنا پر وہ ان عبارتوں کو پڑھنے لگا ہے، جو بادل صفحہ آسمان پر لکھتے ہیں، اور نسیم کی موجیں سطح آب پر، اب وہ پھولوں کے انفاس کی لم اور بلبل اور کوئل کے نغموں کا مطلب سمجھنے لگا ہے۔

حال کی دیواروں کے پیچھے مستقبل کے اسٹیج پر میں نے دیکھا کہ جمال دولہا ہے اور روح اس کی دلہن اور زندگی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ ان کی شب زفاف!

☆☆☆☆☆

بوڑھی ملکہ

چار غلام ایک بوڑھی ملکہ کو جو تخت پر محوِ خواب تھی کھڑے پنکھا جھل رہے تھے۔ بلکہ خراٹے لے رہی تھی اس کی گود میں ایک بلی لیٹی غرا رہی تھی اور غلاموں کی طرح ستائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

پہلے غلام نے کہا ''بوڑھیا نیند میں کس قدر بدصورت نظر آتی ہے۔ دیکھو تو اس کا چہرہ کیسے لٹک گیا ہے۔ اور سانس کس طرح لے رہی ہے۔ جیسے شیطان اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔''

بلی نے غراتے ہوئے کہا ''یہ نیند کے عالم میں اتنی بدنما معلوم نہیں ہوتی جتنے کے تم غلام، بیداری کی حالت میں معلوم ہوتے ہو۔''

دوسرے غلام نے کہا ''تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ نیند میں اس کی جھریاں گہری ہونے کے بجائے نکھر رہی ہیں۔ یہ ضرور کوئی برا خواب دیکھ رہی ہے۔''

بلی نے غرا کر کہا ''کاش تم بھی سو کر اپنی آزادی کے خواب دیکھتے۔''

تیسرے غلام نے کہا ''غالباً یہ ان لوگوں کا جلوس دیکھ رہی ہے جو اس نے قتل کئے۔''

بلی نے غراتے ہوئے کہا ''ہاں یہ تمہارے آباؤ اجداد اور تمہارے ورثا کا جلوس دیکھ رہی ہے۔''

چوتھے غلام نے کہا ''اس کے متعلق باتیں کرنا تو ایک اچھا مشغلہ ہے لیکن کھڑے کھڑے پنکھا جھلنا کچھ کم مصیبت نہیں۔''

بلی نے غراتے ہوئے کہا ''تم ابد تک پنکھا جھلتے رہو گے۔ جیسے تم زمین پر ہو، ویسے ہی تم آسمان پر رہو گے۔''

اس وقت بوڑھی ملکہ نے سوتے میں اپنے سر کو جھٹکا دیا اور اس کا تاج زمین پر آ گرا۔

ایک غلام نے کہا ''یہ برا شگون ہے۔''

اور بلی نے غرا کر کہا ''ایک شخص کا برا شگون دوسرے کے لئے نیک شگون ہوتا ہے۔''

دوسرے غلام نے کہا ''اگر یہ بیدار ہو جائے۔ اور اپنا تاج زمین پر گرا ہوا پائے تو یقیناً ہمیں قتل کر دے۔''

بلی نے غراتے ہوئے کہا ''تمہاری پیدائش کے وقت سے یہ تمہیں ہر روز قتل کر رہی ہے لیکن تم نہیں جانتے''

تیسرے غلام نے کہا ''ہاں یہ ہمیں قتل کر دے گی۔ اور اسے دیوتاؤں کی قربانی تصور کرے گی۔''

بلی نے غرا کر کہا ''صرف کمزور ہی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔''

چوتھے غلام نے دوسرے غلاموں کو چپ کراتے ہوئے اور ملکہ کو بیدار کئے بغیر آہستہ سے تاج اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

بلی نے غراتے ہوئے کہا ''صرف ایک غلام ہی گرے ہوئے تاج کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ سکتا ہے۔''

کچھ دیر بعد بوڑھی ملکہ بیدار ہوئی۔ اس نے اپنے اردگرد دیکھا اور ایک جمائی لی اور کہا ''میرا خیال ہے کہ میں ایک خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بچھو شاہ بلوط کے ایک پرانے درخت کے اردگرد چار کیچوؤں کا تعاقب کر رہا ہے۔ یہ خواب مجھے پسند نہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر آنکھیں بند کر کے سو گئی۔ اور خراٹے لینا شروع کر دیئے چاروں غلام اسے پنکھا جھلتے رہے۔''

بلی نے غرا کر کہا ''جھلتے جاؤ ہاں پنکھا جھلتے جاؤ بیوقوفو اور اس آگ کو ہوا دیتے جاؤ۔ جو تمہیں لپیٹ میں لے رہی ہے۔''

☆☆☆☆☆

تارک الدنیا

میں جوانی کے عالم میں ایک مرتبہ ایک تارک الدنیا شخص سے ملا۔ جو پہاڑیوں سے پرے ایک خاموش اور پرسکون وادی میں رہتا تھا۔ ہم نیکی کی حقیقت پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک تھکا ماندہ ڈاکو پہاڑی سے لنگڑاتا ہوا آیا۔ جب وہ کنج کے پاس پہنچا تو وہ درویش کے سامنے جھکا اور بولا

''سائیں بابا کیا مجھے آرام ملے گا۔ میں گناہوں سے دبا ہوا ہوں۔''

درویش نے جواب دیا ''میں خود بھی اپنے گناہوں سے دبا ہوا ہوں''

ڈاکو نے کہا لیکن میں چور اور لٹیرا ہوں۔

درویش نے جواب دیا میں خود بھی ایک چور اور لٹیرا ہوں۔

ڈاکو نے کہا ''لیکن میں خونی ہوں اور لاتعداد انسانوں کا خون میرے کانوں میں چیخ رہا ہے۔''

درویش بولا ''میں خود بھی ایک قاتل ہوں اور بے شمار انسانوں کا خون میرے کانوں میں چیخ رہا ہے۔''

ڈاکو نے کہا ''میں نے ان گنت جرم کئے ہیں۔''

درویش کہنے لگا ''میں نے خود بھی لاتعداد جرم کئے ہیں۔''

تب وہ ڈاکو اٹھ کھڑا ہوا۔ اور درویش کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی تھکاوٹ تھی۔ اور جب وہ ہم سے الگ ہوا تو وہ پہاڑی سے جست لگاتا گیا۔

میں درویش سے مخاطب ہوا اور کہا ''آپ نے خود کو نا کردہ گناہوں کا مجرم یوں ٹھہرایا۔ کیا آپ کا یہ خیال نہیں کہ یہ آدمی آپ سے بدظن ہو کر گیا ہے۔''

درویش نے جواب دیا ''یہ درست ہے کہ اب اسے مجھ پر اعتقاد نہیں رہا لیکن وہ یہاں سے بے حد مطمئن گیا ہے۔''

اس وقت ہم نے ڈاکو کو کچھ فاصلے پر گاتے ہوئے سنا۔ اس کے گیت کی گونج وادی کو مسرت سے لبریز کر رہی تھی۔

ہوس اقتدار

ایک دفعہ میں نے ایک انسانی سر اور لوہے کے پاؤں والا دیو دیکھا جو پیہم زمین کو کھاتا اور سمندر کو پیتا تھا میں دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر میں اس کے قریب گیا اور پوچھا ''کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں؟ تم کبھی سیر نہیں ہوئے اور تمہاری پیاس کبھی نہیں بجھی؟''

اور اس نے جواب دیا ''ہاں، میں مطمئن ہوں، نہیں میں کھانے پینے سے اکتا گیا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے، کہ کل میرے کھانے کے لئے نہ زمین باقی رہے گی اور نہ پینے کے لئے کوئی سمندر۔''

☆☆☆☆☆

چار شاعر

چار شاعر شراب کے ایک پیالہ کے گرد بیٹھے تھے جو میز پر رکھا تھا۔

پہلے شاعر نے کہا ''میرا خیال ہے کہ میں اپنی تیسری آنکھ سے اس شراب کی مہک کو وسعت پر ایسے منڈلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے کسی سحر زدہ جنگل پر پرندوں کا ایک جھلر۔''

دوسرے شاعر نے اپنا سر اٹھایا اور کہا ''میں اپنے باطنی کان سے ان موہوم پرندوں کو گاتے ہوئے سن رہا ہوں۔ اور ان کا نغمہ میرے دل کو یوں تھامے ہوئے ہے۔ جیسے سفید گلاب شہد کی مکھی کو اپنی پنکھڑیوں میں قید کر لیتا ہے۔''

تیسرے شاعر نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اور آسمان کی طرف بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''میرا ہاتھ انہیں چھو رہا ہے اور میں ان پرندوں کے پروں کو یوں محسوس کر رہا ہو جیسے محو خواب حسن کی سانس میری انگلیوں سے ٹکرا رہی ہو۔''

تب چوتھا اٹھا اور پیالے کو بلند کرتے ہوئے کہا ''افسوس دوستو میں تمہاری طرح دیکھنے سننے اور چھونے کی ان صلاحیتوں سے اس قدر محروم ہوں کہ میں اس شراب کی مہک نہیں دیکھ سکتا اور نہ موہوم پرندوں کا کوئی نغمہ سن سکتا ہوں اور نہ ان کے پروں کی پھر پھراہٹ ہی کو محسوس کر سکتا ہوں میں صرف شراب دیکھتا ہوں شراب اور مجھے اب اسے پینا ہی ہو گا۔ تا کہ اس سے میرے حواس میں بھی تیزی پیدا ہو جائے اور میں تمہارے تخیل کی بلندیوں تک پہنچ سکوں۔''

اور پیالے کو اپنے لبوں سے لگاتے ہوئے وہ شراب کی تلچھٹ تک پی گیا۔

تینوں شاعر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں ایک غیر شاعرانہ اور پیاسی نفرت تھی۔

☆☆☆☆☆

لہروں کا گیت

مضبوط ساحل میرا محبوب ہے اور میں اس کی محبوبہ ہوں۔

محبت ہمیں ایک دوسرے سے کبھی نہ کبھی ملا دیتی ہے اور پھر چاند مداخلت کرتا ہے اور ہمیں جدا کر دیتا ہے۔

میں تیزی سے اس کی طرف جاتی ہوں اور پھر جدا ہو جاتی ہوں۔

گہرے رنج کے ساتھ ہم ایک دوسرے کو الوداع کہتے ہیں میں گہرے نیلے افق سے نکل کر چپکے سے ساحل کی طرف بڑھتی ہوں اور اس کے لئے ریت کے سونے کا ایک تحفہ لاتی ہوں۔ پھر ہم نہایت مسرت سے ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔

میں اس کی پیاس بجھاتی ہوں اور دل کو حوصلہ دیتی ہوں۔

وہ میری آواز ملائم بناتا ہے اور میری برہمی کو کم کرتا ہے صبح سویرے میں اسے محبت کے گیت سناتی ہوں اور وہ فرط مسرت سے مجھے بھینچ لیتا ہے۔

جب جوار بھاٹا آتا ہے۔ میں اسے حوصلہ افزا اور امید کی جھلک دکھانے والے گیت سناتی ہوں۔

اور اس کے چہرہ پر بوسوں کے لطیف نشان چھوڑ کر جدا ہو جاتی ہوں۔

میں جذباتی اور خوف زدہ ہوں لیکن وہ سنجیدہ اور صابر ہے۔

اس کا کشادہ سینہ میرے غم کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

جب جوار بھاٹا آتا ہے تو ہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور جب جوار بھاٹا ختم ہوتا ہے، میں دعا کے لئے اس کے قدموں پر گر پڑتی ہوں۔

اکثر اوقات جب سمندری پریاں ستاروں کا نظاروں کرنے کے لئے سطح آب پر نمودار ہوتی ہیں، میں ان کے ساتھ رقص کرتی ہوں۔

میں نے اکثر اوقات محبت کرنے والوں کو اپنی تنگ دامانی اور بے بسی کی شکایت کرتے سنا ہے۔ میں ان کو سکون کا سامان بہم پہنچاتی ہوں۔

اکثر اوقات میں نے بڑی چٹانوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہے اور مسکراتے ہوئے انہیں گدگدایا ہے۔لیکن میں نے انہیں کبھی جواب میں مسکراتے نہیں دیکھا۔

بسا اوقات میں نے ڈوبنے والوں کو اوپر اٹھا کر اپنے ساحل تک پہنچایا ہے جو انہیں قوت بخشتا ہے جو اسے مجھ سے ملی ہے۔

بسا اوقات میں سمندر کی گہرائی سے موتی چرا کر اپنے محبوب ساحل کو دیئے ہیں وہ انہیں لے لیتا ہے اور میں تحفہ اسے دیتی رہتی ہوں کیونکہ وہ ہمیشہ میرا سواگت کرتا ہے۔

رات کے گہرے سناٹے میں جب کہ تمام مخلوق نیند کی گرفت میں ہوتی ہے۔میں ہمہم کرگانے لگتی ہوں میں کبھی گاتی ہوں اور کبھی آہیں بھرتی ہوں میں ہمیشہ بیدار رہتی ہوں۔

آہ نیند نے مجھے کمزور بنا دیا ہے لیکن مجھے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ محبت کی متوالی ہوں اور محبت ہر شے سے مضبوط اور اس کی عظمت ناقابل تسخیر ہے۔

یہ ممکن ہے کہ میں تھک جاؤں لیکن مجھے یقین ہے کہ موت مجھ پر غالب نہ آسکے گی۔

☆☆☆☆☆

انصاف

ایک رات قصر شاہی میں ایک دعوت ہوئی۔ اس موقع پر ایک آدمی آیا اور اپنے آپ کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ تمام مہمان اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ باہر نکل آئی ہے اور خالی جگہ سے خون بہہ رہا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا

تم پر کیا مصیبت پڑی ہے

اس آدمی نے کہا

''عالی جاہ میں ایک پیشہ ور چور ہوں اور آج شب جبکہ چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا میں ایک سیٹھ کی دکان لوٹنے گیا لیکن غلطی سے جلا ہے کے گھر میں داخل ہو گیا۔ جونہی میں کھڑکی میں سے کودا، میرا سر جلا ہے کے کرگھے سے ٹکرایا اور میری آنکھ پھوٹ گئی۔ عالی جاہ! میں اس جلا ہے کے معاملے میں انصاف چاہتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے جلا ہے کو طلب کیا اور فیصلہ سنایا کہ جلا ہے کی آنکھ نکال دی جائے۔''

جولاہا بولا

''جہاں پناہ! آپ کا یہ فیصلہ درست ہے کہ میری آنکھ نکال دی جائے لیکن عالی جاہ! میرے کام میں دونوں آنکھوں کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں اس کپڑے کے دونوں حصوں کو دیکھ سکوں جسے میں بنتا ہوں۔ البتہ میرے پڑوس میں ایک موچی ہے جس کی دونوں آنکھیں سلامت ہیں۔ اس کو ویسے بھی ان دونوں آنکھوں کی ضرورت نہیں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے موچی کو بلوایا اور اس کی ایک آنکھ نکلوا دی۔

اور اس طرح انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

جب طوفان گزر گیا

لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو زمین پر بچھا دینے اور بڑے بڑے درختوں کی مضبوط شاخوں کو توڑ دینے کے بعد طوفان تھم گیا اور اس طرح سناٹا چھا گیا۔ جیسے قدرت ہمیشہ سے پر امن رہی ہو۔ ستارے دوبارہ نظر آنے لگے۔

اسی وقت ایک نوجوان عورت اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے بستر کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ وفورِ غم سے اس کا دل بھر آیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

''میرے مالک اسے مجھ تک بخیریت پہنچا دے۔ میرے آنسو خشک ہو چکے ہیں اب میں مزید آنسو نہیں بہا سکتی۔ اے مالک اے رحمان اے رحیم! میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور صدمہ نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ میرے مالک اسے جنگ کی ہولناکیوں سے بچا۔ تو اسے بے رحم موت سے محفوظ رکھ وہ کمزور ہے اور طاقتور لوگوں کے بس میں ہے۔ اے مالک! میرے محبوب کو بچا۔ مجھے اس سے ملا دے یا ایسا ہو کہ وہ یہاں آ جائے۔ اور مجھے اپنے ساتھ لے کر چلا جائے۔''

اسی وقت ایک نوجوان مرد بڑی خاموشی سے کمرہ میں داخل ہوا اس کے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

وہ اس عورت کے قریب پہنچ گیا اور غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس نے عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور پھر اپنے ہونٹوں سے لگایا۔ پھر ایک ایسی آواز کے ساتھ جس میں ماضی کا غم اور حال کی خوشی شامل تھی اس نے کہا مجھ سے مت ڈرو میں تمہاری دعاؤں کا مرکز ہوں، مسکراؤ۔ اس لئے کہ اس نے مجھے بخیریت تمہارے پاس پہنچا دیا ہے۔ اور انسانیت نے ہمیں وہ چیز واپس دلا دی ہے جسے دوسروں کی خود غرضی اور لالچ نے ہم سے چھیننا چاہا تھا۔ اس لئے رنج نہ کرو بلکہ مسکراؤ۔ میری پیاری اب خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے محبت ایسی

طاقت ہے جو موت کو شکست دے دیتی ہے۔ ایسا جادو ہے جو دشمن کو مغلوب کر لیتا ہے۔ ادھر دیکھو یہ میں ہوں تمہارا محبوب میں ایک تصور یا خواب نہیں جو موت کی وادی سے نکل کر آیا ہوں۔ میں حقیقت میں زندہ ہوں۔ ادھر دیکھو میری طرف۔

گھبراؤ نہیں، ادھر دیکھو میں ایسی سیج ہوں جو تلواروں اور توپوں کے بھیانک ماحول سے نکل کر آیا ہوں اور میں لوگوں کو جنگ پر محبت کے غلبہ کی داستان سناؤں گا۔

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بول سکا۔ اس کا دل بھر آیا اس کے آنسو دل کا پیغام سنانے لگے۔ اور مسرت کے فرشتے اس عمارت پر اپنا سایہ ڈالنے لگے اور پھر ان دونوں دلوں نے اس یک جائی کو دوبارہ پالیا۔ جو ان سے چھین لی گئی تھی۔

اگلی صبح کو وہ دونوں ایک میدان میں کھڑے ہوئے قدرت کے اس حسن کا نظارہ کر رہے تھے۔ جس کل کا طوفان کسی حد تک زخمی کر چکا تھا۔

اطمینان کا ایک گہرا سانس لینے کے بعد سپاہی نے مشرق کی طرف دیکھا اور اپنی محبوبہ سے مخاطب ہوا۔

''پیاری ادھر دیکھو تاریکی نئے سورج کو جنم دے رہی ہے۔''

☆☆☆☆☆

بنفشہ کا پھول

خیابان چمن میں، ایک نظر فریب وخوشبو دار اور بنفشہ کا پھول تھا، جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور لمبی لمبی گھاس کے حلقہ میں لہرا رہا تھا، ایک دن صبح کو جبکہ اس کے سر شبنم کا تاج رکھا تھا، اس نے سر اٹھا کر ادھر دیکھا اس کی نگاہ ایک نازک اندام وخوش قامت گلاب کے پھول پر پڑی۔ اس کا ''سر پر غرور'' اس طرح بلند تھا، گویا زمردیں چراغ دان پر آگ کا شعلہ لرز رہا ہے۔

بنفشہ کے پھول نے اپنے نیلگوں ہونٹ وا کئے اور سرد آہ بھر کر کہنے لگا۔

''نباتی خوشبوؤں میں میرا حصہ کتنا کم اور پھولوں میں میرا درجہ کس قدر پست ہے۔ فطرت نے مجھے حقیر و ذلیل بنا کر پیدا کیا ہے تا کہ میں زمین سے چمٹے چمٹے اپنی عمر گزار دوں، میں اپنا سر نیلگوں آسمان کی طرف اٹھا سکتا ہوں نہ اپنا رخ گلاب کے پھول کی طرح سورج کی طرف کر سکتا ہوں۔''

گلاب کے پھول نے اپنے پڑوسی بنفشہ کے پھول کی بات سنی اور قہقہہ مار کر کہنے لگا۔

''تو بھی پھولوں میں کتنا مورکھ ہے جو نعمت تجھے حاصل ہے۔ افسوس کہ تو اس کی قدر و قیمت سے واقف نہیں۔ تجھے فطرت نے وہ خوشبو، وہ حسن اور دلکشی عطا فرمائی ہے جس سے اکثر پھول محروم ہیں۔ اپنے دل کو ان نامحمود خیالوں اور شیطانی آرزوؤں سے پاک رکھ اور اپنی تقدیر پر شاکر رہ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جس کسی نے اپنے بازوؤں کو نیچے کر لیا گویا اپنے مرتبہ کو بڑھا لیا اور جس کسی نے حرص وطمع کی، گویا نقصان کو دعوت دی۔''

بنفشہ کے پھول نے جواب دیا۔

''میاں گلاب! تم تسلی دے رہے ہو، اس لئے کہ تمہیں وہ تمام امتیازات حاصل ہیں جن کی مجھے آرزو ہے۔ تم تحکمانہ لہجے میں میرے احساس کمتری کو دور کرنا چاہ

رہے ہو، اس لئے تم بلند مرتبہ ہو، لیکن بدنصیب دلوں پر کامیابی و کامرانی کی نصیحتیں کیا اثر کر سکتی ہیں؟ اف! کس قدر سنگدل ہے، وہ طاقت ور، جو کمزوروں میں فصاحت و بلاغت کے دریاء بہائے!''

فطرت نے گلاب اور بنفشہ کے پھولوں کی گفتگو سنی اور متعجب ہو کر انگڑائی لی۔ پھر ذرا بلند آواز میں بولی۔

''میرے پیارے بنفشہ کے پھول! یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ میں تو تمہیں، تمہاری عاجزہ کی بنا پر دلکش، نرمی و نزاکت کی بنا پر شیریں اور غریب بیچارگی کی بنا پر شریف سمجھتی تھی کیا مکروہ خوابوں نے تمہیں بھی گمراہ کر دیا، کھوکھلی''

عظمت نے تمہاری عقل بھی چھین لی؟

بنفشہ نے آرزومندانہ لہجے میں کہا

اے عظمت و جبروت کی دیوی! اے شفیق و مہربان ماں! میں اپنے دل کی تمام آرزوؤں اور اپنی روح کی تمام آرزوؤں اور اپنی روح کی تمام امیدوں کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو میری التجا قبول کر لے اور مجھے خواہ ایک ہی دن کے لئے سہی، لیکن گلاب کا پھول بنا دے!

فطرت نے غصہ سے جواب دیا۔

''تو نہیں جانتا کہ کیا مانگ رہا ہے؟ اور تجھے معلوم نہیں کہ ظاہری عظمت میں کتنی بلائیں پوشیدہ ہوتی ہیں اگر میں نے تیرا قدم بلند کر دیا اور تیری صورت بدل کر تجھے گلاب کے پھول بنا دیا تو اس وقت تجھے ندامت ہو گی۔ بے سود ندامت!''

بنفشہ نے کہا

''میرے بنفشی وجود کو کشیدہ قامت اور بلند سر گلاب کے پھول سے بدل دے، اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ داری تجھ پر نہیں میری حرص و طمع پر ہو گی''

فطرت نے جواب دیا۔

''اے نادان و سرکش بنفشہ! میں نے تیری التجا قبول کی لیکن اگر مشکلات و مصائب تجھے گھیر لیں تو اس کی شکایت مجھ سے نہیں، اپنی ذات سے کرنا!''

فطرت نے اپنی مخفی و سحر کار انگلیوں سے بنفشہ کی پتوں کو مس کیا اور چشم زدن میں اسے ایک خوش رنگ گلاب کا پھول بنا دیا جو تمام پھولوں سے بلند تھا۔

☆☆☆☆☆

دن ڈھلتے، فضا پر طوفان خیز سیاہ بادل چھا گئے، سکون ہستی میں ہیجان پیدا ہوا، بجلی چمکنے لگی، بادل گرجنے لگے اور بادو باراں کا لشکر جرار باغوں اور چمن زاروں سے آمادہ پیکار ہو گیا۔ شاخیں ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔ سر بلند پھول طوفان کے تھپیڑوں سے مٹی میں مل گئے اور ان بیلوں اور پھولوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی جو زمین سے چمٹے ہوئے تھے یا چٹانوں میں پوشیدہ تھے۔

لیکن عناصر کے اس ہیجان نے دوسرے باغوں کو اتنا تباہ و برباد نہیں کیا جتنا اس چمن کو جس میں مادر فطرت نے بنفشہ کے پھول کو گلاب کا پھول بنایا تھا۔

چنانچہ جب طوفان فرو ہوا اور بادل چھٹے تو اس کے تمام پھول منشر ذرات کی طرح ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے اور اس طوفان خیز ہنگامہ کے بعد کوئی چیز صحیح و سلامت نہ رہی۔ سوائے بنفشہ کے ان پھولوں کے جو چمکنی دیواروں تلے روپوش تھے۔

☆☆☆☆☆

بنفشہ کے ایک نوشگفتہ پھول نے سر اٹھا کر دیکھا کہ چمن کے پھولوں اور درختوں پر کیا بیتی؟ وہ خوشی سے مسکرایا اور اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہنے لگا۔

''دیکھو! آندھی نے ان پھولوں کا کیا حشر کر دیا جو فخر غرور کے ساتھ سر اونچا کئے کھڑے تھے۔''

دوسرے بنفشہ کے پھول نے کہا

''ہر چند ہم زمین پر پڑے ہیں لیکن آندھی اور طوفان کے غیظ و غضب سے محفوظ

ہیں۔''

تیسرا بنفشہ کا پھول بولا۔

''یہ صحیح ہے کہ ہمارے جسم بہت حقیر ہیں لیکن تباہیاں ہم پر غالب نہیں آسکتیں۔''

اس وقت بنفشہ کے پھولوں کے بادشاہ نے نگاہ اٹھائی اور دیکھا کہ اس کے پاس وہ گلاب کا پھول پڑا ہے جو کل تک بنفشہ کا پھول تھا۔ طوفان نے اسے شاخ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ آندھی کے تھپیڑوں نے اس کی پتی پتی الگ کردی ہے اور اب وہ نم آلود گھاس پر اس طرح پڑا ہے جیسے کسی مقتول کے سینہ میں دشمن کا تیر پیوست ہو۔

بادشاہ نے اپنا سر اونچا کیا اور اس کی پتیاں ذرا پھیلیں اور اس نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں کہا۔

''دیکھو! ذرا اس بنفشہ کے پھول کو دیکھو! جس نے لالچ میں آکر گلاب کے پھول کا لباس پہن لیا تا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے سربلندی حاصل کرے اور ہمیشہ کے لئے پستی میں گر جائے یہ منظر تمہارے لئے عبرت کا سبب ہوگا۔''

یہ سن کر گلاب جو اس وقت جانکنی کے عالم میں تھا، مارے غصہ کے لرز اٹھا اس نے اپنی بچی کھچی قوتیں جمع کیں اور رک رک کر کہنے لگا۔

''سنو اے کم حوصلہ بے وقوفو! سنو! اے طوفان باد و باراں سے لرزہ براندام ہونے والو! کل تک میں تمہاری طرح اپنے سبز پتوں میں بیٹھا تقدیر پر قانع تھا اور یہ قناعت ایک دیوار حائل تھی جو مجھے زندگی کے طوفانوں اور ہنگاموں سے الگ رکھتی تھی، جس نے میرے وجود کو راحت و اطمینان کے نشہ میں سرشار کر کے امن و سلامتی کے حلقہ میں گھیر رکھا تھا۔ میرے امکان میں تھا کہ میں اسی طرح زمین پر پڑے پڑے زندگی گزار دیتا، یہاں تک کہ موسم سرما اپنی برف باریوں سے مجھ پر چھا جاتا اور میں بھی اپنے پیش رو پھولوں کی طرح موت کی خاموش بستی میں پہنچ جاتا نیستی کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا، اس سے پہلے کہ میں ہستی کے اسرار و رموز کو جانچتا جو سطح زمین پر نمودار

ہونے کے بعد سے بنفشہ کے پھولوں نے اختیار کر رکھا ہے۔''

ہاں! میرے امکان میں تھا کہ میں لالچ سے اپنا دامن پاک رکھتا اور ان چیزوں سے پرہیز کرتا جو اپنی فطرت کے پیش نظر، میری فطرت سے بلند ہیں لیکن میں نے رات کی خاموشی پر کان لگائے اور عالم قدس کو اس عالم سے کہتے سنا۔

''وجود کی غایت ہی یہ ہے کہ ماورائے وجود کے لئے جدوجہد کی جائے''

یہ سن کر میری روح میرے خلاف آمادہ بغاوت ہوگئی اور میرا وجدان اس مقام کے لئے تڑپنے لگا جو اس سے کہیں بلند تھا۔ میری روح بغاوت کرتی رہی اور میں اس بلند مقام کے لئے تڑپتا رہا۔ یہاں تک کہ میری سرکشی ایک فعال قوت سے بدل گئی اور میرا شوق ایک خلاق ارادہ سے، چنانچہ میں نے فطرت سے درخواست کی اور فطرت ہمارے پوشیدہ خیالات کے خارجی مظاہرہ کے سوا کچھ نہیں کہ مجھے گلاب کا پھول بنا دے اور اس نے میری درخواست قبول کر لی۔

یہ کوئی نئی بات نہ تھی، بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ فطرت نے اپنے آثار و نقوش اپنے ہاتھوں اور اپنی خوشی سے بدل کر رکھ دیئے ہیں۔

گلاب کا پھول تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا اس کے بعد فخر و امتیاز کے لہجہ میں بولا

''وہ ایک ساعت جو میں نے گلاب کے پھول کی جنبیت سے گزاری ہے در حقیقت ایک بادشاہ کی طرح گزاری ہے۔ میں نے کائنات کو گلاب کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایتھر کی سرگوشیوں کو گلاب کے کانوں سے سنا ہے اور نور کے دامن کو گلاب کی پتیوں سے چھوا ہے تم میں کوئی ہے جو اس شرف و امتیاز میں میری ہمسری کا دعویٰ کرے؟''

اس کی گردن جھک گئی اور اس نے ایسی آواز میں جس سے موت کا شدید کرب ظاہر ہوتا تھا کہا:

''میں اب مر رہا ہوں، مر رہا ہوں اور میری روح میں وہ کیفیت ہے جو مجھ سے پہلے بنفشہ کے کسی پھول میں نہ تھی، مجھے تمام وہ حقیقتیں معلوم ہیں جو اس محدود دائرہ کے پیچھے آسودہ ہیں جس میں میں پیدا ہوا تھا اور یہی زندگی کا مقصد ہے۔ ہاں! یہی وہ جوہر ہے، جو شب و روز کے پردہ میں روپوش ہے۔''

گلاب کی پتیاں مرجھا گئیں۔ اس میں قدرے لرزش پیدا ہوئی اور وہ مر گیا۔ اس کے چہرہ پر مقدس تبسم کھیل رہا تھا۔ میں ہستی کا تبسم جس نے اپنی بلند آرزوؤں سے زندگی کی تصدیق کر دی۔ فتح و کامرانی کا تبسم خداوندی تبسم!

☆☆☆☆☆

شاعر اعظم

(جلبک 112 ق م)

بادشاہ تخت زرنگاہ پر جلوہ افروز تھا۔ جس کے چاروں طرف شمعیں اور عود و لوبان کی انگیٹھیاں روشن تھیں۔ دائیں بائیں درباری امیر اور مذہبی پیشوا بیٹھے تھے اور سامنے غلام اور سپاہی اس طرح کھڑے تھے جیسے سورج کے سامنے مجسمے!

تھوڑی دیر کے بعد جب مطربوں کے نغمے ختم ہو کر رات کے سیاہ لباس کی تہوں میں گم ہو گئے تو وزیر اعظم اٹھا اور بادشاہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر، بڑھاپے کی ناتواں آواز میں رک رک کر کہنے لگا۔

''جہاں پناہ! ہندوستان کا ایک عجیب و غریب فلسفی کل شہر میں وارد ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات ایسی انوکھی ہیں کہ آج تک سننے میں نہیں آئیں۔ اس کا عقیدہ ہے کہ روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں اور انسان ایک صدی سے دوسری صدی میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درجہ کمال کو پہنچ کر، دیوتاؤں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ اپنے اسی مذہب کی تبلیغ کے لئے وہ یہاں آیا ہے اور چاہتا ہے کہ آج کی رات شرف باریابی حاصل کر کے حضور کے سامنے اپنے عقائد کی وضاحت کرے!''

بادشاہ نے سر ہلایا اور مسکرا کر کہا۔

''ہندوستان سے ایسی ہی نرالی چیزیں آتی ہیں۔ اچھا! اسے حاضر کرو!''

مابدولت اس کے دلائل سننا چاہتے ہیں۔

اسی لمحہ ایک ادھیڑ عمر کا انسان دربار میں حاضر کیا گیا۔ جس کا رنگ گندمی، چہرہ پر وقار، آنکھیں بڑی بڑی اور شگفتہ خدوخال، زبان بے زبانی میں گہرے رازوں اور انوکھی رغبتوں کے ترجمان تھے۔ آداب بجالانے کے بعد، اجازت پا کر اس نے اپنا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور وہ اپنے نئے عقیدہ اظہار کرنے لگے۔ اس نے بتایا روح اپنے اختیار کردہ درمیانی واسطوں اور حاصل کردہ تجربات

کی تاثیرات کے ذریعہ درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے رفعت وقوت عطا کرنے والی محبت کے ساتھ نشوونما پاتے ہوئے کس طرح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے۔ پھر اس نے بیان کیا کہ انسان، کمالیاتی ضرورتوں کی ٹوہ لگاتے ہوئے دورِ موجود میں عہدِ ماضی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے ہوئے، اور ایک جون کی بوئی ہوئی کھیتی دوسری جون میں کاٹتے ہوئے کس طرح نقل مکانی کرتا ہے۔

جب تقریر نے طول کھینچا اور بادشاہ کچہرے پر بے چینی اور تکان کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو وزیرِ اعظم نووارد فلسفی کے قریب آیا اور اس کے کان میں چپکے سے کہا۔

''بس! بحث کو اب کسی اور فرصت کے لئے اٹھا رکھو۔''

فلسفی الٹے پاؤں لوٹا اور مذہبی پیشواؤں کی صف میں بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ گویا ہستی کے رموز واسرار کو غور سے دیکھتے دیکھتے تھک گیا ہے۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد، جو پیغمبرانہ سکر و بے خبری سے مشابہ تھی، بادشاہ نے دائیں بائیں دیکھ کر پوچھا۔

''ہمارا شاعر کہاں ہے؟ ہم نے اسے مدت سے نہیں دیکھا۔ اس پر کیا بیتی؟ وہ ہر رات ہماری مجلس میں حاضر رہتا تھا۔''

ایک پادری نے عرض کی۔

''ایک ہفتہ گزرا، میں نے اسے ہیکلِ عشروت کے آستانے پر بیٹھے دیکھا تھا، وہ اپنی جاوید اور غم زدہ نگاہوں سے دوقِ شفق کو دیکھ رہا تھا۔ گویا اس کا کوئی قصیدہ بادلوں سے گم ہوگیا ہے۔''

ایک درباری بولا

''کل میں نے اسے بید اور سرو کے درختوں میں بیٹھے دیکھا تھا۔ میں نے سلام کیا، لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اپنے افکار و خیالات کے سمندر میں غرق رہا۔''

خواجہ سراؤں کے داروغہ نے کہا۔

''آج وہ مجھے محل کے باغیچہ میں نظر آیا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو دیکھا رنگت پیلی پڑ گئی ہے، چہرہ غم و ملال کی تصویر بنا ہوا ہے پلکوں پر آنسو مچل رہے ہیں اور سانس گھٹ گھٹ کر آ رہا ہے۔''

افسوسناک لہجہ میں بادشاہ نے حکم دیا۔

''جاؤ اسے فوراً تلاش کر کے لاؤ! مابدولت کی طبع مبارک اس کے لئے بے چین ہے۔''

غلام اور سپاہی شاعر کی تلاش میں چلے گئے اور بادشاہ سمیت سارا دربار خاموش، حیران اور منتظر بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب کمرہ کے وسط میں کھڑے ہوئے ایک غیر مرئی سائے کا وجود محسوس کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد خواجہ سراؤں کا داروغہ آیا اور بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اس پرندہ کی طرح جسے صیاد کے تیر نے گرا لیا ہو۔ بادشاہ بے اختیار چلایا۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہوا''

''شاعر محل کے باغیچہ میں مردہ پڑا ہے۔''

بادشاہ ایک دم کھڑا ہو گیا، اس کا چہرہ رنج و غم سے مرجھا گیا، وہ آہستہ آہستہ باغ کی طرف چلا، اس طرح کہ آگے آگے غلاموں کے ہاتھوں میں شمعیں تھیں اور پیچھے پیچھے درباری اور کاہن، باغ کا احاطہ کے پاس جہاں بادام اور انار کے درخت ہیں، شمعوں کی زرد شعاعوں کی روشنی میں ایک بے جان جسم دکھائی دیا جو گلاب کی سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح گھاس پر پڑا تھا۔

ایک درباری نے کہا

دیکھنا استاد کو کس طرح گلے لگا رکھا ہے، گویا وہ ایک حسین دوشیزہ ہے، جس سے اسے محبت تھی اور جو اس سے محبت کرتی تھی اور اسی محبت کی بنا پر انہوں نے عہد کر لیا

تھا کہ ہم دونوں ساتھ مریں گے۔

''حسب عادات اب بھی فضا کی گہرائیوں کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ گویا ستاروں میں ایسے انجان خدا کی پرچھائیں نظر آ رہی ہے۔''

کاہن اعظم نے بادشاہ نے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کی

''کل ہم اسے مقدس عشتروت کے ہیکل کے سائے میں دفن کریں گے۔ شہر کا چھوٹا بڑا اس کی میت کے ساتھ ہوگا۔ نوجوان اس کے قصیدے گائیں گے اور نوخیز لڑکیاں اس کے تابوت پر پھول برسائیں گی چونکہ یہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا شاعر تھا اس لئے اس کی تدفین کا جلوس بھی شاندار ہونا چاہیے۔''

بادشاہ نے شاعر کے چہرے سے نگاہیں ہٹائے بغیر جس پر موت کی نقاب پڑی تھی، سر ہلایا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''نہیں جب یہ زندہ تھا اور ملک کے گوشہ گوشہ کو اپنی روح کی تاشیوں سے منور اور فضا کے ذرہ ذرہ کو اپنے سانس کی بینریوں سے معطر کر رہا تھا ہم نے اسے فراموش کر دیا۔ اس لئے اگر ہم اب مرنے کے بعد اس کی عزت کریں گے تو دیوتا ہمارا مذاق اڑائیں گے اور وادیوں اور سبزہ زاروں کی پریاں ہم پر ہنسیں گی۔ بہتر یہی ہے کہ اسے یہیں دفن کرو جہاں اس کی روح اس کے جسم سے علیحدہ ہوئی ہے اس کے ستار کو اس کے جسم سے چمٹا رہنے دو۔ اگر تم میں سے اس کی عزت کرنی چاہتا ہے تو وہ گھر جائے اور اپنے اہل وعیال کو بتائے کہ بادشاہ نے اپنے شاعر سے بے اعتنائی برتی اور وہ تنہائی وغمگینی کے عالم میں مر گیا۔''

اس کے بعد اس نے چاروں طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہندی فیلسوف کہاں ہے؟''

فلسفی آگے بڑھا اور کہا

''جہاں پناہ! حاضر ہوں''

بادشاہ نے پوچھا

''بتا اے حکیم! کیا دیوتا مجھے ایک بادشاہ اور اسے ایک شاعر کی حیثیت سے پھر اس دنیا میں بھیجیں گے؟ کیا میری روح کسی شہنشاہیت اقلیم کے ولی عہد اور اس کی روح ایک بڑے شاعر کا قالب اختیار کرے گی؟ کیا قانون فطرت اسے دوبارہ تجلیات الٰہی کی جلوہ گاہ میں حاضر کرے گا؟ تا کہ میں اس پر اپنے انعام و اکرام کی بارش اور اس کے دل کو اپنی بخشش و عطا سے خوش کروں!''

فلسفی نے جواب دیا

''روح جو کچھ چاہتی ہے، اسے ملتا ہے، وہ ناموس جو موسم کے خاتمہ پر بہار کی عشرت فروشیوں کو لوٹتا ہے ضرور آپ کو باجبروت شہنشاہ اور اسے شاعر اعظم بنا کر اس دنیا میں واپس بھیجے گا۔''

بادشاہ کا چہرہ کھل اٹھا، اس کی روح میں ایک تازگی ایک شادابی کروٹیں لینے لگی۔ اور وہ اپنے محل کی طرف روانہ ہو گیا، اس کا دماغ ہندی فیلسوف کے اقوال پر غور کر رہا تھا اور اس کا دل ان الفاظ کو دہرا رہا تھا۔

''روح جو کچھ چاہتی ہے اسے ملتا ہے۔''

☆☆☆☆☆

قاہرہ۔۔۔مصر۔۔۔۔1912ء

چاند طلوع ہوا اور اپنی نیمیں چادر شہر پر ڈال دی۔اس وقت دائی سلطنت اپنے محل کے دریچہ میں بیٹھا صاف ستھری فضا کو دیکھ رہا تھا۔ان قوموں کے آغاز و انجام پر غور کر رہا تھا جو یکے بعد دیگرے نیل کے کنارے سے گزریں۔ان بادشاہوں اور فاتحوں کے اعمال کا جائزہ لے رہا تھا جو ابولہول کے دبدہ وجلال کے سامنے ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور اپنے تصور میں ان قبلوں اور نسلوں کے جلوس عظمت کا تماشا دیکھ رہا تھا جنہیں زمانہ نے اہرام مصر کے اطراف سے نکال کر قصر عابدین میں پہنچایا۔

جب اس کے افکار کا دائرہ وسیع ہوا اور اس کے خیالات کی نزہت گاہوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی تو وہ اپنے ندیم کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے قریب بیٹھا تھا اور کہا۔

''آج کی رات مابدولت کی خاطر عاطر شعر وسخن کی طرف مائل ہے۔اس لئے کچھ سناؤ''

ندیم نے تعمیل حکم کے لئے سر جھکایا اور عہد جاہلیت کے کسی شاعر کا قصیدہ مترنم آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

''کسی جدید شاعر کا کلام!''بادشاہ نے اسے روک دیا۔

ندیم نے دوبارہ سر جھکایا اور ایک مخصوص شاعر کا کلام سنانے لگا۔

''جدید ترین دور کا!بادشاہ نے پھر روکا۔ندیم نے تیسرے بار پھر سر جھکایا اور موشح اندلسی کے اشعار پڑھنے لگا۔''

کسی ہم عصر شاعر کا قصیدہ سناؤ!بادشاہ نے حکم دیا

ندیم نے اپنی پیشانی پکڑی گویا شعرائے عصر کے تمام کارناموں کو اپنے حافظہ میں تازہ کر رہا ہے۔یکا یک اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔چہرہ پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ زمانہ حاضر کے ایک بہت بڑے شاعر کے اشعار ترنم سے پڑھنے لگا جن میں خیال کی گہرائی،آہنگ کا طلسم،معانی کی باریکی اور اچھوتا پن اور

تو میری روح گھبرا گئی اور یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا۔

''کیا یہ مخلوق اشیاء کی حقیقت کا ادراک کر سکتی ہے جبکہ وہ ان کے درمیانی نقطوں پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے؟ کیا حیوانات کی طرح اشیاء کا بھی سر اور دم نہیں ہوتی؟''

تو میری روح مضطرب ہوگئی اور غصہ سے کہنے لگی۔

''یہ کاہل آدھی چڑیا پانے کے بھی مستحق نہیں ہیں، جب تک دس چڑیوں کے پیچھے دوڑنے کے لئے اپنی ٹانگوں کو زحمت نہ دیں۔ کیا اڑتے ہوئے پرندوں کے جھنڈ کے پیچھے دوڑنا زندگی کی راہ میں جدوجہد نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کا مقصد نہیں ہے بلکہ خود زندگی نہیں ہے!''

☆☆☆☆☆

میں انتہاپسندوں سے محبت کرتا ہوں۔

میں اس سے محبت کرتا ہوں، جسے اعتدال پرستوں نے سولی پر چڑھایا اور جب اس کا منکا ڈھل گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

''آج ہم نے اس آزار رساں انتہاپسند سے چھٹکارا پالیا!''

لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کی روح اسی لمحہ نسلوں اور قوموں کو مظلوب کرتی ہوئی چلی گئی۔

میں اس سے محبت کرتا ہوں جس نے اپنے باپ کی شان وشوکت پر لات ماری اور ریشمی لباس کے بدلے گدڑی اور رفعت کے بدلے ذلت قبول کر کے، اس مرکزی طرف تنہا روانہ ہوگیا۔ جو الہام ووحی کا سرچشمہ ہے، اعتدال پرست اس کا مذاق اڑاتے اور اس کے اس فعل پر حیرت کا اظہار کرتے رہے لیکن اس کی نازک اور باریک انگلیاں وجود کے ظاہر ومخفی پہلوؤں کو جمع کرتی رہیں۔

میں ان شہیدوں سے محبت کرتا ہوں جو موت کی آرزوئیں کرتے ہیں، انتہائی مقصد کے سوا ہر چیز کو ارزاں خیال رکتے ہیں اور ''بلند غرض'' کے سوا ہر شے کو حقیر سمجھتے ہیں۔

میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو آگ میں جلائے گئے، سنگ سار کئے گئے پھانسی پر لٹکائے گئے تو ار کے گھاٹ اتارے اس ''فکر'' کی بناء پر جس نے ان کی عقلوں کو اپنا لیا تھا یا اس جذبہ کی بنا پر، جس نے ان کے دلوں کو بھڑکا دیا تھا۔

میں انتہا پسندوں سے محبت کرتا ہوں، چنانچہ جب کبھی میں نے پیالہ اپنے ہونٹوں سے لگایا ان کے آنسو اور خوف کا مزہ چکھا جب کبھی اپنی کھڑکی میں سے فضا کی طرف نگاہ کی ان کے تاب ناک چہرے دیکھے۔ اور جب کبھی آندھی پر کان لگائے ان کی خوشی کے ترانے اور مسرتوں کے گیت سنے!

☆☆☆☆☆

فن

اپنے فن! جو اپنی تاثیر کی بنا پر عظیم، اپنے کارناموں کے بنا پر عجیب اور اپنے جمال واسرار کی بنا پر بلند ہے! تو ایجاد پسند فنکاروں کے ذہن میں ازلی موجود کے کمالات قدرت کی ایک پرچھائیں ہے، ابدیت اور قلب انسانی کے درمیان منڈلائی ہوئی روح خداوندی سے تو اس عالم میں جو اپنی حرکت کی بنا پر خوابیدہ اور اپنی رفتار کی بنا پر جامد ہے، ایک بیدار فکر ہے، اپنی ننھی انگلیوں سے تو عناصر کو جمع کرتی اور ان سے ایسی ایسی تصویریں اور پرچھائیاں بناتی ہے، ایسے ایسے اجسام اور نغمے پیدا کرتی ہے جو زمانہ کے ساتھ باقی رہتے ہیں جن کا حسن ابدالآباد تک زائل نہیں ہوتا۔

''عدم جب تیرے دامن کو مس کرتا ہے تو ''شے'' کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور موت جب تیرے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو زندگی سے بدل جاتی ہے، تمام آوازیں رنگ اور خطوط، تمام عناصر، ارواح اور سائے اور ہر وہ چیز جسے فطرت اپنی حرکت اور انسان اپنے وجود سے پیدا کرتا ہے تیری مرضی کے آگے سپر انداز ہیں، تیرے وجود سے وجود پذیر ہوتے ہیں اور تیری خواہش کے مطابق جنبش میں آتے ہیں۔''

تو زمانہ کو مس کرتا ہے اور زمانہ پتھر کی شکل اختیار کر کے ان مورتیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو ابدیت کے مقابل کھڑی ہیں تو ہوا میں سانس لیتا ہے اور تیرے نغمہ کار ہونٹوں اور آہنگ آفرین انگلیوں سے ایک آسمانی شراب ہوا میں بکھر جاتی ہے تو ذرات نور میں مرتعش ہوتا ہے اور کتابوں کے صفحات پر اپنی سیاہی کے ساتھ روشنی جگمگانے لگتی ہے تو شفق کی شعاعوں اور قوس قزح کے رنگوں کو جمع کرتا ہے اور ان سے عجیب عجیب تصویریں اور نقش ونگار بناتا ہے تو چٹانوں کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہے اور چٹانیں ان مندروں، مسجدوں اور ہیکلوں کی صورت میں بلند مرتبہ ہو جاتی ہیں جن کی بقا مذہب کی بقاء سے وابستہ ہے۔

تیرے تخت کے سامنے قومیں بیدار اور مترنم کھڑی رہتی ہیں چنانچہ ان میں سے جو گزر چکی ہیں وہ تیری موجودگی کے سبب موجود ہیں اور جو آنے والی ہیں وہ اس وقت بھی تیرے دامن کے گرد طواف کر رہی ہیں۔

قوموں کی عظمت، اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک تو باقی رہے اور اسی وقت زائل ہو جاتی ہے جب تو زائل ہو جائے۔ اس لئے کہ قوموں کی زندگی میں تیرا وہی درجہ ہے جو درجہ جسم میں دل کا ہے چنانچہ مصر، آشور اور ایران، آسمان کی بلندیوں تک نہیں پہنچے جب تک تو ان کے قریب نہ ہوا اور ذلت و پستی کے غار میں نہیں گرے جب تک تو نے ان سے دوری اختیار نہ کی۔ افریقہ، روم اور قسطنطنیہ روشنی سے ہمکنار نہیں ہوئے جب تک تیرے سائے میں نہ آ گئے اور تاریکی کے لحافوں میں نہیں سوئے جب تک تو نے انہیں نہ چھوڑا۔

اور آج جب زمانہ نے ان قوموں کی عظمت و جبروت کو مٹا دیا ہے ناممکن ہے کہ ان کے آثار سے تیرے نقوش قدم کو محو کر دے اس طلسمی نقاب کے بچے کھچے ٹکڑوں کو چاک کر دے جو تو نے ان قدموں کے باقی رہنے والے کارناموں پر ڈالی تھی چنانچہ نیل کے ساحل پر چلنے والا محلوں اور ہیکلوں میں تیری پرچھائیوں کو منڈلاتے دیکھتا ہے اور ابلیس پر بیٹھنے والا تیرے سانس کے شعلوں کو ستونوں اور موتیوں پر کاوے کاٹتے دیکھتا ہے اور اسپارٹا تدمر اور بعلبک کے کھنڈروں کی دیواروں کو دیکھنے والا ان نظموں کے مطالعے اور قصیدوں کے مقطعے پڑھتا ہے جو تیری انگلیوں نے رقم کئے تھے۔

اگر تاریخ زمانہ کا آئینہ ہے تو وہ ہاتھ ہے جس نے اس آئینہ کی سطح کو طیقل کے ذریعے مجلّا کیا اگر علم وہ زینہ ہے جو انسانوں کو ستاروں سے آگے جانے والے جہانوں میں پہنچاتا ہے تو وہ عزم ہے جس نے اس زینہ کی سیڑھیاں بنائیں اور ان کی حفاظت کی اور اگر مذہب ''شعر حیات'' ہے تو وہ وزن ہے جس نے اس شعر کو

سینوں کے لئے ایک آہنگ اور دلوں کے لئے ایک نغمہ بنایا۔

اے فن جو اپنے اسرار کی بنا پر انوکھا اپنے رموز کی بنا پر عجیب وغریب اپنی رقب کی بنا پر قوی اور اپنی غیر معمولی عظمت وجلالت کی بنا پر دلکش ونظر فریب ہے۔ ہم تیرا وصف کس طرح بیان کریں اور کس چیز ہے تجھے تشبیہ دیں؟ جب کہ تو خود ہی وصف کی روح اور تشبیہ کی علت ہے! کیا ہم تجھے جذبہ کے نام سے تعبیر کریں جب کہ تو خود احساس وجذبات کا سرچشمہ ہے! یا قوت کے نام سے پکاریں؟ جب کہ تو خود قوتوں اور ارادوں کا مظہر ہے۔ ہم تیری بزرگی کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تیرے ترانوں کو اپنے نفس کے کانوں سے سنتے ہیں اور تیرے دامن کو اپنی روح کے مرتعش ہونٹوں سے چومتے ہیں لیکن ہم تیرے نام کے حرفوں میں سے ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتے جب تک ہماری انگلیاں تیری انگلیوں سے مس نہ کریں اور تیرے جمال کے متعلق ایک لفظ نہیں کہہ سکتے جب تک ہماری زبانیں تیرے حسن کی شراب میں ڈوب نہ جائیں تو اپنا مظہر آپ ہے اور ہم اس محبت کی قوت کے ذریعہ جو تو نے ہماری گہرائیوں میں پیدا کی ہے اس قوت کی محبت سے قریب ہوتے ہیں جو اللہ نے تیری گہرائیوں میں پیدا کی ہے۔

اے فن! مجھے اپنے ان خادموں میں ایک خادم بنالے جو زندگی پر اپنا اقتدار رکھتے ہیں اپنے ان سپاہیوں میں ایک کا سپاہی بنالے جو زمانہ پر غالب ہیں۔ میری آزادی کو اپنی مشیت کی پرستش کرنے دے اور میری روح کو اپنی شعاع سے مس کر! بہت ممکن ہے کہ اس طرح وہ خود سے اور تجھ سے قریب ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

پس پردہ

جب رات آدھی ہوئی تو راحیل نے آنکھیں کھولیں، تھوڑی دیر تک چھت کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا، اور بند کرلیں۔ پھر ایک گہرا مگر ٹوٹتا ہوا ٹھنڈا سانس بھرا اور ایسی آواز میں سے موت کا شدید کرب ظاہر ہوتا تھا، کہا

''جلوس صحرا وادی کے کناروں تک پہنچ گیا ہے ہمیں اسے دیکھنے جانا چاہئے!''

یہ سن کر پادری اس کے قریب آیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا مردہ کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا مردہ کے دل کی حرکت زمانہ کی طرح خاموش تھی۔

پادری نے اپنا سر جھکایا اور اس کے ہونٹ مرتعش ہوئے گویا اپنی زبان سے ایک مقدس کلمہ ادا کرنا چاہتا تھا، جسے رات کے سائے پر امن سنسان وادیوں میں دہرائیں۔

اب اس نے اپنی دونوں کلائیوں سے سینہ پر صلیب بنائی اور اس شخص کی طرف متوجہ ہوکر جو اسی کمرہ کے ایک تاریک گوشہ میں بیٹھا تھا، شفقت و مہربانی کے لہجہ میں کہنے لگا

''افسوس تمہاری بیوی اللہ کو پیاری ہوئی اٹھو! اور میرے ساتھ اس کی بخشش کے لئے دعا مانگو۔''

اس شخص نے اپنا سر اٹھایا، اس کا چہرا وفور ملال سے متغیر ہوگیا تھا اور آنکھیں شدت الم سے نکل پڑ رہی تھی، وہ خاموشی سے اٹھا اور پادری کے پہلو میں بیٹھ کر مرنے والی کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ بار بار اپنے سینے اور چہرے پر صلیب کا نشان بنا رہا تھا۔

پادری اٹھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

''اب تم دوسرے کمرے میں جاؤ! تمہیں نیند اور آرام کی سخت ضرورت ہے!''

وہ بغیر کچھ کہے سنے اٹھا اور سامنے والے کمرہ میں جا کر ایک چھوٹے سے صوفے پر گر گیا۔ غم، بیداری اور انتظار نے اس کو بے جان کر دیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ نیند اس کی آنکھوں پر غالب آ گئی اور وہ سو گیا جس طرح ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کی آغوش میں سوتا ہے۔

لیکن پادری ابھی تک اسی کمرہ کے وسط میں رنج و ملال کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ وہ بیک وقت اشک آلود آنکھوں سے راحیل کی لاش کو بھی دیکھ رہا تھا اور اس کے شوہر کو بھی، جو سامنے والے کمرہ میں غافل پڑا سو رہا تھا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا، جو زمانہ سے زیادہ طویل اور موت سے زیادہ ہولناک تھا مگر پادری سوئے ہوئے مرد اور سوئی ہوئی عورت کے درمیان اسی طرح کھڑا رہا مرد جو کھیت کی نیند سو رہا تھا اور بہار کی آمد آمد کے خواب دیکھ رہا تھا اور عورت جو گزرے ہوئے زمانہ کے ساتھ سو رہی تھی، اور ابدیت کے خواب دیکھ رہی تھی۔

اب پادری مردہ کی چارپائی کے قریب آیا اور دو زانوں بیٹھ گیا۔ جس طرح عبادت گزار قربان گاہ کے سامنے بیٹھتے ہیں اس نے مردہ کا ٹھنڈا ہاتھ اٹھا کر اپنے گرم ہونٹوں سے لگا لیا اور اس کے چہرے کو دیکھنے لگا جس پر موت کی سیاہ چادر پڑی تھی رات کی طرح پرسکون، سمندر کی طرح گہری اور انسانی آرزوؤں کی طرح لرزتی کانپتی آواز میں اس نے کہا۔

''راحیل! میری دینی بیٹی راحیل! میری بات سن! میں اس وقت گفتگو کرنے پر قادر ہوں، موت نے میرے لب وا کر دیئے ہیں کہ میں تجھ پر وہ راز ظاہر کر دوں جو خود موت سے زیادہ گہرا ہے اور غم نے میری زبان کے تالے کھول دیئے ہیں کہ میں تجھ پر وہ راز منکشف کر دوں جو خود غم سے زیادہ شدید ہے۔''

اے زمین اور لامحدود فضا کے درمیان پرواز کرنے والی روح! میری روح کا پکار سن! اس نوجوان کی پکار سن! جو کھیت سے واپس آتے ہوئے تجھے دیکھتا تھا۔ تو

تیرے حسن صورت سے مرعوب ہو کر درختوں میں چھپ جاتا تھا۔ اس پادری کی پکار سن !!! جو انسان کا قدیم خدمت گزار ہے۔ خدا کی قسم اب وہ تجھے، بغیر کسی خوف کے بلا رہا ہے، اس لئے کہ جوار خداوندی پہنچ گئی ہے۔

سرگوشی کے انداز میں یہ الفاظ کہہ کر وہ لاش پر جھک گیا اور اس کی پیشانی، آنکھوں اور گردن کے بوسے لینے لگا طویل، گرم اور خاموش بوسے وہ مقدس بوسے جو اس کی روح کے ان تمام اسرار کی پردہ کشائی کر رہے تھے، جن کا تعلق محبت اور غم سے تھا!

اچانک وہ پیچھے ہٹا اور خزاں زدہ پتہ کی مانند، زمین پر گر پڑا گویا راحیل کے برفانی چہرہ کے لمس نے جذبہ ندامت کو اس کے باطن میں بیدار کر دیا تھا۔

وہ اٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا کر دو زانوں بیٹھ گیا۔ دل ہی دل میں اس نے کہنا شروع کیا۔

''یارب! میرا گناہ معاف کر دے! میرے معبود! میری کمزوری کو نظر انداز فرما!! میں آخر وقت تک ثابت قدم نہ رہ سکا اور ضبط کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ راز جو سات برس تک زندگی نے میری نگاہوں سے پوشیدہ رکھا، موت نے ایک لمحہ میں مجھ پر واضح کر دیا۔ یا رب میرا گناہ معاف کر دے!! میرا معبود! میری کمزوری کو نظر انداز فرمایا!!''

وہ اسی طرح روتا پیٹتا اور دائیں بائیں سر دھنتا رہا۔ وہ راحیل کے مردہ جسم کی طرف جان بوجھ کر نہیں دیکھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں اس کے اسرار نفسانی اس کی روح کو پامال نہ کر دیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور اس نے ان ہیولانی نقوش پر اپنی گلابی چادر ڈال دی جنہیں محبت، مذہب، زندگی اور موت بنایا تھا۔

☆☆☆☆☆

قیدی بادشاہ

اپنا دل بھاری نہ کر!! اے قیدی بادشاہ! تیرے قید خانہ تیرے لئے اس قدر ابتلا انگیز نہیں ہے جس قدر میرا جسم میرے لئے ہے!

صبر کر اور اطمینان سے بیٹھ جا!!! اے ہیبت و جلال کے پیکر اعظم! مصائب و آلام سے گھبرانا گیدڑوں کا کام ہے لیکن قیدی بادشاہوں کو زنداں اور داروغہ زنداں کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی چیز زیب نہیں دیتی۔

اے عزم و ہمت کے پتلے! اپنا غم ہلکا کر اور میری طرف دیکھ! کہ جس طرح تو فولادی سلاخوں میں مقید ہے، میں زندگی کے غلاموں میں گھرا ہوا ہوں، ہم دونوں میں کوئی فرق نہیں، سوائے اس ''خواب پریشان'' کے جو میری روح سے متصل ہے لیکن تیرے قریب آتے ڈرتا ہے۔

ہم دونوں اپنے اپنے وطن سے نکالے ہوئے ہیں

دوستوں اور عزیزوں سے دور! اس لئے پریشان نہ ہو اور میری طرح زمانہ کی سختیوں پر صابر ہو کر ان پست ہمتوں کے ساتھ کہ جو ہم پر اپنے انفرادی حوصلوں سے نہیں بلکہ اپنی کثرت تعداد کی بنا پر غالب ہے۔

اس دہاڑنے اور روکنے سے کیا فائدہ؟ جبکہ لوگ بہرے ہیں اور نہیں سنتے!

تجھ سے پہلے میں بھی بہت چیخ پکار کر چکا ہوں لیکن ظلمت کی پرچھائیوں کے سوا کسی نے دھیان نہ دیا۔ تیری طرح میں نے بھی مختلف انسانی جماعتوں کی چھان بین کی ہے لیکن ان بزدلوں اور کمزوروں کے سوا مجھے کوئی نہ ملا جو از راہ تمسخر زنجیروں میں جکڑے ہوئے قیدیوں کے سامنے جھوٹی شجاعت کا اظہار کرتے ہیں اور پنجرہ میں مقید زندانیوں سے بیدردی کے ساتھ گستاخیاں!

دیکھ اے شاہ عظمت و جلال ان لوگوں کی طرف دیکھ! جو تیرے پنجرے کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ دیکھ! ان کے چہروں کو غور سے دیکھ! تجھے ان میں وہ

تمام باتیں نظر آئیں گی جو تو گمنام صحراؤں میں اپنے قریب ترین امراء اور خادموں کے چہروں پر دیکھتا تھا ان میں بہت سے اپنی بزدلی کی بنا پر خوگوش، بہت سے اپنی مکاریوں کی وجہ سے لومڑی اور بہت سے اپنی خباثت کے سبب سانپ ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس میں خرگوش کی صلح پسندی لومڑی کی ذہانت، اور سانپ کی دانائی ہو۔

دیکھ! اس شخص کو دیکھ! جو اپنی گندگی کی بنا پر خنزیر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اس کا گوشت اس قابل نہیں کہ اسے کوئی اپنی غذا بنائے۔

اب اس شخص کو دیکھ! جو اپنی بے وقوفی کے اعتبار سے گدھا معلوم ہوتا ہے، لیکن دو ٹانگوں سے چلتا ہے۔

اب اس شخص کو دیکھ! جو نحوست کے لحاظ سے کوا ہے لیکن اپنی کائیں کائیں کو عبادت گاہوں میں فروخت کرتا ہے۔

اور اب اس شخص کو دیکھو! جو غرور و ناز میں طاؤس سے مشابہ ہے لیکن اس کے پر مانگے تانگے کے ہیں۔

دیکھ! اے شاہ نہایت منتظر! ان محلوں اور درسگاہوں کو دیکھ یہ چھوٹے چھوٹے گھونسلے ہیں جن میں انسان رہتا ہے اور ان طلائی چھتوں پر فخر کرتا ہے۔ جو اسے ستاروں کے نظارہ سے باز رکھتی ہیں ان دیواروں کی پختگی سے خوش ہوتا ہے جو سورج کی شعاعوں کو اس تک نہیں پہنچنے دیتیں۔

یہ اندھیرے غار ہیں جن کے سائے میں جوانی کے پھول کملا جاتے ہیں جن کے گوشوں میں محبت کے دہکتے ہوئے انگارے راکھ ہو جاتے ہیں اور جن کی فضا میں تصورات کے سارے نقوش، دھوئیں کے ستونوں سے بدل جاتے ہیں۔

یہ انوکھی وضع کے تہ خانے ہیں، جن میں بچے کی پلنگڑی مرنیوالے کے بستر کے ہم پہلو ہوتی ہے اور دلہن کا چھپر کھٹ مردہ لاشوں کے قریب!

دیکھ! اے جلیل الشان قیدی! ان چوڑے چکلے بازاروں اور ان تنگ و تاریک گلیوں کو دیکھ! یہ وادیاں ہیں جن کی راہیں دشوار گزار ہیں جن کے گڑھوں میں چور تاک لگائے بیٹھے ہیں اور جن کے کناروں پر باغی چھپے ہوئے ہیں۔

یہ خواہشوں کے میدان جنگ ہیں ان خواہشوں کے میدان جنگ، جن میں روحیں بغیر تلوار کے لڑتی اور بغیر دانتوں کے ایک دوسرے کو کاٹی ہوئی اترتی ہیں۔

بلکہ یہ خوفناک جنگل ہیں جن میں مسمی صورتوں خوشبوں میں بسی ہوئی دموں اور چمکدار سینگوں والے جانور رہتے ہیں جو قانون اس لئے نافذ کرتے ہیں کہ محاسن حیات کی حفاظت کریں بلکہ اس لئے جاری کرتے ہیں کہ مکاریوں اور چالبازیوں کو استحکام و دوام حاصل ہو اور جن کے رواجی ضابطے بہتر اور جاندار چیزوں کی بقاء کے لئے نہیں۔ جھوٹ اور بدکاری کی بقاء کے ضامن ہوتے ہیں۔ رہے ان کے بادشاہ سو وہ تیری طرح شیر نہیں بلکہ ایک عجیب و غریب مخلوق ہیں جن کی چونچیں گدھ کی سی ہیں اور چنگل بجوؤں کے سے زبانیں سانپوں کی سی اور ٹرٹر مینڈکوں کی سی۔

☆☆☆☆☆

میری جان تجھ پر نثار! اے قیدی بادشاہ میری گفتگو بہت طویل ہوگئی اور میں نے تیرا بہت سا وقت ضائع کر دیا لیکن اپنے مرتبہ سے گرا ہوا دل تخت سے اتارے ہوئے بادشاہوں سے ہی تسلی حاصل کرتا ہے اور غمگین و مقید روح قیدیوں اور غم زدوں ہی سے مانوس ہوتی ہے۔

اس لئے اس نوجوان کو معاف فرما جو اپنی بھوک کو کھانے کی بجائے باتوں سے بہلا رہا ہے اور پیاس کو پانی کی بجائے تصورات سے!

اے قہرمان اعظم! رخصت اگر ہم اس دنیا میں دوبارہ نہ مل سکے تو پرچھائیوں کی دنیا میں ملیں گے جہاں بادشاہوں کی روحیں شاعروں کی روحوں سے ملتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

بڑا دن

آج اور ہر سال آج کے دن، انسانیت اپنی گہری نیند سے بیدار ہو کر قوموں کی پرچھائیوں کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور مسیح ناصری کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھنے کے لئے اپنی آنکھوں اشک آلود آنکھوں کا مرکز، کوہ جلجلہ کو بنا لیتی ہے اور جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو واپس ہوتی ہے اور ان بتوں کے سامنے سجدہ میں گر پڑتی ہے جو پہاڑ کے دامن یا چوٹیوں پر نصب ہیں۔

آج ایک تصور عیسائیوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے کھینچ کر۔ بیت المقدس میں پہنچا دیتا ہے جہاں وہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس تصویر کو دیکھ دیکھ کر اپنا سینہ کوٹتے ہیں جو سر پر کانٹوں کا تاج رکھے اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے موت کے پردہ سے زندگی کی گہرائیوں کو دیکھ رہی ہے لیکن ابھی دن کے مناظر پر، رات اپنے سیاہ پردے ڈالنے بھی نہیں پاتی کہ وہ لوٹتے ہیں اور جہالت و بے حسی کے لحافوں میں نسیان وفراموشی کے زیر سایہ سو جاتے ہیں۔

ہر سال آج کے دن فلسفی اپنے تنگ و تاریک غاروں مفکر اپنے بے کیف حجروں اور شاعر اپنی خیالی وادیوں کو چھوڑ کر ایک بلند پہاڑ پر خاموش ومرعوب جا کھڑے ہوتے ہیں اور اس مرد بزرگ کی آواز پر کان لگا دیتے ہیں جو اپنے قاتلوں کے متعلق کہتا ہے

''اے مقدس باپ! انہیں معاف کر دے کہ یہ نہیں جانتے ہم کیا کر رہے ہیں؟''

لیکن خاموشی، روشنی کی آوازوں کو لپیٹنے بھی نہیں پاتی کہ وہ سب کے سب اپنی روحوں کو پرانی کتابوں کے اوراق میں کفنا دیتے ہیں۔

زندگی کی مادی مسرتوں اور زیور ولباس پر جان دینے والی عورتیں اپنے گھروں سے نکلتی ہیں اس غمگین عورت کو دیکھنے کے لئے جو صلیب کے سامنے اس طرح کھڑی ہے جیسے سرمائی آندھیوں کے سامنے نرم نازک پودا۔ اور اس کی گہری آہوں اور الم

ناک سسکیوں کو سننے کے لئے اس کے پاس جاتی ہیں۔

زمانہ کی رو کے ساتھ بہنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جنہیں مطلق علم نہیں کہ ہم کس طرف بہہ رہے ہیں؟ آج کے دن تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے ہیں اور اس نوجوان عورت مریم مجدلیہ کو مڑ کر دیکھتے ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان کھڑے ہوئے مرد کے پاؤں کا خون اپنے آنسوؤں سے دھوتی ہے لیکن جب ان کی نگاہیں اس منظر کو دیکھتے دیکھتے اکتا جاتی ہیں تو ہنستے ہوئے تیزی سے بھاگ جاتے ہیں۔

ہر سال آج کے دن انسانیت بہار کی بیداری کے ساتھ جاگتی ہے اور مسیح کی تکلیفوں پر روتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوتی ہے اس کے بعد اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے اور پھر گہری نیند سو جاتی ہے لیکن بہار بیدار رہتی ہے اور ایک خوشگوار تبسم کے ساتھ مصروف گلشت یہاں تک کہ موسم گرما سے بدل جاتی ہے۔ جس کا لباس زریں ہوتا ہے اور دامن معطر۔

انسانیت وہ عورت ہے جو عظیم ترین شخصیتوں پر ماتم کرنے اور رونے پیٹنے سے خوش ہوتی ہے لیکن اگر وہ مرد ہوتی تو ان کی عظمت و جلالت سے مسرور ہوتی۔

انسانیت ایک بچہ ہے جو ذبح شدہ پرندے کے پاس کھڑے ہو کر چیخ پکار مچاتا ہے لیکن اس خوفناک آندھی سے لرزہ براندام ہوتا ہے جو اپنے جھونکوں سے خشک ٹہنیوں کو توڑ ڈالتی اور بدبودار نجاستوں کو اڑا لے جاتی ہے۔

انسانیت مسیح ناصری کو فقیروں کی طرح پیدا ہوتے، مسکینوں کی طرح زندگی بسر کرتے، کمزروں کی طرح تکلیف اٹھاتے اور مجرموں کی طرح سولی چڑھتے دیکھتی ہے اور روتی ہے واویلا مچاتی ہے نوحہ ماتم کرتی ہے اور یہ سب کچھ مسیح کی عزت و تکریم کے لئے ہوتا ہے۔

1900 برس سے انسان مسیح کی شکل میں کمزوری کو پوج رہا ہے۔ حالانکہ مسیح قوی تھا لیکن حقیقی قوت کے مفہوم سے دنیا ناواقف ہے۔

مسیح نے خوف و مسکینی کی زندگی بسر کی نہ درد و شکایت کے عالم میں بلکہ انقلابیوں کی طرح زندگی گزاری، باغیوں کی طرح سولی چڑھا اور اہل ہمت کی طرح موت کو لبیک کہا۔

مسیح شکستہ پر طائر نہیں، پر جوش آندھی تھا جس نے اپنے تند و تیز جھونکوں سے تمام خمیدہ بازوؤں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

مسیح فضائے نیلگوں سے غم کر زندگی کی رمز بنانے کے لئے نہیں زندگی کو حق و آزادی کی رمز بنانے آیا تھا۔

مسیح نہ تو اپنے دشمنوں اور ظالموں سے خائف تھا اور نہ اپنے قاتلوں سے دردناک بلکہ وہ ایک کھلا ہوا حریت پسند تھا جس نے ظلم و استبداد کا جرات سے مقابلہ کیا جہاں کہیں مکر و ہ پھوڑا دیکھا نشتر لگایا جہاں کہیں شوکر بولتے سنا، گونگا کر دیا اور جہاں کہیں ریاکاری کو پایا فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

مسیح نور کے اس بلند دائرہ سے اس لئے نہیں اترا تھا کہ مکانوں کو ڈھا کر ان کی اینٹوں سے خانقاہیں اور عبادت کدے تعمیر کرے یا طاقت وروں کو لبھا کر کہانت و رہبانیت کی طرف ان کی رہنمائی کرے بلکہ وہ فضا عالم میں ایک جدید اور قوی روح پھونکنے اترا تھا، جو مردہ کھوپڑیوں کے ڈھیر پر رکھے ہوئے تختوں کو مسمار کر دیتی ہے، قبروں پر بنے ہوئے بلند و عالی شان محلوں کو ڈھا دیتی ہے اور مسکین و کمزور جسموں پر نصب شدہ بتوں کو پاش پاش کر ڈالتی ہے۔

مسیح لوگوں کو اس بات کی تعلیم دینے نہیں آیا تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور سرد تاریک مکانوں کے پہلوؤں میں بلند و بالا عبادت گاہوں اور عالی شان کلیساؤں کی بنیاد رکھی بلکہ اس لئے آیا تھا کہ انسان کے دل کلیسا اس کی روح کو قربان گاہ اور اس کی عقل کو پادری بنائے۔

یہ ہیں وہ کارنامے جو مسیح کی ذات سے ظہور میں آئے اور یہ ہے وہ تعلیم جس کی

وجہ سے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اگر انسان ان نکتوں کو سمجھتا تو آج کے دن خوشیاں مناتا اور فتح و نصرت کے گیت گاتا۔

☆☆☆☆☆

اور تو، اے صاحب عظمت و جلال مصلوب! جو جلجلہ کی بلندیوں سے مختلف نسلوں کو دیکھ رہا ہے، قوموں کی چیخ و پکار سن رہا ہے۔ اور ابدیت کے خوابوں کی حقیقت سمجھ رہا ہے تو خون میں لتھڑی ہوئی صلیب پر ہزار تختوں پر ہزار بادشاہوں سے زیادہ ہیبت و جلال رکھتا ہے جان کنی اور موت کے درمیان ہزار معرکوں کی ہزار فوجوں کے ہزار سپہ سالار سے زیادہ بہادر اور باوقار ہے!

تو اپنے غم میں بھی گل آفریں بہار سے زیادہ مسرور ہے تیرا دل درد کی شدت کے باوصف فرشتوں کے دل سے زیادہ پرسکون ہے اور تو جلادوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود سورج کی کرنوں سے آزاد ہے۔

یہ کانٹوں کا تاج، جو تیرے سر پر رکھا ہے، بہرام کے تاج سے زیادہ حسین اور قیمتی ہے، یہ میخیں جو تیری ہتھیلیوں میں ٹھکی ہوئی ہیں چوگان مشتری سے زیادہ قدر و مرتبہ رکھتی ہیں اور خون کے یہ قطرے جو تیرے قدموں پر منجمد ہیں، عشتروت کی مالاؤں سے زیادہ چمکدار ہیں۔

ان کمزوروں سے باز پرس نہ کر! انہیں معاف فرما کہ انہیں علم نہیں، تو موت کے لئے موت سے لڑا اور مردوں کو زندگی عطا فرما گیا۔

☆☆☆☆☆

رنگے ہوئے لیڈر

سلمان آفندی

پینتیس سالہ مرد خوش پوشاک، خوش قامت چڑھی ہوئی مونچھیں پاؤں میں چمکدار جوتا اور ریشمیں جرابیں، منہ میں قیمتی سگریٹ اور ہاتھ میں حسین و نازک بیت، جس کی سنہری موٹھ، اعلیٰ درجہ کے جواہر سے مرصع، عالی شان ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے جہاں شہر کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوتے ہیں اور شاندار گاڑی میں مشہور تفریحی مقامات کی سیر کو جاتا ہے جسے دو نہایت نفیس گھوڑے کھینچتے ہیں۔

سلمان آفندی کو اپنے باپ سے ایک کوڑی ورثہ میں نہیں ملی۔ اللہ بخشے اس کا باپ ایک غریب اور مفلس آدمی تھا۔ جس نے کبھی تجارت کی نہ دولت کمائی، وہ حد درجہ سست اور کاہل تھا، کام سے نفرت کرتا اور اسے اپنے مرتبہ سے گری ہوئی چیز سمجھتا ہم نے ایک مرتبہ خود اس کی زبان سے سنا ہے کہ

''میرا جسم اور میری فطرت کام سے میل نہیں کھاتی، کام ان لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے جن کی فطرت بے کیف اور جسم کھردرے ہیں۔''

تو پھر سلمان آفندی نے اتنی دولت کہاں سے حاصل کی اور وہ کونسا جادوگر تھا جس نے مٹی کو اس کی مٹھیوں میں سونے چاندی سے بدل دیا؟

یہ رنگے ہوئے لیڈروں کے بے شمار رازوں میں سے ایک راز ہے جو عزرائیل نے ہمیں بتایا اور اب ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

پانچ برس ہوئے کہ سلمان آفندی نے سیدہ فمیہ سے شادی کی۔ سیدہ فمیہ مرحوم پطرس نعمان تاجر کی بیوہ ہے جو اپنی کوشش استقلال اور دیانت کے لئے اپنے تمام ہمسروں میں شہرت رکھتا تھا۔ اس وقت سیدہ فمیہ کی عمر پینتالیس سال ہے اور اس کے جذبات عمر 16 سال وہ ہر چند اپنے بالوں میں اور آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے اپنے چہرہ کو کریم اور پاؤڈر سے چمکاتی ہے لیکن سلمان آفندی آدھی رات سے پہلے

کبھی گھر میں نہیں گھستا۔ شاید ہی کوئی گھڑی ہوتی ہو، جب وہ اپنے شوہر کی تیز تیز نظروں اور نا ملائم کلمات سے محفوظ رہتی ہو، جس کی وجہ یہ ہے کہ سلمان آفندی نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اس دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہے جو اس کے پہلے شوہر نے خون پسینہ ایک کر کے جمع کی تھی۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

2

ادیب آفندی

ستائیس سالہ جوان لمبی ناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں، ناپاک چہرہ ہاتھ روشنائی میں بھرے ہوئے، ناخن میل سے اٹے ہوئے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے جن پر جا بجا تیل، چکنائی اور قہوے کے داغ۔

اس مکروہ حالت کا سبب، ادیب آفندی کی غربت محتاجی نہیں، غفلت و بے پروائی ہے، وہ مصروفیت ہے جس نے بلند مسائل، معنوی امور اور الہیاتی مباحث کی تحقیق و تلاش کے سلسلے میں اس کے دماغ کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ ہم نے خود اسے امین جندی سے کہتے سنا ہے کہ

''طبیعت دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی''

یعنی ادیب ایک وقت میں انشاء پردازی اور پاکیزگی دونوں کا خیال نہیں رکھ سکتا۔

ادیب آفندی بہت بولتا ہے اور ہر وقت بولتا ہے۔ اس کے نزدیک بولنا دنیا کی ہر چیز سے افضل ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیروت کے کسی مدرسہ میں دو سال تک ایک مشہور استاد سے علم بدیع کا درس لیا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس نے بہت سی نظمیں کہی ہیں، مضامین لکھے ہیں اور کتابیں مرتب کی ہیں، جو مختلف اسباب کی بنا پر جن میں سب سے بڑا سبب عربی صحافت کا انحطاط اور پڑھنے والوں کی جہالت ہے، ہنوز طبع و اشاعت سے محروم ہیں۔

کچھ دنوں سے ادیب آفندی اپنی توجہ قدیم و جدید فلسفے کی باریکیوں پر صرف کر رہا ہے وہ ایک ہی وقت میں سقراط کا بھی عقیدت مند ہے اور نطشے کا بھی۔ وہ اگنس کے ملفوظات بھی اسی شوق و دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہے جس شوق و دلچسپی کے ساتھ والٹیر اور ژان ژاک روسو کی کتابیں۔

ہم پہلی مرتبہ اس سے ایک ادبی میں ملے تھے لوگ اس کے چاروں طرف نغمہ و شراب میں مست تھے اور وہ اپنے مشہور بلیغ انداز میں شیکسپیر کے ڈرامہ ہملٹ پر تبصرہ کر رہا تھا۔

دوسری مرتبہ ہم نے اسے ایک رئیس کے جنازہ میں دیکھا لوگ اس کے ہم پہلو غمگین چہرے بنائے سر جھکائے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور وہ اپنی مخصوص فصیح البیانی کے ساتھ فارض کی غزلوں اور رابونو اس کی خمریات پر بحث کر رہا تھا۔

ان حالات میں ادیب آفندی کیوں جی رہا ہے۔ پرانی کتابوں اور بوسیدہ اوراق میں اپنے شب و روز برباد کرنے سے اس کا کیا مقصد ہے۔ وہ ایک گدھا کیوں نہیں خرید لیتا اور اسے کرایہ پر چلا کر دولت مند کرایہ خوروں کی صف میں شامل کیوں نہیں ہو جاتا۔

یہ رنگے ہوئے لیڈروں کے بے شمار رازوں میں سے ایک راز ہے جو بعلز پول نے ہمیں بتایا اور ہم اب تمہیں بتاتے ہیں؟

تین برس ہوئے کہ ادیب آفندی نے پادری یوحنا شمعون کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور حبیب بک سلوان کے گھر میں اس کے سامنے پڑھا۔ قصیدہ ختم ہو جانے کے بعد پادری نے اسے بلایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! خدا تجھے سلامت رکھے تو بڑا نکتہ رس شاعر اور فطرت شناس ادیب ہے، میں تجھ جیسے باکمالوں پر فخر کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تو ایک دن مشرق کی بڑی شخصیتوں میں شمار کیا جائے گا۔''

اس دن سے لے کر آج تک ادیب آفندی اپنے باپ، چچا اور ماموں کی تحسین و ستائش کا مرکز ہے۔ وہ فخر کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

''کیا پادری یوحنا شمعون نے ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ وہ ایک دن مشرق کی بڑی شخصیتوں میں شمار کیا جائے گا۔''

☆☆☆☆☆

3

فریدہ و عیسیٰ

چالیس سال کا پختہ عمر انسان لمبا قد، چھوٹا سا سر، بڑا دہانہ، تنگ پیشانی، اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ، سینہ نکال کر آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ اس کی رفتار اس اونٹ کی رفتار سے متوازن ہے جس کی پیٹھ پر محمل ہو، جب وہ بلند آواز اور پر وقار آواز میں گفتگو کرتا ہے تو انجان آدمی یہ سمجھتا ہے کہ حکومت کا کوئی وزیر لوگوں کے معاملات سدھارنے اور رعایا کی تکلیفیں دور کرنے میں مصروف ہے۔

فرید بک کو اس کے سوا کوئی نہیں کہ محفلوں میں صدر مقام پر بیٹھے اور اپنے بزرگ خاندان کے کارنامے گنوائے یا اپنی عالی نسبی کی خصوصیات بیان کرے۔ وہ نپولین اور عنترہ عبسی جیسے بہادروں اور بڑے لوگوں کے حالات اور کارنامے بہت دلچسپی سے سناتا ہے۔ نفیس اسلحہ جمع کرنے کا اسے خاص شوق ہے اور وہ اس کے گھر کی دیواروں پر ترتیب سے چنے ہوئے بھی ہیں لیکن وہ ان کو استعمال کرنا نہیں جانتا۔

اس کا قول ہے کہ

''اللہ نے انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے ایک گروہ خدمت کرنے کے لئے ہے اور دوسرا گروہ خدمت لینے کے لئے''

اس کا دوسرا قول یہ ہے کہ

''خاندان ایک اڑیل ٹٹو ہے جو اس وقت تک نہیں چلتا، جب تک کوئی اس کی پیٹھ پر سوار نہ ہو جائے۔''

یہ تیسرا قول بھی اسی سے منسوب ہے کہ

''قلم کمزوروں کے لئے ہے اور تلوار قوت والوں کے لئے''

اچھا تو وہ اسباب کیا ہیں؟ جن کی بنا پر فرید بک اپنی بڑائی کے لئے شیخیاں مارتا ہے؟ ہر وقت اور ہر جگہ پر غرور انداز میں اپنی عالی نسبی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور خود بینی

وخود پسندی کا اظہار کر کے لوگوں پر اپنی فوقیت جتاتا ہے۔

یہ رنگ ہوئے لیڈروں کے بے شمار رازوں میں سے ایک راز ہے جو سطنا ئیل نے ہمیں بتایا اور ہم اب تمہیں بتاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے ثلث اول میں سلطان بشیر شہابی اپنے امیروں کے ساتھ لبنان کی وادیوں کی سیر و تفریح کے لئے آیا۔ اتفاق کی بات جب وہ اس گاؤں کے قریب سے گزرا جس میں فرید بک وعیسیٰ کا دادا منصور وعیسیٰ رہتا تھا تو دھوپ تیز ہوگئی اور سورج کی باریک باریک کرنیں زمین کا سینہ چھیدنے لگیں۔ سلطان گرمی کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ساتھیوں سے کہا۔

''آؤ! تھوڑی دیر اس بلوط کے سائے میں دم لے لیں!!''

جب منصور بک عیسیٰ کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہمسایہ کسانوں کو بلایا اور انہیں خبر دی کہ سلطان ان کے گاؤں کے قریب رونق افروز ہیں یہ سن کر وہ سب کے سب انجیر اور انگور کے خوانا اور دودھ شراب اور شہد کی ٹھلیاں لئے منصور کے پیچھے پیچھے بلوط کے درخت کی طرف چلے جہاں سلطان بشیر شہابی قیام فرما تھا۔ منزل مقصد پر پہنچ کر منصور عیسیٰ آگے بڑھا اور عبائے شاہی کو بوسہ دیا پھر اس کے قدموں میں ایک بکرا ذبح کیا اور بلند آواز میں کہا

''یہ سب جہاں پناہ کے مراحم خسروانہ کا اثر ہے۔''

سلطان نے اظہار خوشنودی کے طور پر اسے خلعت عطا فرمایا اور کہا

''تم آج سے اس گاؤں کے سردار ہو، جسے ہماری خصوصی نوازش رہیں گی، جاؤ! ما بدولت نے تمہارے گاؤں پر اس سال شاہی ٹیکس معاف فرما دیا۔''

امیر کے چلنے جانے کے بعد، اس رات کو گاؤں کے تمام آدمی سردار منصور عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے اپنے رنج و راحت کا آقا تسلیم کر لیا اللہ ان سب پر رحم کرے!

☆☆☆☆☆

رنگے ہوئے لیڈروں کے اور بھی بہت سے راز ہیں جن سے شیطان ہمیں دن رات آگاہ کرتے رہتے ہیں اور ہم اس سے پہلے کے زمانہ ہمیں فضائے نیلگوں کے اس پار پہنچا دے تمہیں ان سے آگاہ کریں گے لیکن اس وقت، رات آدھی ہو چکی ہے اور بیداری نے ہماری پلکوں کو تھکا دیا ہے۔ اس لئے ہمیں سونے کی اجازت دو بہت ممکن ہے خوابوں کی پری ہماری روحوں کو اس عالم میں لے جائے جو اس عالم سے کہیں زیادہ پاک وصاف ہے۔

☆☆☆☆☆

پری

تو مجھے کہاں کھینچے لئے جا رہی ہے، اے ساحرہ!

میں کہاں تک ان پر خار و ناہموار چٹانی راہوں پر تیرے ساتھ چلوں جو ہمارے قدموں کو تو بلندی کی طرف لے جا رہی ہیں لیکن ہماری روحوں کو پستی کی طرف دھکیل رہی ہیں!

میں نے تیرا دامن پکڑا، اور اس بچہ کی طرح، جو ہر وقت اپنی ماں سے چمٹا رہتا ہے، تیرے ساتھ ہولیا، میں نے اپنے تمام تصورات کو بھلا کر، تیرے حسن پر نگاہیں جما دیں اور اپنے سر کے گرد منڈلاتی ہوئی پرچھائیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس مقناطیسی قوت کی طرف کھینچ لیا جو تیرے جسم میں پوشیدہ ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جا کہ میں تیری صورت دیکھ لوں، بس ایک نظر مجھ پر ڈال دے کہ بہت ممکن ہے میں تیری آنکھوں میں تیرے دل کے بھید پالوں اور تیرے خد وخال سے تیری روح کی باریکیوں کو سمجھ لوں۔

ذرا کی ذرا ٹھہر جا! اے پری! کہ میں چلتے چلتے تھک گیا ہوں اور میری روح راستہ کی خوفناکیوں سے تھرا رہی ہے!! ٹھہر کہ! ہم اس دوراہے پر پہنچ گئے ہیں جہاں موت، زندگی سے ہمکنار ہے اب میں ایک قدم آگے نہ بڑھاؤں گا۔ جب تک میری روح تیری روح کے ارادوں سے واقف اور تیرے دل کے بھیدوں سے آشنا نہ ہو جائے گا۔

میری سن! اے طلسم کار پری!

کل تک میں ایک آزاد پرندہ تھا جو دن بھر نہروں پر منڈلاتا اور فضا میں اڑتا تھا اور شام ہوتے، کسی شاخ پر بیٹھ کر، رنگا رنگ بادلوں کی بستی میں ان محلوں اور عبادت گاہوں کا نظارہ کرتا تھا، جنہیں سورج سپہر کو بناتا تھا اور غروب ہوتے وقت ڈھا دیتا ہے!

بلکہ میں ایک خیال تھا، جو زندگی کی خوبیوں اور لذتوں سے مسرور ہوتے ہوئے اور ہستی کے اسرار و رموز کا کھوج لگاتے ہوئے، دنیا کے مشرق و مغرب کا تنہا چکر لگاتا تھا۔

نہیں، بلکہ ایک خواب تھا۔ جو رات کے پردوں پر، کھڑکیوں کی درزوں میں سے داخل ہوتا اور سوتی ہوئی حسین اچھوتیوں کی خواب گاہ میں ان کے جذبات سے کھیلتا تھا، نوجوانوں کی مسہریوں کے پہلو میں کھڑے ہو کر ان کی آرزوؤں کو بھڑکاتا تھا اور بوڑھوں کے بستر کے پاس بیٹھ کر ان کے خیالات کی ٹوہ لگاتا تھا۔

لیکن آج جبکہ اے ساحرہ، میں تجھ سے مل چکا ہوں اور تیرے ہاتھوں کے بوسہ نے میری ہر رگ و ہر ریشہ میں زہر کی سی تلخی پیدا کر دی ہے۔ اس قیدی کی مثال ہو گیا ہوں جو زنجیروں میں جکڑا ہوا نہ معلوم کہاں جا رہا ہے؟ بلکہ اس مخمور کی مثال ہو گیا ہوں جو مئے ہوشربا کے جام پر جام چڑھا رہا ہو اور ان ہاتھوں کو بوسہ دے رہا ہو جنہوں نے اس کے چہرہ پر طمانچہ مارا ہے۔

☆☆☆☆☆

لیکن اے ساحرہ! ذرا ٹھہر اور دیکھ کہ میں نے اپنی تمام قوتیں واپس لے لی ہیں، ان زنجیروں کو توڑ دیا ہے جو میرے پاؤں میں پڑی تھیں اور اس پیالہ کو چور چور کر دیا ہے جس میں میں نے خوشگوار اپنی دانست میں خوشگوار زہر پیا تھا۔ بتا! اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ کس راستہ پر چلنا چاہئے۔

میں پھر آزاد ہو گیا ہوں! کیا اب تو مجھے اپنا آزاد رفیق بنانے پر راضی ہے؟ جو سورج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے اور غیر مرتعش انگلیوں سے دہکتے ہوئے انگاروں کو پکڑ لیتا ہے۔

میرے بازو پھر کھل گئے ہیں! کیا اب تو اس نوجوان کے ساتھ رہنے پر تیار ہے؟ جو اپنے دن عقاب کی طرح پہاڑوں میں گزارتا ہے اور راتیں شیر کی طرح جنگلوں

میں!

کیا اب تو اس مرد کے شوق کو کافی سمجھتی ہے؟ جو محبت کو اپنا دم ساز تو بنا سکتا ہے لیکن پیشوا نہیں بنا سکتا!!

کیا اب تو اس دل کی محبت پر قناعت کرتی ہے؟ جو آرزومند تو ہو سکتا ہے لیکن اطاعت نہیں کر سکتا! بھڑک تو سکتا ہے لیکن پگھل نہیں سکتا۔

کیا اب تو ان تمناؤں پر اعتماد کرتی ہے جو آندھی کے سامنے کانپ تو سکتی ہیں! لیکن پامال نہیں ہو سکتی! بگولوں کے ساتھ اٹھ تو سکتی ہیں لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتیں!!

کیا اب تو مجھے اپنا ساتھی بنانے پر تیار ہے؟ جو نہ کسی کو پوجنا چاہتا ہے نہ خود کو پجوانا۔

اچھا تو لے، یہ میرا ہاتھ ہے اسے اپنے حسین ہاتھ سے متحرک کر، یہ میرا جسم ہے، اسے اپنی نرم و نازک بانہوں میں بھینچ لے اور یہ میرے لب ہیں، انہیں ایک طویل، عمیق اور خاموش بوسہ دے!

☆☆☆☆☆

نقشِ قدم

میں ایک دفعہ کسی اور سیاح سے ملا، وہ بھی کچھ مجنوں سا ہی تھا اور وہ مجھ سے یوں گویا ہوا۔

''میں تو ایک آواز ہوں۔ اور اکثر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس زمین پر میں انسانوں میں نہیں بلکہ انسانوں پر چلتا ہوں۔ اور اپنے کھلے اور وسیع کھیتوں میں میرے قدموں کے نشانوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے!''

اور اکثر میں نے انہیں، اپنے پاؤں کے ان نشانوں کے غیر معمولی پیمائش پر بحث کرتے، جھگڑتے سنا ہے۔ کیونکہ پیشتر یہی خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ کسی بلا کے پاؤں کے نشان ہیں۔ جس کی آج سے صدیوں پہلے کہیں ادھر گزرگاہ تھی! اور بعض کہتے ہیں، نہیں ان گڑھوں میں دور چمکنے والے ستاروں سے شہاب ٹوٹ کر گرتے رہے ہیں!

مگر اے میرے دوست، ایک صرف تم جانتے ہوں کہ یہ سوائے اک آوارہ گرد کے پاؤں کے نشانوں کے اور کچھ بھی نہیں!

☆☆☆☆☆

تیراک

ایک دفعہ سلامیز کے دو مسافروں کا راستے میں میل ہو گیا، چلتے چلتے دوپہر کے قریب وہ ایک ایسے دریا پر پہنچے، جس کے وسیع پاٹ کو پار کرنے کے لئے نہ کوئی تاؤ تھی، اور نہ ہی کوئی پل! اب یا تو وہ دریا کو تیر کر پار کریں یا پھر کسی نئی راہ کی تلاش کریں! ایک نے دوسرے سے کہا۔

''آؤ پھر تیر ہی کر پار کریں اسے''

آخر دریا، اتنا چوڑا بھی تو نہیں ہے!

دونوں نے اپنے آپ کو دریا میں پھینک دیا۔

ان دونوں میں سے ایک کا جو دریا اور دریا کے راستوں سے خوب آشنا تھا۔ آدھے ہی راستے میں دم پھول گیا۔ اور تیز بہتے ہوئے پانی کے ساتھ ساتھ وہ کنارے سے دور ہی دور ہٹتا گیا۔

اور دوسرا، جس نے اس سے پہلے کبھی دریا کا منہ تک نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ تیرنا ہی جانتا تھا۔ بالکل سیدھا تیر کر دریا کے دوسرے کنارے جا پہنچا مگر اب جو اس نے اپنے ساتھی کو پانی میں غوطے کھاتے دیکھا، تو اسے پانی میں پھر کودنا پڑا!

وہ اسے بھی بچا کر کنارے پر لے آیا!

دریا کے تیز بہتے ہوئے پانی کے تھپیڑوں نے اس کا برا حال کر دیا تھا۔ کنارے پر پہنچ کر اپنے ساتھی سے بولا

''دوست تم تو بتا رہے تھے کہ تم نے کبھی پانی کا منہ تک نہیں دیکھا مگر دریا تو اس بے تکلفی سے پار کیا ہے کہ میں بھی حیران ہوں۔''

دوسرے نے کہا بھائی تم شاید میرے اس کمر بند کو نہیں دیکھ رہے۔ اس میں اشرفیاں بھی بھری ہوئی ہیں۔ اور انہیں میں نے اپنے بیوی بچوں کے لئے ایک ایک کر کے جمع کیا ہے۔

میری سال بھر کی کمائی!

اور یہ اسی طلائی کمر بند کا بوجھ تھا۔ جو مجھے دریا کے پار لے آیا، دریا کے اس کنارے سے اس کنارے پر، میری بیوی اور میرے بچوں کے پاس! جب میں دریا میں تیر رہا تھا۔ تو میری بیوی اور میرے بچے میرے کندھوں پر تھے۔

اور وہ دونوں پھر ایک ساتھ سلامیز کے راستے پر ہو لئے!

☆☆☆☆☆☆

All rights reserved. ©2002-2006

سکوت جنوں خیز

گرما کی ایک صبح مینڈک نے مینڈکی سے کہا

''میرا خیال ہے کہ لوگ جو جھیل کے ادھر رہتے ہیں۔ ہمارے رات کے ٹرانے سے بے آرام تو ضرور ہوتے ہوں گے!''

مینڈکی بولی

''تو جیسے دن کو وہ اپنی بکواس سے ہمارے آرام میں خلل انداز نہیں ہوتے؟''

مینڈک نے کہا

''کچھ بھی ہو مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم ٹراتے کچھ زیادہ ہی ہیں!''

مینڈکی بولی

''اور ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ دن کو وہ ضرورت سے کچھ نہ کچھ زیادہ ہی چلاتے اور شور مچاتے ہیں!''

مینڈک بولا

''پر بھئی اس مینڈکے کا بھی خیال کیا کبھی تم نے، جو رات بھر اپنے شور سے پڑوسیوں کا ناک میں دم کر دیتا ہے!''

مینڈکی نے کہا

''ہاں مگر اس قاضی، کیمیا گر اور ملا کا بھی کبھی خیال کیا تم نے کہ دن بھر اپنے بے ربط شور سے بے پناہ ہنگامے سے فضا کو خراب کرتے رہتے ہیں!''

مینڈک بولا

''ارے بھئی چھوڑو انہیں ہمیں کم از کم ان انسانوں سے تو بہتر ہونا چاہئے نا اب ہم رات کو خاموش رہیں گے اپنے گیت دل میں رکھیں گے۔ چاہے چاند ہماری موسیقی کے لئے اور ستارے ہمارے گیتوں کے لئے چلاتے ہی کیوں نہ رہیں!''

مینڈکی بولی

تو جیسے تمہاری مرضی دیکھیں جو یوں تمہارے من کو چین مل جائے! اس رایت مینڈک خاموش رہے۔ اور دوسری رات بھی نہ ٹرائے اور تیسری رات بھی!

لیکن اس پر قصہ یوں ہوا کہ وہ باتونی عورت جو جھیل کے ادھر والے کنارے پر رہتی تھی تیسری صبح ناشتے پر اپنے گھر والے سے شکایت کر رہی تھی

میں تین رات سے بالکل نہیں سوئی پہلے جب مینڈ نگ موئے ٹراتے تھے۔ تو کم از کم نیند تو آ جاتی تھی۔ اب جانے تین رات سے انہیں کیا ہوا ہے۔ سانپ سونگھ گیا ہے کہ بالکل ٹراتے ہی نہیں اور ادھر بے خوابی سے میرا دماغ پھٹا جاتا ہے!

مینڈ نگ نے سنا تو مینڈ کی کی طرف مڑ کر آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا

''اس خاموشی سے ہم بھی تو پاگل ہوئے جاتے تھے، نہیں کیا؟''

مینڈ کی بولی

''ہاں کیوں نہیں رات کا یہ سناٹا ہمارے لئے بھی تو وبال ہی بنا ہوا تھا۔ مگر تم نے تو دیکھ لیا نا کہ ہمارے لئے خاموش رہنا ایک سرے سے ضروری ہے ہی نہیں، اور پھر ان کی خاطر جو اپنے خلا کو شور سے بھرا رکھنا چاہتے ہوں!''

اس رات ان کی موسیقی کے لئے چاند کی پکار اور ان کے گیتوں کے لئے ستاروں کی فریاد خالی نہ گئی!

☆☆☆☆☆

انمول موتی

ایک صدف نے دوسرے سے کہا

''میرے اندر درد ہے بڑی شدت کا درد! بوجھل اور گول سا اور میں بہت ہی تکلیف میں ہوں!''

دوسرے صدف نے بڑی نخوت سے کہا

''سب ستائیش ہے آسمانوں کے خدا کے لئے، میں تو اندر باہر سے بالکل ٹھیک ہوں۔''

اسی وقت ایک کیکڑا جو پاس سے گزر رہا تھا۔اور اس نے ان دونوں کی باتیں بھی سنی تھیں، بولا۔

''ہاں تم اندر باہر سے بالکل ٹھیک ہو لیکن جو درد تیرے پڑوسی کے ہے وہ ایک انمول موتی ہے!''

☆☆☆☆☆

ایک ہزار قید خانے

آج سے ہزاروں سال پہلے ایک بہت بڑا بادشاہ ایک بہت ہی بڑے **ملک** پر حکومت کرتا تھا!

بادشاہ انصاف پسند تھا۔ اور نہایت ہی دانش مند بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت ہی رحم دل وہ اپنی رعایا کے لئے اچھے اچھے قانون بنانا چاہتا تھا۔

اس مطلب کے لئے اس نے ہزار مختلف قبیلوں سے ایک ہزار دانس مند طلب کئے کہ اس کے پایہ تخت میں جمع ہو کر قانون مرتب کریں۔

اور وہ ہزار دانش مند اس کام کو انجام دینے کے لئے اس کے سایہ تخت میں جمع ہو گئے!

لیکن جب ان ایک ہزار دانش مندوں نے ایک ہزار قانون ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور پیش کئے۔ اور اس نے انہیں پڑھا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ اپنے دل میں بہت رویا، کیوں کہ یہ اس کے علم میں نہیں تھا کہ اس کے **ملک** میں ایک ہزار قسم کے جرم کئے جاتے ہیں پھر اس نے اپنے نوشتہ دار کو طلب کیا اور بڑی ہی خود اعتمادی کے ساتھ مسکراتے ہوئے اسے خود چند قانون لکھوائے اور قانون گنتی میں صرف سات تھے۔

اس پر وہ ایک ہزار دانش مند اس سے ناراض ہو کر، اپنے اپنے قبیلوں میں ان قوانین کو لے کر واپس چلے گئے، جنہیں انہوں نے خود وضع کیا تھا اور ہر قبیلہ اپنے اپنے قبیلے کے بزرگ کے بنائے ہوئے قانون پر کاربند ہو گیا!

آج تک ان قبیلوں میں، اسی لئے وہی ایک ہزار قانون رائج ہیں! یہ ایک بہت بڑا **ملک** ہے اس میں ایک ہزار قید خانے ہیں اور ان قید خانوں میں ایسے مرد ایسی عورتیں اور ایسے بچے بھرے ہوئے ہیں جو ہزاروں قانون روز توڑتے ہیں!

بے شک یہ ایک بہت بڑا **ملک** ہے

یہ بہت ہی بڑا ملک ہے اور اس کی آبادی، ان ایک ہزار قانون سازوں کی اولاد کے دم سے ہے جن میں صرف ایک دانش مند بادشاہ تھا!

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

زندگی اور عورت

میں نے اپنے دوست سے کہا

''تم آج اسے جس طرح اپنے بازو پر جھکا ہوا دیکھ رہے ہو۔ کل بالکل اسی طرح وہ میرے بازو پر جھکی ہوئی تھی''

میرے دوست نے کہا

''اور کل وہ میرے بازو پر جھکی ہوگی!''

میں نے کہا

''ذرا دیکھو تو کس طرح اس کی گود میں پڑی ہے کل اس طرح میری گود میں پڑی تھی!''

میرا دوست بولا

''اور بالکل اسی طرح کل وہ میری گود میں پڑی ہوگی!''

میں نے کہا

ذرا دیکھو تو، وہ اس کے پیالے سے منہ لگائے ہوئے ہے اور کل بالکل اسی طرح میرے پیالے سے ہونٹ چپکائے تھی!

اس نے کہا

''اور کل میرے پیالے سے پی رہی ہوگی!''

میں نے پھر کہا

''دیکھو تو اس کی طرف کس پیار سے دیکھ رہی ہے آنکھوں میں سپردگی کا اظہار ہے اور کل بالکل اسی طرح میری طرف دیکھ رہی تھی!''

میرا دوست بولا

''اور کل اسی نظر سے مجھے دیکھے گی!''

میں نے کہا

''کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ وہ اس کے کان میں محبت کے گیت گا رہی ہے بالکل وہی گیت جو کل میرے کانوں میں گا رہی تھی!''

میرا دوست بولا

''اور کل یہی گیت میرے کان میں گا رہی ہوگی!''

میں چلایا

''مگر دیکھو تو وہ اس سے بغل گیر ہو رہی ہے اور کل بالکل اسی طرح مجھ سے لپٹی ہوئی تھی''

میرا دوست بولا

''اور کل مجھ سے لپٹی ہوگی''

میں جھلا اٹھا

''یہ کیسی عورت ہے یہ!''

لیکن اس نے کہا

''وہ زندگی ہی کی طرح ہے جس پر سب کا قبضہ ہے اور موت کی طرح وہ ہر ایک کو مسخر کر لیتی ہے اور ابدیت کی طرح ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے!''

☆☆☆☆☆

کفش دوز

موچی کی دوکان پر ایک فلسفی آیا فلسفی کے جوتے پھٹے ہوئے تھے!

فلسفی نے موچی سے کہا

''مہربانی کر کے میرے جوتے مرمت کر دیجیے''

موچی بولا

''معاف فرمایئے ایک تو میں یہ جوڑا سی رہا ہوں دوسرے دو چار مرمت طلب جوڑے ابھی اور باقی ہیں، ان کے بعد آپ کے جوتوں کی باری آئے گی تاہم آپ اپنے جوتے یہاں چھوڑ جایئے اور آج کا دن یہ جوڑا پہن لیجئے کل تشریف لایئے گا اور اپنے جوتے لے جایئے گا!''

موچی کے اس جواب پر فلسفی طیش میں آ گیا!

میں نے کبھی کوئی ایسا جوتا نہیں پہنا جو میرا اپنا نہ ہو

''آپ کہیں فلسفی تو نہیں؟''

موچی اپنے اس استفسار کا کوئی جواب نہ پا کر بولا

''تو آپ یقیناً سچ مچ کے فلسفی معلوم ہوتے ہیں جب ہی کسی دوسرے کے جوتوں سے اپنے پاؤں ڈھانپنا آپ کو گوارا نہیں ہاں تو اسی بازار میں، ایک اور موچی بھی بیٹھا ہے۔ اور وہ فلسفیوں کے مزاج کو مجھ سے بہتر سمجھتا ہے آپ اپنے جوتے کی مرمت کے لئے اسی کے پاس تشریف لے جایئے!''

☆☆☆☆☆

رہبانیت

آج سے بہت پہلے یہاں بہت دور پہاڑوں میں ایک راہب کا مسکن تھا۔اس کی روح پاک تھی اور ضمیر روشن زمین و آسمان کے تمام جان دار جوق در جوق اس کے حضور میں آتے ،اور وہ ان سے باتیں کرتا۔وہ بڑے انہماک اور شوق سے اس کی باتیں سنتے اور اس کے گرد جمع رہتے یہاں تک کہ سورج ڈھلے وہ انہیں اپنی دعاؤں کے ساتھ جنگل کی ہوا کے سپرد کر دیتا۔

ایک شام جب وہ محبت کے متعلق بات چیت کر رہا تھا تو ایک شیرنی نے اپنا سر اٹھایا اور راہب سے پوچھا۔

''حضور آپ ہم سے تو محبت کی کہانیاں کہہ رہے ہیں لیکن خود آپ کی اپنی جورو کہاں ہے؟''

راہب بولا

''میری کوئی جورو نہیں ہے''

اس پر چرندوں، پرندوں، درندوں کے اس انبوہ میں حیرت و استعجاب کی ایک لہر دوڑ گئی ،اس کی کوئی نہیں سنتا تھا۔سب اپنی ہی ہانکتے جاتے تھے قیامت کا شور بے پناہ شور بپا تھا۔

''یہ ہمیں محبت کرنے کا''

گھر بسانے کا درس کیوں کر دے سکتا ہے۔جب کہ اس نے خود نہ کبھی محبت کی، نہ کبھی گھر بسایا!

اس نفرت میں وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چل دیئے۔

اور رات، راہب چٹائی پر اوندھا پڑا روتا رہا اور اپنا سینہ پیٹتا رہا!

☆☆☆☆☆

ہم اور تم

ہم ابنائے غم ہیں اور تم ابنائے مسرت!

ہم ابنائے غم ہیں اور غم، خدا کا سایہ ہے، جو گنہگار دلوں کے آس پاس اپنا مسکن نہیں بناتا، ہماری روحیں اداس ہیں اور اداسی ایک بلند مرتبہ ہے جو حقیر روحوں کو نہیں ملتا۔

ہم روتے ہیں، نالہ و ماتم کرتے ہیں۔ اے ہنسنے والو! اور جس کسی نے ایک مرتبہ اپنے آنسوؤں سے غسل کرلیا اور ابدالآباد تک کے لئے پاک وصاف ہوگیا۔

تم ہمیں نہیں جانتے لیکن ہم تمہیں جانتے ہیں۔ تم بحر حیات کی طوفان خیز موجوں کے ساتھ چلے جارہے ہوں اور ہمیں پلٹ کر نہیں دیکھتے، لیکن ہم ساحل پر بیٹھے تمہیں بھی دیکھ رہے ہیں اور تمہاری آوازیں بھی سن رہے ہیں، تم ہمارے نالہ وشیون پر کان نہیں دھرتے، اس لئے کہ زمانہ کی چیخ پکار تمہارے کانوں میں گونج رہی ہے لیکن ہم تمہارے نغمے سن رہے ہیں اس لئے کہ رات کی سرگوشیوں نے ہماری سماعت کو تیز کردیا ہے، ہم تمہیں دیکھتے ہیں اس لئے کہ تم تاریک روشنی میں کھڑے ہو۔ لیکن تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے کہ روشن تاریکی میں بیٹھے ہیں۔

ہم ابنائے غم ہیں، ہم پیغمبر شاعر اور موسیقار ہیں ہم اپنے دل کے تاروں سے دیوتاؤں کے لباس بنتے ہیں اور اپنے سینے کے ٹکڑوں سے فرشتوں کی مٹھیاں بھرتے ہیں۔

اور تم تم مسرتوں کی نیند اور لہو ولعب کی بیداری کی پیداوار ہو، تم اپنے دل دست جہالت کے حوالے کردیتے ہو، اس لئے کہ جہالت کی انگلیاں نرم و نازک ہیں اور نادانی کی قربت سے خوش ہوتے ہو، اس لئے کہ نادانی کا گھر، اس آئینہ سے خالی ہے جس میں تم اپنے چہرہ کا عکس دیکھ سکو۔

ہم آہیں بھرتے ہیں اور ہماری آہوں کے ساتھ، پھولوں کی سرگوشیاں، شاخوں کی

سرسراہٹیں اور آبشار کے نغمے بلند ہوتے ہیں لیکن تم ہنستے ہو اور تمہارے قہقہوں میں کھوپڑیوں کے پسنے کی آواز، بیڑیوں کی جھنکار اور دوزخ کی چیخ و پکار شامل ہوتی ہے۔

ہم روتے ہیں اور ہمارے آنسو، زندگی کے دل میں ٹپکتے ہیں جس طرح شبنم کے قطرے رات کی پلکوں سے صبح کے جگر میں، لیکن تم مسکراتے ہو اور تمہارے تبسم ہونٹوں سے قہر و غضب بہتا ہے جس طرح سانپ کا زہر ڈسے ہوئے آدمی کے زخموں سے۔

ہم روتے ہیں، اس لئے کہ بیواؤں کی مظلومی و بیچارگی اور یتیموں کی بدبختی دبے دست و پائی دیکھتے ہیں اور تم ہنستے ہو۔ اس لئے کہ سونے کی چمک کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہم روتے ہیں، اس لئے کہ فقیروں کی کراہ اور مظلوموں کی پکار سنتے ہیں اور تم ہنستے ہو، اس لئے کہ جام و ساغر کی کھنک کے سوا کچھ نہیں سنتے، ہم روتے ہیں اس لئے کہ ہماری روح ذات خداوندی سے الگ ہو کر، جسم میں مقید ہو گئی ہے اور تم ہنستے ہو، اس لئے کہ تمہارے جسم راحت و اطمینان کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہم ابنائے غم ہیں اور تم ابنائے مسرت!

تو آؤ! ہم اپنے غم کے کارنامے دنیا کے سامنے رکھیں اور تم اپنی مسرت کے اعمال!!

تم نے غلاموں کی کھوپڑیوں سے اہرام تعمیر کئے اور اہرام، ریگ زار میں بیٹھے، قوموں کو تمہاری فنا اور ہماری بقاء کی داستانیں سنا رہے ہیں، لیکن ہم نے آزاد بازوؤں کی قوت سے باستیل کو پاش پاش کیا اور باستیل وہ لفظ ہے جسے قومیں بار بار دہرا کر ہمیں مبارک باد دیتی ہیں اور تم پر لعنت بھیجتی ہیں۔

تم نے کمزوروں کے جسموں پر بابل کے باغ بنائے اور غم زدوں کی قبروں پر نینوا

کے محلوں کی بنیاد رکھی۔ دیکھو! بابل و نینوا مٹ مٹا کر ایسے ہو گئے ہیں جیسے ریگ صحرا پر اونٹ کے پاؤں کے نشانات، لیکن ہم نے سنگ مرمر سے عشروت کی مورتی بنائی اور اس طرح سنگ مرمر جامد ہوتے ہوئے جنبش میں آ گیا اور ساکت ہوتے ہوئے بولنے لگا اور ہم نے ستار پر نہاروند کا راگ چھیڑا اور فضا میں اڑنے والی عاشقوں کی روحیں اس کی طرف کھنچ آئیں۔ ہم نے خطوط والوں کی مدد سے مریم کی تصویر بنائی اور اس طرح خطوط کو دیوتاؤں کے افکار اور رنگ کو فرشتوں کے جذبات کی مثال کر دیا۔

تم لہو و لعب کے پیچھے پڑ گئے جس کے خونخوار پنجوں نے روم اور انطاکیہ کے میدانوں میں سینکڑوں شہیدوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اور ہم نے خاموشی سے ناتہ جوڑ لیا۔ جس نے انجیل کے مختلف حصے مرتب کیے۔

تم ناگفتہ خواہشوں کے گلے میں بانہیں ڈال کر سو گئے جن کے تند و تیز جھونکوں نے ہزاروں لاکھوں عورتوں کو ننگ و بدکاری کے جہنم میں جھونک دیا اور ہم تنہائی سے ہم کنار ہو گئے جس کے سایہ میں سبعہ معلقہ ہملٹ اور دانتے کا قصیدہ وجود میں آئے۔

تم نے حرص و طمع سے دوستی کی جس کی تلواروں نے خون کی ہزاروں ندیاں بہا دیں اور ہم نے تصور کی رفاقت اختیار کی جس کے ہاتھوں نے معرفت کو نور کے بلند دائرہ سے اتارا۔

☆☆☆☆☆

ہم ابنائے غم ہیں اور ابنائے مسرت اور ہمارے غم اور تمہاری مسرت کے درمیان ایک تنگ و دشوار گزار گھاٹی ہے جس میں تمہارے خوبصورت گھوڑے گزر سکتے ہیں نہ تمہارے چابکدست سوار اسے طے کر سکتے ہیں۔

ہم تمہاری حقارت کو بہ نظر شفقت دیکھتے ہیں لیکن تم ہماری بزرگی سے نفرت کرتے

ہو اور زمانہ ہماری شفقت اور تمہاری نفرت کے درمیان کھڑا ہمیں اور تمہیں حیرت سے دیکھتا ہے!

ہم دوستوں کی طرح تمہارے پاس آتے ہیں اور تم دشمنوں کی طرح ہم پر جھپٹتے ہو اور ہماری دوستی اور تمہاری دشمنی کے درمیان اور آنسوؤں سے بھرا ہوا ایک گہرا غار ہے۔

ہم تمہارے لئے محل بناتے ہیں اور تم ہمارے لئے قبریں کھودتے ہو اور محلوں کی دلکشی اور قبروں کی تاریکی کے درمیان انسانیت فولادی پاؤں سے چلتی ہے۔

ہم تمہارا راہوں میں پھولوں کا فرش کرتے ہیں اور تم ہمارے بستروں میں کانٹے بچھاتے ہو اور گلاب کی پتیوں اور کانٹوں کے درمیان حقیقت ابد کی نیند سو رہی ہے۔

ابتدائے آفرینش سے تم اپنی کھردری کمزوری کے ذریعہ ہماری نرم و نازک قوت سے برسر پیکار ہو۔ اگر ایک لمحہ کے لئے ہم پر غالب آجاتے ہو تو مارے خوشی کے مینڈکوں کی طرح ٹرانے لگتے ہو لیکن ہم تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غالب ہیں، دیوتاؤں کی طرح خاموش رہتے ہیں۔

تم نے مسیح ناصری کو سولی پر چڑھایا اور چاروں طرف کھڑے ہو کر اس کا مذاق اڑایا، برا بھلا کہا لیکن جب وہ گھڑی گزر گئی تو وہ صلیب سے اترا اور حق روح کے ساتھ قوموں پر غلبہ پاتے ہوئے اور دنیا کو اپنے حسن و بزرگی سے روشن کرتے ہوئے ایک دیو کی طرح چلا گیا۔

تم نے سقراط کو زہر دیا پال کو سنگسار کیا، **گلیلو** کو موت کے گھاٹ اتارا، علی ابن طالب کو شہید کیا، مدحت پاشا کو پھانسی چڑھایا، اور یہ سب کے سب آج بھی فتح مند بہادروں کی حیثیت سے زندہ ہیں۔ لیکن تم انسانیت کے حافظہ میں ان لاشوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہو، جو خاک پر پڑی ہوں اور جنہیں نیستی و فراموشی کی تاریکیوں میں دفن کرنے والا نہ ملتا ہو۔

ہم ابنائے غم ہیں اور غم وہ بادل ہے جو دنیا میں معرفت اور نیکی کا مینہ برساتا ہے اور تم ابنائے مسرت ہو اور جب کبھی تمہاری مسرتیں بلند ہوتی ہیں ۔ دھوئیں کے ان ستونوں کی طرح بلند ہوتی ہیں جنہیں ہوا جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکتی ہے اور عناصر فنا کر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عید کی شام

شام ہوئی اور سارے شہر پر تاریکی چھا گئی، عالیشان عمارتیں اور حویلیاں برقی قمقموں سے جگمگا اٹھیں اور لوگ عید کے نئے کپڑوں میں ملبوس سڑکوں پر نکل آئے ان کے چہرے مسرت و اطمینان سے روشن تھے اور منہ سے شراب و کباب کی بو آ رہی تھی۔

لیکن اس تمام چیخ و پکار اور بھیڑ بھاڑ سے دور یکہ و تنہا، اس شخصیت پر غور کر رہا تھا جس کی یاد میں عید منائی جاتی ہے۔

اس فخر زمانہ کے متعلق سوچ رہا تھا جو غریبی و بیچارگی کے عالم میں پیدا ہوا، زندگی بھر تجربوں سے ہمکنار رہا اور بالآخر سولی پر چڑھا دیا گیا۔

اس آتشیں شعلہ پر اپنی فکر صرف کر رہا تھا جسے دست قدرت نے شام کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بھڑکایا اور وہ یکے بعد دیگرے مختلف تمدنوں کی مسافت طے کرتے ہوئے زمانے کے ارد گرد منڈلانے لگے۔

میں باغ عام میں پہنچا اور ایک لکڑی کی بنچ پر بیٹھ کر بے برگ و بار درختوں میں سے، ان سڑکوں کو دیکھنے لگا، جو آدمیوں سے بھری پڑی تھیں، اور دور سے ان ترانوں کو سننے لگا، جو ایک بے فکر اور پر مسرت جلوس کی شکل میں، عید کی خوشیاں منانے والے الاپ رہے تھے۔

ایک گھنٹہ اپنے افکار میں گم رہنے کے بعد، میں نے مڑ کر دیکھا، ایک شخص میرے برابر بنچ پر بیٹھا لکڑی سے زمین پر ٹیڑھی سیدھی لکیریں کھینچ رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا

''یہ بھی میری طرح تنہائی پسند معلوم ہوتا ہے۔''

اور اس کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھنے لگا۔ پھٹے پرانے کپڑوں اور لمبی لمبی الجھی ہوئی زلفوں کے باوجود اس کے سراپا سے جلال و وقار ٹپک رہا تھا۔

اب اس نے میری طرف دیکھا، اس طرح گویا محسوس کرلیا ہے کہ میں اس کے چہرے اور خدوخال کو نہایت غور سے دیکھ رہا ہوں، عمیق و پرسکون لہجے میں اس نے مجھ سے کہا۔

''شب بخیر!''

''شب بخیر!'' میں نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ پھر زمین پر لکیریں کھینچنے لگا اور میں اس کی نغمہ آفریں آواز کے سحر سے تھوڑی دیر مسحور رہ کر پھر اس سے ہم کلام ہوا۔

''کیا آپ اس شہر میں اجنبی ہیں؟''

اس نے جواب دیا

''ہاں اور اسی شہر پر کیا موقف ہے، میں ہر شہر میں اجنبی ہوں''

میں نے کہا

خوشی کے ان موقعوں پر لوگوں میں عام انس و ہمدردی کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور اجنبی اپنی تمام تکلیفوں اور پریشانیاں بھول کر کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔

اس نے جواب دیا۔

''لیکن میں آج کے دن اور دنوں سے زیادہ اجنبی ہوتا ہوں۔''

یہ کہا اور غبار آلود فضا کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی، اور ہونٹ جنبش میں آ گئے، گویا فضا میں اپنے دور دراز وطن کے نقوش دیکھ رہا ہے۔

میں نے کہا

''ایسے موقعوں پر لوگ ایک دوسرے سے مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ چنانچہ دولت مند فقیر کا خیال رکھتا ہے اور طاقتور کمزور پر رحم کھاتا ہے۔''

اس نے جواب دیا

''ہاں! مگر فقیر کے حال پر دولت مند کا کرم نمود خود پرستی اور کمزور پر طاقتور کی مہربانی اظہار برتری کی ایک صورت ہے اور بس!''

''آپ صحیح فرماتے ہیں!'' میں نے کہا ''لیکن ایک کمزور فقیر کو کیا ضرورت پڑی کہ وہ طاقت ور امیر کے ذہنی میلانات کی چھان بین کرے؟ بھوکا روٹی کا خیال کرتا ہے اس کے متعلق کچھ نہیں سوچتا کہ آٹا کس طرح گوندھا جاتا ہے اور روٹی کس طرح پکائی جاتی ہے؟''

اس نے جواب دیا۔

''لینے والا جب کبھی سوچتا ہے دینے والے کے ہی متعلق سوچتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ سوچے اور ایک مدت تک سوچتا رہے۔''

اس کی یہ بات سن کر مجھے بہت تعجب ہوا اور میں اس کی عجیب وغریب ہیئت اور پھٹے پرانے کپڑوں کے متعلق پھر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد، میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا

''مجھے آپ ضرورت مند معلوم ہوتے ہیں، اس لئے اگر میں ایک روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں تو کیا آپ کو قبول فرمالیں گے۔''

اس کے ہونٹوں پر غمگین تبسم نمودار ہوا اور اس نے جواب دیا۔

''میں حاجت مند ضرور ہوں لیکن روپیہ پیسہ کا نہیں!''

میں نے کہا

''آخر پھر آپ کو کیا چاہئے؟''

کہنے لگا[

''مجھے ایک ٹھکانہ چاہئے ایک ایسی جگہ چاہئے جہاں میں دم لے سکوں''

''تو لیجئے!'' میں نے کہا ''یہ دو روپیہ حاضر ہیں کسی سرائے میں جا کر ایک کمرہ کرایہ پر لے لیجئے''

اس نے جواب دیا

میں اس شہر کی ہر سرائے میں گیا لیکن کہیں پناہ کی جگہ نہ ملی، میں نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کسی کو اپنا دوست نہ پایا میں ہر ہوٹل میں گیا لیکن کسی نے روٹی کا ایک ٹکڑا نہ دیا۔

''کس قدر عجیب ہے یہ انسان! کبھی تو فلسفیوں کی سی باتیں کرتا ہے اور کبھی دیوانوں کی سی''

لیکن ''دیوانہ'' کا لفظ ابھی میرے ذہن میں اچھی طرح واضح بھی نہ ہوا تھا، کہ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور پہلے سے بلند آواز میں کہا۔

''ہاں! میں دیوانہ ہوں اور میری طرح ہر وہ شخص دیوانہ ہے جو پردیسی ہے اور اسے کوئی ٹھکانہ میسر نہ ہو جو بھوکا ہو اور اسے روٹی کا ایک ٹکڑا نہ ملتا ہو!''

میں نے معافی چاہتے ہوئے تلافی کے طور پر کہا

''میری بدگمانیوں کو معاف فرمائیے۔ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں؟ آپ کی گفتگو نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے کیا آپ میری دعوت قبول فرما کر، میرے ہمراہ چلیں گے اور آج کی رات غریب خانہ پر آرام فرمائیں گے؟''

اس نے جواب دیا

''میں نے ہزار مرتبہ تمہارا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن تم نے ایک دفعہ شنوائی نہ کی۔''

مجھے اس کی دیوانگی کا یقین ہو گیا اور میں نے کہا

''خیر! اب تشریف لے چلئے اور آج کی رات غریب خانہ پر آرام فرمائیے۔''

سر اٹھا کر اس نے کہا

''اگر تم جانتے کہ میں کون ہوں؟ تو کبھی مجھے دعوت نہ دیتے!''

''کون ہیں آپ'' میں نے پوچھا

اتھاہ پانی کی گڑگڑاہٹ سے ملتے جلتے لہجہ میں اس نے جواب دیا؟

میں وہ انقلاب ہوں جو قوموں کی فنا کردہ چیزوں کو پھر سے زندہ کرتا ہے! میں وہ طوفان ہوں، جو زمانہ کے خود ساختہ بتوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ میں وہ ہوں جو زمین پر امن وسلامتی کے لئے نہیں، قتل و غارت گری کے لئے آیا ہے۔

وہ تن کر کھڑا ہو گیا، اس کا چہرہ چمک اٹھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، اس کی ہتھیلی پر میخوں کے نشانات نمایاں ہوئے میں فوراً اس کے قدموں میں گر پڑا اور چلایا۔

مسیح ناصری!

میں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا۔

''دنیا میرے نام پر عید مناتی ہے، ان رسموں کے زیر اثر، جو زمانہ نے میرے نام کے اردگرد قائم کر دی ہیں۔ لیکن میں اجنبی ہوں، دنیا کے مشرق و مغرب میں مارا مارا پھرتا ہوں اور کسی گروہ میں کوئی آدمی ایسا نہیں جو میری حقیقت کو پہچانتا ہوں۔ لومڑیوں کے لئے بھٹ ہیں اور پرندوں کے لئے گھونسلے لیکن ابن آدم کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں۔''

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دھوئیں کے ستونوں کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آیا

نہ ابدیت کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی صدائے شب کے سوا کچھ سنائی دیا۔

☆☆☆☆☆

انسان وقت کا قیدی ہے

طول وطویل دن ختم ہو چکا۔ رات بلندیوں سے جھانک رہی ہے تاکہ بقیہ روشنی کو بھی آہستہ آہستہ جذب کرلے۔

دور جھاڑیوں میں کرمک شب تاب جھلملا رہے ہیں یا کہیں برقی لیمپ کی مدھم سی جھلک نظر آجاتی ہے۔

ناسازگار موسم کی ہوا سے پتے سوکھ گئے ہیں اور ننھی کلیاں منتشر۔

میری روح پر بے پایاں اداسی چھا رہی ہے ایسی اداسی جو مسرتوں کو اس طرح جذب کرلیتی ہے جیسے اجالے کو اندھیرا نگل جاتا ہے۔

کاش! میں قلبی بے چینیوں اور یوم رفتہ کی یاد کو فراموش کرسکوں۔ نیز ان تلخیوں کو بھی جو گزرا ہوا دن اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گیا ہے۔

چاند کا عکس جھیل کے پانی میں ناچ رہا ہے تارے حسب معمول جگمگا رہے ہیں اور شوریدہ جھونکوں کی چھیڑ چھاڑ جاری ہے۔

وہی ماحول ہے اور وہی فضا! پر میرا دل ناتوانی کے سمندر میں خود بخود ڈوب رہا ہے جیسے احساسات کی باریکیوں کی تاب نہ لاسکتا ہو۔

لیکن آج میں ان تفکرات سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔ دہر کے آلام کو کچھ دیر کے لئے الوداع کہنے کو تیار ہوں اور یہاں کی کلفتوں کو خیرباد۔

شب کے سائے تاریک تر ہوتے جاتے ہیں اور میرا ارادہ مستحکم! ستارے آسمانی پہنائیوں میں لرزاں ہیں اور میرے افکار فضاؤں میں جنباں! یوم رفتہ آہ!

کاش! میں اس کی شورشوں اور الجھنوں کو بھول سکوں۔ اس کے ترودات اور آلام سے بے نیاز ہوسکوں اور اس کے ہست و بود سے بے پرواہ۔

☆☆☆☆☆

عہد رفتہ

رات سائیں سائیں کر رہی ہے چاند نے بادلوں میں منہ چھپالیا اور مست خرام ہوائیں اداس اداس ہیں۔

کائنات کسی گہرے فکر میں ڈوبی ہوئی ہے اور میں عہد رفتہ کے لئے غرق یم خیال

وہ عہد رفتہ! وہ منظر خواب جیسا جمیل عہد!! جب ہر صبح نو اپنے ساتھ مسرتوں کے انبار لاتی تھی جب دیروز ہنگامہ تزئین تھی اور امروز دیباچہ کامرانی

اور فردا! حسین و جمیل فردا! اپنی جملہ رعنائیوں کو اور بھی چمکاتے ہوئے عالم شہود پر چھا جاتی تھی۔

تب کائنات اک وسیع بربط تھی۔ نشیلے گیتوں کا مجموعہ اور نشاط آفریں نغمات سے معمور

امتداد زمانہ نے اس کے تار ہائے کیف آگیں کو بوسیدہ نہیں کیا تھا اور نہ سالخوردہ دہر کے جھریوں والے ہاتھ اس کے درپے آزار تھے۔

تب زندگی ایک سہانا سا خواب تھی اپنی تعبیر سے بھی بڑھ کر جمیل خواب!! مرکب بہ کیف ونشاط

حیات کے درد آگین افسانے پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اور نہ اس کی تفسیر مشتمل بر کیفیت چند روزہ معلوم ہوتی تھی۔

لیکن وہ عہد رفتہ! وہ عہد خوش آئند تو اس طرح گزر گیا جیسے موسم بہار کا شباب جب کہ میں شیدا روئے گل دیکھ کر سیر بھی نہیں ہوتی۔

یا جس طرح کف دست ساقی جنبش میں آجاتا ہے جام عمر بھر پور ہونے سے پیشتر ہی

رات اسی طرح پر سکوت ہے اور چاند بادلوں کی گرفت میں! ہوا کی سرسراہٹ سے دھیرے دھیرے کراہنے کی آواز آرہی ہے میری روح! میری ناتواں روح عالم

خیال کی وسعتوں میں بھٹک رہی ہے اور عہد رفتہ کی تلاش میں از خود رفتہ

یوں ہی سب تنہائی میں
کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں
بیتے ہوئے دن چین کے
بنتے ہیں شمع زندگی
اور ڈالتے ہی روشنی
میرے دل صد چاک پر

☆☆☆☆☆

افسانہ ہائے ماضیہ

ماضی کے افسانے، یہ نہ بھولنے والی کہانیاں؟ جن سے نا معلوم کس قدر لمحات رنگین وابستہ ہیں اور خواب ہائے جمیل پیوستہ۔

لیکن معبود! حقیقت ہوتے ہوئے بھی یہ پردہ سراب معلوم ہوتے ہیں اور کتاب حیات کے اوراق پارینہ پر اس طرح لرزاں ہیں جیسے کنول کے پھول پر اک قطرہ حباب کانپ رہا ہو۔

ان مٹتے ہوئے حروف میں نہ معلوم کتنے مناظر نگاہوں کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔

وہ حسین و دلفریب مناظر! جن کی محض یاد ہی اب مقصد حیات ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن آہ کس قدر برق آسا تیزی سے غائب ہو جاتے ہیں۔ محض اپنا نقش پا، یادگار رہ رونق محفل چھوڑتے ہوئے اب چند ہلکے سے نقوش دل کی گہرائیوں میں چھپے رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے وجود رفتہ پر توجہ دلانے اور قلب وجگر کو برمانے کے لئے۔

لیکن آہ عمر رفتہ! کہ ان دھندلے سے نقوش کو بھی معدوم کرنے میں کوشاں ہے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ صفحہ دل سے محو کرنے کے درپے ہے۔

یہاں تک کہ اک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جب ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان افسانوں کا کبھی وجود بھی تھا یا نہیں؟

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی اصلیت محض ''رفت گیا اور بود تھا'' پر مبنی ہے۔ ہم فانی ہیں تو کیا ہوا ہمارے افسانے تو جاودانی ہیں۔

اور جب اجل ہمیں اپنے پر اسرار لبادے میں ڈھانپ لیتی ہے تو یہ از سر نو زندہ ہو جاتے ہیں جیسے تشنہ لب زمین سالہا سال کے بعد سیراب ہوئی ہو۔

اس عالم رنگ و بو میں یہ عکس دلفریب بن کر چھا جاتے ہیں اور اپنی حقیقت کو خوشبو کی طرح فضاؤں میں بکھیر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مریض

خزاں کے دھندلے آسمان پر وہ ہر روز چمکتا۔ اس کی مسکراہٹ ایسی دلفریب تھی کہ ایسا معلوم ہوتا جیسے کائنات دیوار قہقہہ بنی ہوئی ہے۔

کبھی تو وہ نیشکر کی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلتا کبھی سمندری موجوں پر سے آہستہ آہستہ اٹھتا اور کبھی اونچے پہاڑوں کے دامن سے اپنی تابانی دیکھاتا۔

اس کا حسین چہرہ! معبود کیسا تابناک تھا!! اور ضوفشاں!!! کہ میں بے اختیار دیکھے جاتی اور لگاتار دیکھنے کی متمنی رہتی۔

اور پھر وہ دن! جب وہ قمر چہاردہم بن کر چمک رہا تھا، ستارے رعب حسن سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور لکہ ہائے ابر اس کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ جیسے سفید سفید پروں والے فرشتے حفاظت کر رہے ہوں۔

سمندری لہریں سہانے سہانے گیت گا رہی تھیں اور چاندنی میں نہائی ہوئی کائنات نگاہ شوق سے تک رہی تھی۔

وہ صانع قدرت کا حسین مرقم تھا اور قلزم حسن کی بے پناہ موج

یہ وقت بھی گزر گیا۔ اب اس کی ضوفشانی کچھ مدھم پڑ گئی تھی اور جگمگاتے ہوئے چہرے پر حسرت کا غلبہ تھا جیسے کوئی پوشیدہ سا غم اسے اندر ہی اندر گھلا رہا ہو۔

اس کی وہ افسردہ نگاہیں اور اڑتی ہوئی رنگت! میں اکثر سوچا کرتی کہ کسی لغزش نے اسے دربار خداوندی میں معتوب کرا دیا ہے۔ آہ! پھر وہ رات!! جب وہ ایک جاں بلب مریض کی طرح سانس لے رہا تھا۔ تلملاتا ہوا دم توڑ رہا تھا اور صد سینہ چاک دہر کو خیرباد کہہ رہا تھا۔

یہ تھا اٹھائیسویں کا چاند جو تخیل شاعر کا موضوع ہے اور اس کے مضطرب دل کا مسکن۔

☆☆☆☆☆

معمار

انطاکیہ میں جہاں دریائے آسی سمندر میں گرتا ہے۔شہر کے آدھے حصے کو دوسرے آدھے حصے سے ملانے کے لئے ایک پل باندھا گیا!

پل بھاری بھر کم پتھروں سے بنایا گیا۔جنہیں انطاکیہ کے خچروں میں لود کر پہاڑوں سے لایا گیا تھا۔

جب پل بن کر تیار ہوگیا تو اس کے ایک ستون پر یونانی اور آرامی زبان میں یہ عبارت کھوددی گئی۔

''یہ پل شاہ انطاکیوس دوئم نے بنایا ہے۔''

اب لوگ اس خوبصورت پل سے دریائے آسی کے آر پار آجاتے تھے ایک شام ایک جوان، جسے کچھ لوگ پاگل سمجھتے تھے۔اس ستون پر چڑھ گیا جہاں وہ عبارت کھدی ہوئی تھی اس نے اسے کوئلے سے مٹادیا اور اس کی جگہ یہ عبارت لکھ دی!

''اس پل کے لئے پتھر پہاڑوں سے خچر لائے تھے۔اس پل کو پار کرتے ہوئے تم انطاکیہ کے خچروں کی پیٹھ پر ہوتے ہو یعنی اس پل کے اصل بنانے والوں کی پیٹھ پر!''

اور جب لوگوں نے اس جوان کا کتبہ پڑھا تو بعض تو صرف ہنس دیئے بعض اس کی ذہانت پر حیران ہوگئے اور بعض نے صرف اتنا کہا۔

''ہم جانتے ہیں کہ یہ اس پاگل کا کام ہے جس کے دماغ کے پیچ ذرا ڈھیلے ہوگئے ہیں!''

مگر ایک خچر نے ہنستے ہوئے دوسرے خچر سے کہا

''تمہیں یاد نہیں کیا کہ یہ پتھر ہم نے ڈھوئے تھے''

مگر اس کے باوجود آج تک یہی کہا جاتا رہا ہے۔کہ یہ پل شاہ انطاکیوس نے بنایا تھا!

اختتام ۔۔۔۔۔حصہ اول

ایک مسافر

زار کی سڑک پر ایک مسافر ایک دیہاتی سے ملا۔ دیہاتی پاس ہی کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا!

مسافر نے زاد کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا

''کیا یہی وہ میدان ہے جہاں شاہ الہم نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی تھی!''

دیہاتی بولا

''یہاں تو کوئی لڑائی نہیں ہوتی، البتہ ان کھیتوں میں کبھی زار کا عظیم الشان شہر ضرور آباد تھا۔ جو جل کر راکھ ہو گیا ہے لیکن اب تو یہاں بڑے زرخیز کھیت ہیں یہ کھیت اچھے نہیں ہیں کیا؟''

مسافر آگے بڑھ گیا۔

کوئی آدھے میل پر، مسافر ایک اور آدمی سے ملا زاد کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس مسافر نے اس سے پوچھا ''تو یہ ہے وہ مقام جہاں کبھی زار کا عظیم الشان شہر آباد تھا؟''

راہی بولا

''یہاں کوئی شہر تو کبھی آباد نہیں''

ہاں ایک خانقاہ ضرور تھی۔ مگر مدت ہوئی دکھشنیوں نے اسے تباہ کر دیا تھا!

تھوڑی ہی دیر بعد اسی سڑک پر، وہی مسافر، ایک اور آدمی سے ملا اور ان وسیع کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس نے پوچھا۔

'' کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یہاں کبھی ایک بہت بڑی خانقاہ ہوتی تھی۔ جسے دکھشنیوں نے تباہ کر دیا تھا؟''

وہ آدمی بولا

''اس نواح میں خانقاہ تو کبھی نہ تھی، ہاں ہمارے باپ دادا کہا کرتے تھے کہ آج

سے صدیوں پہلے ایک مہیب شہاب ثاقب گرا تھا!'' اپنے آپ پر حیران مسافر اپنی راہ چل رہا تھا۔

اب تھوڑی ہی دور پر اسے ایک بوڑھا ملا۔ جس کا سفید سر اس کے جھکے ہوئے کندھوں کے لئے زیادہ بوجھل ہو رہا تھا۔

بوڑھے کو سلام کرتے ہوئے اس نے کہا

''بڑے میاں، اسی سڑک پر، میں تین مختلف آدمیوں سے ملا ہوں۔ جو اسی نواح میں رہتے ہیں۔ ان کھیتوں کے متعلق میں نے الگ الگ ہر ایک سے پوچھا لیکن تعجب کی بات ہے کہ ہر ایک نے دوسرے کے بیان کو جھٹلایا ہر آدمی نے دوسرے سے مختلف کہانی بیان کی!''

بوڑھے نے اپنا سر اوپر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا

''یہ بات نہیں میرے دوست ہر ایک نے تم سے وہی کچھ بیان کیا ہے۔ جو واقع تھا لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں، جو حقیقت کو حقیقت میں اس طرح سمو دیں کہ سچ اجاگر ہو سکے!''

☆☆☆☆☆

عقاب اور لوا

پہاڑی کی ایک اونچی چوٹی پر، ایک لوا ایک عقاب سے ملا لوے نے کہا

''صبح بخیر حضور!''

عقاب نے نخوت سے اس کی طرف دیکھا اور ہولے سے کہا

''صبح بخیر''

لوے نے پوچھا

''امید ہے حضور بخیریت ہوں گے''

''ہوں'' عقاب بولا اور مابدولت بخیریت ہیں لیکن کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہم تمام پرندوں کے بادشاہ ہیں اور تمہیں ہم سے خطاب کی جرأت اس وقت تک نہ کرنا چاہئے۔ جب تک ہم خود ایسا پسند نہ فرماویں

لوا بولا

''میرا تو خیال ہے کہ ہم سبھی ایک ہی گھرانے سے ہیں''

عقاب نے اس کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا

''کس نے پھونکا یہ تیرے کان میں کہ تو اور ہم ایک ہی گھرانے سے ہیں''

لوے نے کہا

''تو پھر شاید مجھے حضور کو یہ جتلانا ہی پڑے گا کہ میری پرواز ''حضور'' سے بھی بلند ہے۔''

میری آواز آپ سے زیادہ سریلی ہے اور میں گا کر دوسرے جانداروں کو مسرت پہنچاتا ہوں۔ جبکہ حضور نہ کسی کو فرحت پہنچا سکتے ہیں اور نہ مسرور بنا سکتے ہیں۔

اس پر عقاب کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا

''فرحت و مسرت کے بچے گستاخ پرندے، پنجہ ماروں تو دم نکل جائے تیرا، میرے پنجے برابر بھی تو نہیں ہے تو اور یہ بالشت بھر کی زبان!''

اس پر لوا اٹھ کر عقاب کی پیٹھ پر آن بیٹھا اور لگا اس کے پر نوچنے عقاب جھنجھلا کر اونچا اونچا اڑنے لگا۔ کہ کسی طور اس حقیر لوے سے پیچھا چھڑائے۔ مگر لوا ایسا جم کر بیٹھا تھا کہ آخر ہار کر اسے ہی نیچے اترنا پڑا۔ عقاب پہلے سے بھی زیادہ غصے میں بھر گیا۔ اس بری گھڑی کو کوسنے لگا جب اس حقیر چڑے (لوے) کو اپنی پیٹھ پر لئے اسی چٹان پر اترنا پڑا جہاں سے اس نے پرواز کی تھی اس وقت جانے کہاں سے ایک چھوٹی سی کھچوی نکل آئی اور اس مضحکہ خیز منظر کو دیکھ کر کچھ اس طرح ہنسی کہ ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئی، عقاب نے بڑی نخوت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''او رزمین پر رینگنے والے کیڑے، بھلا تمہیں کس بات پر ہنسی آرہی ہے۔''

کھچوی بولی

''اس بات پر کہ تم گھوڑا بن گئے ہو۔ ایک ننھا سا چڑا تم پر سواری کر رہا ہے اور وہ ننھا چڑا تم سے افضل ہے!''

اس پر عقاب بولا

''ارے راستہ ناپو تم راستہ! یہ ہماری گھریلو بات ہے میری اور میرے بھائی لوے کی!''

☆☆☆☆☆

پیغمبر اور بچہ

ایک دن سار یا رسول ایک باغ میں ایک بچے سے ملے، بچہ بھاگ کر ان کے پاس آ گیا۔ اور بولا

''صبح بخیر حضور'' پیغمبر نے کہا

صبح بخیر ننھے آج میں دیکھتا ہوں کہ تم اکیلے ہو!

بچے نے خوشی سے کھل کھلاتے ہوئے کہا

''اپنی آیا کو کھونے میں ایک زمانہ لگا ہے مجھے! وہ سمجھ رہی ہے کہ میں جھاڑیوں کے ادھر ہوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں یہاں ہوں!''

پھر اس نے پیغمبر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''مگر آ بھی تو تنہا ہیں آپ کی آیا کیا ہوئی؟''

پیغمبر بولے

''یہ ایک الگ قصہ ہے۔ جو سچ پوچھو تو میں کوشش کروں بھی تو اسے کھو نہیں سکتا۔ ہاں جب میں ادھر آیا تھا تو وہ جھاڑیوں کے ادھر میری تلاش کر رہی تھی۔''

بچے نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا

تو پھر آپ بھی میری طرح کھوئے ہوئے ہیں نا آخاہ کیا مزہ ہے یوں کھو جانے میں بھی! اور پھر وہ پوچھنے لگا

حضور آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں

''مجھے کہتے ہیں سار یا رسول اور تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟''

''میں؟ میں صرف میں ہوں!'' بچے نے جواب دیا اور آیا مجھے ڈھونڈ رہی ہے آیا جسے پتہ ہی نہیں کہ میں کہاں ہوں!

پیغمبر نے بچے کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''میں بھی پل بھر کے لئے اپنی آیا سے بھاگ آیا ہوں لیکن یہ جلد ہی مجھے ڈھونڈ

لے گی؟''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میری آیا مجھے آخر ڈھونڈ ہی لے گی!''

اسی وقت ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ جو اس بچے کا نام لے کر اسے پکار رہی تھی

''دیکھا نا'' بچہ بولا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے!

اور اسی آن ایک اور آواز سنائی دی۔

''کہاں ہو تم سا ریا؟''

پیغمبر بولے

دیکھا نا، میرے بالے آخر انہوں نے مجھے بھی ڈھونڈ ہی لیا نا اور چہرے کے اوپر اٹھاتے ہوئے دھیرے سے کہا

''یہاں ہوں میں!''

☆☆☆☆☆

جسم اور روح

بہار کے دن تھے، ایک مرد اور ایک عورت دونوں ایک ساتھ دریچے میں بیٹھے تھے، دریچہ جو باغ میں کھلتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت ہی قریب بیٹھے تھے!

عورت بولی

''مجھے تم سے محبت ہے کیونکہ تم جوان ہو دولت مند ہو اور خوش پوش!'' میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں کیونکہ تم ایک حسین خواب ہو ایک ایسا خیال جو لمس کا متحمل نہیں ہو سکتا، میرے سہانے خوابوں کا ایک رسیلا گیت!

مرد جذبات کی رو میں بہہ گیا

عورت جل کر الگ ہو گئی

''تم مجھ سے دور ہی رہو تو بڑا کرم ہوگا کیونکہ میں نہ تو کوئی شراب ہوں اور نہ ہی ایسا نازک خیال جس کا سحر تمہارے ادنیٰ لمس سے ٹوٹ جائے جو صرف تمہارے خوابوں سے متعلق ہو۔''

میں عورت ہوں اور میری آرزو تھی کہ تم مجھے اپنی جورو بناتے اپنے نوزائیدہ بچے کی ماں!

اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مرد اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

''لو دیکھو، ایک اور حسین خواب بس خیال ہو کر رہ گیا'' اور عورت کہہ رہی تھی ''اس مرد کا کیا ہے جو مجھے اور میری آرزوؤں کو صرف خواب و خیال بنا دینا چاہتا ہے!''

☆☆☆☆☆

ایندھن

ایک طوفانی شام جبکہ ایک عیسائی پادری اپنے گرجے میں تھا ایک غیر عیسائی عورت آئی اور اس کے حضور میں کھڑی ہو کر بولی

''مقدس راہب میں عیسائی نہیں ہوں۔لیکن کیا میرے لئے بھی دوزخ کی آگ سے نجات کا کوئی ذریعہ ہے؟''

پادری نے اس کی طرف نخوت سے دیکھا اور کہا

نہیں نجات صرف ان کے لئے ہے جن کی روحیں پاک روح سے اصطباح کر چکی ہیں۔

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ خوفناک گرج کے ساتھ آسمان سے بجلی کوندی اور اس کے گرجے کو اپنے مہیب شعلوں میں لپیٹ لیا۔

شہر سے لوگ بھاگے ہوئے آئے انہوں نے اس عورت کو تو بچا لیا لیکن پادری جل کر راکھ ہو چکا تھا آگ کا ایندھن!

☆☆☆☆☆

آٹھ شعر جو زندہ رہ گئے

صدیاں گزریں، ایتھنز کی سڑک پر دو شاعر ایک دوسرے سے ملے انہیں ایک دوسرے سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ایک نے دوسرے سے پوچھا

''کیا لکھا ہے آپ نے ان دنوں؟'' دوسرے شاعر نے بڑے گھمنڈ سے کہا

''میں نے ابھی ابھی اپنی بہترین نظم ختم کی ہے۔ شاید یونانی زبان کی بہترین نظم''

''یہ زیوئس اعظم کی حمد ہے۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے چوغے سے ایک چرمی کاغذ نکالا، جسے بڑے اہتمام سے لپیٹا ہوا تھا۔

''دیکھو یہ رہی میری وہ نظم، تم چاہو تو مجھے پڑھ کر تمہیں سنانے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا آؤ سفیدے کے اس درخت کے سائے تلے بیٹھ جائیں!''

شاعر نے اپنی نظم پڑھنا شروع کی یہ ایک بہت ہی طویل نظم تھی!

''بڑے معرکہ کی چیز ہے۔''

پہلے شاعر نے بڑی فراخ دلی سے داد دی ''یہ نظم مدتوں زندہ رہے گی اور اس سے آپ کا بڑا نام ہوگا۔''

مگر دوسرے شاعر نے بڑی بےتوجہی سے کہا

''لیکن تم نے کیا لکھا ہے اتنے دنوں میں؟''

''بہت ہی کم لکھا ہے میں نے'' پہلے نے جواب دیا باغ میں کھیلتے ہوئے ایک بچے کی یاد میں صرف آٹھ شعر

اور اس شاعر نے اپنے وہ آٹھ اشعار پڑھ کر اسے سنا دیئے!

''کچھ ایسے برے تو نہیں ہیں'' دوسرے شاعر نے بڑی نخوت سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ہاں کچھ زیادہ برے نہیں ہیں!'' اور آج دو ہزار سال گزرنے پر بھی ہر زبان میں، اس یونانی شاعر کے وہ آٹھ شعر پڑھے جاتے ہیں۔

گائے جاتے ہیں

پسند کیے جاتے ہیں!

اور اگر چہ وہ دوسری اظم، زیوئس اعظم کی حمد صدیوں سے پرانی کتابوں سے صحیفوں میں محفوظ ہے۔لیکن نہ اسے کوئی پڑھتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے پسند کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بادشاہت

مملکت صادق کے مشتعل باغیوں نے بادشاہ کے محل کو گھیر رکھا تھا وہ بادشاہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے!

بادشاہ ایک ہاتھ سے شاہی تاج اور دوسرے میں صولجان لئے محل کی سیڑھیاں اتر آیا شاہی سطوت کا جادو اژدہام کے سر چڑھ کر بولا مجمع پر خاموشی چھا گئی بادشاہ عوام کے سامنے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔

''میرے دوستو! تم اب میری رعایا نہیں ہو لو، اپنا تاج اور صولجان یہ سب کچھ تمہارے حوالے کرتا ہوں میں اب تم سے ایک بنوں گا۔ اگر چہ میں تنہا ہوں لیکن میں تمہارے سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے تم سے اشتراک کروں گا۔ ہم سب مل کر کام کریں گے تا کہ ہماری حالت سدھر سکے اب بادشاہت کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

''ہم سب ایک ساتھ مل کر، کھیتوں میں، باغوں میں مشقت کریں گے تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ مجھے کس کھیت میں کس باغ میں کام کرنا ہے اب تم سب بادشاہ ہو!''

رعایا اپنی اس آسان جیت پر خوش تو ہوئی لیکن ایک مبہم سکوت ان پر مسلط ہو گیا۔ کہ وہ بادشاہ جس کے خلاف وہ بغاوت کے لئے اٹھے تھے جسے وہ اپنی تمام مصیبتوں کا باعث سمجھتے تھے اس نے اپنا تاج اپنا صولجان ان کے حوالے کر دیا ہے!

وہ ان میں سے ایک بن گیا ہے!

پھر وہ سب ہر ایک اپنی اپنی راہ ہو لئے اور بادشاہ کسی ایک کے ساتھ کسی ایک کھیت کی طرف چل دیا!

مملکت صادق کی حالت بادشاہ کے بغیر بھی سدھر نہ سکی۔ بے چینی اب بھی عام تھی۔ بازاروں میں چوراہوں میں لوگ چلا اٹھے۔

''ہمیں بادشاہت چاہئے''

''ہم بادشاہ کا راج چاہتے ہیں!''

''ہم اپنے لئے ایک بادشاہ چاہتے ہیں''

بوڑھے اور جوان سب ایک ساتھ مل کر چلا اٹھے

''ہم اپنے بادشاہ کو واپس لائیں گے!''

انہوں نے بادشاہ کی تلاش شروع کر دی بادشاہ انہیں ایک کھیت میں مشقت کرتا مل گیا۔ وہ اسے شاہی محل میں لے آئے اور شاہی تاج اور صولجان اس کے قدموں میں رکھ دیا ہاتھ باندھ کر اس کے حضور میں کھڑے ہو گئے۔

''عالم پناہ اب ہم پر حکومت کیجئے پوری قوت کے ساتھ پورے انصاف کے ساتھ!''

بادشاہ نے جواب دیا

''ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ حکومت تو کریں گے۔ ہاں مگر خدائے ارض و سما ایسا بھی کرے کہ ہم انصاف بھی کر سکیں!''

پھر لوگ عورتیں اور مرد اس کے حضور میں ایک بڑے جاگیردار کی شکایت لے کر آئے جو اپنے کارندوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔

بادشاہ نے اسی آن اس بڑے جاگیردار کو طلب فرمایا اور اس پر ٹوٹ پڑا

''خدا کے پیمانے میں ایک انسان کی جان دوسرے انسان کی جان کے برابر ہے مگر تم اس قدر کو نہیں پہنچانتے کہ وہ لوگ جو تمہارے کھیتوں میں، تمہارے باغوں میں دن رات مشقت کرتے ہیں، ان کی جان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔ جتنی خود تمہاری جان کی

تمہیں جلاوطن کیا جاتا ہے تمہیں یہ ملک ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا ہوگا''

اگلے دن ایک اور گروہ جو پہاڑوں سے ادھر رہنے والی ایک نواب بیگم کے مظالم

سے نالاں تھا۔ اس کی شکایت لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

بیگم کی بھی فوراً طلبی ہوئی۔ بادشاہ نے اسے بھی جلاوطن کی سزا دیتے ہوئے کہا

''وہ ہمارے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں اور ہمارے انگوروں کی حفاظت کرتے ہیں ہم سے بہتر ہیں ہم جو ان کا پیدا کیا ہوا اناج کھاتے ہیں اور ان کی بنائی ہوئی شراب پیتے ہیں! لیکن تم چونکہ اس احساس سے بہرہ ہو۔ اس لئے تمہیں اس ملک کو چھوڑ دینا ہوگا اس ملک سے کہیں دور جا کر رہنا ہوگا!'' پھر مرد اور عورتیں اس کے دربار میں روتے چلاتے آئے۔

''اے بادشاہ پادری ہمیں گرجے کے لئے بڑے بڑے پتھر ڈھونے، اور تراشنے پر مجبور تو کرتا ہے مگر مزدوری کے پیسے نہیں دیتا۔ حالانکہ پادری کی تجوری سونے اور چاندی سے بھری ہوئی ہے اور ہمارے پیٹ بھوکے ہیں۔''

پادری کے نام بھی پروانہ جاری ہوگیا اور جب وہ دربار میں پیش ہوا۔ تو بادشاہ جھلا اٹھا یہ۔

''یہ صلیب جو تم گلے میں لٹکائے پھرتے ہو، جانتے ہو۔ اس کا پیغام ہے زندگی کو زندگی سے معمور کرنا لیکن تم زندگی کو زندگی سے محروم کرتے ہو تم اس مقدس پیغام کی تضحیک کرتے ہو تمہیں اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا ہے تمہیں کبھی یہاں واپس نہ آنے دیا جائے!''

یونہی بالکل اسی طرح ایک پورا چاند، مہینہ بھر روز لوگ عورتیں اور مرد اپنی اپنی مصیبتوں کا رونا رونے اس کے پاس آتے رہے اور بادشاہ ظالموں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ملک بدر کرتا رہا۔

مملکت صادق کی دنیا خوش تھی، اور ان کے دل پرسکون تھے! ایک دن سلطنت صادق کے مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان اپنے بادشاہ کے محل کے گرد پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ کے محل کو گھیر لیا بادشاہ ایک ہاتھ میں شاہی تاج اور

دوسرے میں صولجان لئے پھر محل کی سیڑھیاں اتر آیا۔

''اب تم مابدولت سے کیا چاہتے ہو لو ہم تمہیں وہ سب کچھ واپس کرتے ہیں جسے سنبھالنے کی تم نے ہم سے درخواست کی تھی!''

''نہیں نہیں اے بادشاہ'' وہ گڑگڑانے لگے ''تم ہمارے بادشاہ ہو تم نے ہمارے لئے اس زمین کو ڈسنے والے سانپوں اور خون چوسنے والے بھیڑیوں سے پاک کر دیا ہے۔ ہم تو یہاں تمہارے گن گانے تمہاری عظمت کے گیت گانے آئے ہیں تاج اپنی تمام شوکت کے ساتھ حضور کا ہے اور صولجان اپنے پورے اقبال کے ساتھ جہاں پناہ کا ہے!'' بادشاہ نے کہا

''مابدولت نہیں ہم نہیں، تم سب بادشاہ ہو۔ جب تم نے ہمیں کمزور پایا اور ہماری حکومت کو ناقص، تم خود بھی کمزور تھے اور ناقص بھی اب جب کہ رعایا خوش حال ہے یہ تمہاری تمنا تھی تو میں صرف تمہارا ایک اصلاحی تخیل ہوں تم سب کے دماغوں کا ایک پرعظمت تصور! اور میرا وجود تمہارے اعمال کے سوا کچھ بھی نہیں حاکم کی تو کوئی ہستی بھی نہیں ہے صرف محکوم زندہ ہیں۔ آپ اپنے آپ پر حکومت کرنے کے لئے!''

بادشاہ اپنے تاج اور اپنے صولجان کے ساتھ ایک بار پھر محل میں داخل ہو گیا اور مملکت صادق کے بوڑھے اور جوان خوش خوش اپنے اپنے راستے پر ہو لئے۔ ہر ایک اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے ہوئے جیسے سچ مچ ہر ایک کے ایک ہاتھ میں تاج ہو اور دوسرے میں صولجان!

☆☆☆☆☆

اتار چڑھاؤ

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا

''اک زمانہ ہوا کہ سمندر کے اتار کے موقع پر میں نے اپنے عصا کی نوک سے ساحل کی ریت پر کچھ لکھا تھا لوگ اسے پڑھنے کو اب بھی تھم جاتے ہیں۔ انہیں یہ فکر رہتی ہے کوئی اسے مٹا نہ دے!''

دوسرا بولا

''بھئی میں نے بھی ریت پر کچھ لکھا تو تھا، لیکن وہ زمانہ سمندر کے پورے چڑھاؤ کا تھا۔ اور بے پایاں سمندر کی بے پناہ موجیں اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ ہاں مگر بتاؤ تو تم نے لکھا کیا تھا؟''

پہلے نے جواب دیا

''میں نے لکھا تھا کہ میں وہ ہوں جو ہے اور تم نے کیا لکھا تھا؟''

دوسرا بولا

میں نے یہ لکھا تھا ''میں تو اس بے پایاں سمندر کا صرف ایک قطرہ ہوں!''

☆☆☆☆☆

آنسو اور قہقہے

نیل کے کنارے شام کے دھندلکے اور ایک لگڑ بھگو ایک گھڑیال سے ملا ایک نے دوسرے کو ٹھہرالیا۔ رسمی علیک سلیک بعد لگڑ بھگو نے گھڑیال سے پوچھا

''کہئے سرکار کیسی گزر رہی ہے؟''

گھڑیال بولا

''کیا پوچھتے ہو بھائی، بری ہی حالت ہے۔ اگر کبھی درد کی شدت کے مارے آنکھیں امنڈ آئیں۔ تو دیکھنے والے قہقہے لگاتے ہیں کہ یہ گھڑیال کے آنسو ہیں حالانکہ سچ پوچھو تو اس اذیت کی خلش نا قابل برداشت ہوتی ہے!''

اس پر لگڑ بھگو نے کہا

''ارے میاں تم تو اپنے دکھ کا رونا روتے ہو۔ یہاں ذرا میری حالت بھی تو دیکھو میں دنیا کی خوب صورتیوں کو دیکھتا ہوں۔ اس کے معجزوں کو دیکھتا ہوں۔ اس کے کرشموں کو تو مارے مسرت کے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ایسے جیسے صبح مسکراتی ہے تو یہ ''جانگلی'' میرے اس وجدانی کیف پر بھی قہقہے لگاتے ہیں ارے یہ تو لگڑ بھگوی قہقہہ ہے!''

☆☆☆☆☆

لباس

ایک دن سمندر کے کنارے، خوبصورتی کی دیوی کی ملاقات بدصورتی کی دیوی سے ہوگئی ایک نے دوسری سے کہا۔

''آؤ سمندر میں نہائیں''

پھر انہوں نے اپنے اپنے لباس اتار دیئے اور سمندر میں تیرنے لگیں کچھ دیر بعد بدصورتی کی دیوی سمندر سے نکل کر ساحل پر آ گئی۔ اور چپکے سے خوبصورتی کی دیوی کا لباس پہن کر کھسک گئی اور جب خوبصورتی کی دیوی سمندر سے نکلی تو اس نے دیکھا اس کا لباس غائب تھا، عریانی اسے گوارا نہ تھی، بدصورتی کی دیوی کے لباس سے تن ڈھانپنے کے سوا چارہ نہ تھا لاچار اس نے اس کا لباس اوڑھا اور اپنی راہ چل پڑی۔

آج تک سبھی مرد اور عورتیں ایک پر دوسرے کا دھوکا کھاتے ہیں لیکن چند ایسے بھی ضرور موجود ہیں جو خوبصورتی کی دیوی کو دیکھ چکے ہیں اس کے لباس کے باوجود اسے پہچان لیتے ہیں اور یقیناً چند ایسے بھی ضرور ہوں گے، جنہوں نے بدصورتی کی دیوی کو دیکھا ہو اور اس کا لباس اسے ان کی نگاہوں سے چھپا نہ سکتا ہو!

☆☆☆☆☆

جرمِ غربت

وہ بیچارہ! صبح سے سخت سخت پتھر کوٹنے میں مصروف تھا چلچلاتی دھوپ اس کے لئے بے معنی تھی اور شدت تشنگی، فکر روزگار میں غائب۔

اس کی بربط ہستی کے تار حسرتوں نے توڑ دیئے تھے ریزہ ریزہ کر دیئے تھے کیوں کہ وہ مفلس تھا اور تہی دست۔

غروب آفتاب کی آخری کرن سبز پتوں پر ناچنے لگی پرندے محو پرواز آشیاں تھے اور ہوا مائل بہ سکوں۔

ہر ذی روح ہستی گوشہ عافیت کی طرف روانہ تھی اور تھمی ہوئی روح کو روپہلی پروں والی نیند کی گود میں دے دینے کو آمادہ

پر آہ! اس سے تو نیند بھی کوسوں دور تھی جیسے کہ اس کا تعلق تو محض دہر کی عشرت گاہوں سے ہی ہے نہ کہ پر درد نالوں کے احساس سے پاش پاش دلوں سے! اس نے نڈھال ہو کر اک ٹھنڈا سانس بھرا اور سانس! جس میں کائنات کو زیر و زبر کر دینے کی صلاحیت ہے۔ گرد و پیش اک حسرت آلود نگاہ ڈالی اور سست سست قدموں سے اک طرف روانہ ہو گیا۔

لیکن وسیع دنیا کی خوشنما وادیوں میں اس کے لئے جگہ نہ تھی نہ کوئی کنج سکون۔ جہاں دن بھر اضمحلال اور خستگی فراموش کر سکے یا اک کاشانہ غریبانہ جسے وہ اپنی ملکیت کہہ سکے۔

وہ دہر کی مسرتوں سے بے بہرہ تھا اور یہاں کی دلفریبیوں سے نا آشنا! اس کے دل، دماغ اور روح کی گہرائیوں میں تو صرف ایک خیال تھا جو رہ رہ کر بے قرار کر دیتا وہ یہ کہ آنے والی صباح روح و تن میں تعلق قائم رکھنے کے لائق روزگار بھی مہیا کر سکے گی یا نہیں؟

فقر و فاقہ نے اسے جذبات سے یکسر عاری کر دیا تھا اور ہر قسم کے احساس سے

بالکل بے بہرہ۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ مقصد حیات رشتہ حیات قائم رکھنے کی حد سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ جرم غربت نے اس کی روح کو پابہ زنجیر کر دیا تھا اور محبوس طوق و سلاسل

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

روئیدادِ حیات

سرسبز پتیوں میں اک ننھی سی کلی محوِ خواب تھی اس کی پنکھڑیاں پیوستہ تھیں اور دنیا ٹہنی کی حد تک محدود۔

لیکن بہار کے اک فردوسی جھونکے نے نہ معلوم سرگوشیوں میں کیا کہہ دیا کہ وہ خود بخود چٹک اٹھی اور فرطِ حیرت سے نیم وا آنکھیں کھول دیں۔

اب خواب سے بھی زیادہ جمیل مناظر تھے اور وسعتِ نگاہ تک مسرتوں کا رواں سمندر!

معبود! کیا اس اداس زندگی میں بھی خوشی کی لہر دوڑ سکتی ہے جو دل کی مرجھائی ہوئی کلی کو کھلا سکے۔

سینۂ بحر پر اک ننھی سی کشتی تیر رہی تھی۔ پرکاہ کی طرح ہچکولے کھاتی اور ہر جنبش پر سلامتی سے پنپتی۔

دفعتاً اک ہولناک گرداب نے اسے گرفت میں لے لیا اب شعلہ جوالہ سمندر نگلنے کو تیار تھی اور ہر بڑھتی ہوئی موج الٹنے پر کمربستہ

لیکن وہ ننھا سا سفینہ آخر کار کنارے جا ہی پہنچا تمام خطرات کا جانفشانی سے مقابلہ کرتا اور حامل شدہ مصائب کو ثابت قدمی سے جھیلتا۔

میری کشتیِ حیات، زمانہ کی گردشوں سے نزد غرقابی ہے کیا وہ بھی ساحلِ مراد تک پہنچ سکے گی نا امیدیوں کے تھپیڑے کھاتی اور مصائب سے مقابل ہوتی۔

ماہ عالم تاب ہجومِ سحاب میں غائب ہو گیا تھا جیسے شب کی دیوی نے سیاہ نقاب پہن لیا ہو

ستارے خاموش تھے اور اپنے رفیق کی گمشدگی پر حیرت زدہ

ایکا ایکی! دل کانچ کی طرح پھٹ کر رہ گئے۔ اب وہی ماہ درخشاں تھا اور اس کی پاکیزہ تابانی۔

میری زندگی کی ہر درخشندگی، یاس کے بادلوں نے زائل کر دی ہے وہ اک شب تاریک کی طرح ہے جہاں سمہ بھر بھی روشنی نہیں۔

ہر آرزو، خواب کی طرح دور دور ہے اور اس تنکے کی طرح آوارہ! جسے ہوا جہاں چاہے اڑا کر پھینک آئے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پکار

افق کے سنہرے کنارے دن کو الوداعی پیغام دے رہے ہیں۔ آفتاب کی رنگین کرنوں نے ہر طرف جو بار نور پھیلا دی بہار کی چمکیلی شام پر آرائے دہر ہے۔

پتہ پتہ حیات سے معمور ہے اور ذرہ ذرہ بالیدہ!

کائنات مخزن نشاط و شگفتگی بن رہی ہے اور اس کی ہر شے داعی کیف و سرور

لیکن میرے لئے کچھ بھی نہیں! میری افسردگی وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی ہے اور افسانہ ماضی جاوی بر روح حیات۔

کہتے ہیں کہ اپریل کی یہ شام پر کیف ہے اور حد ذوق انگیزی تک یادگار

ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن میرے لئے تو حنا پائے خزاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

کائنات نشیلے گیتوں سے مدہوش ہے اور دہر سرسبز و شاداب

مجھے کیا؟ یہاں تو وہی افسردہ روح ہے اور پژمردہ دل! نہ احساس بہار ہے اور نہ سروکار بہ خزاں۔

بس اک کنج تنہائی ہے یا اپنی شکست کی آواز اور تمہارے ساتھ گزارے ہوئے سنہری زمانے کی یاد۔ جب میری دنیا تم سے وابستہ تھی اور محض تم تک محدود موت کے زبردست ہاتھ نے ہم دونوں کو علیحدہ کر دیا گویا تن کو جان سے بعید تر کر دیا گیا لیکن میرا دل! وہ تو اب بھی تمہاری جائے قیام ہے اور ہر لمحہ معمور خیالات

کیونکہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والی ہستی عزیز ترین روح

تمہاری یاد سے بہتر تو کوئی یاد نہیں

☆☆☆☆☆

نفرت کا علاج

بصاری کے شہر میں کبھی ایک بہت ہی رحم دل شہزادہ آباد تھا جس سے ساری رعایا پیار کرتی تھی۔ جس کی ساری رعایا دل سے عزت کرتی تھی مگر اس شہر میں ایک ایسا قلاش بھی رہتا تھا۔ جسے شہزادے سے بڑی نفرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔

شہزادے کے کانوں تک یہ سب کچھ پہنچ تو جاتا لیکن پھر بھی وہ خاموش رہتا۔ آخر اس کا علاج یہ نکالا کہ سردیوں کی ایک ٹھنڈی رات، اپنے غلام کو آٹے کی ایک بوری، صابن کا ایک گٹھا اور شکر کا ایک توڑا دے کر اس قلاش کے یہاں بھیجا

غلام نے اس قلاش سے جا کر کہا

شہزادے نے یہ سب کچھ حضور کی خدمت میں بھیجا ہے!

قلاش یہ سن کر پھولا نہ سمایا اور سمجھ کر اترا گیا کہ شہزادے نے اسے نذرانہ بھیجا ہے اسی گھمنڈ میں وہ مفتی کے پاس پہنچا اور شہزادے کی تفصیل بتا کر کہنے لگا

''دیکھا نا تم نے شہزادے کو میری خوشنودی کس قدر منظور ہے!'' مفتی یہ سن کر مسکرایا

''ہاں میں نے دیکھا کہ کس قدر دانش مند ہے، شہزادہ اور کس قدر بے وقوف ہو تم۔ لیکن تم بھی نہیں سمجھے کہ وہ باتیں، استعاروں میں کرتا ہے۔ آٹے کی بوری یہ تمہارے خالی پیٹ کے لئے ہے۔ صابن میلے لباس کو اجلا کرنے کے لئے ہے اور شکر کڑوی زبان کو شیریں بنانے کے لئے!''

اس دن سے اس قلاش کو خود اپنے آپ سے نفرت ہوگئی، مگر شہزادے کے خلاف جو کدورت تھی۔ اس کی شدت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی اور اس مفتی کو تو وہ زہر سمجھنے لگا۔ جس نے اس پر شہزادے کی عظمت کا راز اجاگر کر دیا تھا!

کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس قلاش نے اپنی زبان سے کبھی شہزادے کے خلاف کچھ نہیں کہا۔

☆☆☆☆☆

بد دعا

تیس سال ہوئے بوڑھے ملاح نے کہا

''ایک نوجوان ملاح میری بیٹی کو بھگا لے گیا تھا۔ اسے اپنے دل ہی دل میں میں نے بد دعا دی تھی کیونکہ میری بیٹی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھی، دنیا کی ہر شے سے زیادہ پیاری تھی!''

تھوڑے ہی دنوں بعد خبر ملی کہ وہ نوجوان ملاح اپنے جہاز سمیت سمندر میں ڈوب گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی میری بچی بھی ڈوب گئی۔ میری بچی مجھ سے چھن گئی! اب تم میرے اس لاشے میں، ایک کا نہیں دو کا خون دیکھ رہے ہو۔ ایک بے باک ملاح کا اور ایک معصوم دوشیزہ کا خون یہ میری بد دعا تھی جس نے انہیں یوں غارت کر دیا۔

''اور اب میں قبر میں پاؤں لٹکائے خدا سے رحم و بخشش کی دعا کرتا رہتا ہوں!'' بوڑھے ملاح نے نم آلود آنکھوں سے یہ کہا تو سہی لیکن اس کے انداز تکلم پر تاسف سے زیادہ فخر کا رنگ غالب نظر آتا تھا۔ جیسے اسے اپنی بد دعا کے اثر پر بڑا ناز ہو۔

☆☆☆☆☆

انار کی قیمت

ایک شخص کے پاس انار کا بہت بڑا باغ تھا۔ مدت سے اس کا یہ دستور تھا کہ فصل کے دنوں میں چاندی کے تھالوں میں انار بھر کر گھر کے باہر رکھ دیتا، اور چاندی کے ان تھالوں پر اپنے ہاتھ سے لکھ دیتا

''جتنے میں چاہو، ایک انار اٹھالو، آپ کو اجازت ہے!''

مگر لوگ پاس سے گزر جاتے اور کوئی اس کا دھیان بھی نہ کرتا!

آخر سوچ سوچ کر اس آدمی نے ایک ترکیب نکالی اور اس سال فصل کے موقع پر چاندی کے تھالوں میں پکے ہوئے سرخ انار رکھنے کی بجائے ایک تختہ اونچا کر کے لٹکا دیا اس پر لکھا تھا ہمارے یہاں بہترین قسم کے انار ہیں اور ان کی قیمت بھی ملک بھر کے دوسرے اناروں سے زیادہ ہے اس عبارت کو دیکھ کر دور دور سے عورتیں اور مرد بھی انہیں خریدنے کے لئے آنے لگے۔

☆☆☆☆☆

خدا اور دیوتا

کیلافش کے شہر میں ایک فسطائی مندر کی سیڑھیوں میں کھڑا بہت سے دیوتاؤں کا پرچار کر رہا تھا اور لوگ اپنے دلوں میں کہہ رہے تھے۔

''ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں کیا یہ سب دیوتا ہمارے ساتھ نہیں رہتے اور جہاں کہیں بھی ہم جائیں ہمارا پیچھا نہیں کرتے؟''

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور شخص چوک میں کھڑا لوگوں سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی خدا نہیں جس نے بھی اسے سنا۔ خوش ہوا کہ انہیں خداؤں سے ڈر لگتا تھا!''

پھر کسی ایک اور دن ایک اور آدمی آیا۔ اس کے بیان میں فصاحت تھی اور انداز تکلم میں دلکشی، اس نے کہا

''لوگو! خدا صرف ایک ہے!''

سننے والے یہ سن کر افسردہ ہو گئے۔ کیونکہ دل میں وہ ایک خدا کے انصاف سے بہت سے خداؤں کے انصاف کی نسبت زیادہ ڈرتے تھے!

اسی سال ایک اور آدمی آیا اور اس نے لوگوں سے کہا

''اصل میں خدا تین ہیں اور وہ تین اوپر، ایک بن کر رہتے ہیں، ان کی ایک بہت مہربان ماں ہے۔ جو ان کی جورو بھی ہے اور بہن بھی!''

اس پر کیلافش کے لوگ بہت خوش ہوئے وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے

''ایک خدا، ایک میں تین۔ یقیناً ہماری خطاؤں اور کمزوریوں کے متعلق رائے قائم کرنے میں کبھی بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ اور پھر ان کی مہربان ماں وہ ہم کمزور دلوں کی خطاپوشی ضرور کرے گی۔''

آج کے دن تک کیلافش کے شہر میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا کے وجود اور ناوجود میں جھگڑتے ہیں جو ایک خدا اور تین خداؤں اور ان کی ایک مشفق ماں کے وجود پر مناظرے کرتے ہیں۔

تماشا گاہ

مئی کی ایک چمکیلی صبح جھیل کے کنارے خوشی غمی سے ملی۔ ایک نے دوسری کی خیر و عافیت پوچھی اور پھر جھیل کے ساکن پانی کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

خوشی دنیا کی خوبصورتیوں کا ذکر کرتی تھی۔ ان عجائبات کا جن سے زندگی جنگل میں پہاڑوں پر مرغزاروں میں دو چار ہوتی ہے۔ اور ان رسیلے گیتوں کا جو دن چھڑے اور دن ڈھلے سنائی دیتے ہیں۔

غمی نے خوشی کی زبانی جو کچھ سنا۔ اس سے اتفاق کیا وہ موجودات کے سحر کو بھانپ چکی تھی اور اس کے حسن کو بھی!

بہت دیر تک غمی اور خوشی یونہی ایک ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہیں ایک جو کچھ بیان کرتی دوسری اس سے پورا پورا اتفاق کرتی تھی اس وقت جھیل کے ادھر دوسرے کنارے دو شکاری جا رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے ادھر دیکھا تو ایک بولا

''جانے دو دونوں کون ہیں'' دوسرا کہنے لگا

''کیا کہا تم نے دو مجھے تو صرف ایک ہی دکھائی دے رہی ہے''

پہلے شکاری نے کہا

''نہیں بھئی دو ہیں''

دوسرا بولا

''وہاں تو صرف ایک ہی ہے۔ اور جھیل میں سایہ بھی تو صرف ایک ہی دکھائی دے رہا ہے۔''

پہلا کہتا تھا

''نہیں دو ہیں اور پانی میں سایہ بھی دو ہی کا صاف نظر آ رہا ہے دوسرے کا اب بھی وہی خیال تھا۔''

''میں تو صرف ایک ہی کو دیکھ رہا ہوں''

اور پہلا اس بات پر مصر تھا کہ اسے تو صاف طور پر دو دکھائی دے رہے ہیں

آج تک شکاری کو یہ شکایت ہے کہ اس کے دوست کو ایک کے دو نظر آتے ہیں اور دوسرا سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھی کی بنائی ضرور کچھ کم ہو گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ماں کی گود

قادسیہ کی وادی میں جہاں ایک بڑا دریا بہتا ہے دو چھوٹی چھوٹی ندیاں باہم ملنے پر یوں گویا ہوئیں!

پہلی بولی

''کہو سہیلی راستہ کیسے کٹا تمہارا؟''

دوسری نے کہا

''بہن میرا راستہ تو بہت ہی خراب تھا۔ پن چکی کا پہیہ ٹوٹا ہوا تھا اور چکی والا بوڑھا جو راستہ کاٹ کر مجھے اپنے کھیتوں میں لے جایا کرتا تھا مر چکا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں مارتی جو دھوپ میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں۔ ان کے کیچڑ سے پہلو بچاتی چلی آ رہی ہوں۔ مگر تمہاری راہ کیسی تھی؟''

پہلی ندی بولی

''میری راہ بالکل مختلف تھی میں پہاڑیوں پر سے اچکتی شرمیلی بیلوں اور معطر پھولوں سے الجھتی چلی آ رہی ہوں۔ چاندی کی کٹوریاں بھر بھر کر مرد اور عورتیں میرا پانی پیتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے اپنے گلابی پاؤں میرے کنارے کھنگالتے تھے۔ میرے چاروں طرف قہقہے تھے اور رسیلے گیت تھے لیکن افسوس کہ بہن تیرا راستہ خوشگوار نہ تھا۔''

''چلو جلدی چلو'' دریا کی چیخ سنائی دی، چلو چپ چاپ بڑھتی چلو اور مجھ میں سما جاؤ۔ ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں۔ آؤ کہ میری گود میں پہنچ کر تم اپنی سب کوفت بھول جاؤ گی۔ خوشی اور رنج کے تمام قصے خود بخود محو ہو جائیں گے۔

''آؤ کے ہم اپنے راستے کی تمام کلفتیں بھول جائیں گے۔ سمندر میں اپنی ماں کی گود میں پہنچ کر ہم سب کچھ بھول جائیں گے۔''

☆☆☆☆☆

مامتا

پہاڑی کے دامن میں ایک ماں اور اس کا ایک بچہ ماں اور اس کا پلوٹھی کا بچہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے!

طبیب ابھی سرہانے ہی کھڑا تھا۔ کہ بچہ بخار سے مر گیا،

ماں کی دنیا غم سے تاریک ہوگئی۔ مامتا پکار پکار کر طبیب سے پوچھ رہی تھی

''مجھے بتاؤ کس موذی نے اس پیہم کشمکش کو ٹھہرا دیا؟''

کس نے اس مضطرب گیت کو خاموش کر دیا؟

طبیب بولا

''یہ بخار تھا!''

ماں نے پوچھا

''یہ بخار کیا بلا ہے؟''

طبیب الجھن میں پڑ گیا

''میں صحیح طرح سے بیان تو نہیں کر سکتا۔ کہ یہ ہوتی تو حقیر سی چیز ہے لیکن بدن کے اندر داخل ہو کر زہر پھیلا دیتی ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

طبیب چلا گیا، ماں روتی رہی اور اس کے الفاظ دہراتی رہی!

''یہ ہوتی تو حقیر سی ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

دن ڈھلے پادری ماتم پرسی کے لئے آیا مامتا ابھی تک چلا رہی تھی ماں کے آنسو تھمتے ہی نہیں تھے۔ وہ پادری سے پوچھ رہی تھی۔

''میرا اکلوتا بیٹا''

''میرا پلوٹھی کا بچہ!''

پادری بولا

''میری بچی یہ خدا کی مرضی تھی!''

ماں بولی

''تو پھر خدا کیا ہے خدا کہاں ہے؟''

''میں خدا کو دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس کے سامنے اپنا سینہ کھول کر رکھ دوں اور اپنے دل کا خون اس کے پاؤں پر نچوڑ دوں! مجھے بتاؤ کہ خدا کہا ہے؟''

پادری بولا

''بیٹی خدا بہت بڑا ہے لیکن انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

ممتا چلائی

''ایک بہت ہی حقیر شے نے بہت ہی بڑے کی مشیت سے میرے لال کی جان نکال لی تو پھر ہم کیا ہیں؟''

''ہم کون ہیں؟''

بچے کی نانی بالے کا کفن لئے اندر سی رہی تھی۔ اس نے پادری کے الفاظ بھی سنے تھے۔ اپنی بچی کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''میری بچی! ہم ہی بہت حقیر ہیں۔ اور ہم ہی بہت بڑے ہیں اور ہم ہی ہیں ان دو ضدوں کے مابین ایک اٹل راستہ!''

☆☆☆☆☆

شاعر اور عورت

ایک شام ایک مرد اور ایک عورت دونوں ایک ساتھ ڈاک گاڑی میں جا رہے تھے!

دونوں پہلے بھی ایک دوسرے سے مل چکے تھے!

دونوں میں جان پہچان پرانی تھی!

مرد شاعر تھا عورت کے پہلو میں بیٹھنے پر اس نے سوچا کہ وہ افسانے اور کہانیاں سنا سنا کر اس کا دل بہلائے۔ افسانے جو اس کے اپنے لکھے ہوئے تھے۔ کہانیاں جو اس کی اپنی نہیں تھیں!

شاعر افسانوں کے رنگین جال بن رہا تھا مگر وہ عورت سو رہی تھی

گاڑی کے اچانک جھٹکے سے وہ جاگ اٹھی تو بولی

''جو ناول اور ویل کی جو تعبیر تم نے بیان کی ہے مجھے بے حد پسند ہے!''

شاعر بوکھلا گیا محترم خاتون!

''مگر میں تو آپ سے اپنا لکھا ہوا ایک افسانہ کہہ رہا تھا تتلی اور چمب کی کومل کلی سے متعلق ان کے باہمی مراسم ان کی باہمی الفت کے بارے میں''

☆☆☆☆☆

فلسفہ امن

ایک پھلی پھولی شاخ نے دوسری سے کہا

''آج کا دن بہت ہی ویران ہے اور اداس!''

دوسری شاخ بولی

''بے شک دن بہت اداس اور ویران بھی''

اسی آن ایک چڑیا۔ ایک شاخ پر آن بیٹھی اور پھر ایک اور چڑا! چڑے نے چوں چوں کر کے کہا

''میری جورو مجھے چھوڑ گئی ہے''

چڑیا بولی

''میرا ساتھی بھی مجھے چھوڑ گیا ہے اور اب وہ واپس نہیں آئے گا لیکن مجھے اس سے کیا؟''

دونوں چوں چوں کرنے لگے۔ اور پھر ایک دوسرے کے پر نوچنے لگے اور اب وہ لڑ رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ ایکا ایکی دو چڑیاں تیرتی ہوئی آسمان سے نیچے اتریں اور ان بے صبروں کے قریب چپ چاپ بیٹھ گئیں

اب وہاں خاموشی تھی!

اب وہاں امن تھا!

پھر وہ چاروں جوق جوق اڑ گئیں!

پہلی شاخ ساتھ والی شاخ سے کہنے لگی

''کیا بے ہنگم شور تھا!''

دوسری شاخ بولی

''تم جو چاہو اسے کہو میں تو اسے امن پرور اور راحت افزا سمجھتی ہوں اگر اوپر کی فضا میں امن ہے تو نیچے بھی ''امن'' ہے!''

کیا تم ہوا میں لہرا کر میرے قریب نہیں ہو سکتیں؟

پہلی شاخ بولی

''کیوں نہیں ضرور ''امن'' کے لئے پیشتر اس کے کہ بہار کے دن بیت جائیں!''

پھر وہ ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ لہرا کر اسے اپنے سینے پر لپٹانے ''امن'' کے قریب آن پہنچی!

☆☆☆☆☆

ستر سالہ محبوبہ

نوجوان شاعر نے ملکہ سے کہا

''مجھے تم سے محبت ہے''

ملکہ نے جواب دیا

''مرے بچے مجھے بھی تم سے محبت ہے!''

''لیکن میں تمہارا بچہ نہیں ہوں میں مرد ہوں، میں جوان ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں!''

ملکہ بولی

اور میں لڑکوں کی ماں ہوں اور لڑکیوں کی اور وہ بچوں کے باپ ہیں بچیوں کی مائیں ہیں اور میرے بیٹے کا ایک بیٹا تو عمر میں تم سے بھی بڑا ہے!

نوجوان شاعر نے دہرایا

''مگر مجھے تم سے محبت ہے!''

اس کے کچھ دن بعد ملکہ مر گئی لیکن پیشتر اس کے کہ اس کا آخری سانس زمین کے مہیب و عظیم سانس میں کھو کر گم ہو جائے وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی

''میرے لال میرے محبوب میرے نوجوان شاعر ہو سکتا ہے کہ ہم پھر کبھی ملیں ہو سکتا ہے کہ جب میری عمر ستر سال کی نہ ہو!''

☆☆☆☆☆

خونیں صولجان

بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا

''بیگم تم سچ مچ کی ملکہ نہیں ہو شاہ وار میری جورو بننے کے لائق کہ انتہا کی کم ظرف اور ناشکر گزار!''

اس کی بیوی بولی

''جناب بھی تو اپنے آپ میں بہت بڑے بادشاہ بنے پھرتے ہیں۔لیکن اصل میں ہیں نرے بدھو!''

بادشاہ یہ سن کر طیش میں آ گیا

اس نے اپنا صولجان اٹھایا، اور اپنے پورے زور سے اس ملکہ کی پیشانی پر دے مارا۔

طلعی صولجان ملکہ کے خون سے لت پت ہو گیا!

صدر اعظم اندر داخل ہوا کورنش بجالا کر بولا

''جہاں پناہ یہ صولجان ملک کے سب سے اونچے فن کار نے تیار کیا تھا مجھے افسوس ہے کہ ایک نہ ایک دن حضور کو اور ملکہ معظمہ کو بھی دنیا بھول جائے گی۔لیکن یہ صولجان، فن کا یہ نادر نمونہ، آنے والی نسلوں میں صدیوں محفوظ رہے گا۔''

اور اب چونکہ جہاں پناہ نے اس طلعی صولجان سے ملکہ معظمہ کے سر سے خون نکالا ہے۔تو یہ صولجان اب اور بھی زیادہ اہم یادگار میں سے سمجھا جائے گا!

☆☆☆☆☆

سورج اور زمین کے درمیان

جون کی ایک صبح گھاس بلوط کے سایہ سے بولی

''تم دائے بائیں کثرت سے جھول کر ہمارا امن برباد کرتے ہو''

سایہ بولا

''ارے بھئی میں نہیں میں نہیں ذرا آسمان کی طرف دیکھو تو ایک بہت بڑا درخت ہے جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف جھولتا رہتا ہے سورج اور زمین کے درمیان!''

گھاس نے اوپر دیکھا تو پہلی بار وہ درخت نظر آیا۔

اس نے اپنے دل میں کہا

''گھاس! مجھ سے بھی لمبی اور اونچی اونچی گھاس!''

اور گھاس خاموش ہوگئی!

☆☆☆☆☆

رو پہلے آنسو سنہرے سکے

کسی مقام پر ایک نوجوان تاجر رہتا تھا جو بہت ہی امیر تھا اس کی بیوی نوخیز تھی اور حسین بھی مگر بدقسمتی سے کانوں سے بہری تھی بالکل ہی بہری ایک صبح دونوں میاں بیوی ناشتے پر بیٹھے تھے۔ بیوی نے اپنے میاں سے کہا

کل میں بازار گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ دوکانوں پر دمشقی ریشم بک رہا ہے۔ ہندی لباد ہیں ایرانی ہار ہیں اور یمنی موتی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سوداگر ابھی ابھی اپنے قافلے کے ساتھ ہمارے شہر میں پہنچا ہے اور ادھر مجھے دیکھو کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہو کر بھی چیتھڑے لٹکائے پھرتی ہوں میں تو اب ان میں سے اپنے مطلب کی کچھ چیزیں ضرور خریدوں گی!

''جان کوئی وجہ نہیں کہ تم بازار نہ جاؤ'' اس نے قہوہ کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا'' اور اپنی ضرورت اور پسند کی چیزیں نہ خریدو''

بہری جورو چلائی

''ناں ناں، تو ہر وقت تمہاری زبان پر ہے۔ لیکن اتنا تو سوچو کہ تمہاری بیوی ان چیتھڑوں میں پھرے گی، تو کیا تمہارے نام اور تمہاری دولت پر حرف نہ آئے گا؟''

وہ بولا

''لیکن جان! میں نے ناں کب کی ہے تم جب چاہو بازار جاؤ اور اپنے لئے بڑھیا سے بڑھیا ریشم خوب صورت سے خوب صورت ہار اور عمدہ موتی خرید لاؤ۔''

لیکن بہری جورو نے اس کا مطلب بھی الٹ ہی نکالا

''شہر کے تمام رئیسوں میں سے ایک تم ہی بدترین کنجوس ہو'' اس نے روتے ہوئے کہا

''تم نے مجھے ہر خوبصورت چیز سے صرف اسی لئے محروم رکھتے ہو کہ وہ مہنگی ہے۔ حالانکہ مجھ سے بڑی بڑی عمر کی عورتیں بڑھیا سے بڑھیا ریشم اور عمدہ سے عمدہ موتی

پہنے پھرتی ہیں!''

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ اس کے رو پہلے آنسو، اس کے بھرے ہوئے گداز سینے پر پٹ پٹ گر رہے تھے۔

وہ چلا رہی تھی

''میری ہر خواہش پر تم بس ناں، فنا ہی سناؤ گے! میرے لئے تمہارے پاس کبھی بھی کچھ نہیں رہتا!''

نوجوان تاجر کو اپنی جورو کی بے چارگی پر رحم آ گیا وہ اٹھا اور اپنے تھیلے سے مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر اس کے سامنے ڈال دیں اور بڑے پیار سے بولا

''جاؤ میری جان اور جو کچھ بھی تمہیں پسند ہو خرید لاؤ، اس دن کے بعد، اس نوخیز اور حسین بہری جورو کو جب بھی کسی شے کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی آنکھوں میں، رو پہلے آنسو لئے، اپنے نوجوان خاوند کے پاس آ جاتی۔ اور وہ چپ چاپ مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر اس کے سامنے ڈال دیتا۔''

اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس حسین عورت کو کسی دوسرے نوجوان سے محبت ہو گئی جو لمبی لمبی سیاحتوں کا شوقین تھا! اب یہ نوجوان جب بھی کہیں باہر جاتا تو یہ نوجوان خوبصورت عورت صبح و شام کھڑکی میں کھڑی روتی رہتی!

ادھر جب اس کا خاوند اسے یوں اپنے گال آنسوؤں میں بھگوتے دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا۔

''شہر میں ضرور کوئی نیا قافلہ، نئے نئے لبارے، قیمتی قیمتی ہار، اور نایاب موتی لے کر آیا ہے!''

وہ مٹھی بھر اشرفیاں نکالتا اور اس کے سامنے ڈال دیتا!

☆☆☆☆☆

پیڑ اور آدمی

ایک پیڑ نے ایک آدمی سے کہا

''میری جڑیں دور تک سرخ زمین میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں تمہیں اپنا پھل دوں گا!''

وہ بولا

''کیسی یگانگت ہے ہم میں، میری جڑیں بھی دور تک سرخ زمین ہی میں ہیں اور یہ سرخ زمین تمہیں طاقت بخشتی ہے۔ کہ تم ہم پر اپنا پھل نچھاور کرو۔ اور ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم احسان مندی کے ساتھ اسے قبول کریں!''

☆☆☆☆☆

شعلہ آتشیں

افق مغرب پر ایک آتشیں شعلہ لرز رہا ہے۔لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتا جاتا ہے تا کہ دہر کو خاکستر کر دے اور اس کے لوازمات کو اک افسانہ پارینہ!

اس کی ہر لپک ہزاروں روحوں کے لئے پیغام اجل ہے اور کائنات کے لئے قہر و غضب

زمین اپنی بے چارگی پر گریاں ہے جیسے زمانہ ماضیہ کے فراموش شدہ افسانے دہرا رہی ہو اور آسمان متغیر نگاہوں سے اس خونیں ڈرامہ کا مشاہدہ کر رہا ہے جو وحشت و سفاکی کی زندہ یادگار ہے اور تہذیب وتمدن کا جنازہ

ہر طرف ایک تاریکی سی چھا رہی ہے ہولناک تاریکی نغمات چنگ درباب کی جگہ فرشتہ موت کے جرس فنا نے لے لی اور مجسم قہقہہ زندگی، آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دہر کے ہر خلا پر شعلہ آتشیں کا تسلط ہے اور ہر گہرائی میں اس کا حصار

نوجوان دم بخود ہیں بوڑھے صورت بیمار اور معصوم ومسرور بچے ایک عالم حیرت میں ہیں لیکن یہ سرخ سرخ آتشیں شعلہ! اللہ! یہ تو دم بدم بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔

کائنات کے اکھڑے اکھڑے سانس اس کے لئے بے معنی ہیں اور اس کی ترقی پذیر سودائیت بے حقیقت۔

ہلاکو وچنگیز کی داستان سنا کر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے

فطرت کے کھلونے اپنے ہی بنائے ہوئے ہتھیاروں سے کھیل رہے ہیں ان کی ہستی شرمندہ تکمیل ہے اور خواب ہائے فردا پراگندہ۔

پر یہ بھڑکتا ہوا شعلہ! آہ! یہ تو قریب سے قریب تر ہو رہا ہے۔تھکا ماندہ آفتاب گوشہ سکون میں جا چھپا لرزاں و رقصاں پتے تھک کر ساکت ہونے کو ہیں اور بھیڑے ہوئے پرند آمدہ پرواز آشیاں۔

پر معبود! اسے تو ایک لمحہ قرار نہیں اک مسلسل تڑپ ہے اور مجسم لرزش

یہ کوئی ہالہ بربریت ہے یا عتاب خداوندی؟

یہ شعلہ! یہ لپکتا ہوا آتشیں شعلہ

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سکوت نیم شب

رات اپنا آدھا دور ختم کر چکی ہے فضا غرق یم خیال ہے اور کائنات نشہ خواب میں مدہوش۔

کبھی کبھی کسی شب بیدار پرندے کا نغمہ دوش شمیم پر تھرتھرا اٹھتا ہے جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر ایک ہلکی سی جھنجھناہٹ پیدا کر دیتے ہیں۔

اس کے سوا سکوت ہے۔ شہر خموشاں کی چہار دیواری کا سا سکوت

آسمانی بلندیوں پر سے ایک ستارہ جھانک رہا ہے یا کسی وقت ہوا کی چھیڑ چھاڑ پتیوں میں لرزش طاری کر دیتی ہے

جیسے ساز کے پر سکوت تاروں میں کوئی نغمہ متلاطم ہو

اس کے سوا اطمانیت کے دور دورہ ہے اور موت کے سناٹے کی حکمرانی

دور کوہستان کی پہاڑیوں ساکت و دم بخود ہیں جیسے بات کرنے سے ڈر رہی ہیں اور سفیدے کے کوہ وقار درخت کسی طلسمی ماحول کے زیر اثر سر جھکائے کھڑے ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کسی شب بیدار ساحرہ کے سحر سے مسحود ہے

میں خاموش بیٹھی ان حالات کا مشاہدہ کر رہی ہوں مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک کھنڈر ہے بدھ مندروں جیسا تاریک کھنڈر۔

اور نیم شب کا یہ سکوت اس کی ویرانی کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

تبسم

اس کے پاکیزہ حسن میں فرشتوں کی سی سادگی تھی اور فردوسی حوروں جیسی ملامت

اس کے پیارے پیارے لبوں پر ایک تبسم رقص کرتا رہتا معمور حیات اور جاں بخش تبسم

جب وہ مسکراتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے فضا میں مسرت و شادمانی کی ہلکی ہلکی بدلیاں چھا رہی ہوں۔

کبھی کبھی اس کی مسکراہٹ، روح نبض کائنات معلوم ہوتی اور کبھی ایسی شاداب پر سکون جیسے پیاسی زمین مدت درآمد کے بعد مینہ سے سیراب ہوئی ہو

اس کے جادہ حیات پر دہر کی آلودگی نے سایہ نہ ڈالا تھا یہاں کی ناصیہ فرسائیوں سے وہ بے نیاز تھی اور حد امکان تک بلند بالا

اس کی کائنات تو اسی ملکوتی تبسم میں پوشیدہ تھی اور اس کی وسعتوں تک محدود! جو اس کی روح میں طمانیت کی ہلکی ہلکی لہریں مار رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

شمع سے

سوختہ دل شمع تو اس قدر آزردہ خاطر کیوں ہے ہنسی کی محفل میں افسردگی کے جھونکوں کا کیا کام؟ پروانوں کی جانبازی تو باعث انتشار نہیں یا خیال بیچارہ کہیں سوہان روح ہو رہا ہے۔

وقف الم شمع! تو اس طرح سرد آہیں کیوں بھر رہی ہے۔ عہد گزشتہ کا کوئی بھولا بسرا واقعہ تو نہیں یاد آ گیا یا اپنی دعا کو بے اثر دیکھ کر محو سرود خاموشی ہے

ماضی کے افسانے دہرانا لاحاصل ہے ماضی! رفتہ و گزشتہ ماضی! اس کی گزری ہوئی چند گھڑیوں کا ذکر ہی کیا؟ آہ وہ سراب آلمحات جن کو گزرتے اتنا عرصہ بھی نہ لگا جتنی دیر میں کنول کی پنکھڑی پر حباب بن کر بگڑ جاتا ہے۔

ہستی سے بیزار شمع! یوں گھل گھل کر جان دینے سے کیا فائدہ یہ ننھی سی شیریں جان جو پروانوں کی حیات کا ملجا و ماوی ہے کہیں یہ تصور تو مجھے نہیں پگھلا رہا کہ بادصبا یا دگار رونق محفل کو نابود نہ کر دے۔

لیکن جب حقیقت ہی حقیقت نہ رہی تو افسانہ کو دہرانے سے کیا حاصل؟ جب کارواں ہی چلا گیا تو غبار رہگذار کے ناپید ہو جانے کا کیا غم؟

تجھے مایوس تمنا ہونے کا رنج ہے لیکن وہ تمنا ہی کیا جو محروم تکمیل نہ ہو

تفسیر سوز شمع! تو اس قدر مضطرب ہے شاید خود جل جل کر اوروں کو جلانے کے احساس سے لیکن! لیکن! سر حیات بھی تو اسے ہی کہتے ہیں آفتاب اپنے سینے سے آتشیں شعاعیں نکالتا ہے۔ بوڑھی زمین کی تھکی ہوئی ہڈیوں کو گرمی پہنچانے کے لئے، ماہ شب رات بھر اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں دیتا ہے۔ کائنات کی تاریکیوں کا سینہ چیرنے کے لئے۔

جب کہ حیات فانی معمور بہ جرعات تلخ ہے اور اس کی ایک ایک سطر مرقع پیچیدگی یہاں ہر ہر لرزش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اپنی ہستی کو نئے انقلاب کا حامل پھر یہ از خود

رفتگی کیسی؟ اندر ہی اندر گھلنا چہ معنی دارد؟

سیل حسن! کوئی پریشان خواب تیرے جلوے کی عکاسی کو محدود کر رہا ہے لیکن یہ آہ وزاری کب تک؟

رات دھیرے دھیرے صباح میں تبدیل ہونے کو ہے اور باد صبا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وقت نایاب ہے اور پھر نہ آنے والا

اسے تو جان فروش پروانوں کی سرفروشی کی داد میں گزار دے۔

☆☆☆☆☆

All rights reserved. ©2002-2006

کشاکش حیات

دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب، گوشہ عافیت میں سکون پذیر ہو چکا، بچھڑے ہوئے پرند اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں آسمانوں پر تاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور زمین پر شمیم عطر بیز کی کیف آفرینی میں کشش

سرزمین خواب کا سا مسحور کن وقت ہے اور گلاب کی پنکھڑی جیسا دلکش سماں

ایسے پر کیف سمے میں بھی میری روح چینے نہیں پاتی بڑھتی ہوئی کلفتوں نے اسے خستہ پا کر دیا ہے اور پر صعوبت لمحات کی خلش نے گریزپا

اللہ! اللہ! کشاکش حیات کی ہنگامہ آرائیاں

چودھویں کا چاند اپنی جملہ تابانی سے روشن ہے صنوبر و چنار کے درختوں پر اس کی شعاعیں اس طرح چھن چھن کر گرتی ہیں جیسے حوران خلد کے لبادوں کا سایہ کانپ رہا ہو۔ قریب ہی سمندری موجیں مدھم سروں میں کوئی گیت الاپ رہی ہیں سکون و سرور عطا کرنے والا گیت۔

اس سہانے وقت میں میرا خواب فراموش ہو چکا ہے بڑھتی ہوئی شورشیں اس پر حاوی ہو چکیں ہیں اور حیات کی پارکار وادیوں کا تصور لمحہ بہ لمحہ پریشان کر رہا ہے۔

ہر شے پر ایک دلاویز تبسم چھا رہا ہے جیسے سالہا سال کے بعد بارش کی بوچھار نے شادابی عطا کر دی ہو اور نیند کے خمار میں لپٹی ہوئی کائنات سکون آمیز سانس لے رہی ہے۔

لیکن مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فضائے بسیط میں کوئی مقدس روح مسکرا رہی ہے میری واماندگی و بیچاری پر مسرور ہے اور ہنس ہنس کر کشاکش حیات کی شوریدگی کا یقین دلا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

آخری تحفہ

اٹھائیسویں کا زرد زرد چاند الوداعی نگاہوں سے زمین کو تک رہا تھا۔ اس خود فراموش و خستہ مریض کی طرح جو دم واپسیں اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا ہو۔

کبھی کبھی اس کی دھندلی روشنی لیموں کے نوخیز پتوں پر لرزنے لگتی یا چکور کی درد ناک آواز فضا کو اور بھی متوحش کر دیتی لیکن فطرت کی آہنی گرفت میں محبوس چاند بے دست و پا تھا اور ساکت سفید سفید بادلوں کے جھرمٹ میں ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کفن میں لپٹی ہوئی لاش ہو۔

تارے حسرتناک نگاہوں سے اپنے ہم جلیس کی حالت دیکھ رہے تھے۔ یہ آسمانی سوگوار فورگریہ سے بار بار لڑکھڑا اٹھتے اور شب ہائے ماہ سے لطف اندوز ہونے کے بعد اب چاند کے نہ ہونے کے احساس سے کپکپا رہے تھے۔

اور چاند! پیکر غم تھا اور غرقب الم آہستہ آہستہ نیلگوں گہرائیوں میں تحلیل ہو رہا تھا اس برستے ہوئے سحاب کی طرح جو رفتہ رفتہ فضا میں غائب ہو جاتا ہے۔

کائنات پر ایک آسیبی سکوت برس رہا تھا اور سپیدے کے درخت ہیبت ناک دیوؤں کی طرح انگڑائیاں لے رہے تھے ہاں کبھی کبھی کوئی ستارہ باسی پھول کی طرح کھلایا ہوا نظر آجاتا یا آسمان کا مردیمار گہرے گہرے سانس کھینچنے لگتا۔

رات رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی اور فلکی فانوس کا آتشیں شعلہ رو بہ انحطاط

دفعتاً ایک شہاب ثاقب نے آہستہ سے جنبش کی اور زمین کی لامتناہی وسعتوں میں کھو گیا مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے دور حیات سے گزرتے ہوئے مسافر کا آخری تحفہ ہے۔ زمین کو آخری خراج رفاقت اور چاند کی دکھ بھری آنکھ کا ڈھلکا ہوا آنسو۔

☆☆☆☆☆

گوشہ عافیت

کہاں ہے وہ گوشہ عافیت وہ کنج سکون جہاں انسانیت کا کال روح کو مجروح نہیں کرتا نہ بڑھے ہوئے آلام ہیں اور نہ پیہم جور و استبداد

اس دہر کی خونچکاں داستانیں، دردانگیز افسانے اور تحیر زواقعات ترقی پذیر ہیں۔ میری فہم سے بالاتر اور ادراک سے بعید اور میں اپنے کو شام کے دھندلکے میں ملفوف محسوس کرتی ہوں۔ ویران اور اندھیرے زندگی غار میں جہاں غروب آفتاب کی آخری کرن بھی جھانکنے سے معذور ہے۔

یہاں ہوا سسکیاں بھر بھر کر روتی ہے جیسے کسی کی خشک آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار ہو

فضا پر نمنا کی چھائی رہتی ہے گہری گہری کہر آلود نمنا کی جیسے برباد آرزوؤں کا غبار چھا رہا ہو۔

آسمان کی چھاتی ابر آلود ہے اور زمین کی وسعت گرد آلود کاش! پر آشوب وادی سے نکل کر کسی خاموش ماحول میں پہنچ جائیں اور اک آزاد دنیا تلاش کریں عنقا کی طرح آزاد و بے پروا یہ وسیع کائنات اس کی پر فریب نیرنگیاں اور اس کی دلکش رنگینیاں سراب آسا ہیں اور ایسی ناپائیدار جیسے کنول کی پتی پر لرزاں اک قطرہ حیات یہاں ہوا کراہتی ہے چاند اشکبار ہے اور کائنات وحشت زدہ۔

اس شریدہ دنیا سے دور! کوئی ایسا کنج سکون جہاں روح میں انعکاس پیدا کرنے والے نغمے بکھر رہے ہوں۔

جہاں اطمینان ذرے ذرے پر چھا رہا ہو؟

جہاں سپیدہ سحر حیات نو کا پیغام لاتا ہو؟

اور! اور! جہاں نہ ذکر امروز ہو نہ فکر فردا روح عالم خیال کے راستوں پر پرواز کرتے کرتے تھک چکی ہے اور کمزور دل اپنے ماحول سے متنفر

تو کیوں نہ اس دہر فانی کو الوداع کہہ دیا جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
جاودانی آشیاں شاعر کے تخیل جیسا گوشہ عافیت آہ!

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

وادیٔ تصور

نیند کے خماد میں لپٹی ہوئی کائنات گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور تاریکی کے لمبے لمبے دوش فضا پر لہرا رہے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیاطین دوزخ اپنے بھاری اور نظر نہ آنے والے پروں کی مدد سے اڑے چلے جا رہے ہیں۔

چودھویں کا چاند نیلگوں کی گہرائیوں میں ڈبڈبا رہا تھا اور سیاہ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کی مشکیں نسب شہزادی روائے عنبریں پھیلائے جھولا جھول رہی ہے۔

ہوا کے سرد جھونکے دھیرے دھیرے سرگوشیاں کر رہے تھے حرکات مدوجزر کی مانند کیف آفریں سرگوشیاں

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی مقدس فرشتہ بربط نجات پر نغمات عرفانیت الاپ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

کب تک

تسلط خزاں نے وجود کائنات بدل دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑ پھڑا رہے ہوں عندلیب خوشوا سوگوار ہے اور گلشن صد پارہ دل کو سینے میں لئے ساکت پتے لرزاں ہیں اور ڈالیاں گریا۔

لیکن تشدد کے بن خونی پنجوں کی گرفت کب تک؟

جبکہ آمد بہار کے لئے کائنات اس طرح بے قرار ہے جیسے ساز کے پرسکوت تاروں میں متلاطم نغمہ

درختوں کی آڑ میں آفتاب غروب ہو رہا ہے ہر شے شام کے بھورے بھورے دھندلکے میں ملفوف ہے اور قطرہ ہائے اشک کی طرح جنباں دھندلی کرنیں تاریکی کا تعاقب کرتے ہوئے غائب از نظر ہو گئیں۔ فضا میں ایک مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے اور ہر طرف تاریکی ہے شب یجور کی بڑھتی ہوئی تاریکی۔

لیکن یہ تسلط خواب و خامشی کب تک؟ جب کہ باد سحر کے انتظار میں چشم غنچہ نو دمیدہ وا ہے اور نبض کائنات سست سست

جرعات تلخ سے لبریز جام حیات چھلکنے کو ہے دہر کی دلچسپیاں کسی نیم جان مریض کی طرح اکھڑے اکھڑے سانس لیتی نظر آتی ہیں اور آہوئے صحرا کی طرح وحشت زدہ روح کسی نئی گیت کی متلاشی، تسلسل حیات اپنی جنبش جلد سے جلدتر کر رہا ہے اور دل افسردہ اس کی ستم ظریفی پر زار زار

لیکن کب تک؟ یہ گردش لیل و نہار کب تک؟

بیش برس نیست کہ صباح فردا، موسیقی سے معمور اک نیا پیغام سکون لائے

حیات بخش پیغام راحت و سرور

☆☆☆☆☆☆

خطاب بہ لحد

اپنے خوفناک تصور سے مجھے بار بار نہ ڈرا! تیرے وجود سے میں بے خبر نہیں! اپنی وحشت ناک گہرائیوں سے آگاہ کرنے کی کوشش نہ کر۔ مجھے خود بھی اس کا پوری طرح اندازہ ہے

مسکن جسد فانی! مجھے موت سے نہ ڈرا! یہ درس تو مجھے ازبر ہے اور دل کی گہرائیوں میں نوشتہ

شہر خموشاں کا وحشت ناک ماحول اور غمگین فضا میرے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ نہ ہی ٹوٹے ہوئے کھنڈروں میں پوشیدہ الو اپنے فلسفے سے لاجواب کر سکتا ہے۔

وہاں کی چکر کاٹتی ہوئی چمگادڑوں میں میں کوئی وجہ خوف نہیں پاتی۔

میرے تخیلات کی وادیاں! وہ تو لافانی ہیں اور آسمانی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے پرند کی طرح آزاد

آہ! میں نہیں مان سکتی کہ ''صحیفہ حیات'' سورہ موت پر ہی ختم ہوتا ہے

لرزہ خیز لحد! میری بڑھی ہوئی شوریدگی کا تمسخر نہ اڑا میں کیونکر یقین کروں کہ تیری آغوش ہی میرے سفر کی آخری منزل ہے۔

اف! یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس قدر جدوجہد کا نتیجہ اسے کیونکر کہہ سکتے ہیں

ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود ہے تو ''درجات فنا'' طے کرنے کے بعد ''حیات لافانی'' کیونکر نہ ملے گی

میرے جسد فانی کو برباد کر دے یا خاکستر

لیکن روح! ہاں قائم و غیر فانی روح! وہ تو تیری دسترس سے اب بھی باہر اور مصروف گلگشت و مست خرام

''قیام عارضی'' کو میں ''منزل آخریں'' نہیں قرار دے سکتی

آہ! اس کے ماننے میں مجھے تامل ہے اور سوکت!

غارت گرد پر اسرار لحد! مجھے اپنی فتنہ سامانی سے نہ ڈرا۔ وقفہ حیات کو میں خاتمہ زیست پر محمول نہیں کر سکتی

آہ! میں اپنے تخیلات کو اس طرح متزلزل کر دینے سے معذور ہوں۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ساز شکستہ

جادہ زندگی پر افسردگی اپنا سایہ ڈال رہی ہے طبیعت اس ماحول سے پریشان ہے اور قلب حزین مضطرب

ان بڑھتی ہوئی شورشوں سے میں تنگ آ چکی ہوں آہ! یہ الجھنیں! جن سے آرزوؤں کی بڑھتی ہوئی کونپلیں جھک جھک جاتی ہیں اور خوابوں کے حسین پھول بہ یک ثانیہ مرجھا کر رہ جاتے ہیں۔

معبود! تیری وسیع دنیا کی روحانی خلشیں! روح کی گہرائیوں میں پیوست ہونے پر بھی انہیں قرار نہیں۔

وقت اڑتی ہوئی فاختہ کی طرح محو پرواز ہے اور ہر آنے والا لمحہ! محدود عرصہ حیات گھٹاتا جاتا ہے ماضی کی گہرائیوں میں نابود کر دیتا ہے۔ ان برستے ہوئے بادلوں کی مانند جو آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں

لیکن حیات کا یہ شکستہ ساز! اس نے تو گزری ہوئی مسرتیں بھی مٹا دیں اور آنے والے لمحات خوش آئند کا احساس بھی

اس سے نکلنے والے نغمے بھی تو پر از سوز و ساز ہیں اور کائنات کو افسردہ کر دینے والے جیسے نا امیدیوں کا حصار چھا رہا ہے

کاش! یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو سکتا زندگی کا یہ ساز شکستہ

اپنی جھنجھناہٹ کو خاموش کر دیتا اور بوئے گل کی طرح غائب! تا کہ آرزوؤں کے ناکام افسانے ختم ہو جاتے اور بڑھتا ہوا اضطراب حیات سکون پذیر۔

☆☆☆☆☆

بیاض دل

چرخ نیلوفری سے لگاتار ستارے ٹوٹ رہے تھے وہ شب یلدا کی تیرگیوں میں اس طرح کھو جاتے جیسے کوئی حسین سنگریزہ تالاب کی گہرائیوں میں غائب ہو جاتا ہے بغیر کسی نقش پا کے چھوڑے یا اپنی فانی ہستی کی یادگار

اسی طرح! آہ اسی طرح! ہماری بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی ٹوٹتی رہتی ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں جلد! ستاروں کو تو قلب آسمان سے علیحدہ ہوتے کچھ دیر بھی لگتی ہے لیکن آرزوئیں تو فوراً چکنا چور ہو جاتی ہیں۔ یک ثانیہ! ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند آرزوئیں! آہ! وہ کسی طرح شکستہ ہو جاتی ہیں اور سمندری گہرائیوں سے زیادہ عمیق دل میں نہاں امیدیں شرمندہ تکمیل

قوس وقزح کے سے حسین خواب ہوتے ہیں اور نغموں کی طرح معصوم! حسین ان کی تعبیر! وہ تو صحرا کی اس ریت کی طرح ہے جو ہر شے کو پریشان ومنتشر کر دے۔

اور تمناؤں کے خوش رنگ غنچے! جو ایک معمولی سی جنبش پر نہ فراموش ہونے والے کیف سے جھوم اٹھتے ہیں لیکن حقیقت میں تو ان کا وجود ایسا ہے جیسے شاخ خزاں زدہ پر مرجھایا ہوا پھول

مالک! ان آرزوؤں کی وقعت بے کار ہے

تمناؤں کی قیمت عارضی! اور خوابوں کی فرحت موہوم

آہ! وہ تو ایسی ہی سراب آسا ہیں جیسے کنول کے پھول پر قطرہ حباب! چشمک برق سے زیادہ بے حقیقت اور ببر شگال کی عارضی دھوپ جیسی ناپائیدار!

یہ دم توڑتی ہوئی شرمندہ تکمیل آرزوئیں

☆☆☆☆☆

محوِ گریہ کلیو!

محوِ گریہ کلیو! تم اس قدر آشفتہ خاطر کیوں ہو؟ کیا زندگی کا کوئی سہانا خواب شرمندہ تکمیل رہ گیا یا کوئی شگفتہ ہونے کی آرزو دم توڑ رہی ہے۔

نہیں تو چمکیلی کلیو! تم اس قدر پریشان خاطر اور تباہ حال کیوں ہو؟

وہ شگفتگی کہاں کھو کر رہ گئی اور وہ پاکیزہ مسکراہٹ کیا دنیا کے لئے تمہاری معصوم ہستی بھی ناقابل برداشت بوجھ ہے؟

مجھے تو ڈر ہے کہ تمہارے ننھے ننھے قلوب فرطِ الم سے شق نہ ہو جائیں

زندگی کے حسین خواب آہ! وہ تو اسی طرح خیال بن بن کر اڑ جایا کرتے ہیں اور بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی

مگر الم رسیدہ کلیو! اس رنج والم سے کیا فائدہ شرمندہ تکمیل آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہوتی اور نہ سہانے خواب منت پذیر تعبیر!

وقت! اف! یہ ظالم خوفناک صیاد! یہ تو اپنے ہر صید سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اسے بے بال و پر اور اسیر قفس کر دینے پر بھی اسے چین نہیں

قدرت کی حسین ترین صنعتوں سے اس نے یہی سلوک کیا۔ سینکڑوں قلوب اس کی چیرہ دستیوں سے مرجھا کر رہ گئے اور ہزاروں روحیں اس کے مظالم کے آگے سر نہ اٹھا سکیں۔

تم اس طرح لرز رہی ہو جیسے ہوا کے جھونکوں سے ایک ننھا سا چراغ ٹمٹمایا کرتا ہے۔ زمانے کا سرد و گرم چشیدہ ہونے کے لئے تو مصائب اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ اس کے نشیب و فراز کا اندازہ بھی تو اسی طرح ہوتا ہے اس لئے حسین و معصوم کلیو! اس قدر دل برداشتہ نہ ہو اور معصوم تبسم کی جگہ افسردگیوں کے حصار کو نہ۔

☆☆☆☆☆

نیند کی دیوی

اس پرشور دنیا کے جھگڑوں سے آزاد کرنے والی ملک خواب آ! اور میری تھکی تھکی آنکھوں کو بند کر دے میں اس دہر کی جانستانیوں سے تنگ آ چکی ہوں اور دل افسردہ اپنی بے چارگی پر پاش پاش ہے۔

نیند کی حسین دیوی! میری تھکن سے چور روح کو چھپا لے اپنے سنہرے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوشیدہ کر لے

شب سیاہ لبادے میں ملبوس ہے ستارے سطح آسمان پر باسی پھولوں کی طرح نظر آتے ہیں یا سرد ہوا کے شوریدہ جھونکے کپکپا دیتے ہیں۔

مجسمہ امن وسکون! میں اس ماحول سے تنگ آ چکی ہوں تو اک رس بھرا گیت سنا! وہ گیت جسے سنتے سنتے موجیں ساکت ہو جاتی ہیں اور ہر ذرہ ذرہ کائنات خاموش! تا کہ میں اس دنیائے مادیت سے نکل سکوں اور خوابوں کے حسین جزیرے میں پہنچ جاؤں جہاں نہ یہ ہنگامے ہیں اور نہ بڑھتی ہوئی افسردگیاں

خوبصورت ساحرہ! مجھے اپنے سحر میں مسحور کر لے اور ان غلطاں وپیچاں افکار سے کچھ دیر کے لئے آزاد! تا کہ میں اس بے کیف حیات کی الجھنوں کو بھول جاؤں۔ اس کی شورشوں کو فراموش کر سکوں۔

کاش! تو مجھے دور لے جاتی۔ اس دنیا سے بہت دور منظر خواب جیسی جمیل وادی میں نشیلے گیت سنا سنا کر سرشار کر دیتی اور تمام گردوپیش سے بے خبر۔

☆☆☆☆☆

حکایت دل

دل ! آہ صرف دو حرفی لفظ ہے لیکن کیسا فتنہ سامان کتنا ننھا سا ہے لیکن کیسا شوریدہ کتنا معصوم ہے لیکن ایسا سنگدل کس قدر بھولا ہے لیکن حد سے زیادہ ظالم

کبھی موت کی طرح یخ بستہ ہے تو کبھی مفلسی کے آنسوؤں جیسا گیلا۔ اگر خوابیدہ لہر کی طرح ساکت ہے تو شوخ جھونکوں کی طرح آوارہ خرام

قرار یک لمحہ سے بے نیاز ہے اور اطمینان قلبی سے محروم

اس کے بڑھتے ہوئے مظالم کی کوئی حد نہیں اس کے افسانہائے بیدادگری حضرت انسان کو ازبر ہیں جسے دنیا سے بےزار کر دیا گیا ہے اور یہاں کی دلچسپیوں سے آشفتہ ! بیش کریں اس کی ہر لمحہ کسک ہے اور اضطراب تڑپ ہے اور گریہ بے اختیار ! اور پھر بات بات پر بگڑ بیٹھنا کہ سینکڑوں خوشامدیں بھی قابو میں نہیں لا سکتیں اور ہزاروں جتن ہیچ ہیں۔

چین ! آہ یہ لفظ تو اس کے لئے عنقا ہے اور بالکل بے معنی

اللہ ! اتنی سی جان ! اور اتنی مصیبتیں اس قدر شورشیں اتنی الجھنیں ! کہ نہ یک لمحہ قرار ہے اور نہ ذرہ بھر فرصت۔

سکوت نیم شب میں یہ خلل ڈال دیتا ہے اور سکون سحریں رخنہ اندازی اتنا کھرا ہے کہ ذرہ بھر بھی تو زمانے کے نشیب و فراز کا اندازہ نہیں

اس کی فتنہ سامانی نے کائنات میں تہلکہ مچا رکھا ہے انسان کا دشمن ازلی ہے تو عندلیب کوشنو ! اس کے دست تعدی سے بے چین پیہا بے قرار ہے اور شایا ننھی سی موسیقار شایا برشگال کی پر کیف صبح بھی تو اسے قرار نہیں لینے دیتی۔

لیکن اس قدر وارفتہ خاطر ہونے پر بھی سب کو پیار ہے اس کی بےوفائیوں کے باوجود سب اس کے والہ و شیدا ہیں اور معمولی سے معمولی خواہش پوری کرنے کو دست بستہ تیار۔

معبود! اگر یہ ستم گر باوفا ہوتا تو یہ فریفتگی نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتی

لیکن ان کمزوریوں کے باوجود حد سے بڑھ کر خوددار ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ہستی تک سے منہ موڑنے کو تیار۔

پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے منا نہیں سکتی اس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جوڑنا کسی کے بس کی بات نہیں

اللہ! اگر یہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ شاید حیات ایک گلشن شاداب ہوتی جسے نہ خوف صیاد ہوتا اور نہ خزاں کا دھڑکا

اس وقت نہ کوئل فریادرس ہوتی نہ بلبل شیدا مضطرب

آہ! تب حیات کیسا روح پرور خواب ہوتی پر کیف اور کبھی نہ فراموش ہونے والا خواب!

☆☆☆☆☆

گریۂ پیہم

اف! یہ نہ دریافت کرو کہ اس پر کیف اور حسین رات میں اداس کیوں ہوں ایسے وقت میں جب کہ کائنات کو ماہ تاباں بقعہ نور بنا رہا ہے مجھے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی کیوں نظر آتی ہے؟

افسردہ دلوں کے لئے تو تاریک بداماں راتیں بھی ویسی ہی ہیں جیسے شب ہائے جلوہ ساماں

میری روح! آہ وہ تو گم کردہ راہ مسافر کی طرح آوارہ ہے شوریدہ لہروں کی طرح بے چین ہے اور محو فغاں جھونکوں کی طرح بے اختیار

تو پھر جب روح کو قرار نہ ہو تو لطف حیات کیا اور اس محسور کن ماحول کا اثر کیسا؟

یہ پوچھنا بیکار ہے کہ ایسی پرسرور رات میرے دل کے خوابیدہ نغموں کو بیدار کیوں نہیں کر دیتی؟ آہ دل پژمردہ اس کے تار شکستہ ہو چکے ہیں اور نغمے خاموش! اس میں نہ آرزوئیں ہیں اور نہ نئی نئی امنگیں

یہ نہ پوچھو! کہ بہار کی اس چمکیلی صبح میں افسردہ کیوں ہوں؟ اٹھکیلیاں لیتے ہوئے جھونکے دل میں خوشی کی لہر کیوں نہیں پیدا کر دیتے اور اولین شعاع آفتاب، شادابی حیات عطا کرنے سے معذور ہے اور شفق کے کناروں سے بکھرتی ہوئی تاریں اپنے حلقہ دام میں کیوں نہیں لے لیتیں۔

آہ! مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا کے جھونکے سرد آہیں بھر رہے ہیں۔ شعاع آفتاب حامل رنج قلبی ہے اور شفق کی سرخی یہ گہری گہری سرخی! میرے بڑھتے ہوئے الم کی تاب ہ لا کر دل فگار۔

یہ نہ کہو کہ مسرور ستارے میری شوریدگی پر ہنس رہے ہیں چاند میری حالت کا تمسخر اڑا رہا ہے اور زریں مسکراہٹوں والا آسمان خندہ زن

آہ نہیں! ستارے تو باسی پھولوں کی طرح مرجھا جاتے ہیں شاید مجھے مضطرب دیکھ

کر خود بھی اداس اداس ہیں چاند خاموش ہے اور آسمان ساکت!

اطمینان قلبی اور مسرت رفتہ! اف یہی چیزیں تو مجھ سے چھین لی گئیں۔ وقت کی ظالم انگلیوں نے نوچ کر فضا میں منتشر کر دیں اب دل حزیں پر بار الم ہے اور ناتواں روح پر افسردگی کا بوجھ

☆☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اپنی ''محبت'' سے

کاش! موت کے بھیانک ہاتھ تمہیں مجھ سے علیحدہ نہ کر دیتے۔ تمہارے مقدس وجود کو لے کر وادی فنا میں پرواز نہ کر جاتے اور دنیا وسیع و روشن دنیا کو میری نگاہوں میں تاریک نہ بنا دیتے۔

اس وقت ہاں اس صورت میں! نہ تن کا تعلق جان سے بعید ہوتا نہ طالب اپنے مطلوب سے دور!

تب تم اپنی ضیا پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مسکراتیں۔ اپنی محبت بھری آنکھوں سے مجھے حیات نو عطا کرتیں۔

اور میں تمہارے مقدس قدموں کو آنسوؤں سے دھوتی اپنی تشنگی کو اس طرح بجھاتی! اور محبت کے قیمتی آنسوؤں سے اپنی عاقبت ''محمود'' کرتی

دہر کے بڑھتے ہوئے تفکرات مجھے گھن کی طرح ختم کر رہے ہیں کاش! میں اپنا تھکا ہوا سر تمہاری گود میں رکھ سکتی میٹھے میٹھے سانسوں میں کشاکش حیات بھول جاتی

تمہارے مقدس لبوں سے شیریں اور تسکین دہ الفاظ سنتی اور اک فردوسی دنیا میں گم ہو جاتی جہاں نہ یہ آلام ہوتے اور نہ تفکرات

یاس و الم کے حصار نے مجھے ہر طرف سے محیط کر لیا میں بالکل بے دست و پا ہوں اور یہ نا قابل برداشت بوجھ اٹھانے کے نا قابل

کاش! میں تمہارے مقدس سایہ عاطفت میں ہوتی تا کہ نہ ان غموں کا احساس ہوتا اور نہ دکھوں کی کچھ پروا! پرسش حال میں خلوص کے نغمے ہوتے اور پیاسی روح کے لئے باران رحمت!

تن کو جان مل جاتی اور طالب کو مطلوب اور پھر میں تمہاری رہبری میں سفر حیات طے کرتی قدم قدم پر یہاں کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی اور مسرتوں سے مسرور

اللہ! اس وقت ہر صفحہ حیات نہ معلوم کیسا افسانوی ہوتا اور حامل عشرت ہائے گونا گوں۔

فردا سے

حسین و پر اسرار فردا! تیرا تصور میرے لئے باعث تقویت ہے اور مہبہ سکون قلب جب اوراق ماضی الٹتے الٹتے طبیعت پریشان ہو جاتی ہے یا حال کی پیچیدہ کڑیاں اور تحیر زا واقعات بے حال کر دیتے ہیں تو میری افسردہ نگاہیں تجھے آسمانی خلاؤں میں ڈھونڈتی ہیں فضا کی گہرائیوں میں تلاش کرتی ہیں۔

اور تو من موہنی فردا! میری دنیائے تخیل پر اس طرح چھا جاتی ہے جیسے پہلی شعاع آفتاب سے جھیل کا پانی جگمگا اٹھے۔

جب زندگی ہر طرف سے رنج و ملال میں گھر جاتی ہے اور کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہیں آتی۔ حیات اک بے رونق صبح کی طرح معلوم ہوتی ہے اور برہمی مزاج فطرت کا شکار۔ تو اس وقت اے متاع صبر و قرار! تو تکالیف کے ان کالے کالے بادلوں سے نفوذ کرتی ہے۔ امیدوں کے کارواں لئے ہوئے اور طمانیت قلب کی پھوار بن کر۔

ایسے وقت میں بھی جب قوم کی عظمت ماضی کا احساس قلب کو مجروح کر دیتا ہے۔ فکر مستقبل روح کو برماتا ہے اور ابنائے وطن کی پستی کا تصور حاوی بر دماغ و دل۔ تو تو اے فردائے درخشاں! وقت کے دھندلے اور تاریک سائے سے اس طرح نزول کرتی ہے جیسے سطح آب پر رقصاں ستارہ سحر۔

محض تیرا ہی بھروسا ہے کہ اک پر کیف مستقبل شعاع امید بن کر آتا ہے اور دل پژمردہ کو مسرور و شاداب کر دیتا ہے تیری ہی آمد بیداری قوم کی حامل بن کر آتی ہے اور ارتقائے قوم کا پیغام بصیرت افروز لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود! اے فردائے پنہاں! میں یہ سوچ کر متوحش ہو جاتی ہوں اور اس تصور سے لرزہ براندام! کہ آنے والی صبح کے روپ میں وقت کون سی کروٹ لے گا۔

مصائب کے تیروں کی بوچھار لے کر آئے گا۔ یا کیف و مسرت کے انبار آہ! مجھے

نہیں معلوم! کہ تو کون سے رنگ میں تسلط بر کائنات کرے گی؟ ظلمت بداماں بن کر یا پر کیف وجلوہ سامان۔

کس قدر راز سربستہ ہے تیری ہستی اے فردائے ہمہ تسکین! اور کیسی حامل صبر و سکوں۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سرسراتے ہوئے جھونکو!

سرسراتے ہوئے جھونکو! تم اس قدر آشفتہ نوا کیوں ہو؟ بردباری کی جگہ بے قراری نے کیوں لے لی؟ تمہارے تصورات کی فلک بوس چٹانیں مسمار ہو کر رہ گئیں یا تمناؤں کے گزرتے ہوئے قافلے راستہ بھول گئے۔

نہیں تو پھر پرغضب جھونکو! تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟

وہ ناز بھری اٹھکیلیاں کہاں کھو کر رہ گئیں اور وہ ننھی ننھی کلیوں کے ساتھ معصومانہ شرارتیں! جب وہ گھبرا کر اپنی حیران حیران سی آنکھیں وا کر دیتی ہیں۔

تم اپنے دل پسند کھیلوں سے اس قدر بیزار کیوں ہو گئے ہو کہ دیوانوں کی طرح اونچی اونچی پہاڑیوں سے ٹکرا رہے ہو اور گر جنے والی موجوں سے الجھ رہے ہو۔

آخر ہستی سے اس قدر نفرت کیوں؟ اور یہ بڑھتا ہوا جوش و الم کہیں تمہارا کوئی حسین خواب تو ان پہاڑیوں میں دفن نہیں یا شوریدہ موجوں کی آغوش میں کوئی سہانی آرزو ڈوب کر رہ گئی۔

محو گریہ جھونکو! اس قدر ملول ہونے سے کیا فائدہ! کیا پہاڑیاں ان شیریں خوابوں کو اگل دیں گی یا موجیں نگلی ہوئی آرزوؤں کو سطح سمندر پر لا ڈالیں گی؟

رفتہ و گزشتہ باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ اور ازمنہ ماضیہ کے اوراق پلٹنے سے کیا حاصل؟ تم شدت الم سے لڑکھڑا رہے ہو۔ غروب آفتاب کی آخری کرن کی طرح! جو شام کی آغوش میں کانپا کرتی ہے۔

لیکن یہ بڑھتی ہوئی شوریدگی آخر کب تک؟ یہاں کا تو ذرہ ذرہ بر نہ آنے والی خواہشوں کا شاکی ہے اور غنچہ غنچہ شرمندہ تکمیل آرزوؤں سے نالاں۔

عنان صبر تو ہاتھ سے دنیا ہی کفر ہے اور ناامیدیوں کا سب سے بڑا سبب! فطرت تو نہ معلوم کس کس طرح امتحان لیا کرتی ہے خواہ اس میں پورے اترو یا منزل اولین پر ہی تھک کر بیٹھ رہو۔

اس لئے! محوالم جھونکو! اس قدر پژمردہ خاطر نہ ہو خرام ناز اور اٹھکیلیوں کی جگہ دردو ناشکیبائی کچھ زیبا نہیں معلوم ہوتی۔

جو لمحہ موج حوادث سے ہنستے کھیلتے گزر جائے وہی غنیمت ہے اور وجہ سکون وقرار۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میدان حرب

آلودگی کا رزار تمام دہر پر مسلط ہوگئی پرسکون زمین کا چپہ چپہ خون معصومیت سے گلرنگ ہے اور ذرہ ذرہ انسان کی سفا کی کا شاکی ہر طرف اندھیری رات کی سی خاموشی ہے اور موت کا بڑھتا ہوا سکوت، پر خوف ولرزہ خیز سکوت!

کبھی کبھی سمندر کی آہ و بکا زمین پر سے گزر جاتی ہے یا پر پھڑ پھڑاتے ہوئے پرندے فضا کو مرتعش کر دیتے ہیں اور سب خاموشی ہے۔شہر خموشاں کی سی دہشت ناک خاموشی

کائنات افسردہ وساکت ہے اور فرشتہ موت کے گہرے گہرے سانسوں سے کہر آلود! جیسے جنگ کے دیوتا نے اپنی خونخوار انگلیوں سے اس کی نبض تھام رکھی ہو۔

میدان جنگ کی وسعت بڑھتی جاتی ہے ہر لمحہ ترقی پذیر ہے ستاروں نے یہ خونچکاں داستانیں سن کر آنکھیں بند کرلیں۔ چاند کو یہ دردانگیز افسانے زرد سے زرد تر کر رہے ہیں اور ہوا پر خوف کہانیاں سن کر دیوانوں کی طرح سر ٹکرا رہی ہیں۔

کائنات وحشت و بربریت انسان کا شکار ہے اور دق کے مریض کی طرح نیم جان ہوا کے جھونکے کسی دل شکستہ کی طرح چلا رہے ہیں۔آسمان کی آنکھوں سے کسی سیلابی ندی کی طرح آنسو پھٹ پڑے اور زمین! خون غلطیدہ زمین پر دردالتجائیں کر رہی ہے۔

لیکن انسان! ظالم و بے رحم انسان آج جاہلیت کی روایات دہرا رہا ہے۔زندگی کی عبارات اس کے لئے بے معنی ہے اور چشم حسمگین میں بجلیوں کے سے پیچ وتاب!

☆☆☆☆☆

افق تقدیر

زندگی حسب معمول گزر رہی ہے اس کی مسلسل یکسانیت نے مجھے وحشت زدہ کر دیا اور بے پناہ تسلسل نے روح کی گہرائیوں میں غرق۔

اللہ! زندگی ہے یا کوئی لق و دق صحرا! یہاں نہ شجر سایہ دار ہے اور نہ قیام کی کوئی جگہ ہر آنے والا دن اپنے نا معلوم راستہ کی طرف چلا جاتا ہے بے تحاشا بھاگتا جاتا ہے بغیر کوئی نقش پا چھوڑے نظروں سے غائب ہو جاتا ہے کہکشاں کی بعید ترین روشنی کے پار!

جیسے کوئی خزاں زدہ پتہ وسیع اور دھندلی خلا میں کھو جائے

ستارے شب بھر آسمانی بلندیوں پر جھلملاتے ہیں اور ان کی نیلگوں گہرائیوں میں شب بھر کے لئے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

کھلی ہوئی پنکھڑیاں ماہتاب کی زریں شعاعوں کو جذب کرتی ہیں اور حدت آفتاب سے مرجھا کر گر جاتی ہیں۔

لیکن اللہ یہ حیات! مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نا کامیوں کی آماجگاہ ہے اور ہیبت ناک خوابوں کا مجموعہ

بیچاری کے آنسو آنکھوں میں تھرتھرا رہے ہیں کسی برق زدہ درخت کی طرح روح پاش پاش ہے اور خیالات فضاؤں میں آوارہ!

مشرق کی طرف سے آفتاب منور ہو چلا سنہرے اور قرمزی بادل فضاؤں میں تیر رہے ہیں جیسے تقدیر کے فرشتے زندگی کے مسئلے کو سلجھا رہے ہوں۔

نسیم سحر سمندری موجوں سے سرگوشیاں کر رہی ہے جیسے حیات کے موضوع پر روشنی ڈال رہی ہو۔

افق کی سرخی دمبدم بڑھتی جاتی ہے مالک! کہیں نوشتہ تقدیر تو نہیں پڑھا جا رہا، مسئلہ تقدیر تو نہیں حل ہو رہا۔

اداس اداس نگاہیں مشرق کی طرف تک رہی ہیں افق تقدیر پر اپنا ساحل تلاش کرتی ہیں۔ ستارہ سحر کے ابھرنے کی منتظر ہیں اور اس کی بڑھتی ہوئی درخشانی کی آرزومند!

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

انسان

انسان! جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے جسے فرشتوں نے سجدہ کیا اور مالک دو جہاں نے زمین کا حکمران بنایا

جس نے سینکڑوں پیچیدہ مسائل اپنی کمزور انگلیوں سے سلجھا کر رکھ دیئے سمندر کو اپنا تابع فرمان بنایا اور ہوا کو فرماں بردار۔

جو کتاب مقدس کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ مذہب کا محافظ تھا اور راہ طریقت پر رواں جس نے حقائق و معارف کے مشکل سوال چٹکیوں میں حل کر دیئے اور معصومیت سے ملائک کا مقابلہ کرتا تھا۔

زمین نے افتخار سے اسے اپنی وسیع آغوش میں بٹھایا اور آسمان نے ضیا پاش نگاہوں سے عقیدت کے پھول برسائے۔

پر آہ! وہی انسان آج اپنی وجہ ہستی اور مقصد نمود بھول چکا ہے۔ جہل، عناد، اور کبر و نخوت نے اس پر غلبہ کرلیا آشتی و آزادی کے تحفے کو اس نے جنگ و غلامی میں بدل دیا۔

اس سے روح انسانیت چھن گئی۔ اس کی جگہ ایک پیکر فریب وحسد ہے اور مجسمہ ظلم وستم، بردباری و پاکیزگی پر آج تشدد و بربریت حاوی ہے ہلاکو کا استبداد اور چنگیز کا جور و ظلم دہرایا جارہا ہے اور زمانہ جاہلیت کی بھولی بسری دہشت انگیزیوں کی طرف رجوع ہے۔

آہ انسان! قدرت نے اسے ایک بہت بڑا عطیہ دیا تھا لیکن اس نے اس کی قدر نہ کی۔ اس سے جائز فائدہ نہ اٹھایا اور اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ارزل المخلوقات ہوکر رہ گیا۔

آج انسانیت اس کے ہاتھوں نالاں ہے اور اس کی چیرہ دستیوں پر انگشت بدنداں اس کی معصومیت مصیبت میں بدل گئی اور مذہب پر مادیت چھارہی ہے۔

☆☆☆☆☆

پوشیدگی

شہر کے عالیشان محلات سے دور! ان فلک بوس عمارتوں سے بہت دور! اک خستہ ویران سا گاؤں آباد ہے۔

یہاں کے حیات پرور نظاروں اور سکون بخش سیر گاہوں سے کہیں دور! اک خاموش اور کہنہ سا گاؤں بس رہا ہے۔

پر رونق بازاروں اور زرق برق پوشاکوں سے تاجدار امکان دور اک ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں چند فلاکت زدہ روحیں سانس لے رہی ہیں۔

کشاکش حیات کا دیوانہ وار مقابلہ کر رہی ہیں اور آہ کے شعلوں کو اشکوں سے بجھا رہی ہیں۔

صرف بگولے کارواں در کارواں چکر کاٹتے ہیں یا ہوا آہیں بکھیرتی رہتی ہے اس کے علاوہ نہ وہاں کبھی زر کی جھنکار سنی گئی اور نہ آسودگی کی پکار

صرف سرمایہ داری کے کچلے ہوئے انسان ہیں۔ جو ابھرنے کی ناکام کوشش میں ہر بار لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں یا بربط ہستی کے شکستہ تار ہیں جنہیں حسرتوں نے نکما کر دیا۔

اس کے سوا نہ لکشمی دیوی کی کرم فرمائی ہے اور نہ مایا دیوی کا سایہ عاطفت

تم ان سے کتنی ہی نفرت کرو۔ کتنا ہی کترا کر دور بھاگو لیکن اگر تمہیں حیات کی تہہ تک پہنچنے کی آرزو ہے تو دیکھو اور غور کرو کہ تمہارے دھتکارے ہوئے انہیں غریبوں کی آہوں میں راز حیات پوشیدہ ہے ان کی اشک آلودہ آنکھوں میں تھرتھرا رہا ہے اور دل پژمردہ کی دھڑکن میں نہاں۔

راز حیات! جس کے لئے تم اس قدر سرگرداں ہو اسے غریب کی جھونپڑی میں ڈھونڈو۔ اس کے نالوں میں تلاش کرو اور اس کے افسردگی میں تیرتے ہوئے دل میں جھانک کر دیکھو۔

☆☆☆☆☆

شاعر

طلوع آفتاب کی زریں کرنیں پہاڑی چوٹیوں کو جگمگا رہی ہیں۔قرمزی اور سنہری بادل دوش نسیم پر اڑتے پھرتے ہیں اور دھوپ کے سائے گیہوں کے کھیتوں پر متحرک ہیں۔

صبح کا روح پرور وقت ہے اور منظر ایسا حیات بخش! جیسے فضا میں کوئی عمر خیام کی رباعیات پڑھ رہا ہو لحن داؤدی سے اور دھیرے دھیرے۔

ایسے پر کیف سمے میں شاعر فکر و سخن میں مستغرق ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر! اسے ایک لمحہ فرصت نہیں کہ دریچہ سے جھانک کر اپنے دل پسند ماحول سے لطف اندوز ہو سکے۔نیچر پرست ہوتے ہوئے بوقلموئی نیچر سے بھی کچھ قوت حاصل کرے۔

اور اب جبکہ کوہستان کے دامن میں آفتاب غروب ہو رہا ہے افقی بادلوں کو خونی رنگت دیتا اور کائنات کو الوداعی نگاہوں سے تکتا۔

مغرب کی سرد ہوا پتوں کو سرسرا رہی ہے اور سارسوں کے جھنڈ آسمان پر اڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔منظر مسرور کن ہے اور پرسکون! لیکن فطرت کا پجاری شاعر اپنے تخیلات کی دنیا میں کھویا ہوا ہے جیسے کائنات اور اس کی دلفریبیوں سے بے نیاز ہو اور گرد و پیش کے ماحول سے بیگانہ۔

پھر اس لمحے نکھرے ہوئے آسمان پر تارے ڈبڈبا رہے ہیں جیسے نیل کے دریا میں چاندی کی مچھلیاں تیر رہی ہوں۔سیاہ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں اور رات کی مشکین نسب شہزادی آگے بڑھ رہی ہے آہستہ آہستہ اور خرام ناز سے! مگر شاعر تو خواب فراموشی میں غرق ہے خیالات کے تلاطم خیز سمندر کی لہروں میں کھویا ہوا ہے اور امواج تخیل میں بہہ رہا ہے۔

فکر شعر، اسے اتنی بھی تو مہلت نہیں دیتی کہ جس منظر کی پرستش کے لئے اس قدر بے قرار تھا اسے محض ایک نظر تو دیکھ لے۔

اے کاش!

اے کاش! میں اس قابل ہوتی اور اس سعادت کے لائق! کہ اپنے قلب کو گہرائیوں تک چیر کر ایک کشتی بناتی۔ اسے اپنے شبنمی آنسوؤں سے سجاتی۔ معصوم آرزوؤں کا بادبان لگاتی اور تمناؤں کے چپو سے بڑھاتی۔

اور پھر اس ننھی سی کشتی کو تمہارے مقدس قدموں سے مس کراتی نجات اخروی حاصل کرنے کے لئے اور فلاح دارین سے فیض یاب ہونے کو۔

کیسا حیات بخش ہوتا وہ وقت! جب تمہارے پاک وجود سے میری بے جان کشتی حرکت میں آجاتی اور خود بخود آگے بڑھنے لگتی۔ بادمخالف کی مخالفت کی پروا کئے بغیر اور بادموافق کی موافقت سے بے نیاز۔

اے کاش! پھر میں اپنے اس سرمایہ حیات کو دور لے جاسکتی۔ بہت دور! ان غیر مرئی مقدس وادیوں میں لے جاتی جو افق کے اس پار آباد ہیں جہاں فرشتوں کی سی پاک روحوں کا مسکن ہے اور ان کے گرد دائمی مسرتوں کے حصار۔

جہاں پھولوں میں کانٹے نہیں ہوتے بلکہ ان کے لبوں پر ایک ضوفشاں مسکراہٹ چھائی رہتی ہے اور جہاں حیات فانی کی تاریکیوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اک ابدی روشنی ہر چار طرف چھائی رہتی ہے۔

اور وہاں! اس مقدس سرزمین میں میں اپنا عرصہ حیات صرف کر دیتی تمہارے قدموں کے نیچے اپنی جنت تلاش کرتے کرتے وقت گزار دیتی! مسرور اور شاد! اے کاش میں اپنے حرماں نصیب دل کی کشتی بنا سکتی اور تمہارے مقدس سائے میں اسے ساحل مراد پہنچاتی اک ہلکی اور فردوسی جنبش سے! جسے سفید سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔

کاش! اے کاش! میں اپنی اس آرزو کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی! حیات فانی کی سب سے بڑی تمنا پوری کر سکتی۔

تسلط خزاں

خزاں پھر مسلط برسر کائنات ہے فضا میں ایک دہشت ناک خوف سانس لے رہا ہے پرندے آشیانوں میں ساکت ہیں اور غنچے ٹہنیوں پر خاموش سرسبز پتے فرط الم سے زرد زرد پڑ گئے ہیں کسی الم رسیدہ کے رخ پر ملال کی طرح زرد زرد۔

خزاں کے دست تعدی کا شکار پتے فضا میں اڑتے ہیں۔ ان کی کھڑ کھڑاہٹ سے اک اداس سا راگ پیدا ہو رہا ہے جیسے غم کی دیوی اپنا ستار بجا رہی ہو۔

آہ! جو روا ستبداد کے سرد پنجے آگے بڑھتے ہی جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔

ہوا سسکیاں بھرتی ہوئی چل رہی ہے اور میں نگاہ یاس سے اس اداس منظر کا مشاہدہ کر رہی ہوں دل کسی بچھڑے ہوئے پرندے کی طرح سہما ہوا ہے اور روح بیمار کی کراہ کی طرح اداس اداس۔

خزاں کے دست تعدی نے سینکڑوں قلب کھلنے سے پیشتر ہی مرجھا دیئے۔

سمندر دم توڑتے ہوئے مریض کی طرح سانس لے رہا ہے لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر آہ و زاری کرتی ہیں آسمان بے رونق ہے اور زمین کا چہرہ زرد زرد! جیسے نبض کائنات میں دوران خون تھم گیا ہو۔

میری اشکبار آنکھیں اس منظر کی تاب نہیں لا سکتیں اس زہریلے ماحول میں دم گھٹا گھٹا جاتا ہے اور صدائے درد میں کانپتی ہوئی آواز فضا میں لہرا رہی ہے۔

اف یہ خزاں! یہ بے رونق و افسردہ کن خزاں!

☆☆☆☆☆

کشتی طوفاں زدہ

وقت کے تلاطم خیز سمندر پر ایک پر کاہیدہ کی طرح بہہ رہی ہے ہر شوریدہ اور پر غضب لہر اسے نگلنے کو تیار ہے اور سمندر کی گہرائیاں اپنی آغوش میں لینے پر کمر بستہ! اس پر بھی زندگی کی طوفان زدہ کشتی بڑھتی جا رہی ہے کسی طلسمی کشش کے زیر اثر آگے کو کھینچ رہی ہے لرزاں و خیزاں! جیسا کہ قطرہ شبنم ہوا کے جھونکوں سے کانپ رہا ہو۔

امواج وقت کی حرکات مدوجزر اسے پنپنے نہیں دیتیں اور طوفان حیات لمحہ بہ لمحہ اپنی گرفت تیز کر رہا ہے اس پر بھی لہراتی اور بل کھاتی کشتی بڑھ رہی ہے ناہموار چٹانوں سے ٹکر کھا کھا کر بچ رہی ہے۔

نکھرے ہوئے آسمان پر ڈبڈباتے ہوئے تارے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اس میں مچھلیاں تیر رہی ہوں لیکن وہ تو مسرور ہیں اور کسی فراموش نہ ہونے والے خواب میں محو۔

فضاؤں میں بادل تیرتے پھرتے ہیں خوشنام اور دلفریب بادل! ہاتھوں میں ہاتھ لئے ناچتے چلے جاتے ہیں۔ شعر و لطافت کی دنیا میں بہہ رہے ہیں لیکن آہ یہ کشتی! زندگی کی طوفان زدہ کشتی! اس کا کہیں ٹھکانا نہیں ساحل دور ہے اور طمانیت کہیں بعید۔

تو مالک! کوئی جھاگ بہاتی لہر اس کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتی۔ حشر تک کے لئے ان گہرائیوں میں کیوں نہیں چھپا دیتی تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے آسودگی خواب حاصل کر سکے اور کھویا ہوا سکون۔

☆☆☆☆☆

خاتون

ایک زہد شکن تصویر تھی اور ملائک فریب چہرہ! محبت کا مجسمہ تھا اور حسین پیکر! اس کے دل میں ایک جہان مروالفت آباد تھا۔ وہ کائنات کی وجہ ہستی تھی اور دہر کی تخلیق کا باعث۔

وہ سب کچھ تھی لیکن کچھ نہ ہونے کے برابر! اس پر ذلت ونکبت وارد کی گئی۔ زندہ دن کیا گیا اس کا نرم ونازک جسم شعلوں کو چٹایا گیا اور آہنی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

ستم پرستم! کہ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والوں نے اسے اسیر کیا ذلیل و خوار کیا اور کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔

اس کے نالے فرشتوں کے دل دہلا دیتے عرش عظیم تھرتھرا اٹھتا اور بوڑھی دنیا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے۔

لیکن مرد! ظالم و بے رحم مرد کا دل نہ پسیجتا! وہ اسے نگاہ رعونت سے دیکھتا اس کی بیچارگی پر مسخر ہوتا اور اس کی آہوں کا مذاق اڑاتا یہ سب کچھ تھا لیکن ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے والا کوئی نہ تھا اور نہ کوئی اس کی مہر، الفت، وفا اور خاموشی کی داد دیتا۔

لیکن تا بہ کے! یہ حالت جمود اور عالم بے کسی آخر کب تک رہتا فطرت کو اپنی اختراع فاتقہ کی بے بسی کا احساس ہوا اور شدت سے!

چنانچہ اس غم زدہ کی اشک شوئی کے لئے ایک انسان مکمل بھیجا گیا جس نے اسے اپنے مقدس دامن میں پناہ دی مرد کا ''نصف بہتر'' بنایا اور آبگینہ ثانی۔ جنت کو اس قدموں کے نیچے رکھ کر اسے ارفع و اعلیٰ بنایا اور اس کی پاکیزگی پر مہر یقین ثبت کر دی۔

یہ تھا اس کے صبر کا میٹھا پھل اور قرنوں کے مظالم کا بدلا۔

☆☆☆☆☆

موسیقی

اللہ ! یہ موسیقی کیا ہے؟ روح کائنات ہے یا شادابی حیات! دنیائے لطافت یا پاکیزگی کا نچوڑ۔

اکثر تاریک راتوں میں جب ازمنہ ماضیہ کی یاد مجھے بےقرار کر دیتی ہے۔ ماضی کے پراسرار افسانے شمع زندگی بنتے ہیں اور دل افسردہ کو اپنی سہانی یاد سے جگمگانے لگتے ہیں۔

تو میری روح دہر کی ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو جاتی ہے یہاں کے ماحول سے اچاٹ ہو جاتی ہے اور ستاروں سے آگے والے جہانوں میں پرواز کرنے کو از خود رفتہ۔

اس وقت! موسیقی کا کوئی سحر انگیز نغمہ ہوتا ہے کوئی جادو اثر گیت ہوتا ہے جو مجھے عالم خواب سے دنیائے حقیقت میں لے آتا ہے۔ روح کو از سر نو تازگی عطا کرتا ہے جس طرح بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی پہاڑی نالوں میں زندگی جاگ اٹھتی ہے۔

سمندر کی گہرائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کائنات کی وسعت پر تحیر اور فلک بوس پہاڑوں کی بلندی پر تعجب۔

لیکن یہ اس قدر دیرپا نہیں ہوتی اور نہ ان کیفیات کی حامل! جو تیرے لئے میرے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہیں تیری مدبھری جھنجھناہٹ خوابیدہ روح کو جگا دیتی ہے اور مطلع حیات کو کچھ دیر کے لئے ہر قسم کے تفکرات سے پاک کر دیتی ہے کاش! تیری مقدس اور لطیف آواز میرے لئے وجہ تسکین بنی رہے میری روح کو ہمیشہ بیدار رکھے متبسم اور رقصاں

☆☆☆☆☆

مسرت سے

مجھے سینکڑوں بار کسی معمولی سے واقعہ پر دھوکا ہوا کہ شاید تجھے مجھ پر ترس آ گیا تو مجھے مل گئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔

لیکن آہ! خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ تو تو اب بھی مجھ سے اتنی ہی دور ہے جیسے کسی بچے سے قوس قزح۔

اور میرے خواب! میرے سنہرے خواب شرمندہ تعبیر جیسے چاند کی کرن بادلوں میں کھو جاتی ہے یا پانی کی لہر مچل کر مٹ جاتی ہے۔

بعض مرتبہ میرا افسردہ دل خود بخود مطمئن ہو جاتا اسے کھوئی ہوئی طمانیت مل جاتی اور روحانی خوشی اور میں اس خیال میں کھو جاتی کہ شاید تو مجھے دنیا کے تفکرات سے چھڑانے آئی ہے۔

لیکن آہ! یہ اطمینان ایسا برق آسا ہوتا کہ میری آرزوئیں خاک میں مل کر رہ جاتیں امیدیں مایوسی میں تبدیل ہو جاتیں اور پرنشاط لمحوں پر بڑھتی ہوئی اداسی کا غلبہ ہو جاتا۔

میں تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی لیکن آہ! آج تک تیرے گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکی اور میری ہر سعی ناکام ہو کر رہ گئی۔

باد سحر کے خوشگوار جھونکوں میں نغموں کی معصومیت میں اور شبنم کی نزاکت میں تجھے ڈھونڈا لیکن بے سود۔

لڑکھڑاتی ہوئی کرنوں میں متبسم لبوں پر اور لمحات خوش آئند میں تیری تلاش کی پر آہ! تو تو وہاں بھی نہیں تھی۔

میری امیدوں کے آسمان کی سطح پر ایک ستارہ بھی چمکتا نظر نہیں آتا۔

مسرت! آہ میں تجھے کیونکر پاؤں تیرے حسین چہرے کی جھلک کیونکر دیکھوں؟

☆☆☆☆☆

سنسناہٹ

رات تاریک ہے! کسی کے سوئے ہوئے نصیب کی طرح تاریک! ہر طرف اک سنسناہٹ طاری ہے لرزہ خیز اور روح کو کپکپا دینے والی سنسناہٹ۔

کبھی کبھی درخت سرد ہوا سے کانپنے لگتے ہیں یا نیلا آسمان اوپر سے جھانک لیتا ہے۔

اور یہ سنسناہٹ ظلمت بداماں سنسناہٹ جو دم بدم بڑھتی ہی جاتی ہے میرا دل خود بخود متفکر ہو رہا ہے کسی غیر معمولی بوجھ تلے دبا جاتا ہے اور روح رنج والم کی گہرائیوں میں تیر رہی ہے جیسے کسی طلسمی اثر سے مرجھائی جا رہی ہو۔

جاڑے کی افسردہ و خاموش رات ہے پھول سردی سے بے جان ہو چکے ہیں اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں بہار کا ماتم کر رہی ہیں۔

اس پر یہ سنسناہٹ! کسی جناتی سایہ کی طرح رقصاں سنسناہٹ

صنوبر اور دیوار کے درخت چپ چاپ کھڑے ہیں ہر طرف خاموشی و تاریکی کی حکمرانی ہے کبھی کبھی پہاڑی کے دامن میں الو کی آواز آجاتی ہے اف! اس کی یہ منحوس اور ڈراؤنی آواز!

جو سنسناہٹ کو پہلے سے بھی زیادہ سنسان کر دیتی ہے فضا میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور روح پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اہرمن و شیطان مل مل کر آہ و زاری کر رہے ہوں، ماحول کو اور بھی وحشت ناک اور رات کی ساعتوں کو تاریک تر بنا رہے ہوں۔

☆☆☆☆☆

پژمردگی

بہار کا پر کیف اور روح پرور موسم آ پہنچا۔ کائنات از سر نو زندہ ہو رہی ہے۔ درختوں نے ماتمی لباس اتار پھینکا اور موجیں زریں خواب دیکھنے میں محو ہیں۔

عندلیب خوش آئند آواز میں ملہار گاتی ہے پھول خنداں ہیں اور کلیاں متبسم دہر کا ذرہ ذرہ مسرور ہے اور چپہ چپہ گل پوش۔

شعریت سے لبریز ماحول ہے اور نشاط آفریں مناظر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان مل کر ایک شعر بن گئے ہیں۔

لیکن ایک افسردہ دل کے لئے بہار کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبو میں ڈوبی ہوئی فضائیں بھی ویسے ہی ہیں جیسے خزاں کا بھیانک ماحول اور روح کو خاکستر دینے والے جھونکے۔

اس کے لئے پرسرور نغمے بھی غم آلودہ نوحوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حسین و کیف آگیں شب چہار دہم ہے۔ کائنات ایک بقعہ نور بن رہی ہے۔ چرغ نیلوفری پر ستاروں کی کانپتی ہوئی تنویر ہے اور دہر کسی بت گر کے خواب کی تعبیر۔

کبھی کبھی فرحت بیز ہوا پتوں کو سرسرا دیتی ہے یا آبشار کے سریلے نغمے روح پر وجد طاری کرتے ہیں۔

لیکن وہ پژمردہ ہستی جس کے لئے دہر میں کوئی دلچسپی ہی نہ رہی ہو۔ شب ماہ کو بھی شب سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ ماہتابی شعاعیں اس کے دل کی گہرائیوں کو روشن کرنے سے معذور ہیں اور ستاروں کی شوخ نگاہیں اس کی افسردگی زائل کرنے سے مجبور!

☆☆☆☆☆

میں نہیں جانتی

میں نہیں جانتی! کہ وہ گمشدہ شے کیا ہے۔ وہ کھوئی ہوئی آرزو کون سی ہے؟ جس کی پیہم جستجو میرے قلب حزیں کو بے قرار کر رہی ہے نا معلوم بے چینیوں میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

اس نا معلوم شے کو روش روش تلاش کیا لیکن بیسیوں مرتبہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں ڈھونڈا اور چپہ چپہ چھان مارا اگر وہ آج تک نہیں ملی۔

بلبل کے نغموں، نوشگفتہ غنچوں کی مسکراہٹ ستاروں کی شوخی اور باد سحر کے جھونکوں میں اسے بار بار تلاش کیا مگر لاحاصل! آہ! یہ تو محض ایک سعی نا کام تھی!

طلوع آفتاب کی زریں کرنیں اس کا پتا نہ دے سکیں وہ تو رات کی تاریکی میں بھی نہ تھی اور نہ ہی حسین چاندنی میں موسیقی سے معمور سکون میں اسے پانے سے معذور رہی۔

تو مالک! وہ نا معلوم سی شے کیا ہے اور کہاں ہے؟ جس کے نہ ہونے کا مجھے اس قدر احساس ہے وہ بربط دل کا چھینا ہوا نغمہ! جس نے روح کے تاروں کو ساکت کر دیا اور افسردہ۔

اور یہ آرزو! جو میرے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہے میں اس سے نا واقف ہوں۔ قطعی ناواقف!

خالق! یہ کیسی بے پایاں خلش ہے جس نے میری روح کو اس طرح بے قرار کر دیا جیسے پرسکوت ساز کے سینہ میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔

مجھے تو اسی چیز کی تلاش ہے اسی آرزو کے بر آنے کی تمنا ہے اور اسی غیر مرئی شے کا تجسس! جسے میں نہیں جانتی جس کا وجود میں بھی شک ہے اور حقیقت و صداقت کا یقین نہیں۔

☆☆☆☆☆

فرشتہ

لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلندیوں پر فرشتے آباد ہیں۔کلیوں سے بڑھ کر معصوم پھولوں سے زیادہ حسین اور قوس وقزاح سے کہیں خوش رنگ پروں والے فرشتے! جو عالم لا یموت کی مقدس فضا کو اپنے پاک وجود سے اور بھی جگمگا دیتے ہیں چرغ نیلوفری کے تقدس مآب ماحول کو ایک قدسی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

لیکن ان فرشتوں جیسی پاکیزگی ایک اور شے میں بھی ہے جس میں کلیوں کی معصومیت اور پھولوں کا حسن ہے اور قوس وقزح کی سی دل فریبی

یہ ہستی قدرت کی اکرار فاقہ ہے اور بہترین عطیہ! صانع قدرت کی قابل تعریف صناعی ہے اور مصور فطرت کی سب سے اچھی تصویر۔

یہ بچہ ہے جو انسانی آرزوؤں کی شاندار تعبیر بن کر آتا ہے اور نا امیدی کے کفر سے بچنے کی تلقین یہ لڑکھڑاتا ہوا ننھا فرشتہ! ملائک آسمانی سے کسی صورت سے کم نہیں۔

جب ماہ چہار دہم اپنی پوری طاقت سے جگمگاتا ہے تو ہزاروں نگاہیں اس کا طواف کرنے کو بے تابی سے اٹھ جاتی ہیں اس کا حسن سب کو ششدر کر دیتا ہے اور سادگی مرعوب

مگر چاند کی خوبصورتی بچے میں بھی موجود ہے اور اس کی سادگی بچے کی فطرت میں پوشیدہ پھولوں کو اپنی شگفتگی پر ناز ہے اور باد صبا کو اپنی اٹھکیلیوں پر فخر

لیکن یہ شگفتگی اور یہ خرام تو ایک اور ہستی میں بھی موجود ہے اور مع اپنی تمام و کمال خصوصیات کے لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر۔

قدرت کی تمام رعنائیاں بچے میں مجتمع ہیں اور تمام لطافتیں اس فرشتہ ارض میں موجود۔

☆☆☆☆☆

سوز ناتمام

اس دہر میں سچی خوشی عنقا ہے اور مسرت روحانی نایاب..... میں یہاں کی غیر مطمئن زندگی سے گھبرا گئی ہوں اس کی شورشوں سے تنگ آ چکی ہوں اور بڑھتی ہوئی الجھنوں سے اکتا گئی ہوں۔

یہاں کے لوگ جب مسکراتے ہیں تو ان کی پھیکی ہنسی میں غم کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ان کی روشن آنکھوں میں افسردگی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اور مژمردہ روحیں اور بھی جھکی جھکی جاتی ہیں۔

مالک! میں یہاں کی لامتناہی جدوجہد سے پریشان مجھے سکون کی جستجو ہے سچی اور ابدی خوشی کی تلاش ہے۔

ندی ڈوبتے ہوئے آفتاب کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے۔آسمان کے نیلے نیلے سمندر پر ستارے پھولوں کی طرح کھل رہے ہیں اور میری زندگی اک بے رونق صبح کی طرح سوگوار ہے۔خیالات فضاؤں میں آوارہ ہیں اور روح درد کے مضراب سے چور چور! آہ! اس دہر میں مسرت حقیقی عنقا ہے اور ابدی خوشی نایاب! میرا ناتواں جسم، حیات کے تفکرات برداشت کرنے کے ناقابل ہے اور روح رنج والم کی گہرائیوں میں تیرتی ہوئی روح! وہ اس طرح کانپ رہی ہے جیسے کوئی کشتی تیز دھارے پر لرزاں ہو۔

ساعت موت

قافلوں کے اونٹوں کی مدھم صدائے جرس آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے میور شام کو آشیانوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور تیرتے ہوئے جہاز آخر کار ساحل پر آ لگتے ہیں۔

لیکن اے موت! تیری آمد کا کوئی خاص لمحہ مقرر تو وقت پر بھی حاوی ہے۔

بہار کی چمکیلی صبح ہو یا خزاں کی بھیانک دوپہر! تجھے اپنے کام سے کام ہے۔ افسردہ سی سپہر ہو کیا پرسکون شام! حتیٰ کہ شب تاریک بھی تو تیری آمد میں حائل نہیں ہو سکتی۔

برستے ہوئے بادل۔ کائنات کو جل تھل کر رہے ہوں یا تشنہ لب زمین ایک قطرہ آپ کو ترس رہی ہو۔ دہر گل پوش و شادماں ہو یا افسردہ خزاں رسیدہ!

تیرے لئے قسم کی قید نہیں تو تو موسم پر بھی فوقیت رکھتی ہے

سمندر کی پرسکون سطح پر تجھ سے چھٹکارا نہیں نہ ہی پیپل کے سایہ دار درخت کی چھاؤں میں راحت ہے اور میدان کارزار کی تو باگ دوڑ ہی تیرے ہاتھ میں ہے۔

تجھ سے کہیں پناہ نہیں تیری عقاب جیسی آنکھیں کہیں پوشیدہ نہیں رہنے دیتیں اور تیرے دروخوفناک ہاتھ! وہ معانقہ کے لئے ہر وقت تیار ہیں اور ہر لمحہ آمادہ۔

اوراق کیلنڈر

کیلنڈر کا آخری ورق دیوار پر سرسرا رہا ہے ایک اور دن شب یلدا کی تیرگی میں تبدیل ہو جائے ۔ پھر یہ بھی ماضی کا ایک بھولا ہوا افسانہ بن جائے گا اور پھر لوٹ کر نہ آنے والا وقت! ہر آنے والی شب عمر فانی کا ایک روز گھٹا دیتی ہے جیسے خزاں کے زرد پتے ٹہنیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے ہیں ۔ غیر مرئی وادیوں میں منتشر ہو جاتے ہیں اور پھر نظر نہیں آتے ۔ ہر رات! ایک دن منتظر کائنات سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ کسی دیوانے کی بے معنی چیخ کی طرح! جو فضا میں کھو کر رہ جاتی ہے ۔

لیکن ان سے وابستہ واقعات! کیا حساس دل انہیں بھی اس قدر جلد فراموش کر دیتے ہیں کیا وہ صفحہ دل سے بھی اسی طرح محو ہو جاتے ہیں ۔

نہ معلوم چوبیس گھنٹوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور کیسے کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں ۔ کئی نئی نئی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی قابل تکمیل کو نہ پہنچ کر دم توڑ دیتی ہیں ۔

کتنے ہی ارادے ایسے ہیں جو ساحل مراد تک نہیں پہنچ سکتے اور کتنے ہی ارمان زندہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں ۔

معبود! طلوع آفتاب سے وقت غروب تک کتنی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں شاخ حیات سے سینکڑوں گل ٹوٹتے ہیں اور بے اندازہ پھوٹتے بھی رہتے ہیں ۔ مذاہب مادیت میں بدل جاتے ہیں اور بہار پر خزاں غلبہ پا لیتی ہے ۔

کئی منصور دار پر چڑھ جاتے ہیں اور بہت سے سرمد درجہ شہادت کو..... حسین معصومیت کا سکہ دہر پر بٹھا دیتے ہیں اور یزید شکار معصیت ہوتے ہیں نہ معلوم کس قدر خلیل نذر آتش ہو جاتے ہیں اور نمرود بہ کیف کردار رسید! کئی کلیم ساحل تک جا پہنچے ہیں اور فرعون غرق نیل ۔

مالک! نہ معلوم کتنی روحیں اک روز جنگ کے دیوتا کی بھینٹ چڑھتی ہیں سسکتے اور

تلملاتے دم توڑ دیتی ہیں اور میدان کارزار مدفن ارمان بن جاتا ہے۔

اوراق کیلنڈر! کوئی چاہے تو انہیں چشم زدن پھاڑ کر پھینک دے نگاہوں سے اوجھل کر دے اور پردہ دنیا سے نہاں۔

لیکن اس کے وقت کو کیا وہ تو اب بھی سبک رفتار فاختہ کی طرح محو پرواز ہے۔ اپنی جانستانیوں سے کائنات کو زیروزبر کر رہا ہے اور بڑھتے ہوئے مظالم کا شکار۔

کیلنڈر کا آخری ورق بھی اب نوچ کر پھینک دیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ دن بھی اک بھولا بسرا خواب ہو کر رہ جائے گا۔ ایام گزشتہ کی طرح! جو کفن آفتاب میں لپٹ کر کھو گئے۔ اور اس کے بعد سال نو کا نیا ورق! لیکن اس وقت دنیا کس حال میں ہوگی۔ تقدیر کی اندھی اونٹنی کہاں قیام کرے گی اور وقت! ظالم و بے پروا وقت! کونسی کروٹ لے گا۔

میں بے قراری سے منتظر ہوں کہ دنیا کن معنوں میں سال کا استقبال کرے گی۔ اس وقت کائنات سکون پذیر ہوگی یا شاعر کے دھڑکتے ہوئے دل کی طرح مضطرب۔

سال نو

رات اپنے بہار آفریں سانس بکھیرتی مسلط دہر ہو چکی ہے۔ مرتعش فضا میں نغمات چنگ ورباب تیر رہے ہیں جیسے شفق زاروں میں مصروف پرواز فرشتے کے پر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔

بوڑھا وقت، سال نو سے ہم آغوش ہونے کو آگے بڑھ رہا ہے۔

میں بے قرار دل اور آشفتگی سے اس منظر کا مشاہدہ کر رہی ہوں۔ غلامی کی بندشوں میں جکڑی ہوئی روح زار زار ہے اور خیالات فضاؤں میں چکر کاٹ رہے ہیں۔

میری اداس نگاہیں دنیائے تخیل کی سیر کرنے لگتی ہیں جہاں قبل از وقت مرجھائی ہوئی مادر ہند محو گریہ ہے اس کی کنول جیسی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں کسی ٹوٹی ہوئی مالا کے دانوں کی طرح۔

دہر سے ناتواں جسم اس طرح لرز رہا ہے جیسے تاریکی میں کوئی سایہ کانپ رہا ہو۔

ذرہ ذرہ پر فردوسی جنبش طاری ہے اور آسمان سے باران انبساط جاری۔

لیکن مجھے تو یہ افسوس ہوتا ہے کہ جگمگاتے ہوئے تارے متبسم چاند لرزاں پتے اور قصاں سبزہ .... ہماری گرتی ہوئی حالت کا تمسخر اڑا رہے ہیں .... مادہ کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح بے چین ہے اور اس کی روح جو کبھی کوہ وقار تھی اور چٹان کی طرح خوددار۔ اب احساس کے نولوں سے پاش پاش ہو رہی ہے۔

گزرے ہوئے وقت کے قدموں آہٹ مجھے چونکا دیتی ہے دور کہیں سے گھنٹی کی آواز سال نو کا اعلان کر رہی۔ رات کی مشکیں نسب شہزادی اس کی پیشوائی کو بڑھ رہی ہے۔ طمانیت قلبی کی لہریں ہیں اور مسرت کا دور دورہ۔

میں اپنے خزاں رسیدہ پتے کانپتے ہوئے لبوں کی پکار سنتی ہوں ..... یہ سال نو ہمارا نیا سال نہیں آتش کدہ غلامی میں سلگنے والوں کی اس سے لطف اندوز ہونے کا سال نہیں۔

سال گزشتہ کا ہیولا دہر سے اس طرح غائب ہو چکا ہے جیسے چاند کی کرن پر وہ سحاب میں کھو جائے یا پانی کی کوئی لہر مچل کر مٹ جائے۔

اور میں پر یاس نگاہوں سے آسمان کی طرف تکنے لگتی ہوں جس کی سیاہ سطح پر ستارہ سحر چمک رہا ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

روح سے خطاب

اے میری روح تو کیوں رنجید ہے.....؟

کیا تجھے میری کسی کمزوری کا علم ہے.....؟

تیرے آنسو مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور مجھے غم کا احساس دلاتے ہیں۔ مجھے اپنی غلطی کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک کہ تو مجھے نہیں پکارتی۔

میرے پاس تو کچھ بھی نہیں سوائے چند الفاظ کے، الفاظ جو تیرے غم کی ترجمانی کرسکیں۔ تیری تمناؤں کا اظہار کرسکیں۔ اور تیرے خوابوں کا تذکرہ کرسکیں۔

میری روح میری طرف دیکھو۔ میں نے اپنی ساری زندگی تیری تعلیمات کو سننے میں گزار دی ہے۔ غور تو کر میں کن مصائب مبتلا ہوں۔

تیرے دل تخت پر راج کر رہا تھا لیکن اب وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔

کبھی صبر میرا ساتھی تھا لیکن آج وہ میرا دشمن بن چکا ہے۔

کبھی میری جوانی امیدوں کی آماجگاہ تھی لیکن آج تغافل کا شکار ہوگئی ہے۔

میری روح..... کیا تو سرتاپا طلب ہے۔

کیا تو مجھے کچھ بھی نہیں دے سکتی۔

میں نے مسرتیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں اور زندگی کی لطافتوں سے منہ توڑ لیا ہے۔

میں ان راستوں پر بھٹک رہا ہوں جن پر چلنے کا تو نے حکم دیا تھا۔

میرے ساتھ انصاف کر یا پھر موت کو طلب کرتا کہ وہ میری ان تکالیف کا خاتمہ کر دے۔

انصاف تیری سب سے بڑی خوبی ہے تو میرے ساتھ انصاف کر ورنہ مجھے موت کے حوالے کر دے۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھ پر محبت کا بوجھ رکھ دیا ہے۔ جس کے اٹھانے کی مجھ میں تاب نہیں۔

تو طاقتور ہے..... محبت کی طرح

اور میں کمزور ہوں۔

کیا کمزور اور طاقتور کی یہ جنگ کبھی ختم نہ ہو سکے گی۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھے وہ تقدیر دکھائی ہے۔ جس تک رسائی میری طاقت سے باہر ہے۔ تو اور تقدیر دونوں پہاڑوں پر جلوہ گر ہیں۔ مصیبت اور میں وادی کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

کیا اس بلندی اور پستی کا اتحاد کبھی ہو سکتا ہے؟

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھے حسن کا جلوہ دکھایا تھا۔ لیکن فوراً ہی اسے چھپا لیا۔

تو اور حسن دونوں روشنی میں رہتے ہیں۔

بے کسی اور میں تاریکی کا خاتمہ کر سکے گی؟

میری روح تیری عظمت تک رسائی فنا کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

لیکن میں اس امید کیسہارے کیوں کر زندگی بسر کروں۔ جب تک میں اس زندگی کا اسیر ہوں۔ جب تک میرے جسم میں یہ زندگی موجود ہے۔

میری روح یہ سوال میرے لئے سخت پریشان کن ہے۔

تجھے بقاء کی طرف پہنچنے کی جلدی ہے۔

لیکن میرا یہ جسم آہستہ آہستہ تباہی کی طرف جا رہا ہے تو اس کا انتظار نہیں کر سکتی۔

اور وہ تیز نہیں چل سکتا۔

یہی تو ہے میرا سب سے بڑا المیہ کہ

تو آسمانی کشش کے سہارے بلندیوں پر پہنچتی جارہی ہے۔ اور میں زمین کی کشش میں پھنس کر زمین پر گر چکا ہوں۔

تو مجھے نہیں اٹھا سکتی میں تجھ تک خود نہیں پہنچ سکتا

میری روح تکلیف دہ بات تو یہی ہے۔

تو عقل و دانش کی دولت سے مالا مال ہے۔

لیکن میں فہم و شعور کی قوت سے بھی محروم ہوں۔

تو مجھ پر توجہ نہیں دے سکتی۔ اس لئے میں تیری ہدایت پر کام نہیں کر سکتا۔

میری روح میری پریشانی کی وجہ یہی ہے۔

رات کے سناٹے میں تو اپنے محبوب کے پاس آتی ہے کہ اس کے قرب کی لذت حاصل ہو۔

لیکن میرا نحیف و نزار جسم کشتہ امید و بیم بنا رہتا ہے۔

یہ بات اے میری روح سخت تکلیف دہ ہے۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

یہ دنیا ہماری

اے گم شدہ روحوں کے خدا تو جو خود دیوتاؤں میں کھویا ہوا ہے۔ میری آواز سن۔

ہاں ہماری پاگل آوارہ روحوں کی نگرانی کرنے والے میرے الفاظ پر توجہ صرف کر

۔

میں ایک نامکمل ہستی ہوں لیکن ایک کامل قوم سے تعلق رکھتا ہوں۔

میں انسانیت کے منتشر عناصر کا مجموعہ ہوں۔ میں ایک ایسی کامل دنیا میں رہتا ہوں جس کے قوانین اور ضابطے مکمل اور جن کے تصورات دائرہ تحریر میں آسکتے ہیں۔

اے مالک انکی نیکیاں گنی ہوئی اور گناہ تلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ لاتعداد ایسی چیزیں جو شام کے دھندلے میں گناہ اور ثواب سے ماورا ہیں۔ شائع اور درج کی جاتی ہیں۔

یہاں رات کے چال چلن موسمی تغیرات میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور انہیں خوب جانچ تول کر کڑے اصولوں کی زنجیر میں جکڑا جاتا ہے۔

کھانا پینا، ستر پوشی، دوسرے کام کرنا..... کھیلنا گانا ناچنا اور گھڑیال بجتے ہی چپ چاپ سو جانا۔

صرف ایک مقرر رشدت کے ساتھ غور و فکر کرنا افق کے ایک خاص ستارہ کے طلوع ہونے پر غور و فکر کا سلسلہ بند کر دینا۔

ایک زیر لب تبسم کے ساتھ اپنے پڑوسی کو لوٹ لینا۔ ہاتھ کو شان سے ہلا کر خیرات کرنا، کسی کی جان بوجھ کر تعریف کرنا دوسروں پر انتہائی چالاکی سے الزام عائد کرنا، کسی شخص کی زندگی کو ایک ہی لفظ میں بتا دینا اور جب دن بھر کا کام ختم ہو جائے تو نہایت عیاری سے ہاتھ دھو لینا۔

ایک مضبوط ارادے کے ساتھ محبت کرنا۔ ہوشیاری سے کسی کو خوش کرنا۔ بن ٹھن

کر خدا کی عبادت کرنا۔ تپاک سے شیطان کے ساتھ اتحاد کرنا اور پھر سب کچھ بھول جانا۔

سوچ سمجھ کر کسی چیز کی تمنا کرنا۔ خندہ پیشانی سے ملول ہو جانا اور پیالہ خالی کر دینا کہ اسے کل پھر بھرا جائے۔

اے خدا یہ تمام چیزیں پہلے ہی سے سوچی ہوئی ہوتی ہیں۔ بڑی احتیاط کے ساتھ پیدا کی جاتی ہیں اور بڑے اہتمام سے ان کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ حکومت کے قوانین کی آڑ میں ان کا تحفظ ہوتا ہے۔ مختلف ذرائع سے پاسبانی کی جاتی ہے اور آخر کار طے شدہ طریقے کے مطابق انہیں ذبح کر کے دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کی خاموشی قبروں پر بھی جو انسانی دل میں جاگیریں ہوتی ہیں، نشان لگا دیئے جاتے ہیں۔

اے خدا یہ ہے ہماری کائنات، ہماری متمدن اور مہذب دنیا جو عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔

یہ قادر مطلق کے باغ کا پختہ ثمر ..... اور اس کی بہترین تمنا۔

مگر اے خدا میں یہاں کیوں ہوں .....

میں جو نا کام خواہشوں کا ناقص بیج ہوں۔

ایک آوارہ طوفان ہوں۔

ایک ٹوٹے پھوٹے سیارے کا ٹکڑا جو ہواؤں میں پریشان ہے اور جو نہ مشرق کی تلاش کرتا ہے اور نہ مغرب کو۔

اے گمشدہ روحوں کے خدا ..... تو جو دیوتاؤں کے ہجوم میں گم ہے، بتا میں یہاں کیوں ہوں۔

شاعر کی موت

رات اپنے تاریک بازو کائنات پر پھیلا چکی تھی۔ فضا پر سناٹا تھا۔ برف گر رہی تھی۔ لوگ اپنے مکانوں محلوں اور جھونپڑیوں میں گھسے ہوئے تھے۔ راستے ویران اور سڑکیں سنسان تھیں۔

شہر سے باہر ایک تواحی بستی میں دوسرے مکانات سے الگ ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں ایک نوجوان اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے قریب ہی طاق پر ایک کڑوے تیل کا ایک دیا ٹمٹما رہا تھا۔ جیسے وہ اپنے مالک کی حالت کا آئینہ دار ہو۔

یہ نوجوان شاعر تھا۔ جس نے مختصر سی زندگی میں بہت سے تجربات حاصل کر لئے تھے۔ یہ نوعمر انسان یہ محسوس کر چکا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ وہ زندگی کے آرام و مصائب سے آزاد ہو جائے گا۔ وہ موت کا اس طرح منتظر تھا جیسے موت اس پر کوئی احسان کرنے والی ہے۔ اس کے زرد چہرہ پر امید کی جھلک تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک یاس انگیز مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں سے صبر اور سکون ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے دنیا سے کوئی شکایت نہ ہو۔

وہ ایک شاعر تھا جو دولت مندوں کے اس عظیم شہر میں فاقہ کشی کی موت مر رہا تھا۔ وہ اس مادی دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ اس انسان کے دل میں اپنے روح پرور نغموں سے زندگی کی امنگ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ اس کی روح عظیم تھی شعور کی دیوی نے اسے دنیا میں بھیجا تھا تا کہ وہ انسان کی روح اور اس کے باطن کو منور کرے۔ انسان کے قلب کو گندگی سے پاک کرے۔ لیکن آہ وہ اس خودغرض دنیا سے واپس جا رہا تھا۔ اس دنیا کو الوداع کہہ رہا تھا۔ مگر اسے الوداع کہنے والا کوئی نہ تھا۔ اس دنیا کے خودغرض لوگوں سے اسے ایک مسکراہٹ بھی نہ مل سکتی تھی۔

وہ مر رہا تھا۔ کڑوے تیل کے چھوٹے سے چراغ کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی

نہ تھا۔ وہ اکیلا تھا، تنہا..... وہ رو رہا تھا۔ اس کے سرہانے کوئی نہ تھا۔ اردگرد بھی کوئی نہ تھا۔ سوائے کاغذ کے چند ٹکڑوں کے جن پر اس کا پیغام لکھا ہوا تھا۔ جب اس کے جسم میں بالکل طاقت نہ رہی تو اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑی مشکل سے سیدھا کیا اور اوپر اٹھالیا اور جھونپڑی کی چھت کی طرح مایوس نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی آنکھیں چھت سے پار بادلوں سے آنکھ مچولی کرتے ہوئے ستاروں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔

پھر وہ کمزور آواز میں بڑبڑایا۔

آ..... اے حسین موت ..... اے پیاری موت آجا۔ میری روح تیری منتظر ہے۔ ادھر آ..... میرے قریب آجاؤ اور زندگی کی ان زنجیروں کو توڑ کر پھینک دو۔ جن کی بندش اور جن کے بوجھ سے میں تھک چکا ہوں۔ آ پیاری موت..... آجا اور مجھے میرے پڑوسیوں سے علیحدہ کردے۔ جو مجھے پاگل اور دیوانہ سمجھتے ہیں اس لئے کہ میں ان کو فطرت کا پیغام سناتا ہوں۔ جلدی کر۔ انہوں نے محض اس لئے مجھے تاریکی میں دھکیل دیا کہ میں غریب اور کمزور پر رحم کرتا ہوں جبکہ یہ سرمایہ پرست چاہتے ہیں کہ ان کمزوروں کو زیادہ سے زیادہ ستایا جائے۔

آ..... اے فیاض موت! مجھے اپنے بازوؤں میں چھپالے۔ اس لئے کہ میرے ساتھیوں کو میری ضرورت نہیں۔ آ، اے موت مجھے گلے لگالے۔ آ اے پیاری موت! میرے ان ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں سے چوم لے۔ جنہیں ماں کے ہونٹوں کا لمس حاصل نہ ہوسکا۔ جنہوں نے کسی حسین پیشانی کو بوسہ نہیں دیا جو کسی محبوبہ کی انگلی کی حرارت سے ناآشنا ہیں۔ اے پیاری موت آجا مجھے اپنے ساتھ لے چل۔

اس وقت مرنے والے شاعر کے سرانے ایک فرشتہ نظر آیا جو غیر معمولی حس

کا مالک تھا۔ اس کے ہاتھوں میں حسین للّی کے پھولوں کا حسین ہار تھا۔

فرشتہ نے شاعر کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کی آنکھیں بند کر دیں تا کہ وہ اس مادی دنیا کو زیادہ نہ دیکھ سکے۔ جو کچھ دیکھے صرف روح کی آنکھوں سے فرشتے نے اس کے ہونٹوں کا ایک طویل بوسہ لیا جس نے اس کے ہونٹوں کو غیر فانی مسکراہٹ بخش دی۔

اور پھر وہ جھونپڑی ہمیشہ کے لئے خالی ہو گی اور وہاں کاغذ کے چند ٹکڑوں کے سوا جن پر شاعر نے اپنا آخری پیغام لکھا تھا کچھ بھی باقی نہ رہا۔

دن گزرتے رہے۔

سینکڑوں برس بعد جب اس شہر کے لوگ ناقدردانی، جہالت اور ناواقفیت کی تکلیف دہ نیند سے بیدار ہوئے انہوں نے شہر کے سب سے خوبصورت باغ میں اس شاعر کا مجسمہ نصب کیا۔ اس کے نام پر عمارات بنائی گئیں۔ ادارے کھولے گئے اور لوگ ہر سال دھوم دھام سے اس شاعر کی برسی منانے لگے۔ جس کے پیغام نے انہیں آزادی علم اور عرفان کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔

آہ انسان کی ناواقفیت کتنی ظالم ہے۔

دو بچے

شاہی محل کے سامنے ہزاروں آدمی جمع تھے۔ ان کی نگاہیں محل کی بالکنی کی طرف متوجہ تھیں چہروں سے غیر معمولی مسرت ظاہر ہو رہی تھی۔

نقارے پر چوب پڑی۔ مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ ہر شخص اچانک اچک کر بالکنی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر چوب داروں کی گرجدار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ بادشاہ ظل اللہ عالم پناہ کے جلوہ نما ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ بالکل ساکت۔

بالکنی کے نصف حصہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا اسے حرکت ہوئی پھر چوبدار آگے بڑھے۔ انہوں نے پردہ اٹھایا۔

بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے بلند ہوئے۔ بادشاہ سلامت مسکراتے ہوئے آگے بڑھے۔ بالکنی کے اوپر آ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے عوام کے اس ہجوم پر نظر ڈالی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ساکت و جامد حالت کھڑے ہو گئے۔

بادشاہ سلامت مجمع سے مخاطب تھے۔

میری عزیز رعایا!!

ولی عہد کی پیدائش کے مبارک موقع پر میں آپ کو اور اس خوش نصیب **ملک** کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بچہ میرے عظیم خاندان کا نام روشن کرے گا۔ میرا خاندان ایک عظیم خاندان ہے۔ میرے خاندان نے ماضی میں معتدر ذی قدر عالی مرتبت حکمران پیدا کئے ہیں۔

میرا بچہ ماضی کی عظیم روایا تکا علمبر دار ہو گا اور اپنے بزرگوں کے نقش پدم پر چل کر خاندان کی صدیوں پرانی روایات کی آبیاری کرے گا۔ اس بچہ سے اس **ملک** کا

مستقبل وابستہ ہے۔ اس لئے اے میری عزیز رعایا! جاؤ اور مسرت بھرے گیت گاؤ۔

بادشاہ سلامت واپس چلے گئے اور عوام خوشی کے نعرے بلند کرتے اور مسرت بھرے گیت گاتے ہوئے واپس ہوئے۔ بڑی دیر تک محل والوں کے کانوں میں ان کے مسرت بھرے گیتوں کی آواز آتی رہی۔ وہ اس نئے آمر کا استقبال کر رہے تھے۔ جو آگے چل کر ان کی گردن پر رکھے ہوئے جوئے کی نگرانی کرے گا۔ وہ کمزوروں پر زیادہ سختی کرے گا۔ ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ ان کی روح کو کچل دے گا۔ اپنے اس شاندار ماضی کا استقبال کرنے کے لئے وہ لوگ مسرت بھرے گیت گا رہے تھے اور نئے حکمران کی صحت کے لئے جام پر جام نوش کر رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اس شہر میں ایک بچہ عالم وجود میں آیا۔ اس وقت جبکہ لوگ ولی عہد کی پیدائش کی خوشی میں گیت گا رہے تھے اور آسمان پر فرشتے ان کی کم عقلی کا ماتم رہے تھے۔ ایک پرانے ویران کھنڈر میں ایک بیمار اور نحیف ونزار عورت انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنے ننھے منے بچہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس نے اس دنیا میں ابھی چند ہی سانسیں لی تھیں۔ یہ عورت سخت بیمار تھی اور کئی دن سے بھوکی تھی۔

دنیا اسے نظر انداز کر چکی تھی۔ سب اسے بھول گئے تھے۔ بادشاہ نے ابھی کچھ دن پہلے کسی ملک پر حملہ کیا تھا۔ اس عورت کے شوہر کو بھی جنگ میں شریک کیا گیا تھا اور ایک اجنبی دشمن کی تلوار نے اس کا پیارا شوہر ہمیشہ کے لئے اس سے جدا کر دیا۔ اب وہ تنہا تھی۔ دنیا اسے بھول چکی تھی۔ اس لئے قدرت نے اسے ایک ننھا منا سا ساتھ دے دیا تھا تاکہ یہ بچہ اسے روٹی کے لئے کام کرنے سے بھی چند دن کے لئے روک دے

۔

جب ہجوم کے گانے کی آوازیں آنی بند ہو گئیں، بدنصیب عورت نے بچہ کو اپنے کمزور بازوؤں پر اٹھا لیا۔ اس کے چہرہ کو دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم رونے لگی جیسے وہ

اپنے آنسوؤں سے دھوکر بچہ کو پاک صاف کرنا چاہتی ہو۔ پھر بھوک کی وجہ سے مردہ آواز میں بچہ سے مخاطب ہوئی۔

''تو اپنا آسمانی گھر چھوڑ کر میری بدنصیبی میں شریک ہونے کے لئے کیوں آ گیا۔ تو نے مقدس ماحول کو ترک کر دیا تو فرشتوں کا ساتھ چھوڑ کر انسانوں کی ایک مصیبت زدہ زمین پر کیوں آ گیا۔ سازمین پر جہاں تکلیف ہے، مصیبت ہے، درد ہے، ظلم ہے۔ جہاں کوئی کسی پر رحم نہیں کرتا۔ جہاں سب لوگ خودغرض اور بے رحم ہیں۔ میں آنسوؤں کے سوا تجھے کچھ نہیں دے سکتی۔ کیا دودھ کی بجائے آنسوؤں سے تیری پرورش ہو سکے گی۔ میرے اس تجھے پہنانے کے لئے کپڑے نہیں۔ کیا میرے ننگے اور سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بازو تجھے گرمی پہنچا سکیں گے؟

ننھے ننھے جانور دن بھر میدانوں میں چرتے ہیں اور رات کو اپنے تھان پر مزے کی نیند سو جاتے ہیں۔ ننھی ننھی چڑیاں دن بھر دانے چگتی ہیں اور رات کو درختوں کی شاخوں میں اطمینان سے بسیرا کر لیتی ہیں۔ لیکن میرے لال میرے جگر کے ٹکڑے بتا۔ میرے پاس تیرے لئے کیا ہے۔ سا ننگے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بیمار اور کمزور جسم کے سوا۔

پھر اچانک اس نے اپنے بچے کو اپنے خشک اور پچکے ہوئے سینہ سے چمٹا لیا اور اس طرح بھینچنے لگی جیسے کہ وہ اپنے اور اس کے جسم کو بالکل اسی طرح ایک کر دینا چاہتی ہو جس طرح وہ اب سے تھوڑی دیر پہلے تھے۔

پھر اس نے اپنی بخار سے جلتی آنکھیں کھولیں آسمان کی طرف اور بڑبڑائی۔

''میرے مالک میرے بدنصیب ملک پر رحم کر۔''

فوراً ہی گہرے سیاہ بادل چاند کے چہرے سے ہٹ گئے۔ چاند کی کرنیں اس کھنڈر پر بھی پڑنے لگیں۔ جہاں دو لاشیں ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی تھیں۔

سننے والے

اے ہوا کبھی تو ہمارے نزدیک سے ہلکے پھلکے مٹھے سروں میں گاتی ہوئی گزرتی ہے اور کبھی آہیں بھرتی ہوا ور روتی ہوئی۔ ہم تیری آوازیں سنتے ہیں لیکن تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ ہم لمس کو محسوس کرتے ہیں مگر تیری شکل و شباہت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ تم محبت کے اس سمندر کی طرح ہو جو ہماری روحوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے لیکن انہیں ڈوبنے کبھی نہیں دیتا۔

تم پہاڑوں کی چوٹیوں کی تھی سیر کرتی ہو اور وادیوں میں بھی گھومتی پھرتی ہو۔ کھیتوں اور چراگاہوں میں تمہارا دور دورہ ہے۔ تمہاری پرواز میں قوت ہے اور تمہارے نزول میں آہستگی اور نزاکت ہے اور تمہارے انتشار میں بھی حسن ہ۔ تم اس رحم دل بادشاہ کی طرح ہو جو مظلوموں پر لطف و کرم کی نظر رکھتا ہو اور گستاخوں اور باغیوں کے لئے سخت دل ہو۔

موسم خزاں میں جب تم وادیوں میں آہیں بھرتی پھرتی ہو تو تمام درخت تمہارے نزول میں آہستگی اور نزاکت تمہارے انتشار میں بھی سن ہے۔ تم اس رحم دل بادشاہ کی طرح ہو جو مظلوموں پر لطف و کرم کی نظر رکھتا ہو اور گستاخوں اور باغیوں کے لئے سخت دل ہو۔

موسم خزاں میں جب تم وادیوں میں آہیں بھرتی پھرتی ہو تو تمام درخت تمہارے صدائے بازگشت بن جاتے ہیں۔ موسم سرما میں جب بالکل باغی ہو جاتی ہو تو سارا نظام فطرت تمارے ساتھ مل کر یغاوت کر دیتا ہے۔

موسم گرما میں تم نیند سے بیدار ہوتی ہو اور تمہاری بیداری سے تمام باغ دراغ جاگ اٹھتے ہیں۔ موسم گرما میں تم خاموشی کے پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہو اور تمہارے سکوت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ سورج اور اس کی گرمی کے نیزوں نے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

خزاں کے موسم میں واقعی آہیں بھرتی ہو یا برہنہ درختوں کا مذاق اڑائی ہو کا ور سرما میں کیا تم واقعی ناراض ہو جاتی ہو یا برف سے ڈھکی ہوئی راتوں میں محو رقص ہو۔

اور موسم بہار میں تم واقعی مضمحل اور کمزور ہو جاتی ہو۔ پھر ان موسموں میں جوانی میں بچھڑے اپنے محبوب کی یاد میں افسردہ دل ہو جاتی ہو؟

موسم سرما میں کیا تم واقعی مر جاتی ہو یا پھلوں کے دل میں۔ انگوروں کی آنکھوں میں یا گندم کے خوشوں میں محو خواب ہو جاتی ہو؟

تم شہر کی گلیوں میں چکر لگا کر بیماریوں کے جراثیموں کو کہیں دور لے جاتی ہو۔ پہاڑیوں کی جوٹیوں سے تم پھولوں کی خوشبوؤں سے لدی ہوئی آتی ہو۔ اس طرح عظیم روح جو زندگی کی صعوبتوں کو برداشت کرتی ہے بالآ ایک دن مسرت سے بھی ہمکنار ہو جاتی ہے۔

تم گلاب کے پاس کھڑی ہو کر سرگوشیاں کرتی ہو جو وہ سمجھتا ہے۔ وہ اکثر ان سے تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن بعد میں مسرت سے بھی لذت آشنا ہوتا ہے۔ انسانی روح کا بھی یہی حال ہے۔

کبھی تم ٹھہر جاتی ہو اور کبھی ادھر ادھر ٹہلنے لگتی ہو۔ انسان کے ذہن کا بھی یہی حال ہے جب تک وہ کام کرتا ہے زندہ رہتا ہے جس وقت کام کرنا چھوڑ دیتا ہے مر جاتا ہے۔

تم اپنے نغمے پانی کی سطح پر لکھتی ہو اور پھر انہیں مٹا دیتی ہو۔ شاعر بھی جب کوئی تخلیقی کام کرتا ہے تو وہ بھی اسی طرح کرتا ہے۔

مغرب کی طرف سے تم محبت کی طرح گرم آتی ہو اور شمال کی طرف سے تم موت کی طرح سرد آتی ہو۔ مشرق کی طرف سے تم روح کے لمس طرح نرم و نازک محسوس ہوتی ہو۔ کیا تم وقت کی طرح تلوان المزاج اور تغیر پذیر ہو یا پھر کیا تم کرہ ارض کے چاروں کونوں میں پیغام رسانی کرتی ہو۔

تم صحراؤں میں شدید غصے کا اظہار کرتی ہے۔ معصوم اور بیگناہ کاروانوں کو اپنے

پاؤں تلے روند کر ریت کے پہاڑوں تلے انہیں دفن کر دیتی ہو۔ کیا تم وہی ہلکی پھلکی یا دنسیم ہو جو آمد سحر کے وقت کانپتی ہوا ور پتوں، شاخوں اور وادیوں میں جہاں پھول اس کے استقبال کے لئے چھکتے ہیں اور گھاس اس کے سانس کے نشے سے جھومتی ہے والوں کی طرح دبے پاؤں سیر کرتی ہو؟

تم ہماری آہوں، ہماری سانسوں اور ہماری مسکراہٹوں کو کدھر لے جاتی ہو؟ تم ہماری روحوں کی متحرک قندیلوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہو؟ کیا تم انہیں زندگی کے افق سے کہیں پار لے جاتی ہو؟ کیا تم انہیں کسی تاریک غار کی قربان گاہ میں لے جا کر موت کے گھاٹ اتار دیتی ہو۔

رات کے سکوت میں دل اپنے تمام اسرار تمہارے سامنے کھول دیتا ہے۔ صبح کے وقت تمہارا نرم و نازک لمس دلوں کو نیند سے بیدار کرتا ہے۔ کیا تمہیں اس امر کی کوئی آگہی ہے کہ دل نے کیا محسوس کیا اور آنکھ نے کیا دیکھا؟

رنج و غم کا مارا دل اپنے افسردہ گیتوں کی ایک یتیم اپنے دل کے ٹکڑوں کی اور ایک مظلوم اپنی آہوں کی صدائے بازگشت تمہارے پروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ وطن سے بچھڑے ہوئے اجنبی کی آرزوئیں ہمدردی اور دوستی سے محروم شخص کے دل کا بوجھ اور ایک مجبور عورت کی مایوسیاں اور ناکامیابی سب تیرے دامن میں سمٹ جاتی ہیں۔

کیا تم یہ تمام چیزیں محفوظ رکھتی ہو یا زمین کی طرح سب کچھ اپنے اندر دفن کر لیتی ہو اور خود پیدا کر کے خود ہی نگل جاتی ہو؟

کیا تم آہوں اور چیخوں کی سنتی ہو؟ کیا تمہیں ان آہوں اور سسکیوں کا علم ہے یا پھر تمہاری عادت بھی ان متکبروں کی سی ہے جو اپنے سامنے پھیلے ہوئے ہاتھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی غریبوں کی پکار انہیں سنائی دیتی ہے؟

اے تمام سننے والوں کی زندگی؟

کیا تم سنتی ہو؟

دو شہر

ایک دن زندگی مجھے اپنے پروں پر بٹھا کر کوہ جوانی پر لے گئی۔ پھر اس نے مجھے نزدیک بلا کر پیچھے کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے عجیب و غریب شہر نظر آیا۔ اس شہر سے مختلف رنگوں کا دھواں اٹھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ پر چھائیوں کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ ایک خفیف سے بادل نے پردہ ڈال کر اس شہر کو میری آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے زندگی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں زندگی۔''

زندگی نے جواب دیا۔ ''یہ ماضی کا شہر ہے اسے اچھی طرح دیکھو اور اس پر غور کرو۔''

میں اس عجیب غریب کو دیکھتا ہا مجھے اس میں بے شمار چیزیں نظر آئیں۔ مجھے اس میں بڑے بڑے ہال نظر آئے جو انسان نے عظیم کاموں کے لئے تعمیر کئے تھے اور اب نیند کے پروں کے نیچے اپنی دیو قامتی کا ثبوت دے رہے تھے، وہاں گفتار کے مندر تھے جن کے ارد گرد بیگ وقت مایوسی میں چیختی ہوئی وحیں بھی اور امید در جا سے مسرور روحیں بھی دکھائی دیں۔ پھر مجھے وہ معبد بھی دکھائی دیئے جن کو یقین نے تعمیر کیا تھا اور شک اور بے یقینی نے مسمار کر دیا ہوگا ان بادلوں کے پیچھے مجھے بلندی فکر کے مینار بھی دکھائی دیئے جو بھکاریوں کی طرح اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھا۔ پھر مجھے حرص و آز کے راستے بھی دکھائی دئے جو وادیوں میں دریاؤں کی طرح پھیلے ہوئے تھے پھر میری نظر اسرار کے ان گوداموں پر جا پڑی جن پر اخفاء کے سنتری پہرہ دے رہے تھے۔ جن پر کہیں کہیں انکشاف کے چوروں نے نقب زنی کی تھی۔ میں نے ان میناروں کا بھی مشاہدہ کیا جن کو شجاعت نے تعمیر کیا تھا۔ مگر خوف و ہراس نے ان کو ڈھا دیا تھا۔ میں نے خوابوں کے مندروں کو بھی دیکھا جن کو نیند نے سجایا تھا مگر بیداری نے انہیں برباد کر دیا تھا۔ میں نے کمزوری اور ناتوانی کی

جھوپڑیاں بھی دیکھیں اور گوشہ نشینی اور نفس کشی کے معبدوں کا بھی مطالعہ کیا۔ میں نے علم کی درسگاہوں میں حکمت کی شمعیں جلتی دیکھیں اور جہالت و بے علمی کی تاریکیاں بھی دیکھیں۔ میں نے محبت کے میخانے بھی دیکھے۔ جہاں محبت کرنے والے شراب محبت سے سرشار ہوتے تھے۔ان کے پاس ہی میں نے ان کی کم مائیگی کو بھی دیکھا جو ان پر ہنس رہی تھی۔ میں نے زندگی کا پورا تھیٹر ملاحظ کیا۔ جہاں زندگی کئی کھیل دکھا چکی تھی جن کو موت نے لاتعداد المیوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

یہ ماضی کا شہر ہے جو ہمیں دور دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل اتنا دور نہیں۔ یہ شہر گو ہمیں دھندلا سا دکھائی دیتا ہے مگر نظر آتا ہے ہم اسے سیاہ بادلوں کے پردوں کے پیچھے سے ہی دیکھ سکتے ہیں۔

اس کے بعد زندگی نے مجھے ایک دفعہ پھر مخاطب کیا اور کہنے لگی۔ ''اب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ہم نے یہاں بہت توقف کیا ہے.....''

اور میں نے پوچھا۔''اے زندگی اب ہم کدھر جا رہے ہیں؟''

زندگی نے جواب۔''اب ہم مستقبل کے شہر کی طرف جا رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔''اے زندگی اب مجھ پر رحم کھاؤ۔۔ میں بالکل تھک گیا ہوں۔ میرے پاؤں زخمی ہو چکے ہیں اور اب آگے چلنے کی مجھ میں ذرا سکت نہیں رہی۔''

لیکن زندگی نے کہا۔''اے میرے دوست! قدم بڑھاتے چلو۔راستے میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا بزدلی ہے۔ ہمہ وقت ماضی کے شہر کی طرف تکتے رہنا سراسر حماقت ہے۔ دیکھو وہ سامنے مستقبل کا شہر ہے۔ جو ہمیں اپنی طرف بلا رہا ہے.....!!!

میں اور دانائی

رات کے سکوت میں دانائی میرے کمرے میں داخل ہوئی اور میرے سرہانے آ کھڑی ہوگئی۔ وہ ایک شفیق ماں کی طرح تکتی رہی ۔ پھر اس مامتا کی ماری نے میرے آنسو پونچھے اور کہنے لگی۔

''میں نے تمہاری روح کی آہیں سن لی ہیں اور میں تمہیں صرف تسلی دینے آئی ہوں۔ اس لئے اب اپنے دل کی دروازوں کو کھول دو تا کہ میں اسے نور سے معمور کردوں۔ تم صرف ایک دفعہ استدکرو میں تمہیں سچائی کی راہ سے آشنا کردوں گی۔''

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور پوچھا۔

''اے دانائی اور دنشمندی کی روح مجھے صرف اتنا بتادے کہ میں کون ہوں اور اس حیرت واستعجاب سے بھرپور جہان میں کس طرح آ پہنچا ہے؟ یہ عظیم امیدیں کیا ہیں ؟ان ضخیم کتابوں کے ڈھیروں کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان مختلف صورتوں اور شکلوں کی اصلیت کیا ہے؟ اور پھر ان تغمات کا مطلب کیا ہے جن کو ہم اتنی آرزوؤں کے ساتھ منظم کر کے خوشیوں کے ساتھ رقم کرتے ہیں؟ یہ افسردہ اور خشک کن نتائج فکر کیا ہیں جو میری روح سے ہم آغوش ہوتے ہیں اور میرے قلب ونظر کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ کس کی آنکھیں ہیں جو مجھے تک رہی ہیں اور میری روح کی عمیق ترین گہرائیوں کی چیر کر گزر جاتی ہیں اور بہ ایں ہمہ میرے دکھ درد اور رنج والم سے نا واقف ہیں؟ ان آوزوں کی حقیقت کیا ہے جو میری گزرتی ہوئی زندگی کا ماتم کرتی ہیں؟ اور میرے بچپن کی مسرتوں کے گیت سناتی ہیں ؟ اور پھر یہ جوانی کیا ہے جو میری آرزوؤں سے کھیلتی ہے اور میرے مذبات کا مذاق اڑاتی ہے اور کل کو فراموش کر کے آج کی کم مائیگی پر قانع ہے بڑی مستعدی سے مستقبل کے مقابلے کے لئے خودکو مسلح کرتی ہے؟

یہ ہولناک دنیا کیا ہے جو میرے ساتھ گھومتی ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے کس

اجنبی اور ان دیکھی دنیا کی طرف کھینچے لئے جارہی ہے۔

اس زمین کی حقیقت کیا ہے جو ہمہ وقت حرص و آز کا منہ کھولے ہر چیز کو نگلے جارہی ہے؟ یہ انسان کون ہے جو قسمت کے انعامات پر قانع ہو کر زندگی کے ایک ایک بوسے کو ترستا ہے اور موت اس کے سامنے کھڑی اس کا مذاق اڑاتی ہے؟ اس انسان کی ہستی کیا ہے جو خوشی کا ایک لمحہ زندگی بھر کی توبہ اور پشیمانی کے عوض خرید کرتا ہے اور پھر اپنے خوابوں سمیت ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے اور پھر وہ بھی تو انسان ہی ہے جو جہالت کی لہروں پر سوار ہو کر تاریکیوں اور ظلمتوں کی طرف سرگرم ہے؟

''اے دانائی اس سب باتوں کے اسرار مجھ پر منکشف کر دے۔''

یہ سن کر دانائی نے لب کشائی کی اور کہنے لگی۔

''تم انسان دنیا کی ہر چیز تو خدا کی آنکھوں سے دیکھتے ہو لیکن دوسرے جہاں کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لئے انسانی فکر و نظر سے کام لیتے ہو۔ یہ انسان کی جہالت کا کرشمہ ہے۔

تم باہر کھیتوں میں گھوم کر دیکھو کہ شہد کی مکھی حسین و معطر پھولوں پر منڈلا کس طرح شہد جمع کرتی ہے اور باز کس چابکدستی سے اپنا شکار پر جھپٹتا ہے؟ شیر خوار بچے کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ وہ آگ کے شعلوں سے کس طرح مسرور ہوتا ہے اور اس کی ماں گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی ہے۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم شہید کی مکھی سے سبق حاصل کرو۔ اپنا وقت باز کی حرکات کے مطالعہ میں ضائع نہ کرو۔ شیر خوار بچے کی طرح گرمی بخشنے والی آگ سے مسرور ہونا سیکھو اور ماں کو گھر کا کام کاج کرنے دو۔ اس عالم رنگ و بو میں جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ سب تمہارے لئے تھا اور اب بھی تمہارے لئے ہے۔

یہ ضخیم کتابوں کے ڈھیر، یہ اجنبی صورتیں اور یہ حسین و جمیل خیالات جو تمہارے ارد گرد گھومتے ہیں ان روحوں کی پرچھائیاں ہیں جن کو تم نے پہلے دیکھا ہے اور وہ

الفاظ جو تمہارے لبوں سے ادا ہوتے ہیں اس زنجیر کی کڑیاں ہیں جو تمہیں اور تمہارے بھائیوں کی جکڑ ہوئے ہیں اور وہ افسردہ اور خوش کن نتائج فکر وہ بیج ہیں جو تمہارے ماضی نے تمہاری روحوں کے کھیتوں میں بوئے تھے اور تمہارا مستقبل اس سے نفع اٹھائے گا۔

اور وہ جوانی جو آج تمہاری آرزوؤں سے کھیلتی ہیں۔ گل تمہارے دل کے دراز ے کو کھول کر اسے روشنی سے معمور کر دے گی اور زمین جو اپنا منہ کھول کر انسان اور اس کی بنائی چیزوں کو نگل جاتی ہے ہماری روحوں کی جسم کی قید و بند سے نجات بھی تو دیتی ہے۔

اور وہ دنیا جو تمہارے ساتھ گھومتی ہے وہ تمہارا اپنا دل ہے جو بجائے خود ایک دنیا ہے اور انسان جس کو اتنا کمزور اور حقیر سمجھتے ہو وہ خدا کے نور کا پرتو ہے جو اس دنیا میں رنج و غم برداشت کر کے مسرت کی حقیقت سے ہمکنار ہوتا ہے اور جہالت سے جنگ آزما ہو کر علم و فراصت حاصل کرتا ہے۔"

"آگے بڑھتے چلو اور کہیں مت رکو۔ تمہارا مقام ہر مقام سے آگے ہے بڑھتے رہنا ہی ترقی ہے اس لئے آگے چلو اور زندگی کے راستے میں پڑے ہوئے کانٹوں اور پتھروں کی قطعاً پرواہ نہ کرو۔"

علم و عقل

جب عقل تمہیں اپنی طرف پکارے تو اس کی بات دھیان سے سنو۔ اس باتیں سن کر اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر کوئی رہنما پیدا نہیں کیا اور نہ عقل سے بڑھ کر کوئی زیادہ موثر ہتھیار ہے جس وقت عقل تمہارے دل کی گہرائیوں سے ہمکلام ہوتی ہے تو وہ تمہیں حرص و آز سے بچا لیتی ہے۔ عقل ایک نہایت ہی خوش فکر واعظ ہے۔ ایک باوفا رہبر ہے اور ایک دانشور وکیل ہے۔ عقل تاریکی میں قندیل بن کر تو رافشاں رہتی ہے۔ غم و غصہ تاریکی پھیلاتا ہے۔ اس لئے ہوش سے کام لو اور جذبات کی بجائے ہمیشہ عقل کو چراغ راہ بناؤ۔

لیکن ایک بات نہایت ضروری ہے۔ عقل کے ساتھ علم کا ہونا لازمی امر ہے کیونکہ عقل علم کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ عقل و علم کے بغیر بالکل ویسی ہے جیسے کوئی مفلس بے گھر پھر رہا ہو اور اسی طرح عقل کے بغیر ایسا ہے جیسے ایک مکان ہو لیکن اس کا کوئی محافظ نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر عقل دستگیری کے لئے مستعد نہ ہو تو محبت انصاف اور نیکی جیسی ارفع اور برتر چیزیں بھی بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

عقل کے بغیر ایک عالم و فاضل کی حیثیت بالکل اس سپاہی کی سی ہے جو ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ کی طرف چل کھڑا ہو۔ ایسا سپاہی میدان جنگ میں کچھ نہ کر سکے گا اور اس کا غصہ قوم و ملت کی زندگی کو اس طرح تلخ کر دے گا جس طرح ایلوے کا ایک دانہ صاف و پاکیزہ پانی کے گھڑے کو کڑوا بنا دیتا ہے۔

عقل و علم جسم اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کے بغیر روح ایک بے جان ہوا ہے اور روح کے بغیر جسم مٹی کے پتلے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

عقل علم کے بغیر نا قابل کاشت کھیت کی مانند ہے اور اس انسانی جسم کی طرح ہے جسے نشونما کی ضرورت ہو۔

عقل کی مال تجارت کی طرح منڈی میں خرید و فروخت نہیں ہوسکتی کیونکہ مال تجارت کا تو یہ حشر ہوگا کہ جتنی اس کی فراوانی ہوگی۔ اسی لحاظ سے اس کی قیمت گھٹتی جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس عقل جتنی وافر ہوگی اتنی ہی اس کی قدر و قیمت بڑھتی جائے گی۔ لیکن عقل مال تجارت کی طرح بکنا شروع ہو بھی جائے تو پھر سوائے دانشوروں اور معاملہ فہم لوگوں کے اور کوئی اس کا خریدار نہ ہوگا۔

ایک بیوقوف اور کم فہم آدمی کو اپنے اردگرد سوائے حماقت کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ایک پاگل سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ کل کا واقعہ ہے۔ میں نے ایک بے وقوف کو کہا کہ اپنے گردوپیش بیوقوفوں کا شمار کرو۔ وہ ہنس کر کہنے لگا۔ ''یہ کام بہت دشوار سا ہے۔ بیوقوفوں کے شمار میں بہت وقت لگے گا۔ اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ عقلمندوں کو گن لیا جائے۔''

اگر تم اپنی قدر و قیمت کو سمجھ سکو تو تم کبھی فنا نہ ہوگے۔ عقل تمہاری زندگی کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل و خرد بخشی ہے تاکہ اس عظیم انعام کی وجہ سے تشکر و امتنان کے اظہار کے لئے نہ صرف تم اس ذات بے ہمتا کے حضور میں اپنا سر جھکاؤ بلکہ اس روشنی میں اپنی کمزوریوں اور لامحدود قوتوں کا ادراک بھی کرسکو۔

اگر اپنی آنکھوں میں تم تنکا دیکھنا پسند نہیں کرتے تو ایسے ہی جذبات کا اظہار اپنے ہمسائے کے لئے بھی ہونا چاہئے۔

اپنے اعمال و کردار پر اپنے حریف کے نقطہ نظر سے نکتہ چینی کرو کیونکہ جب تک تم اپنی آرزوؤں، خواہشوں اور اپنے ضمیر کی آوازوں پر محتسب بن کر نہ بیٹھو گے تم اپنے آپ کو صحیح حدود میں پابند نہ رکھ سکو گے۔

ایک دفعہ ایک دانشور سے میں نے ایک پر حکمت بات سنی تھی اس کا کہا تھا۔

دنیا میں سوائے حماقت کے ہر روگ قابل علاج ہے کسی بے وقوف کو نصیحت کرنا اور کسی احمق کو وعظ کہنا اتنا ہی بیکار اور بے فائدہ ہے جتنا سطح آب پر کچھ رقم کرنے کی

کوشش کرنا حضرت عیسیٰؑ اندھوں، کوڑھیوں اور جذامیوں کا علاج کرتے تھے۔ لیکن بیوقوفی اور حماقت کا علاج ان کے پاس کوئی نہ تھا۔"

جب کوئی مسئلہ حل طلب ہو تو اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کیا کرو۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کون سی غلطی ہے اور وہ غلطی کب اور کہاں سے شروع ہوتی ہے۔

جب گھر کا شاندار پھاٹک کشادہ ہو تو اس امر کا خیال بھی رکھو کہ اس کے بغلی دروازے بھی تنگ نہ ہوں۔

جس وقت زندگی میں کوئی مفید اور کارآمد موقع آئے تو سا سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو کیونکہ جو شخص ایسے موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ موقع کو اپنے ساتھ ضرور دیکھتا ہے لیکن اس کے استقبال کے لئے آگے قدم نہیں بڑھاتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی برائی منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس نے ہمیں عقل و خرد اور علم و فضل سے مسلح کر دیا ہے تا کہ ہم زندگی کی راہوں پر غلط کاریوں اور تباہیوں کے گڑھوں سے بچ کر چلیں۔

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن پر اس ذات باری تعالیٰ نے علم و فضل کی بارشیں کی ہیں۔

انسان دیوتا

عروس بہار آئی اور اپنے لاتعداد دلفریبیاں لائی اور ندی، نالوں اور دریاؤں کی زبانی گنگنانے لگی۔ گلہائے رنگا رنگ میں مسکرانے لگی۔ انسان کی روح مسرتوں سے ہمکنار ہوگئی۔ اور اس کا دامن سے قناعت سے بھر گیا۔

پھر دفعتاً فطرت کی آنکھیں پھر گئیں اور وہ شدید غصے اور خفگی کا اظہار کرنے لگی اس نے خوبصورت شہر کو نیست و نابود کر دیا اور انسان کو فطرت کی مسکراہٹ اس کی شیریں لبی اور مہر و محبت ایک خواب سا نظر آنے لگی۔

صرف ایک گھنٹے میں ایک خوفناک اور اندھی قوت نے سب کچھ تباہ و برباد کر دیا۔ جس کی تعمیر میں صدیاں لگ گئیں تھیں۔ ہیبت ناک موت نے انسانوں اور حیوانوں کو اپنے آہنی پنجے میں جکڑ کر ہلاک کر دیا۔

آگ کے ہلاکت بار شعلوں نے انسانوں اور ان کے ساز و سامان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک گھٹا ٹوپ اندھیری رات نے زندگی اور اس کے حسن را کھ کے کفن میں لپیٹ لیا۔ غصے میں بھرے ہوئے عناصر فطرت نے انسان اس کے مکانوں، اس کی صنعت و مصنوعات کو تباہ و برباد کر کے را کھ کا ڈھیر بنا دیا۔

ان ہولناک اور تباہ کن زلزلوں اس بربادی اور ہلاکت کے درمیان جو زمین کی گہرائیوں سے پیدا ہوئی تھی، روح تھوڑے سے فاصلے پر دور کھڑی انسان کی کمزوریوں اور کم مائیگی اور فطرت کی ہمہ گیر فطرت اور قدرت پر غور کر رہی تھی۔ پھر روح نے ذہین تہوں میں اور پرایتھر کے ذروں میں انسان کے چھپے ہوئے دشمن پر غور کیا۔ اسے ہر طرف سے روتی ہوئی ماؤں اور بھوکے بچوں کی چیخ و پکار سنائی دی اور ان کے غم میں شریک ہوگئی۔ اب وہ عناصر فطرت کی بہمیت اور انسان کے ادنیٰ حیثیت پر غور کرنے لگی اور تصور ہی تصور میں سوچنے لگی کہ ابھی کل کی بات ہے کہ انسانوں کے بچے اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے تھے لیکن آج وہ بالکل بے گھر

ہیں اور مارے مارے پھر رہے ہیں۔ اپنے تباہ شدہ شہر کا منظر دیکھ کر رو رہے ہیں۔ اب ان کی امیدیں مایوسی میں تبدیلی ہو چکی ہیں۔ ان کی خوشیوں کی جگہ رنج و غم نے سنبھال لی ہے۔ ان کی پر امن زندگی کا راز بن چکی ہے۔ یہ جانکا مناظر دیکھ کر روح ان دل شکستہ لوگوں کے غم میں شریک ہو گئی جو اس وقت یاس و الم کے آہنی پنجوں میں گرفتار تھے۔

اور جس وقت افسردہ اور پژمردہ روح قانون فطرت اور اس کی انصاف پسندی پر کھڑی غور کر رہی تھی تو سرگوشی کے لہجے میں سکوت و خامشی کے کانوں میں کہنے لگی'' اس تمام کارگاہ ہستی کے پیچھے ایک عقل کا ہاتھ تھوڑی دیر میں پھر حرکت میں آئے گا اور اس بربادی اور ہلاکت کو گلزار میں تبدیل کر دے گا اور حسن کی دلفریبیاں چاروں طرف پھیل جائیں گی۔''

آگ، زلزلے اور طوفان کا زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو نفرت حسد اور برائی کا انسانی دل سے ہے جس وقت انسانیت کا کائنات کو آہ بکا سے بھر دیا تھا۔ میرے تخیل نے میرے ذہن پر وہ تمام سانحے تمام المیے اور تعزیریں منعکس کر دیں جو گزشتہ زمانوں کے سٹیج پر پیش ہو چکی ہیں۔

میں نے نظر اٹھا کر انسان کی گزشتہ تاریخ کے اوراق کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ کہیں تو وہ فتح و نصرت کے مینار نصب کر رہا تھا اور کہیں محلوں۔ شہروں ماورمعبدوں کی تعمیر میں مصروف تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ زمین نے غصے میں ایک انگڑائی لی اور اپنے سینے پر بنی ہوئی تمام تعمیروں کو ایک ہی جنبش سے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اپنی گہرائیوں میں دفن کر دیا۔

میں نے طاقتور اور جوشیلے انسانوں کو ناقابل تسخیر قلعوں کی تعمیر کرتے دیکھا اور عظیم فن کاروں کو ان قلعوں کی دیواروں پر نقش و نگاری میں مصروف دیکھا اور اسی اثناء میں زمین نے ایک جمائی ہی لی اور منہ کھول کر جو کچھ ہنر مند ہاتھوں اور روشن

دماغوں نے تخلیق کیا تھا، چشم زون میں نگل گئی۔

میں نے دیکھا کہ زمین ایک خوبصورت اور سجی ہوئی دلہن کی طرح ہ جسے افرائش حسن کے لئے انسان کے بنائے لعل و جواہر کی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس اپنے سرسبز کھیتوں کی چادریں اپنے ساحلوں کی سنہری ریت اور پہاڑوں کے سینوں میں محفوظ قیمتی پتھر ہیں وہ اسی دولت پر قناعت کرتی ہے۔

پھر میں نے انسانوں کی قوت تخلیق کی شان وشوکت دیکھی۔ میں نے اسے تباہی و ہلاکت کے سامنے عناصر فطرت کا مذاق اڑاتے دیکھا۔ وہ ایک نا قابل تسخیر دیوں کی طرح کھڑا زمین کی ہنسی اڑا رہا تھا۔

روشنی کے ایک بلند اور محکم مینار کی طرح وہ بابل، نینوا، پامیر اور ربومپیائی کے کھنڈر ات اور ویرانوں میں کھڑا تھا اور اپنی ابدیت کے گیت گا رہا تھا۔

تنہائی

میری خلوت سے ایک اور خلوت ہے۔ اور اس خلوت میں بسنے والا میری تنہائی کو ایک بارونق منڈی اور میری خاموشی کو منتشر آوازوں کا ایک مجموعہ سمجھتا ہے۔

میں اتنا کم سن اور بے سمجھ ہوں کہ عالم بالا کی اس خلوت تک پہنچ نہیں سکتا۔ اور اس کے سائے میری راہ روکے کھڑے ہیں لیکن میں جانہیں سکتا۔

میرے اس گرانبار عنصر سے پرے میرا آزاد عنصر ہے جس کی روشنی میں میرے خواب برسر پیکار ہیں اور میری امیدوں کی ہڈیاں کھڑ کھڑا رہی ہیں۔

میں ابھی کم سن ہوں اور اس آزاد عنصر تک پہنچنے کے لئے بہت رسوا کیا گیا ہوں۔

اور میں آزاد عنصر کیونکر پرواز کر سکتا ہوں جب تک کہ میں اپنے محکوم عنصر کو ہلاک نہ کر دوں یا جب تک کہ لوگ آزاد نہ ہو جائیں۔

میری نغمہ سنج پتیاں ہوا میں کیونکر پرواز کر سکتی ہیں تاوقتیکہ میری جڑیں اندھیرے میں پژمردہ نہ ہو جائیں۔

میرا شاہین آفتاب کی بلندی تک کیونکر پہنچ سکتا ہے جب تک کہ میرے چھوٹے بچے اس آشیاں کو خیر باد نہ کہہ دیں جسے میں نے اپنی چونچ میں تنکے اٹھا اٹھا کر بنایا ہے۔

آخری پہرہ

بہت رات گزرے جب صبح کی پہلی کرن نے ہوا پر سانس لیا۔

پیش رو،

جو اپنے آپ کو ایک ان سنی آواز کی صدائے بازگشت کہتا ہے۔ اپنی خواب گاہ سے نکل کر اپنے مکان کی چھت پر چلا گیا۔ وہ چھت پر کافی دیر تک ساکت کھڑا رہا اور سوئے ہوئے شہر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا۔ گویا سونے والوں کی بیدار روحیں اس کے گرد جمع ہوگئی ہیں اور اس کے اپنے لب کھولے اور بولا۔

میرے دوستو اور میرے ہمسایو اور تم جو روزانہ میرے دروازے سے گزرتے ہو۔

میں تم سے سوتے میں مخاطب ہونا چاہتا ہوں۔

میں تمہارے خوابوں کی وادی میں بے کھٹکے اور نہتا پھروں گا۔ کیونکہ تم بیداری کے عالم میں غافل ہو اور تمہاری صداؤں سے گراں بار کان بہرے ہیں۔

میں نے مدتوں تم سے محبت کی اور خوب کی۔

میں نے تم میں سے ایک ایک کے ساتھ اس طرح محبت کی گویا وہ ایک سب کچھ ہے اور سب سے اس طرح محبت کی گویا وہ اب ایک ہیں اور اپنے دل کی فصل بہار میں تمہارے باغوں میں گایا گیا اور اور جب دل کا موسم آیا تو میں تمہارے خرمنوں کو دیکھا گیا۔

مجھے تم سب سے محبت تھی ہاں مجھے تم سب سے محبت ہے۔

قوی ہیکل.....بالشتے..... کوڑھی.....مقدس پیشوا.....

اور اس سے بھی جو پہاڑوں پر ناچ کر اپنے دن گزار دیتا ہے۔ تم تو آؤ.....!

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تمہارے آہنی سموں کے نشان میری جلد پر بدستور

ہیں۔

اور تم ناتوانو.....!

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تم نے میرا عقدہ مجھ سے چھین لیا اور میرا صبر و تحمل اکارت گیا۔

اور تم مالدارو..... !

میں نے تم سے پیار کیا۔ گو تمہارے شہد کا ذائقہ میرے منہ میں تلخ ہو گیا۔

اور تم نادارو..... !

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تم میرے خالی ہاتھ کی شرم جانتے تھے۔

تم شاعرو..... !

بھدی بانسری اور اندھی انگلیوں والے شاعرو..... !

میں نے اپنی نفس پرستی کی خاطر تمسے بھی محبت کی۔

اور تم عالمو..... !

میں نے تم سے پیار کیا جو ہمیشہ ان میدانوں میں جہاں سے کوزہ گر مٹی لاتے ہیں۔ بوسیدہ کفن جمع کرتے رہے ہو۔

اور تم دیوتاؤں کو پوجنے والو! یہ دیوتا خود تمہاری اپنی خواہشیں ہیں۔ میں نے تم سے بھی محبت کی۔

اے پیاسی عورت..... !

جس کا جام ہمیشہ لبریز رہا۔ میں نے تمہاری فطرت کو پہنچانا اور تم سے پیار کیا۔

اور اے بے چین راتوں والی عورت!

میں نے تم پر رحم کھا کر تم سے محبت کی!

تم باتونیو..... !

میں نے تم سے یہ کہتے ہوئے محبت کی کہ زندگی کو اپنے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔

اور تم گونگو..... !

میں نے تم سے اپنی دبی زبان میں یہ کہتے ہوئے محبت کی کہ اس خاموشی میں وہ کچھ نہیں کہنا جو میں لفظوں میں سننا چاہتا ہوں۔ اور اے منصفو اور نقادو۔

میں نے تم سے محبت کی۔ حالانکہ جب تم نے مجھے سولی پر چڑھتے دیکھا تو تم نے کہا۔ دیکھو اس کا خون کتنے ترنم سے بہہ رہا ہے اور اس کی سفید جلد پر خون کا نشان کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اے جوانو! اور بوڑھو!

بید، مجنوں اور شاہ بلوط کے درختو۔

میں نے تم سے محبت کی..... لیکن واحسرتا تم نے میرے دل سے محبت کی فراوانی دیکھ کر مجھ سے منہ پھیر لیا۔

تم ایک پیالے میں سے محبت کے گھونٹ پینا چاہتے ہو لیکن ایک متلاطم دریا سے سیر ہونا نہیں چاہتے۔

تم محبت کی خفیف صدا سننے کے خواہشمند ہو۔

لیکن جب محبت نعرہ لگاتی ہے تو تم اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے ہو۔

اور چونکہ مجھے تم سے محبت تھی تم نے کہا کہ اس کا دل بہت نرم اور درد آشنا ہے اور یہ شخص دیکھ بھال کر رستے پر نہیں چلتا۔

یہ ایک متاج کی محبت ہے جو شاہانہ ضیافتوں میں شریک ہوتا ہوا بھی روٹی ٹکڑے چنتا ہے۔

یہ ایک کمزور کی محبت ہے کیونکہ طاقتور ہمیشہ طاقتوروں سے محبت کرتا ہے۔

اور چونکہ تم سے مجھے بے پایاں محبت تھی تم نے کہا یہ ایک اندھے شخص کی محبت ہے جسے نہ تو کسی کا علم ہے اور نہ کسی کی بدصورتی کا احساس ہے۔

اور یہ ایسے بدذوق کی محبت ہے جو سرکے شراب کی طرح پی جاتا ہے۔

اور یہ ایک گستاخ اور خود پسندی کی محبت ہے۔

آخر ایک اجنبی سے ماں اور باپ ..... بہن اور بھائی کا رشتہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

تم نے یہ اور بہت سی دوسری باتیں بھی کہیں منڈی میں بارہا تمہاری انگلیاں میری جانب اٹھیں اور تم نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔ دیکھو وہ جاتا ہے سدا جوان اور بے رتا جوان۔ جو عین دوپہر کے وقت ہمارے بچوں سے کھیل کھیلتا ہے اور شام کو ہمارے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر دانشمندی اور فہم و ذکاوت کا روپ دھار لیتا ہے۔

اور میں نے کہا کہ میں انہیں سب سے زیادہ پیار کروں گا۔ ہاں بہت زیادہ۔

میں اپنی محبت کی ظاہری نفرت میں چھپا لوں گا اور اپنے نرم جذبات پر تلخی کا پردہ ڈال لوں گا۔

میں آہنی نقاب پہن لوں گا اور اس سے مسلح ہو کر اور زرہ بکتر لگا کر ملوں گا۔

پھر میں نے تمہارے زخموں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا اور رات کے طوفان کی مانند میں تمہارے کانوں میں گرجا۔

مکان کی چھت پر سے میں نے اعلان کیا کہ تم گندم نما جو فروش ہو۔

غلط منطقی ..... فریب کار ..... جھوٹے اور خالی زمین کے بلبلے ہو۔

تم میں سے جو کوتاہ اندیش ہیں میں نے انہیں اندھے چمگاڈر کہہ کر بد عادی۔

اور جو دنیاوی مفاد سے زیادہ گھرے ہوئے ہیں انہیں بے روح چھچھوندر کہا۔

اور تم میں جو فصیح باتیں کرتے تھے انہیں کانٹے دار زبانیں کہا۔

اور جو پتھریلے لبوں والے سادہ لوح اور بے سلیقہ لوگ ہیں۔ میں نے کہا یہ مردہ ہیں اور یہ بار بار مرنے سے کبھی نہیں تھکتے۔

اور جو دنیوی علم کی تلاش میں سرگرداں تھے میں نے انہیں مقدس روح کا باغی

قرار دیا۔

اور جو روح سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں انہیں سائے کے شکاری کہا۔

اور وہ جو اپنے جال پایاب پانیوں میں ڈالتے ہیں۔ اپنے سائے کے سوا کچھ نہیں شکار کرتے۔

اس طرح طرح میرے ہونٹوں نے مظاہر تمہیں مطعون کیا۔ لیکن میرا دل خون کے آنسو روتا تھا اور اس نے تمہیں آمیز ناموں سے پکارا۔

یہ محبت کے لئے میری بھوک ہی تو تھی۔ جو چھت پر جوش میں تھی جبکہ میری اپنی محبت خاموشی میں دوزانو ہو کر تم سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

لیکن وہ دیکھو معجزہ!

یہ میرا بہروپ تھا جس نے تمہاری آنکھیں کھول دیں اور بظاہر میری نفرت نے تمہارے دلوں کے دروازے وا کر دیئے۔

اور اب تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔

تم ان تلواروں کو چومتے ہو جو تمہارے سینوں میں پیوست ہو جاتے ہیں کیونکہ زخمی ہو کر تم سے مطمئن ہو جاتے ہو اجب تم نے اپنا ہی لہو پیا ہو تو تمہیں نشہ ہو جاتا ہے۔

ان پروانوں کی طرح جو شعلے پر مر مٹنے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔ تم میرے باغ میں ہر روز جمع ہوتے ہو اور اپنی قسمت کے جامے کو تار تار ہوتے دیکھ کر اپنے متحیر چہرے اٹھا کر اور سحر زدہ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہو، اور دبی زبان سے ایک دوسرے کو کہتے ہو۔ اس میں خدائی نور دکھائی پڑتا ہے اور اس کے کلام میں ازمنہ قدیم کے پیغامبروں ایسی تاثیر ہے۔ اس نے ہماری روحوں کو بے نقاب کر دیا ہے اور ہمارے دلوں کے قفل توڑ ڈالے ہیں اور اس عقاب کی طرح جو لومڑوں کے طور طریقوں سے خواب واقف ہوتا ہے اس کو ہمارے سب ڈھنگ

معلوم ہیں۔

ہاں سچ تو یہ ہے کہ میں تمہارے طور طریق جانتا ہوں لیکن ایسے ہی جیسے عقاب اپنے بچوں کی حرکات کو بخوبی سمجھتا ہے اور میں اپنے راز کھول دینا چاہتا ہوں لیکن میں اپنی ضرورت میں تمہارے نزدیک رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری قربت مرغوب مگر میں دور دور رہنے کا بہانہ کرتا ہوں۔

میں تمہاری محبت کے مدوجزر سے واقف ہوں پھر بھی میں اپنی محبت کے طوفان کی نگہبانی کرتا ہوں۔

یہ کہہ چکنے کے بعد پیش رو نے اپنے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور زار زار رو دیا کیونکہ وہ اپنے دل میں جانتا تھا کہ جو محبت عریاں ہو کر رسوا ہو جائے اس کا مرتبہ اس محبت سے بہت بلند ہوتا ہے جو چھپ چھپا کر کامرانی سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے اور وہ شرمسار ہو گیا۔

لیکن یکا یک اس نے اپنا سر اٹھایا اور جیسے کوئی خواب سے بیدار ہو گیا ہو اس نے اپنے بازو پھیلائے اور کہا۔

رات ختم ہوئی..... ہم رات کے بچے مر جائیں گے۔

جب صبح صادق کی روشنی پہاڑیوں پر اچھلتی ہوئی آئے گی تو ہماری ہی راکھ میں سے ایک عظیم تر محبت پیدا ہو گئی وہ محبت سورج پر قہقہہ زن ہونے والی محبت ہو گی ..... اور لافانی۔

درویش بادشاہ

لوگوں نے مجھے بتایا کہ پہاڑوں کے درمیان ایلبرز میں ایک نوجوان تنہا رہتا تھا جو کبھی ان دریاؤں کے پار ایک وسیع ملک کا تاجدار تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی مرضی سے تاج و تخت اور اپنے پر عظمت مالک کو خیر باد کہہ کر اس جنگل میں آبسا ہے۔

اور میں نے کہا میں اس شخص کی تلاش کروں گا اور اس کے دل کا راز معلوم کروں گا کیونکہ وہ شخص جس نے تاج و تخت چھوڑا ہو یقیناً ایک سلطنت سے زیادہ حیثیت کا مالک ہوگا۔

اسی دن میں نے اس جنگل کی راہ لی جہاں وہ رہتا تھا اور میں نے اس کا کھوج پالیا۔ (وہ سرو کیا یک درخت کی چھاؤں میں بیٹھا تھا۔) اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ عصائے شاہی کی طرح۔ میں یوں آداب بجا لایا۔ جیسے میں کسی بادشاہ کا آداب بجالاتا۔ اس نے میری طرف رخ پھیرا اور نرم لہجے میں کہا ''تم اس پرسکون جنگل میں کیوں آئے ہو کیا تم ان ہرے بھرے درختوں کی چھاؤں میں اپنے آپ کو ڈھونڈ رہے ہو یا اس دھندلکے میں گھر واپس جا رہے ہو۔''

میں نے جواب دیا ''میں صرف تمہیں دیکھنے آیا ہوں کیونکہ میں یہ معلوم کرنے کا تمنائی ہوں کہ تم نے جنگل کے لئے حکومت کیوں چھوڑ دی؟''

اس نے کہا ''میری کہانی مختصر ہے کیونکہ یہ بلبلا بہت جلد ٹوٹ گیا۔ یہ واقعہ یوں ہوا۔''

ایک دن میں اپنے محل کے دریچے میں بیٹھا تھا۔ میرا وزیر اور ایک غیر ملک کا سفیر میرے باغ میں ٹہل رہے تھے۔ جب وہ میرے دریچے کے قریب پہنچے تو وزیر اپنے متعلق کہہ رہا تھا ''میں بادشاہ کی طرح ہوں..... مجھے بھی تیز شراب کی پیاس ہے..... مجھے بھی وقت اور تقدیر کے کھیلوں کا شوق ہے..... میں بھی

اپنے آقا کی طرح پر جوش مزاج رکھتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وزیر اور سفیر درختوں میں غائب ہو گئے لیکن چند منٹوں میں وہ واپس آ گئے اب کی بار وزیر میرے متعلق باتیں کر رہا تھا۔''میرا آقا..... بادشاہ سلامت میر طرح ایک نشانچی ہے ..... وہ بھی میری طرح موسیقی کا رسیا ہے ..... اور دن میں تین بار غسل کرتا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''اسی دن شام کو میں ایک لبادہ پہن کر محل سے نکل آیا کیونکہ ان لوگوں کا حکمران بننا مجھے گوارہ نہ تھا۔ جو میرے عیوب اختیار کریں اور میری نیکیوں کو اپنی طرف منسوب کریں۔''

اور میں نے کہا واقعی یہ ایک انوکھی اور حیران کن بات ہے۔''

اور اس نے کہا ''نہیں میرے دوست تم نے میری خاموشیوں کے دروازے کو کھٹکھٹایا اور تمہیں کیا ملا بہت یہی کم، آخر کون ہے جو حکومت کو اس جنگل کی خاطر چھوڑ دے۔ جہاں کے موسم ایک نہ ختم ہونے والے رقص و نغمے میں سرمست رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے تنہائی اور اکیلے میں اپنی صحبت کا خود لطف اٹھانے کے لئے خود سے کم تر چیز کے لئے اپنی حکومت چھوڑ دی۔ بے شمار عقاب ہیں جو عالم بالا کو چھوڑ کر چھچھوندروں کے ساتھ آ کر رہتے ہیں کہ وہ زمین کی نہ کا راز پا سکیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو عریانی کی دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنی روحوں کو ڈھانپ لیتے ہیں تا کہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو عریاں صداقت اور بے نقاب حقیقت کو دیکھ کر شرمانہ جائیں اور ان سب سے بلند تر وہ ہے جس نے غم والم کی دنیا کو خیر باد کہا کہ وہ مغرور اور خود پسند نظر نہ آئے۔''

پھر وہ اپنی چھڑی کا سہارا لیتے ہوئے اٹھا اور کہا ''اب تم اپنے شہر میں جاؤ، اور اس کے دروازے پر بیٹھو اور ان لوگوں پر نگاہ جو وہاں آتے ہیں اور وہاں سے مڑ جاتے

ہیں اور اس شخص کی تلاش کرو جو پیدائشی بادشاہ ہے لیکن مملکت کے بغیر ہے اور اسے اس بات کا احساس ہے اور نہ اس کی رعایا ہی یہ جانتی ہے اور اس پر بھی نگاہ رکھو، جو بظاہر حکومت کرتا ہے لیکن دراصل وہ اپنے ہی غلاموں کا غلام ہے۔"

یہ باتیں کہہ چکنے کے بعد مجھ پر مسکرا دیا اور اس کے ہونٹوں پر ہزار صحیفیں تھیں۔ پھر اس نے رخ پھیرا اور جنگل کی گہرائیوں میں چلا گیا۔

میں شہر کو لوٹا اور اس کے حسب منشا شہر کے دروازے پر بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ اس دن سے لے کر آج تک بے شمار لوگ ہوئے ہیں۔ جن کے سائے مجھ پر سے گزرے ہیں اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جن پر سے میرا سایہ گزرا ہے۔

☆☆☆☆☆

جوانی اور محبت

یہ نوجوان جس کا ذکر میں تمہارے سامنے کر رہا ہوں عین عنفوان شباب میں تھا۔ اس وقت وہ ایک یکہ و تنہا مکان پر اپنی میز پر بیٹھا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کبھی وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھنے لگتا اور کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک دوشیزہ کی تصویر پر نظریں جما لیتا اس تصویر کے رنگ اور خدوخال جو کسی عظیم فنکار کا نتیجہ فکر تھے اس کے قلب و نظر میں پوری طرح منعکس ہو چکے تھے اور دنیا و مافیہا اور ابدیت کے تمام اسرار منکشف کر رہے تھے۔

عورت کی تصویر نوجوان کے ساتھ ہم کلام ہونے لگی۔ اب اس کی آنکھیں کانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گیا اور اس کی باتیں سننے لگا۔ اب وہ ان تمام روحوں کی زبان سمجھ رہا تھا جو اس کے کمرے پر منڈلا رہی تھی۔ اس کا دل اب محبت سے معمور ہو گیا۔

یہ کئی گھنٹوں کا وقفہ ایک خوبصورت خواب کا ایک لمحہ اور ابدی زندگی میں گزرا ہوا ایک سال معلوم ہونے لگا۔

اب نوجوان نے اس تصویر کو اپنے سامنے رکھ لیا اور قلم اٹھا کر اپنے جذبات کو صفحہ قرطاس پر پھیلانے لگا۔

''اے میری محبوبہ وہ عظیم سچائی جو کارگہ فطرت میں کارفرما ہے۔ اسے ایک شخص سے دوسرے ذی روح تک پہنچنے میں کسی قسم کے تکلم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ سچائی محبت کرنے والی روحوں سے ہم کلام ہونے کے لئے ہمیشہ سکوت و خاموشی سے ہی کام لیتی ہے۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ہمارے دلوں کے درمیان رات کی خاموشی پیام رسانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ رات کی خاموشی ایک دوسرے کو محبت کے پیام پہنچاتی رہتی ہے اور ہماری مسرتوں کے گیت گاتی رہتی ہے۔ جس طرح دست

قدرت نے ہماری روحوں جسموں میں قید کر دیا ہے اس طرح محبت نے ہمیں الفاظ و تکلم کی پابندیوں میں جکڑ رکھا ہے۔

اے میری محبوبہ! لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے دل میں محبت ایک ایسا شعلہ ہے جو انسان کو فنا کر دیتا ہے۔ جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تمہیں صدیوں سے جانتا ہوں اور جس وقت ہم ایک دوسرے سے الوداع ہونے لگے تو مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتی۔

محبت کی پہلی نظر دراصل پہلی نظر نہ تھی۔ جس وقت ہمارے دل کی دھڑکنیں باہم و گر ہم ہوئیں تو ہمارے دلوں نے گویا ابدیت اور روح کی ہمیشگی اور فنا نہ ہونے والی حقیقتوں کی تصدیق کر دی۔

ایسی ساعتوں میں فطرت تمام پردوں کو چاک کر دیتی ہے اور مظلوم کے لئے ایک قائم و دائم انصاف کا پیام دیتی ہے۔

اے میری محبوبہ کیا تمہیں وہ ندی یاد ہے جس کے کنارے بیٹھ کر ہم ایک دوسرے کی طرف محبت بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ شاید تمہیں اس امر کی حقیقت کی آگہی نہیں کہ اس وقت تمہاری آنکھوں نے مجھے صاف الفاظ میں یہ پیغام دے دیا تھا کہ محبت کے جو جذبات تم میرے لئے رکھتی ہو وہ جذبہ ترحم کر پیدا وار نہیں بلکہ اس کے سوتے انصاف کے چشمہ سے پھوٹے ہیں اور اب میں اپنے اور دنیا کے سامنے اپنی حقیقت کے اعلان کر سکتا ہوں کہ وہ انعام و اکرام جن کا منبع احساس انصاف پر ہو، وہ جو دوسخا اور جذبہ ترحم سے حاصل کئے ہوئے انعامات سے کہیں عظیم اور برتر ہے۔ ''اور وہ جو محض اتفاقات کی پیداوار ہوتی ہے وہ دلدل میں رکے ہوئے پانی کی طرح ہوتی ہے۔''

''اے میری محبوبہ! اس وقت میرے سامنے ایسی زندگی ہے جس کو میں عظمت اور

حسن سے معمور کر سکتا ہوں۔ اس زندگی کی ابتداء ہماری پہلی ملاقات سے ہوئی تھی لیکن یہ ابدیت تک قائم رہے گی۔''

اب میں بالکل تمہارے بس میں ہوں اور تم ان تمام صلاحیتوں کو جو خدا نے ہمیں ودیعت کی ہیں، بوئے کار لا سکتی ہو اور جس طرح سورج کی روشنی حبظورت اور معطر پھولوں کو زندگی بخشتی ہے تم میرے عظیم الفاظ اور کارناموں کو مشہور و شکل عطا کر سکتی ہو۔

''اس طرح میری محبت تمہارے لئے ہمیشہ قائم رہے گی۔''

نوجوان اب کمرے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ اس نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر دیکھا کہ چاند افق سے طلوع ہو کر آسمان کی وسعتوں اور بہنائیوں میں نرم و نازک نور پھیلانے میں مصروف ہے۔

یہ دیکھ کر اب پھر وہ اپنی میز پر جا بیٹھا اور لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

''اے میری محبوبہ! مجھے معاف کرنا۔ اب تک میں تمہیں صیغہ واحد حاضر میں اک دیگر جسم و جان سمجھ کر ہی ہم کلام ہوتا ہوں حالانکہ تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو اور بہترین حصہ ہو آج تک میں اس راز کو نہ سمجھ سکا تھا اس لئے اے میری محبوبہ! مجھے معاف کر دینا۔''

☆☆☆☆☆

پہلی نظر

یہ ساعت شراب زندگی اور بیداری کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے۔ یہ وہ اولین شعلہ جو دلوں کی اندرونی زندگی کو روشن کرتا ہے۔ یہ پہلا طلسمی نغمہ ہے جو دل کے نقرئی تاروں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ مختصر سی ساعت ہے جو روح کے سامنے زمانوں کو پراسرار داستانیں منکشف کرتی ہے اور آنکھ کے سامنے شب کے کارناموں اور ضمیر مصروفیتوں کو پیش کرتی ہے۔ فطرت کے ابدی اسرار کو بے نقاب کرتی ہے اس ساعت میں محبت کی دیوی چاہت کا بیج بوتی ہے۔ محبوب کی نگاہیں اس بیج کو محبت کے کھیت میں کاشت کرتی ہیں۔ یہ بیج پیار کی آب وہوا میں پلتا پھولتا ہے اور پھر روح اس فرمن سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

محبوب کی پہلی نظر وسیع سمندروں پر گھومتی منڈلاتی ہوئی اس روح کی طرح ہے جس وقت زمینوں آسمانوں کی آفرینش ہوئی اور جس وقت خدا نے ''کن'' کہا اور سب کچھ وجود میں آ گیا۔

☆☆☆☆☆

شادی

اس مقام پر محبت زندگی کو مطرب شب کو مدد سے ان نغمات اور گیتوں کا لباس پہنا دیتی ہے جو دن کی روشنی میں گائے جاتے ہیں ۔ یہاں پہنچ کر محبت سب پردے چاک کر دیتی ہے اور دل کی گہرائیوں کو بقعہ نور بنا دیتی ہے اور پھر اس کے بعد خوشیوں اور مسرتوں کا ایک ایسا لاثانی جہان پیدا ہو جاتا ہے جہاں روح حقیقت سے ہمکنار ہو کر سرمدی گیت گاتی ہے ۔

شادی اور مناکحت دو روحوں کو ہم آہنگ کرتی ہے تا کہ ایک تیسری روح معرض وجود میں آئے ۔ دو جسموں کی یہ وابستگی ہجر و فراق کے امکانات کو یک قلم ختم کر دیتی ہے ۔ اتنا ارفع اعلیٰ اتصال ہے جو دو روحوں اور دو جسموں کو ایک دوسرے میں تحلیل کر دیتا ہے ۔ شادی سونے کی وہ انگشتری ہے جس کی ابتداء پہلی نظر سے ہوتی ہے لیکن وہ ابدیت تک قائم رہے گی ۔ یہ وہ باران رحمت ہے جو پاکیزہ آسمانوں سے زمین پر اس لئے نزول کرتا ہے کہ روحانی کھیتوں کو سیراب کر کے انہیں ثمرور کر دے ۔

محبوب کی پہلی نگاہ انسانی قلب و نظر میں محبت کا بیج بوتی ہے ۔ پہلا بوسہ شجر زندگی کی شاخ پر پہلا پھول ہ اس لحاظ سے شادی دو محبت کرنے والوں کے لئے پہلے پھول کا پہلا ثمر ہے ۔

☆☆☆☆☆

پہلا بوسہ

محبت کی دیوی کے ہاتھ سے تیار کردہ آب حیات کا یہ پہلا گھونٹ ہے۔ یہ پہلا گھونٹ شک و بے یقینی کی زندگی جو روح کو پروردہ اور دل کو افسردہ کرتی ہے اور اعتماد و ایقان کی زندگی کے درمیان جو دلوں کو خوشی و مسرت سے معمور کرتی ہے ایک حد فاصل ہے۔ یہاں سے زندگی کا پہلا نغمہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی کی صداقت کے ڈرامے میں پہلی کردار نگاری ہے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو پرانی اجنبیت اور مستقبل کی چاہت کو یک جا کرتا ہے۔ پہلا بوسہ جذبات کی خاموشی اور اس سے پیدا شدہ نغمات کی ایک کڑی ہے۔ پہلا بوسہ وہ عظیم لفظ ہے جسے چار ہونٹوں نے مل کر ادا کیا اور پھر انہوں نے دل کو تخت تسلیم کیا۔ محبت کی بادشاہت کا اعلان کیا اور پھر اس کے سر پر وفا شعاری کا تاج رکھا۔ پہلا بوسہ گویا گلاب کے ہونٹوں پر بادنسیم کی نرم و نازک انگلیوں کا وہ حسین لمس ہے جو بیک وقت وجہ تسکین دل بھی ہے اور روح افزاء بھی۔

پہلا بوسہ بلا شبہ اس طلسم ارتعاش کی ابتداء ہے جو محبت کرنے والوں کی اس کائنات کے زمانو مکان کے قیود سے نکال کر خوابوں اور الہاموں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔

یہ گویا وہ معطر پھولوں کا اتصال ہے جو اپنی خوشبوؤں کی آمیزش سے پاک تیسری روح کی تخلیق کا باعث بنیں گے۔

جس طرح محبوب کی پہلی نظر انسانی دل کے کھیت میں ایک بیج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح پہلا بوسہ شجر زندگی شاخ پر پہلا پھول ہے۔

☆☆☆☆☆

انسان اور فطرت

ایک دن صبح سویرے میں ایک کھیت میں بیٹھا فطرت سے باتیں کر رہا تھا۔ ابھی تک عام لوگ نیند کی چادر اوڑھے آرام سے سو رہے تھے۔ میں سبز گھاس پر لیٹا کئی سوالوں پر غور و فکر کر رہا تھا۔ کیا حقیقت حسن ہے؟ اور کیا حسن حقیقت ہے؟ میرا تخیل مجھے اس دنیا سے کہیں دور لے گیا اور اس نے مادیت کے پردے میری نظروں سے ایک دم ہٹا دیئے جو میری اصلیت کو چھپائے ہوئے تھے۔ میری روح میں بالیدگی پیدا ہو گئی اور میں فطرت اور اس کے اسرار کے قریب تر ہو گیا۔

میرے کان فطرت کی زبان سے آشنا ہو گئے۔

میں انہیں خیالوں میں غرق گھاس پر لیٹا غور و فکر میں مصروف ہو گیا کہ اتنے میں بادِ نسیم کا ایک ہلکا سا جھونکا درختوں اور شاخوں سے ہوتا ہوا میرے پاس سے گزر گیا۔ میں نے اس جھونکے کو ایک بھولے بھٹکے یتیم بچے کی طرح آہیں بھرتے سنا۔

''اے بادِ نسیم تو آہیں کیوں بھرتی ہے؟ میں نے پوچھا۔

بادِ نسیم نے جواب دیا۔ اس لئے کہ میں شہر سے لوٹ کر آ رہی ہوں۔ جس کی سڑکیں سورج کی گرمی کی وجہ سے ابھی تپ رہی ہیں۔ مختلف بیماریوں کے جراثیم نرم و نازک اور پاکیزہ لباس کے ساتھ چمٹ گئے ہیں۔ کیا تم اب بھی آہیں بھرنے کا طعنہ دیتے ہو؟''

پھر میں نے پھولوں کے اشک آلود چہروں کی طرف دیکھا وہ بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہے تھے۔

''اے حسین و جمیل پھولو! کیوں روتے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

ایک پھول نے اپنا نرم و نازک سر اوپر اٹھایا اور سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگا۔

''ہم اس لئے روتے ہیں کہ ابھی کوئی شخص آئے گا اور ہمیں توڑ کر لے جائے گا۔ پھر ہمیں

شہر کی منڈی میں فروخت کر دے گا۔''

پھر ایک دوسرے پھول نے کہا ''جب شام کے وقت ہم مرجھا جائیں گے تو کوئی ہمیں اٹھا کر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دے گا۔ ہم اس لئے روتے ہیں کہ انسان کا ظالم ہاتھ ہمیں جلاوطن کر دیتا ہے۔

پھر میں نے ندی کو بیوہ کی طرح آہ زاری کرتے سنا جو اپنے اکلوتے بچے کی موت پر ماتم کر رہی ہو۔'' اے پاکیزہ پانی کی پیاری ندی بھلا تو کیوں روتی ہے؟'' میں نے ہمدردی سے سوال کیا۔

یہ سن کر ندی نے کہا ''میں اس لئے روتی ہوں کہ انسان نے مجھے شہر جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ مجھے گندی نالیوں میں ڈال کر میری پاکیزگی کو ملوث کرتا ہے اور میری صفائی قلب کو نجاست سے پلید کرتا ہے۔''

اور پھر میں نے پرندوں کو بھی آہیں بھرتے سنا۔ اور میں نے پوچھا کہ اے پیارے پرندو! تمہیں کیا دکھ ہے؟ تم کیوں آہیں بھرتے ہو؟ ان میں سے ایک پرندہ اڑ کر آیا اور میرے نزدیک آ کر درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

ابن آدم ابھی مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس کھیت میں آ پہنچے گا اور ہم پر اس طرح حملہ آور ہو گا جیسے ہم سچ مچ اس کے دشمن ہیں اس وقت ہم ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے ہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ آج شام کو ہم میں سے کون کون صحیح سلامت گھر لوٹے گا اور کون کون موت کا شکار ہو چکا ہو گا۔ ہم جہاں جاتے ہیں، موت ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

اب پہاڑیوں کے پیچھے سورج طلوع ہو رہا ہے اور درختوں کی چوٹیوں پر اپنی سنہری کرنیں بکھیر رہا ہے۔ میں نے اس سراپا حسن کی طرف دیکھا اور کہا۔

''جس چیز کو دست فطرت نے جنم دیا ہے۔ انسان اس کو برباد کیوں کرتا ہے۔''

☆☆☆☆☆

موسیقی

میں اپنی محبوبہ کے پاس بیٹھا اس کی باتوں کا لطف اٹھا رہا تھا۔ یکا یک میری روح لامحدود خلاؤں میں جہاں کائنات ایک خواب اور جسم ایک تنگ و تاریک قید خانہ نظر آتا ہے، گھومنے لگی۔

میری محبوبہ کی مسحور کن آواز میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی۔ اے میرے دوست یہ بھی ایک نغمہ ہے۔ میں نے یہ نغمہ اپنی محبوبہ کی سانسوں اور ان الفاظ میں سنا جو ابھی زیر لب تھے۔

میں نے اپنی قوت سماعت کے ذریعے اپنی محبوبہ کے دل کا مشاہدہ کر لیا۔

اے میرے دوستو! موسیقی روحوں کی زبان ہے۔ اس کے نغمات شوخ شنگ بادنسیم کر طرح ہیں۔ جو دل کے تاروں میں محبت کا ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔ جب موسیقی کی نرم و نازک انگلیاں جذبات کے دروازے پر دستک دیتی ہیں تو وہ ان تمام یادوں کو تازہ کر دیتی ہیں جو اس سے پہلے ماضی کے پردوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ موسیقی کی افسردہ لہریں افسوس ناک واقعات کی یاد دلاتی ہیں اور طربیہ سریں مسرت و خوشی کے لمحات کو تازہ کرتی ہیں۔ کبھی یہ سریں کسی عزیز و اقارب کے سانحہ ارتحال کی یاد دلاتی ہیں اور کبھی یہی سریں ہماری مسکراہٹ کا باعث بنتی ہیں۔

روح موسیقی کی جان ہے اور دل اس کا ذہن ہے۔ جس وقت خدا نے انسان کو پیدا کیا تو اس نے موسیقی کی زبان بھی عطا کی جو باقی زبانوں سے مختلف تھی۔ شروع کا انسان جنگلوں میں گیت گاتا رہا۔ موسیقی کی عظمت و شان کے گیت سن کر بادشاہوں کے دل جنگلوں کی طرف کھینچنے لگے اور بہوتوں نے اپنے تخت چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔

ہماری روحیں نرم و نازک پھولوں کی طرح ہیں جن کا وجود تقدیر کی ہواؤں کے رحم و کرم پر ہے وہ صبح کے وقت بادنسیم کے سامنے کانپتی ہیں اور جب شبنم پڑتی ہے تو اپنی

گردنیں جھکا لیتی ہیں۔

پرندوں کے نغمے انسان کو نیند سے بیدار کرتے ہیں۔ اور اس ابدی عقل کی تسبیح میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں جن سے پرندوں کے نغمے پیدا کیے۔

یہ نغمات سننے کے بعد ہم اپنے آپ پرانی کتابوں سے مخفی اسرار اور ان کے معانی پوچھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب پرندے گاتے ہیں تو کیا وہ باغیچوں، کھیتوں اور پھولوں کی آوازیں دیتے ہیں؟ یا وہ درختوں اور پودوں سے مصروف تکلم ہوتے ہیں۔ اور یا پھر کیا وہ ندیوں کی صدائے بازگشت ہیں؟ انسان باوجود اپنے علم و فضل کے یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ پرندے کیا کہتے ہیں۔ نہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ندی کیا گنگناتی ہے۔ وہ یہ بات سمجھنے کے قابل نہیں ہے کہ سمندر کی لہریں ساحل سے بار بار لپٹ کر کیا سرگوشیاں کر رہی ہیں۔

انسان اپنی عقل و خرد اور فہم و ادراک کے باوجود یہ نہیں جان سکتا کہ بارش کے قطرے درختوں کے پتوں سے ہمکنار ہو کر یا کھڑکیوں کے شیشوں پر دستک دے کر کیا گفتگو کرتے ہیں۔ وہ یہ راز بھی سمجھنے سے قاصر ہے کہ بادِ نسیم پھولوں کے کانوں میں کیا پیغام سناتی ہے۔

لیکن انسان کا دل ان تمام جذبات اور ان آوازوں کے تمام تر معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھتا ہے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں وارد ہوتے ہیں۔ حقیقت کل بعض اوقات اس کے ساتھ ایک پراسرار زبان میں ہم کلام ہوتی ہے۔ روح اور فطرت دونوں ایک دوسرے کے انداز تکلم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اکثر ہم کلام ہوتے ہیں لیکن انسان چپ چاپ اور خاموشی حیرت زدہ ہو کر ان کی طرف تکتا رہتا ہے۔

کیا بعض اوقات انسان ان آوازوں کو سن کر رو نہیں کر دیتا اور کیا اس کے یہ آنسو اس کے فہم و ادراک کی فصاحت کا اظہار نہیں ہوتے؟

وجالی موسیقی!

روح محبت کی دختر!

تلخ وشیریں جام!

انسانی قلوب کا خواب اور رنج والم کا ثمر

مسرت کا پھول جذبات کی شگفتگی اور خوشبو۔

محبت کرنے والوں کی زبان اور منکشف اسرار

چھپی ہوئی محبت کے آنسوؤں کی ماں

شاعروں، موسیقاروں اور فنکاروں کا وجدان

الفاظ کے انتشار میں وحدت فکر

حسن کی دولت سے محبت بخشنے والی

اعلیٰ دلوں کو خوابوں کی دنیا عطا کرنے والی

سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی روحوں کو قوی تر بنانے والی سحر ترحم وشفقت

اے موسیقی!

تمہاری گہرائیوں میں اپنے قلب ونظر ڈبو دیتے ہیں

تو نے ہمیں کانوں کے ذریعے دیکھنا اور دلوں کے ذریعے سننا سکھایا ہے

☆☆☆☆☆

مرشد کا فرمان

دو ہفتے کے بعد وہ سخت بیمار پڑ گیا اور اس کے چاہنے والوں کا ایک بے پناہ ہجوم اس کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر پر جمع ہونے لگا۔ جب یہ ہجوم باغ کے دروازے پر پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک پادری اور ایک ڈاکٹر اس کے کمرے سے باہر نکل رہے تھے اور اس کا ایک عزیز شاگرد بھی ان کے ساتھ ہے۔ شاگرد نے نزدیک آ کر ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا محبوب راہی ملک بقاء ہو چکا ہے۔ یہ منحوس اعلان سن کر لوگ آہ زاری کرنے لگے لیکن اس کا شاگرد خاموش کھڑا رہا۔ اس کی آنکھ نے ایک آنسو تک نہ گرایا۔

''میرے بھائیو اور ہم وطنو! اس محبوب کی موت کی خبر آپ تک پہنچ چکی ہے۔ لبنان کا وہ غیر فانی مفکر اور دانشور اس وقت ابدی نیند سو رہا ہے۔ اس کی پاکیزہ روح بہشت کی روحوں سے جا ملی ہے اور اس وقت ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اس کا ماتم نہ کرو اس لئے رونے دھونے کی ضرورت نہیں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اور اب دنیا کے رنج و محن سے بالکل آزاد ہے۔

وہ اس مادی دنیا میں جا چکا ہے۔ جہاں کوئی آزار اور صعوبت نہیں ہے۔ اب وہ ایسے مقام پر ہے جہاں ہماری آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں ہمارے کان اس کی آواز نہیں سن سکتے۔ اس وقت وہ روحوں کی دنیا میں آباد ہے جہاں کے رہنے والے اس کے انتظار میں تھے۔ وہ اب ایک نئی کائنات میں علم و فضل کے موتی رول رہا ہے۔ وہ ایسی کائنات ہے جس کے حسن و جمال کی اسے ہمیشہ کشش رہی اور جہاں تکلم اور انداز گفتگو کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہا۔

اس نے اپنی زندگی میں عظیم کام انجام دیئے اور عمر بھر سوچتا رہا اور غور و فکر میں مصروف رہا اسے محنت و مشقت میں آرام ملتا تھا۔ اسے محبت سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اس کے نزدیک کام اور محنت مہر و محبت کی نشانی اور عشق کی مشہور شکل تھی۔

اس کی روح ہمیشہ پیاسی رہی ۔اسے صرف کام اور بیداری میں ہی استراحت ملتی تھی ۔اس کا دل محبت کرنے والا دل تھا جو ہمیشہ مہربانی اور احسان سے معمور رہا۔

یہ تھا اس کی زندگی کا نمونہ جو اس نے دنیا میں گزاری.....

وہ علم وفضل کا سرچشمہ تھا جو ابدیت کے سینے سے پھوٹا تھا۔وہ عقل وخرد کی ایک صاف شفاف ندی تھی جو تا زیست انسانی ذہنوں کی سیراب کر کے انہیں سرسبز کرتی رہی۔

لیکن اب وہ دریا ابدی زندگی سمندر سے جا ملا ہے اس کے لئے آہ زاری مت کرو۔اس کے ارتحال پر آنسو مت بہاؤ۔

ایک حقیقت ہمیشہ یاد رکھو۔تمہارے آنسوؤں کے وہی لوگ مستحق ہیں جو زندگی کی بارگاہ میں تو حاضر رہتے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے ماتھے کے گاڑھے پسینوں سے زمین کو ثمرور بنانے کے لئے اس پر ایک قطرہ تک نہیں گراتے ایسے لوگ جب مرجاتے ہیں تو ان کے لئے رونا دھونا ضروری ہے۔

لیکن وہ محبوب دانشور تو ساری عمر بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہا اور محنت ومشقت کرتا رہا۔میرے خیال میں تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے اس علم وفضل کے سرچشمہ سے اپنی پیاس نہ بجھائی ہو اس لئے اگر اس کی مہربانی اور احسان کے لئے تم کسی کے تشکر و امتنان کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس کی اچھائی اور نیک نامی بیان کرو۔اس کے لئے ماتم اور آہ و بکا کی ضرورت نہیں ۔اگر تم واقعی اس کی تعظیم کرنا چاہتے ہو تو اس کی کتابوں سے جہاں وہ علم وحکمت کے موتی بکھیر گیا ہے۔خوشہ چینی کرو۔یہ دولت وہ تمہارے لئے ہی چھوڑ گیا ہے۔

ایک دانشور اور مفکر تم سے کسی چیز کا طالب نہیں ہے۔اگر تم میں کچھ ہمت ہے تو آگے بڑھ کر اس سے کچھ حاصل کرلو۔وہ علم وحکمت کی دولت لٹانے آیا تھا۔اس کی تعظیم وتوقیر کا یہی ایک طریقہ ہے۔اس لئے اس کا ماتم نہ کرو بلکہ اس کی عقل وخرد

کے چشمے سے اپنی پیاس بجھانے کی سعی کرو۔ اگر تم ایسا کرسکو تو اس کی خدمت میں یہ ایک عظیم خراج تحسین ہوگا۔"

اس کے شاگرد کی یہ پر حکمت باتیں سن کر ہجوم منتشر ہوگیا اور اپنے گھروں کو لوٹنے لگا۔ اب لوگوں کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور ان کے دل تشکر سے معمور تھے۔

ہجوم منتشر ہو چکا تھا اب وہ بالکل یکہ و تنہا رہ گیا لیکن تنہائی اسے کسی طرح پریشان نہ کرسکتی تھی کیونکہ اس کے مرشد کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور جدوجہد جاری رکھنے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ اس کے سامنے ابھی بہت کام تھا۔ ابھی اس نے اپنے استاد مرشد کا تمام علم و حکمت لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنا تھا اور یہ تمام دولت اس نے ان لوگوں میں لٹا دینی تھی جو رضا و رغبت حکمت کے موتی چننے کے آرزومند تھے وہ کئی گھنٹے اس باغ میں اپنے پیر و مرشد کی تحریروں کو پڑھتا رہا۔ جن میں اس نے علم و حکمت کے موتی بکھیر رکھے تھے۔ اس کام میں اسے کئی دن لگ گئے۔

ایک روز وہ شہر بیروت میں گھوم رہا تھا کہ بازار میں اس کے گرد لوگوں کا ایک ہجوم سا جمع ہوگیا۔ وہ وہاں سے چل کر ایک شاہراہ پر کھڑا ہوگیا۔ ہر لحظ کو لوگ اس کے گرد جمع ہوتے گئے پھر وہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے لوگو! میرے دل کا درخت بار ثمر سے بوجھل ہو رہا ہے۔ تم سب کو دعوت ہے۔ آؤ اور اس دعوت سے فائدہ اٹھالو اور فائدہ اٹھالو کہ میرے دل کے بوجھ کو ہلکا کرو۔ میری روح چاندی سونے کے ان خزائن کے بار کے نیچے تھک چکی ہے۔ اے چھپے ہوئے خزانوں کو ڈھونڈنے والو!

آؤ آج اپنی جیبیں بھر لو تا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو ..... میرا دل صدیوں پرانی شراب سے لبریز ہے۔ اے پینے والوں آج تمہیں کھلی دعوت ہے اپنی تشنہ لبی دور کرلو۔

ابھی کل کا واقعہ ہے میں نے ایک معبد کے دروازے پر ایک امیر آدمی کو دیکھا اس کے دونوں ہاتھ جواہرات سے بھرے ہوئے تھے وہ ہاتھ پھیلا کر پکار پکار کر لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھ پر رحم کھاؤ۔ یہ جواہرات مجھ سے لے جاؤ۔ ان قیمتی پتھروں نے میری روح کو بیمار کر رکھا ہے۔ اس پتھروں نے میرے دل کو سخت کر دیا وہ مجھ پر رحم کرو اور ان پتھروں کو مجھ سے چھین کر لے جاؤ۔

لیکن کسی راہ گیر نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔

میں نے اس شخص کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر میں نے خود کو مخاطب کر کے کہا ''کیا اس شخص کے لئے بہتر نہ تھا کہ وہ بالکل مفلس ہوتا۔ وہ بیروت کی گلیوں میں ادھر ادھر بھیک مانگتا پھرتا اور شام کو خالی ہاتھ گھر واپس آجایا کرتا۔''

مجھے دمشق کے ایک امیر اور کشادہ دست شیخ کا واقعہ یاد آ گیا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک مقام پر اس کے خیمے نصب تھے۔ وہ ہر شام اپنے ملازموں کو دور دور تک بھیجتا کہ اگر کوئی تھکا ماندہ مسافر ملے تو اس کو اپنے ہاتھ لے آئیں۔ اور پھر گھر میں اس کے کھانے پینے اور آرام کا بندوبست کریں۔ لیکن ماس لق و دق صحرا میں انہیں کوئی مسافر نہ ملتا۔ وہ اپنے آقا کے پاس سے نیل و مرام لوٹتے اور اس شیخ کے گھر کوئی مہمان نہ آتا۔

پھر مجھے لبنان کے حاکم کی دختر کی کہانی یاد آ گئی۔ ایک صبح وہ خواب ناز سے اٹھی۔ وہ ایک قیمتی پیرہن میں ملبوس تھی۔ اس کے بال مشک و عنبر سے معطر تھے اور بدن پر خوشبوئیں جھڑکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے باپ کے باغ میں ٹہل رہی تھی۔ دراصل وہ اپنے عاشق کی تلاش میں تھی۔ شبنم کے موتیوں نے جو گھاس کی مخمل کو مزین کر رہے تھے۔ دراصل وہ اپنے عاشق کی تلاش میں تھی۔ شبنم کے موتیوں نے جو گھاس کی مخمل کو مزین کر رہے تھے۔ اس کیچ پیرہن کے گھیرے کو قدرے مرطوب کر دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کوئی شخص بھی اس کا عاشق بننے کو تیار نہ تھا۔ اس کے باپ کی رعیت کی کوئی

شخص بھی اس کی محبت کا دم بھرنے کو تیار نہ تھا۔

میں اس لڑکی کے حالات پر غور کرنے لگا تو میری روح نے مجھ سے کہا۔

''حاکم کی دختر ہونے کی بجائے اس لڑکی کے لئے کہیں بہتر بات تھی کہ وہ کسی سادہ لوح دہقان کی بیٹی ہوتی۔ سارا دن وہ اپنے باپ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتی اور شام کے وقت چراگاہ سے انہیں باڑے میں ہانک کر لایا کرتی اور دھرتی کی خوشبوؤں اور مانگوروں کے باغوں میں گذریوں کے لباس میں گھومتی پھرتی اور کبھی کبھی موقع پا کر اپنے باپ کی جھونپڑی سے اٹھ کر رات کی خاموشی میں اپنے محبوب کو ملنے چل کھڑی ہوتی اور اس کا محبوب گاتی ہوئی ندی کے کنارے بیٹھا اس کا انتظار کر ہوگا۔''

''اے لوگو! میرے دل کا درخت ثمر سے بوجھل ہو رہا ہے آج تم سب کو دعوت ہے آؤ اس ثمر سے اپنی بھوک دور کر لو میری روح صدیوں پرانی شراب سے معمور ہے اے پینے والو تمہیں کھلی دعوت ہے اپنی تشنہ لبی دور کر لو۔

اے کاش میں ایسا درخت ہوتا جس پر نہ پھول کھلتے اور نہ ہی ثمر دار ہوتا کیونکہ ثمر دری کی صعوبت بے ثمر ہونے کی تلخی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے ایک کشادہ دست امیر کا رنج و غم ایک مفلس کی حالت زار سے کہیں زیادہ ہولناک ہوتا ہے .....اور یا پھر میں ایک اندھا کنواں ہوتا جس کو کسی شخص نے اپنے پاؤں تلے روند دیا ہو۔ کیونکہ ایک ٹوٹی پھوٹی بانسری ایک ایسے شخص کے گھر میں پڑے ستار سے کہیں بہتر ہے جس کی انگلیاں زخمی ہو گئی ہوں اور اس کے گھر والے گونگے اور بہرے ہوں۔

اے میری مادر وطن کے بچو! میری باتیں دھیان سے سنو۔ یا تیں اسی محبوب دانشور کی ہیں۔ ان باتوں کے لئے اپنے دلوں کے گوشوں میں تھوڑی سی گنجائش پیدا کر لو اور اپنی روح کے باغ میں علم و حکمت کے بیج کو پھلنے پھولنے کا موقعہ دو کیونکہ یہ

ایک عظیم نعمت ہے۔

سارے ملک میں اس کے شاگرد کی شہرت ہوگئی اور کئی لوگ دوسرے ملکوں سے اس کے استادمکرم کی باتیں سننے کے لئے اس کے پاس آتے اور اس کی عزت کرتے

۔

حکماء ماہرین قانون وشاعر فلسفی اس کے گرد جمع رہتے اور جہاں کہیں وہ مل جاتا اس سے سوال پوچھتے اور وہ نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں علم وحکمت کی دولت تقسیم کرتا۔

وہ ان کے ساتھ زندگی اور حقائق زندگی کے متعلق گفتگو کرتا اور بیان کرتا کہ انسان سمندر کی جھاگ کی مانند ہے جو پانی کی سطح پر ادھر ادھر تیرتی ہے جب ہوا چلتی ہے تو یہ جھاگ غائب ہوجاتی ے اور اس طرح غائب ہوجاتی ہے۔جیسے اس کا کہیں وجود ہی نہ تھا۔اس طرح ہماری زندگیاں موت کے حوالے ہوجاتی ہیں.....

زندگی بجائے خود زندگی کی حقیقت ہے۔زندگی کی ابتداء ماں کے رحم ہی سے نہیں ہوتی اور نہ ہی قبر اس کی آخری منزل ہے۔جن ماہ سال کا ہم یہاں شمار کرتے ہیں وہ ابدیت کی نظر میں زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور یہ مادیت اور اس کی ساری کائنات اس بیداری کے مقابلے میں جس کو عرف عام میں ہم موت کہتے ہیں، محض ایک خواب ہے۔

ایتھر ہمارے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہر آواز کو ہر تبسم اور غم کی ہر سرد آہ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور اس کی بازگشت کو قائم رکھتا ہے اور یہ صدائے بازگشت پھر ہر اس بوسے کے ساتھ جس کا منبع مکمل خوشی ہوتی ہے تاثر کا اظہار کرتی ہے۔

فرشتے غم و افسردگی میں بہائے ہوئے ہر آنسو کا حساب رکھتے ہیں اور حسرت و انبساط میں گائے ہوئے محبت کے نغمے کی ان روحوں کے کانوں تک پہنچاتے ہیں جو لامحدود فضاؤں میں منڈلاتی پھرتی ہیں۔

موت کے بعد آنے والی زندگی میں ہم اپنے جذبات کو تاثر دیکھیں گے اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے۔ ہم اپنے اندر الوہیت کے پرتو کا مشاہدہ کریں گے اور ان مطالب کا ادراک کر سکیں گے جن کا ذکر آج ہم محض حیرت و مایوسی کی وجہ سے آہانت آمیز الفاظ میں کرتے ہیں۔

وہ کام جن کو ہم آج غلطی سے کمزوریوں سے تعبیر کرتے ہیں کل انسانی ارتقاء میں ایک نہایت ضروری کڑی کی حیثیت سے نظر آئیں گے۔

اور جن ظلم وستم کو برداشت کرنے کی ہمیں کوئی جزا نہیں ملی وہ جزا کل ہماری عظمت بن کر چمکے گی اور ہماری سربلندی کا اعلان کرے گی اور وہ صعوبتیں جن کو ہم نے خندہ پریشان سے برداشت کیا وہی صعوبتیں کل ہماری کامیابی سہرا بن کر ہمارے سروں کی زینت بنیں گی۔

یہ کہہ کر اس کا شاگرد دن بھر کی محنت کی وجہ سے جسم کو آرام پہنچانے کو سوچنے لگا کہ اچانک اس اس کی نظر ایک نوجوان پر پڑی جو حیرت و استعجاب سے ایک حسین و جمیل لڑکی کو تک رہا تھا۔

اس محبوب مفکر کے شاگرد نے اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہا

''کیا تم مختلف مذاہب کی وجہ سے حیرت زدہ ہو۔ کیا تم متضاد ایقان و ایمان کی وادی میں کھو گئے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لامذہبیت کی آزادی تسلیم و رضا کے قلعہ سے زیادہ مضبوط پناہ گاہ ہے؟''

''اگر معاملہ یہی ہے تو تم حسن کو اپنا مذہب بنا لو اور اس کی پرستش کرو۔ حسن خدا کی صنعت و قدرت کا بہترین مشہور نمونہ ہے۔ ان لوگوں کی طرف دھیان نہ کرو جو محض اپنی طمع نفسانی اور غرور و تکبر کی تسکین کے لئے حسن کے قریب لیجایا جائے گا۔ عورت مرد محبت کا آئینہ ہے اور عورت ہی قلب و نظر کی معلّمہ ہے اور اس کارگاہ ہستی میں تمہاری رہنمائی بھی ہے۔''

ابھی تک مجمع منتشر بھی نہیں ہوا تھا اس نے لوگوں کو ایک دفعہ پھر مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''دنیا میں دو قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک وہ ہیں جو گزرے ہوئے کل کے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو آنے والے کل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اے میرے بھائیو! تم کس زمرے سے تعلق رکھتے ہو آج تمہیں ذرا نزدیک سے دیکھوں گا اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا آیا تم روشنی کی دنیا میں رہنے والے ہو یا ظلمت کی کی دیواروں کے باشندے ہو۔ آؤ مجھے بتاؤ کہ تم کیا ہو اور کون ہو؟

کیا تم وہ سیاست دان ہو اور اپنے دل میں کہتے ہو کہ ''میں اپنے ملک کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کروں گا۔ اگر یہی بات ہے تو تم سیاست دان ہرگز نہیں ہو۔ تم تو جونک ہو، دوسروں کے جسم و جان کا جوس کر زندگی گزارنا چاہتے ہو اور پھر کیا تم وہ محبِّ وطن ہو جو سرگوشی کے لہجے میں خود کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں ملک و قوم کا خادم ہوں اور یہی خدمت میری عظمت اور سربلندی کی نشانی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ایک عظیم شے ہو تم لق و دق صحراء میں سرد پانی کا ایک چشمہ ہو جہاں ہر راہ گیر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔

یا پھر تم وہ تاجر تو نہیں جو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر چیزوں کی کئی گناہ قیمتیں وصول کرتے ہیں اور دن رات لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اگر یہی بات ہے تو تم تاجر تو ہرگز نہیں ہو۔ تم ڈاکو اور راہزن ہو یہ الگ بات ہے کہ قانون کی کوتاہ دستی کی وجہ سے تمہیں قید خانے میں زندگی گزارنے کی بجائے اپنے گھر کا عیش و آرام میسر ہے۔

یا پھر کیا تم ایسے ایماندار آدمی ہو جو ایک باقندے اور دہقان کو اپنی اپنی مصنوعات کا تبادلہ کرنے میں سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ بائع اور مشتری کے درمیان سودا کراتے ہو اور اس عمل سے خود بھی تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیتے ہو اور دوسروں کو بھی

فائدہ پہنچاتے ہو۔ اگر تم ایسا کرتے ہوئے تو تم یقیناً ایک جوش اطوار آدمی ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی تمہیں اچھے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور کوئی تم پر الزام دھرتا ہے۔

اور یا پھر تم ایسے مذہبی پیشوا تو نہیں ہو جس کے جبہ و عمامہ اور پاکبازی کا سارا انحصار لوگوں کی سادہ لوحی اور اخلاص پر ہو اور صرف ان کی مہربانی اور نیک دلی نے تمہارے سر پر بزرگی کا تاج رکھ دیا ہو لیکن اندرونی طور پر وہ مذہبی پیشوا شیطنت اور بداطواری کا بدترین نمونہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو تم کافر اور لامذہب، وراور اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم روز فاقہ کرتے ہو اور ساری رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو۔

اگر تم ایک ایسے ایماندار اور مخلص آدمی ہو لوگوں کی نیک دلی سے فائدہ اٹھا کر ملک وقوم کی فلاح و بہبود پر غور کرتا ہے اور جس کی روح حسن کل تک پہنچنے کے لئے ایک قابل اعتماد سیڑھی کا کام دیتی ہے تو تم یقیناً گلشن حقیقت میں سوسن کے ایک پھول کی طرح ہو یہ الگ بات ہے کہ لوگ تمہاری عطر بیزیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے لیکن تمہاری خوشبوئیں ضائع نہیں ہوں گی اور ہوا میں منتشر ہو جائیں گی۔ جہاں ان کا حسن ابدیت تک قائم رہے گا۔

پھر کیا تم اس صحافی کی طرح تو نہیں ہو جو صحافت اصولوں کو منڈی میں لے جا کر انکی بردہ فروشی کرتا ہے اور اپنے جسم و جان کو دروغ بانی اور جسم کی افزائش پر فریبہ کرتا ہے۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو تمہاری مثال اس گدھ کی طرح ہے جو مردہ لاشوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔

اور پھر کیا تم ایسے معلم ہو جس نے تاریخ کا مطالعہ کرکے پرانی عظمتوں سے وجدان حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ لوگوں کو سربلندی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہو اور خود بھی اس تعلیم پر عمل کرتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہاری ہر سانس زندگی بخش ہے تمہارا وجود بنی نوع کے زخمی دلوں کے لئے مرہم سے کم نہیں۔

اگر تم حاکم ہو اور اپنے ماتحتوں کو نفرت اور اہانت کی نظر سے دیکھتے ہو اور ہمہ وقت اپنے مفاد کی خاطر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہو تو خرمن قوم پر تمہاری حیثیت دھڑے اور کٹوتی سے کم نہیں۔

اگر تم ایک ایسے خاوند کی طرح ہو جو اپنی غلطی کو تو قانون کا لبادہ پہنا دیتا ہو لیکن اپنی بیوی کی معمولی سی لغزش کو قابل تعزیز قرار دیتا ہو تو تم ابھی تک ان وحشیوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہو جو غاروں میں رہتے تھے اور اپنے جسموں کی برہنگی کو جانوروں کی کھالوں سے ڈھانپتے تھے۔

لیکن اگر تم وفادار رفیق زندگی ہو اور اپنی بیوی کو مونس وغم خوار سمجھتے ہو جو تمہارے غور وفکر وجدان اور کامرانی میں ہمہ وقت شریک رہتی ہے تو تمہاری عظمت اور برتری صبح زندگی میں ہی انصاف عقل وخرد معاملہ فہمی کی انتہائی چوٹیوں کو چوم رہی ہے۔

اگر تم ایک ایسے مصنف کی طرح ہو جو عوام میں کھڑا ہو کر تو اپنے سر کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کا دماغ پرانے خیالات کے قعر مذلت میں گرا ہوا ہے اور پرانے چیتھڑوں اور ازکار رفتہ چیزوں سے ملوث ہو چکا ہے تو تمہارا وجود محض پاین کے ایک گلے سڑے بدبو دار جوہڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

لیکن اس کے برعکس اگر تم ایک سنجیدہ مفکر کی طرح ہو جو اپنے اندرونی جذبات کا محاسبہ کرتا ہے اور پھر غلط کاذب اور بے کار خیالات کو نکال باہر کر کے مفید اور پاکیزہ جذبات کو الگ کر لیتا ہے تو تمہارا وجود بھوکوں کے لئے معیاری طعام مہیا کرے گا اور پیاسوں کی تشنہ لبی کو دور کرے گا۔ اور پھر کیا تم ایک ایسے شاعر کی طرح تو نہیں جو صرف شور وغل کا خوگر ہو۔ لیکن اصلی جذبات سے عاری ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہاری حیثیت ان مسخروں سے زیادہ نہیں جو روتے وقت ہمیں ہنسنے پر مجبور کرتے ہیں اور جب وہ ہنستے ہیں تو ہمیں رونا آتا ہے۔

اگر تم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہو جن کی روحوں کے ہاتھ میں اس ذات

بے ہمتا نے سرمدی نغموں کا ساز دے رکھا ہے تا کہ وہ لوگوں کو زندگی اور حسن زندگی کے قریب لاتے رہیں تو تمہارا وجود ہمارے دلوں کی ایک شیریں آرزو ہے۔ تمہاری روح ہمارے خوابوں کی حسن تعبیر ہے۔

اے میرے دوستو! اس طرح ساری دنیا دو حصوں میں منقسم ہے۔ یہ دو حصے دو ستونوں کی طرح ہے۔ ایک ستون بوسیدہ اور جھکا ہوا ہے جو لوگ اس ستون کا سہارا لے کر سفر زندگی شروع کرتے ہیں وہ زندگی کی راہوں میں قدم قدم پر تکان اور پژ مردگی کی وجہ سے ہنستے ہیں اور اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ رہے ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ اکثر ذلت کی گہرائیوں کی طرف جارہے ہوتے ہیں۔

دوسرا ستون محکم ہے اس میں جوانی ہے وہ اپنے پاؤں پر چلتا نہیں بلکہ اڑتا ہے۔ اس کے ہونٹ زندگی کے نغموں سے معمور ہیں اور وہ کامرانی کی چوٹیوں کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے جیسے کوئی طلسمی قوت اسے چوٹیوں کی طرف کھینچے لئے جارہی ہو۔

اب تم ہی بتاؤ کہ زندگی کیان دو جلوسوں میں سے تم کس کے ساتھ ہو؟ رات کی خاموشی میں جس وقت تم بالکل تنہا ہو گے تو اس سوال کا جواب ضرور تلاش کرنا جب تم اس سوال کا جواب ڈھنڈ لو گے تو تمہیں خود بخود اس امر کا ادراک ہو جائے گا کہ آیا تمہارا تعلق گزرے ہوئے کل سے ہے یا آنے والے آزاد کل کے ساتھ۔''

یہ کہہ کر اس شاگرد اپنی آرام گاہ میں چلا گیا۔ اور کئی مہینوں تک لوگوں سے الگ تھلگ ہیں پڑا رہا۔ وہ تنہائی میں اپنے استاد مکرم کی تحریروں اور کتابوں کا بنظر عمق مطالعہ کرتا رہا۔ ہر وقت غور فکر میں مستغرق رہتا اور اپنے مرشد کے خیالات کی گہراؤں تک پہنچے کی کوشش کرتا۔ لیکن پھر بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس کے فہم و ادراک سے باہر تھیں لیکن اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ اس وقت تک پہنچانے کے قابل نہ ہو جائے چنانچہ اب وہ دنیا و مافیہا سے قطعاً بے خبر ہو کر تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔

اس کے بہت سے مداح اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہیں ناکام لوٹنا پڑتا۔ ایک دفعہ لبنان کے حاکم نے دعوت دی کہ وہ آکر سرکاری افسروں کو مخاطب کرے لیکن اس نے اس عظیم دعوت کو بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ میں عنقریب سب کے لئے ایک پیغام لے کر حاضر خدمت ہوگا۔ ابھی قبول نہ کیا اور کہا میں عنقریب سب کے لئے ایک پیغام لے کر حاضر خدمت ہوں گا۔ ابھی بہت مصروف ہوں۔'' چنانچہ حاکم نے عام اعلان کے ذریعے ایک فرمان جاری کر دیا کہ جس روز وہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر باہر آئے لوگ گرم جوشی سے ان کا استقبال کر کے اس کی عزت وتوقیر کریں۔

چنانچہ جس روز وہ اپنی آموزش گاہ سے باہر آیا تو سارے ملک میں عام تعطیل ہوگئی۔ لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ اور اب محبوب مفکر اور دانشور کے شاگرد نے لوگوں کی مخاطب کیا اور عوام کو محبت اور رواداری کی تلقین کی اب اسے نہ کوئی جلاوطنی کی دھمکی دے سکتا تھا اور نہ ہی اسے مذہبی برادری سے خارج کر سکتا تھا۔ اس کے استاد مکرم کے ساتھ اس کے برعکس سلوک ہوا تھا۔ وہ جلاوطن بھی ہوا تھا اور اس کو مذہبی برادری سے بھی نکال باہر کیا تھا لیکن اس کے شاگرد کے الفاظ اب سارے لبنان میں نہایت عزت وتوقیر سے سنے جا رہے تھے۔ بعد میں اس کی تقریریں کتابوں میں چھپ گئیں اور دور دراز ملکوں تک پہنچ گئیں۔

☆☆☆☆☆

افکار پریشاں

زندگی ہمیں اٹھائے پھرتی ہے اور مختلف مقامات کی تیر کراتی ہے۔ تقدیر کا ہاتھ ہمارے مقامات کے لفظوں کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ ہم ان دونوں طاقتوں کے درمیان بالکل لاچار اور بے بس ہیں۔ ہم زندگی کے راستوں میں ہولناک آوازیں سنتے ہیں اور ہمیں صرف وہی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو ہمارے راستوں میں میں ہولناک دشواریاں بن کر کھڑی ہیں۔

حسن اپنی سربلندی اور عظمت کے تخت پر بیٹھا لطف و کرم کی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھتا ہے۔ لیکن ہم صرف اپنی ہوسنا کیوں کی تسکین کی خاطر اس کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اس کے سر سے پاکیزگی اور تقدس کا تاج اتار کر پھینک دیتے ہیں اور اپنے غلیظ اور نامبارک کاموں سے اس کی پوشاک کو بدکردار یسے ملوث کر دیتے ہیں۔

محبت شرافت و پاکیزگی کا لباس پہنے ہوئے ہمارے نزدیک سے گزر جاتی ہے۔ لیکن ہم اس سے خوف زدہ ہو کر تاریکیوں میں چھپے ہیں اور یا پھر بوالہوس بن کر اس کا تعاقب کرتے ہیں۔

ہم میں سے زیرک ترین آدمی بھی محبت کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتا ے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محبت کا بوجھ نہیں ہوتا۔ محبت تو ایک ہلکی پھلکی اور بے ضرر سی شے ہے جو لبنان کی بادنسیم کی طرح اٹھکیلیاں کرتی ہے۔

آزادی فکر ہمیں محبت کے دسترخوان پر دعوت دیتی ہے تا کہ وہاں بیٹھ کر لذیذ کھانوں اور پرانی شرابوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن جب ہم دسترخوان شریک طعام ہوتے ہیں تو ہم جانوروں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پیٹو بن جاتے ہیں۔

فطرت اپنے بازو پھیلائے ہمیں اپنی طرف بلاتی ہے اور اپنے حسن سے فیض

یاب کرنے کے لئے دعوت نظارہ دیتی ہے لیکن ہم سکوت فطرت سے دور بھاگتے ہیں اور شہروں کے ہجوم میں اس طرح پناہیں ڈھونڈتے ہیں جس طرح بھیڑ بکریاں ایک خونخوار بھیڑیئے سے ڈر کر اپنے باڑوں میں گھس جاتی ہیں۔

معصوم بچے کے تبسم کی طرح پاکیزہ اور محبوب کے بوسے کی طرح مقدس سچائی ہمیں اپنی طرف بلاتی ہے۔ لیکن ہم سچائی کی خیر مقدم کرنے کی بجائے اپنے دلوں کے دروازے بند کر لیتے ہیں اور اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔

انسانی دل مدد کے لئے پکارتا ہے۔ انسانی روح نجات کے لئے استدعا کرتی ہے لیکن ہم ان آوازوں کو سن سکتے ہیں۔ جو شخص ان آوازوں کو سنتا ہے اور پھر ان مقاصد کو سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے تم اس کو پاگل کہتے ہو اور اس سے دور بھاگتے ہو۔ غیر محسوس طور پر راتیں آ کر گزر جاتی ہیں۔ پھر دن ہمارا استقبال کر کے ہم سے بغل گیر ہوتا ہے۔ غیر محسوس طور پر راتیں آ کر گزر جاتی ہیں۔ پھر دن ہمارا استقبال کر کے ہم سے بغل گیر ہوتا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی شب و روز سے خوف کھاتے ہیں اور اسی طرح ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔

ہم صرف اس عالم رنگ و بو میں الجھ جاتے ہیں حالانکہ فطرت کے دل کے دروازے ہمارے لئے ہمہ وقت کھلتے رہتے ہیں۔ ہم زندگی کی روٹی کو پاؤں تلے روند دیتے ہیں حالانکہ بھوک ہر لحظ ہمارے دلوں کو نوچتی ہے۔ زندگی آدمی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی آدمی زندگی سے کتنا بھاگتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دانشمندی

بلا شبہ دانا اور دانشمند آدمی وہی ہے جو تعظیم و کا نکساری کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جاتا ہے۔ انسان کی اصل وقعت اس کے رنگ نسل وقومیت میں نہیں بلکہ اس کے اچھے کارناموں اور علم وفضل میں ہے۔ اے میرے دوست! اس کو ہمیشہ یاد رکھو کہ قوم وملت کی نظر میں اس گڈریئے کے لڑکے کی قدر ومنزلت جو صاحب علم وفضل ہے۔ تخت وتاج کے اس وارث سے کہیں زیادہ ہے جو بے علم حکمت ہ۔ تمہارا باپ کسی قوم ونسل سے تعلق بھی رکھتا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری خاندانی شرافت و برتری کی نشانی صرف تمہارا علم ہے۔

علم وحکمت ہی ایسی دولت ہ جو لٹیروں کے دست برد سے محفوظ رہتی ہے۔ علم و دانش کی جو قندیل آپ کے اندر روشن ہے اور اس کو موت کے سوا اور کوئی چیز مدھم نہیں کرسکتی۔ کسی قوم کی اصل دولت چاندی سونے کے انباروں میں مخفی نہیں اس کی اصل دولت قوم کی دانشمندی علم وفضل اور افراد کی راستی کردار میں ہے۔

روح کی دولت مندی اور تونگری انسان کے چہرے کی حسن و لطافت عطا کرتی ہے اور اس کے کردار میں ہمدردی اور عزت واحترام کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ ہر شخص کی روح اس کی آنکھوں اس کے چہرے مہرے اور اس کی جسمانی حرکات و سکنات میں اپنا اظہار کرتی ہیں۔ ہماری شکل و شباہت ہمارے الفاظ اور ہمارے اعمال ہمارے اس گھر کے دریچے ہیں اور ہمارے الفاظ پیامبر ہیں۔

علم وحکمت اور سمجھ بوجھ زندگی کے ایسے وفادار ہمسفر ہیں جو تمہارے ساتھ کبھی بے وفائی نہ کریں گے کیونکہ تمہارے سر کا تاج ہے اور سمجھ بوجھ زندگی کے ایسے وفادار ہمسفر جو تمہارے ساتھ کبھی بے وفائی نہ کریں گے کیونکہ تمہارے سر کا تاج ہے اور سمجھ بوجھ تمہارے عصا ہے اور جب یہ دونوں چیزیں تمہارے قبضہ واختیار میں ہوں تو دنیا بھر کے خزانے اس کے نیچے ہیں۔

جو شخص تمہارے جذبات کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے تمہارے حقیقی بھائی سے زیادہ قرابت دار اور عزیز رشتہ دار ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارے اپنے عزیز اقارب تمہیں اچھی طرح سمجھنے سے قاصر ہوں اور تمہاری قدر و منزلت سے ناواقف ہوں۔

بے وقوف و احمق سے دوستی رکھنا کسی شرابی سے بحث کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں فہم و ذہانت اور علم و حکمت کے انعامات بخشے ہیں افضال و اکرام کی اس قندیل کو ہمیشہ روشن رکھو اور دانشمندی اور دانائی کی شمع کو ابوالہوسی اور خطا کاریوں کی تاریکیوں میں گل ہونے سے بچاؤ۔ دانشور اسی مشعل سے بنی نوع انسان کی راہیں روشن کرتا ہے۔

یاد رکھو کہ ایک صداقت پسند فرد واحد لاکھوں اندھے اور بے سمجھ معتقدین کے مقابلے میں شیطانی قوتوں ارطاغوتی طاقتوں کو زیادہ موثر طریقے سے شکست دے سکتا ہے اور ذلیل دشمنوں کو اذیتوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ معمولی سا علم جس میں وقت عمل موزن ہے۔ اس وافر علم سے کہیں بہتر ہے جو اپنی صلاحیتوں کو شل کر چکا ہے۔

اگر تمہارا علم اس قابل نہیں کہ وہ انسانی کمزوریوں اور مصیبتوں سے قطع نظر کر کے بنی نوع انسان کو ترقی کی صحیح راہوں پر ڈال سکے تو یقین جانو تمہاری کوئی منزلت نہیں ہ اور قیامت تک تمہارا یہی حشر رہے گا۔

داناؤں اور دانشمندوں کی باتوں کو دھیان سے سنو اور اپنی عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ حکمت کی باتیں سن کر ان پر عمل کرو۔ صرف ازبر کر کے تصنع اور بناوٹ سے کام نہ لو کیونکہ جو شخص کسی چیز کی حقیقت کو سمجھے بغیر محض رٹنے کی کوشش کرتا ہے اس کی حیثیت اس گدھے سے بہتر نہیں جس پر کتابیں لادوں گئی ہوں۔

☆☆☆☆☆

محبت اور مساوات

اے میرے مفلس دوست اگر تمہیں اس بات کی آگہی ہو جائے کہ وہ مفلسی اور تندستی جو تمہاری غمگینی اور بدنصیبی کا باعث بن گئی ہے۔ دراصل وہی چیز انصاف کے احساس اور زندگی کے رموز کا انکشاف کرتی ہے تو شاید تم اپنی مفلسی کو بھول جاؤ۔

میں نے احساس انصاف کا نام لیا ہے کیونکہ اہل ثروت تو دولت کے انبار جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ انہیں تو احساس کے لئے فرصت نہیں ملتی۔

میں نے رموز زندگی کے عرفان کا ذکر کیا ہے کیونکہ طاقتور اور قوی لوگ تو جھوٹے اقتدار اور عظمت کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور انہیں فرصت نہیں ملتی کہ وہ سچائی کی صراط مستقیم کی طرف آسکیں۔

اس لئے اے میرے مفلس دوست! تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں تو اس بات کے لئے خوش ہونا چاہئے کہ تم انصاف کا منبع ہو اور کتاب زندگی ہو تمہیں اس بات سے قانع ہو جانا چاہیے کہ وہ لوگ جو تم پر حکومت کرتے ہیں ان کے لئے تمہارا وجود وجہ نیکی ہے اور جو لوگ تمہاری قیادت کا دم بھرتے ہیں ان کے لئے تمہاری قیادت کا دم بھرتے ہیں ان کے تمہاری ہستی راستی کا کردار کا مینار ہے۔

اے میرے افسردہ دوست! اگر تم ذرا غور سے کام لو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ بدنصیبی جس نے تمہیں میدان جنگ میں شکست دی ہے دراصل وہی چیز قندیل بن کر تمہارے قلب ونظر میں نور فشاں ہے اور اسی قوت نے تمہیں تاریکیوں کے قعر مذلت سے اٹھا کر عظمتوں کے تخت پر بٹھا دیا ہے اگر تمہیں ان حقائق کی آگہی ہو جائے تو یقیناً تم اپنی قسمت پر قناعت کرنا سیکھ جاؤ گے یہ واقعات تمہاری تعلیم و آموزش کا باعث بنیں گے اور تمہیں دانائی اور دانشمندی سے ہمکنار کریں گے۔

زندگی ایک ایسی زنجیر ہے جس میں بے شمار کڑیاں ہیں اور ان کڑیوں میں سب سے اہم کڑی رنج ومحن کی ہے جو موجودہ حالات میں تسلیم و رضا کا سبق دیتی ہے اور

مستقبل کے لئے امید ورجبن کر خوشحالی کا وعدہ کرتی ہے ۔ رنج ومحن گویا نیند اور بیداری کے رقفے میں سحر کی آمد کا اعلان کرتے ہیں ۔

اے میرے رنجیدہ اور مفلس دوست! مفلسی روح کی عظمت اور برتری کی ضامن ہے لیکن سیم وزر اس کی خباثت کا انکشاف ہے ۔ غمگینی اور افسردگی تمہارے جذبات میں نرمی اور نزاکت کا باعث بنتی ہے ۔ مسرت زخمی دلوں پر مہم رکھتی ہے ۔ اگر انسانی زندگی سے غمگینی اور افسردگی کا وجود ختم ہو جائے تو اس کی روح ایک خالی تختی کی طرح رہ جائے گی جس پر سوائے حرص وآز کے نقوش کے اور کوئی بہتر چیز رقم نہ ہو گی ۔

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ انسانی نا الوہیت کا پرتو ہے یہ جنس گراں بازار میں سیم و زر کے عوض نہیں ملتی اور نہ ہی دولت کے انباروں کی طرح اس کی اتنی فراوانی ہے ۔ آج اہل زر اس الوہیت کی دولت کو لٹا بیٹھا ہے اور اب بوالوسی اور عیش وآرام ہی اس کی زندگی کا مقصد وحید ہے ۔

اے میرے دوست ! مسرت اور حقیقی خوشی کے وہ چند لمحات جو کھیتوں میں کام کرنے کے بعد شاملکو اپنے بال بچوں کے ساتھ گزارتے ہو ۔ دنیا بھر کی دولتوں سے زیادہ قیمتی ہیں ۔ وفور شوق و انبساط سے معمور وہ سرمدی لمحات ہی دراصل بنی نوع انسان کی خوشیوں اور مسرتوں کا نچوڑ ہیں ۔

لیکن وہ زندگی جو حرص وآز کا مارا ہوا بوالہوس دولت مند سیم و زر جمع کرنے میں گزارتا ہے ، دراصل قبر کے کیڑے مکوڑوں کی مانند ہے اس کی زندگی سراپا وہراس ہے ۔

اس لئے اے میرے افسردہ اور غم زدہ دوست ! وہ آنسو جو تم بہاتے رہتے ہو لوگوں کی ہنسی سے زیادہ پاکیزہ اور تضحیک کرنے والوں کے مذاق سے زیادہ شیریں ہیں ۔ یہ آنسو دل کی نفرت کے گرد وغبار کو دور کرتے ہیں ۔ اور انسان کو شکستہ دل لوگوں کے غموں میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں ۔ آج جس قوت طاقت کے بیج تم

دولت مندوں اور تونگروں کے لئے بور ہے ہو۔ آنے والے کل میں تم اس کا فائدہ اٹھاؤ گے کیونکہ قانون فطرت کے مطابق با لآخر ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹے گی

۔

رنج وغم کی وجہ سے جو اذیتیں اور تکلیفیں تم نے اٹھائی ہے وہ آنے والے کل میں مسرتوں میں بدل جائیں گی اور آنے والی نسلیں مفلسی اور افسردگی سیمحبت اور مساوات کا سبق سیکھیں گے۔

☆☆☆☆☆

روشن قندیل

میں آفرینش سے آج تک قائم ودائم ہوں۔ میں قیامت تک موجود رہوں۔ میری ہستی فنا نہیں ہوسکتی۔ انسان کی روح ایک روشن قندیل ہے اور یہ تو اس حقیقت کل کا ایک جزو ہے جسے اس نے آفرینش کے وقت اپنے لامحدود نور سے علیحدہ کر دیا تھا۔

اے میرے بھائیو! اپنے کاموں میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیا کرو۔ کیونکہ خطا کاری اور پشیمانی سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ تمہارے بھائیوں کی دانشمندی اور دانائی ہی ظلم کے خلاف ڈھال بن سکتی ہے جس وقت تم اپنے بھائیوں کی طرف صلاح ومشورہ نہ کرے حرص اسے اندھا کر دیتی ہے وہ سچائی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا اس کا انکار اسے سخت گیر اور تعزیز پسند بنا دیتا ہے اور پھر اس کا وجود اپنے بھائیوں کے لئے مستقل خطرہ بن جاتا ہے۔

جس وقت تم کسی معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لو تو خندہ پیشانی سے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرو کیونکہ جواں مردوں کا یہی شیوہ ہے۔

اپنے سے دانا اور بزرگ لوگوں کے مشورہ پر عمل کرو کیونکہ اس لوگوں کی آنکھوں نے بے شمار گزرے ہوئے سالوں کے چہروں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ان کے کانوں نے زندگ کے تقاضوں کو سنا ہے۔ اگر ان کا مشورہ تمہارے نقطہ نظر سے ناپسند دیدہ ہو پھر بھی ان کی باتیں غور سے سنو۔

جو شخص ظالم ہو، غلط کار ہو، گستاخ چشم ہو اور عزت وتوقیر سے دور بھاگتا ہو، اس کی باتوں پر کبھی کان نہ دھرو۔ اس شخص کی حالت قابل رحم ہے جو کسی ظالم اور غلط کار کا مشورہ دیتا ہے۔ کیونکہ ظالموں اور غلط کاروں کے ساتھ تعاون کرنا بدنامی ہے اور کسی غلط اور جھوٹ پر کان دھرنا غداری اور بے وفائی ہے۔

جب تک تم علم وفراست اور قوت فیصلہ سے اچھی طرح مسلح نہ ہو جاؤ کسی کو مشورہ دینے کی کوشش نہ کرو۔

جب کوئی عمدہ موقع اور مناسب وقت نفع کے لئے تمہیں اپنی طرف بلائے تو احتیاط سے قدم بڑھاؤ۔ احتیاط کا مطلب سست رفتاری ہرگز نہیں اگر تم اس پر عمل کرو گے تو غلطیوں کے گڑھوں میں گرنے بچ جاؤ گے۔

اے میرے دوست اس کی طرح مت بنوں جو آرام سے بیٹھا آگ تاپتا ہے لیکن دیکھتے دیکھتے اس کے سامنے ہتھیار ڈالو جو واقع گزر چکا اس کا غم مت کرو کیونکہ جو چیز ناقابل تلافی ہے اس کا اندیشہ بیکار ہے لیکن یہ انسان کی عظیم کمزوری ہے۔

اے میرے بھائی! تم کوئی بھی ہو مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے تمہارے مذہب و ملت سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ جو کچھ بھی تم ہو مجھے تم سے محبت ہے میں اور با لآخر ایک ہی ہوتے ہیں۔ ایک ہی مذہب کی اولاد ہیں کیونکہ مختلف مذاہب دراصل اس عظیم قابل محبت ہاتھ کی مختلف انگلیاں ہی تو ہیں وہ بھرا ہاتھ ہر شخص کی مدد کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ ہر شخص کی روح کی تکمیل کرتا ہے۔ ہر شخص کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے۔

خدا نے تمہاری روح کو صرف اس لئے بال و پر عطا کئے ہیں کہ تم اس کے پروں پر بیٹھ کر محبت و آزادی کی فضاؤں میں پرواز کر سکو۔ یہ کتنی افسوناک بات ہے کہ تم اپنے مکوڑوں کی طرح رینگنے پر مجبور کر دیتے ہو.....

میری روح رات کے اسپ بادپیا کی طرح سرگرم عمل ہے۔ جتنی رفتار تیز ہوگی اتنی ہی جلدی سورج طلوع ہوگا۔

☆☆☆☆☆

جس حسین و جمیل کو میں دل و جان سے چاہتا ہوں، کل اپنا نرم و نازک جسم اس کوچ پر رکھے میرے پاس بیٹھی تھی اور شیشے کے شفاف پیالوں میں سے پرانی شراب سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

یہ کل کا خواب ہے لیکن آج وہی عورت جو میری محبوبہ تھی مجھ سے بچھڑ چکی ہے اور

مجھ سے کافی دور چلی گئی ہے۔

اس کی انگلیوں کے نقوش ابھی تک آئینے کے چہرے پر نظر آ رہے ہیں۔ اس کی خوشبو ابھی تک اس طرح میرے کپڑوں میں بسی ہوئی ہے۔ اس کی شیریں کلامی کی ترنم صدائے بازگشت بن کر ابھی تک اس کمرے میں سنائی دے رہا ہے۔

لیکن یہ عورت جس کو میں دل و جان سے چاہتا ہوں اب مجھ سے دور جا چکی ہے۔ جلاوطنی اور فراموشی کی وادی کی طرف۔

اس عورت کی تصویر میرے سرہانے کے اوپر لٹک رہی ہے۔ جو محبت بھرے خطوط اس نے مجھے لکھے تھے وہ میں نے چاندی کے ایک صندوقچے میں محفوظ کر رکھے ہیں۔ اس صندوقچے پر لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب چیزیں میرے پاس زیادہ عرصہ تک محفوظ نہ رہ سکیں گی کیونکہ بہت جلد فراموشی کا جھکڑ چلے گا اور ان چیزوں کو اپنے ساتھ اڑا کر ایسی جگہ لے جائے گا جہاں صرف خاموشی اور سکوت کا دور دورہ ہے۔

میری محبوبہ تمہاری اپنی محبوبہ سے کوئی مختلف عورت نہیں ہے۔ وہ بہت خوبصورت ہے اور اسے دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دیوتاؤں نے اس کے خدوخال اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ وہ فاختہ کی طرح شریف و ناتواں ہے۔ لیکن سانپ کی طرح عیار و پرفن بھی ہے۔ طاؤس کی طرح شریف متکبر و مغرور ہے۔ بھیڑیئے کی طرح خوفناک ہے۔ سفید ہنس کی طرح دلفریب ہے اور سیاہ رات کی طرح ہولناک ہے۔ اس کی ہیبت طبعی میں مٹی کا عنصر مٹھی بھر سے زیادہ نہیں لیکن سمندر کی جھاگ اس میں پیالہ بھر ہے۔

میں اس عورت کو بچپن کے زمانے سے جانتا ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ کھیتوں کی سیر کی ہے۔ اور اکثر شہر کی گلیوں میں اس کا دامن پکڑ کر جگہ جگہ گھومتا رہا ہوں۔ میں اس عورت کو عالم جوانی سے بھی جانتا ہوں اور آج تک جن کتابوں کا مطالعہ

کیا ہے میں نے ہر صفحہ پر اس کی جھلک دیکھی ہے ۔ میں نے اس کی سرمدی آواز ندیوں کی گنگناہٹ میں بھی سنی ہے ۔

میں نے اس کے سامنے اپنے دل کی تمام تلخیاں اور اپنی روح کے تمام اسرار کھول کر رکھ دیئے ہیں ۔

یہ عورت کو میں نے دل و جان سے چاہا ہے اس عورت کا نام زندگی ہے وہ بہت حسین و جمیل ہے اور تمام دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے ۔ وہ ہماری زندگی کو رہن رکھ لیتی ہے اور ہماری آرزوؤں کو وعدوں میں دفن کر دیتی ہے ۔

زندگی ایسی عورت ہے جو اپنے چاہنے والوں کے آنسوؤں سے غسل کرتی ہے اور ان کے خون سے اپنے جسم و جان کی زینت کرتی ہے ۔ وہ روشن دنوں کا لباس پہنتی ہے جس پر رات کی تاریکیوں کی سیاہ دھاریاں ہیں ۔ وہ انسانی دل کو چاہنے والے کے پاس لے جاتی ہے ۔ لیکن خود شادی کر کے شب عروسی کے لئے رضامند نہیں ہوتی ۔

زندگی ایک ساحرہ ہے جو حسن و جمال سے ہمیں مسحور کرتی ہے لیکن جو شخص اس کی عیاری سے واقف ہے وہ اس کے سحروں سے دور بھاگے گا ۔

☆☆☆☆☆☆

امیدوار جوانی

جوانی نے مجھے آواز دے کر اپنی طرف بلایا اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ چلتے چلتے ہم دور ایک کھیت میں پہنچ گئے۔ وہاں آ کر رک گئے اور وہ دور افق پر بھیڑ یوں کے گلے کی طرح پھیلے ہوئے سفید بادلوں پر تکنے لگی۔ پھر اس نے برہنہ درختوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے اپنی چھینی ہوئی پوشاکوں کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

''جوانی ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جوانی نے جواب دیا۔'' ذرا ہوش سے قدم اٹھاؤ ہم اس وقت حیرت کی وادی میں ہیں۔''

میں نے کہا۔'' چلو واپس لوٹ چلیں۔ مجھے اس ویرانے سے ڈر لگتا ہے۔ بادلوں اور برہنہ درختوں کا منظر مجھے افسردہ کئے جاتا ہے۔''

اور اس نے کہا۔'' ذرا صبر سے کام تو علم کی ابتداء ہمیشہ حیرت سے ہی ہوتی ہے۔''

پھر میں نے اردگرد نظر دوڑائی تو مجھے ایک خوبصورت چیز اپنی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دی میں نے پوچھا۔'' یہ عورت کون ہے؟''

جوانی نے کہا۔'' یہ تمہیں زمین اور اس کے رنج وغم سے روشناس کرانے آئی ہے کیونکہ جس شخص نے رنج وغم کی تلخیوں کو چکھ کر نہیں دیکھا وہ جام مسرت کی سرشاری سے کیا لطف اٹھا سکے گا؟''

پھر اس عورت نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو جوانی وہاں سے رخصت ہو چکی تھی۔ میں وہاں اکیلا کھڑا تھا۔ میں مادی لباس سے محروم ہو چکا تھا۔ میں چلانے لگا۔'' اے زیس کی دختر جوانی کہاں چلی گئی؟''

فلپائن نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اپنے پروں پر بٹھا کر وہ مجھے ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ میں نے وہاں بیٹھ کر دنیا اور اس کے سارے سامان کی طرف نظر

اٹھا کر دیکھا۔ دنیا کی ساری کائنات کتاب کے صفحات کی طرح میرے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ اس کتاب میں جملہ اسرار لکھے ہوئے تھے۔ میں اس دوشیزہ کے پاس حیرت زدہ کھڑا تھا اور انسان اور اس کی زندگی کے رموز کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے نہایت رنج دہ واقعات کا مشاہدہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ خوشی و مسرت کے فرشتے مصیبتوں اور معبوتوں کے شیطانوں سے جنگ آزما ہیں اور انسان بیم و رجا کے عالم میں ان دونوں قوتوں کے درمیان حیرت زدہ کھڑا ہے۔

پھر میں نے محبت اور نفرت کو انسان سے دل لگی کرتے ہوئے دیکھا۔ محبت آدمی کی ہوس گناہ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے اطاعت اور مدح اور چاپلوسی کی شراب پلا رہی تھی اور نفرت سچائی اور حقیقت کے خلاف آنکھیں اور کان بند کرنے کے لئے ابھار رہی تھی۔

پھر میں نے دیکھا کہ شہر ابن آدم کے کپڑے پھاڑ کر برہنہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس اثناء میں میں نے دو خوبصورت کھیتوں کو دیکھا جو انسان کے رنج و محن پر آنسو بہا رہے تھے۔

میں نے مذہبی پیشواؤں کو چالاک گیدڑوں کی طرح منہ پر جھاگ پھیلائے دیکھا اور جھوٹے لیڈروں کو انسانی مسرتوں کیخلاف سازشیں کرتے دیکھا۔

پھر میں نے دیکھا کہ انسان گلا پھاڑ کر دانائی کو آوازیں دے رہا ہے کہ وہ آکر ان بلاؤں سے اسے نجات دلائے لیکن دانائی نے اس کی پکار سنی ان سنی کر دی۔ اس نے کوئی دھیان نہ دیا کیونکہ اس سے پہلے جب دانائی نے شہر کی گلیوں میں اسے آواز دی تھی اور اس کے ساتھ ہمکلامی کی کوشش کی تھی تو اس نے ذرا توجہ نہ کی تھی۔

پھر میں نے حرص و آز میں مبتلا انواعظین کو بھی دیکھا جو کمال و عجز و انکسار سے آسمان کی طرف کوشش کی تھی تو اس نے ذرا توجہ نہ کی تھی۔

پھر میں نے حرص و آز میں مبتلا ان واعظین کو بھی دیکھا جو کمال و عجز و انکسار سے

آسمان کی طرف رحمتوں کے لئے ہاتھ پھیلا رہے تھے۔

پھر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو خوش کلامی سے ایک دوشیزہ کا دل جیتنے میں مصروف تھا لیکن ان دونوں کے جذبات محو خواب تھے۔ان کے دل الوہیت سے کوسوں دور تھے۔

پھر میں نے قانون سازوں کو لمبی لمبی بیکار تقریریں کرتے سنا۔ یہ سب اپنی مصنوعات کو دھوکا اور تملق کی منڈیوں میں فروخت کرنے کے آرزومند تھے۔

اسی اجتماع میں میں نے ان معالجوں کو دیکھا جو سادہ لوح لوگوں کے جسم و جان سے کھیل رہے تھے۔پھر میں نے داناؤں کی محفل میں احمقوں کو بھی دیکھا جو ماضی کی عظمتوں کے گیت گاتے تھے اور عیش و آرام کی خلعتیں پہنے مستقبل کی عافیت کوشیوں میں مصروف تھے۔

پھر میں نے دیکھا کہ ایک غریب کسان نے فصل بوئی لیکن ایک ظالم شخص اس فصل کو کاٹ کر لے گیا۔اور تمہارا نام تہادقانون ہمہ وقت پہرا دینے میں مصروف رہا

۔

میں نے جہالت کے ان چوروں کی بھی دیکھا جو علم کے خزانوں کو تباہ برباد کرتے تھے لیکن علم وحکمت کے سنتری بے عملی کے نشہ میں بے ہوش پڑے تھے۔

پھر میں نے دو محبت کرنے والوں کو دیکھا۔عورت مرد کے ہاتھ میں ایسی بنسری ہے جس سے وہ نغمات پیدا کرنے سے قاصر ہے وہ صرف سخت اور درشت آوازیں ہی پیدا کرسکتا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ علم و دانش کی قوتیں نسلی وقار کے شہر کا محاصرہ کررہی ہیں لیکن ان قوتوں کی تعداد تھوڑی تھی چنانچہ بہت جلد پسپا ہوگئیں۔

میں نے آزادی کو تن تنہا پھرتے اور پناہ کے لئے دروازوں پر دستک دیتے دیکھا کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔پھر میں نے عیش وعشرت کو بڑی شان وشوکت

کے ساتھ ٹہلتے دیکھا۔ عام لوگ اسے آزادی کے نام کرتے تھے۔

پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ انسان اپنی بزدلی کو چھپانے کے لئے کس قسم کی حیلہ جوئیاں کررہا ہے۔ بزدلی کو صبر کہتا ہے۔ کاہلی کو بردباری اور تحمل کے نام سے یاد کرتا ہے اور خوف و ہراس کو خوش خلقی سے تعبیر کرتا ہے۔

میں نے ناخواندہ مہمانوں کو علم و حکمت کے ساتھ ایک میز پر دیکھا اور گفتگو کے دوران بے پناہ جہالت کا اظہار کرتے دیکھا۔ لیکن علم و حکمت خاموش تھے۔

میں نے فضول خرچوں کے ہاتھ میں سونا دیکھا جس سے وہ بدکاریاں کرتے تھے۔ کنجوس اور بخیل اسی سونے کی بدولت نفرت کا جال پھیلاتے تھے لیکن داناؤں کے ہاتھ سونے سے خالی تھے۔

''کیا یہی زمین ہے؟ اور کیا یہی انسانیت کا نمونہ ہے؟''

اس نے آہستہ سے رنج و الم سے معمور آواز میں جواب دیا۔ ''جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ روح کا راستہ ہے جو نکیلے پتھروں اور کانٹوں سے پٹا پڑا ہے۔ یہ صرف انسان کا پرتو ہے۔ یہ رات ہے ذرا صبر سے کام لو۔ ابھی سورج طلوع ہوگیا۔ صبح ہوا ہی چاہتی ہے۔''

پھر اس نے اپنا نرم و نازک ہاتھ محو خرام ہے۔ ہمارے آگے آگے ''امید'' ہے جو ہمیں راستہ دکھا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اے زندگی

زندگی تنہائی کے سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے۔اس جزیرے کی چٹانیں امیدوں کا روپ دھار لیتی ہیں۔اس کے درخت خواب بن جاتے ہیں۔ اس کے پھول امن وسکون کا نمونہ ہے۔اس کی ندیاں سراپا تشنگی ہے۔

اے میرے دوستو! تمہاری زندگی ایک ایسا جزیرہ ہے جو دوسرے جزیروں سے الگ ہوگیا ہے۔یہ دوسرے خطوط سے بھی جدا ہوگیا ہے۔بلاشبہ بہت سے جہاز تمہارے ساحلوں سے دوسرے خطوط سے بھی جدا ہوگیا ہے۔بلاشبہ بہت سے جہاز تمہارے ساحلوں سے دوسرے ملکوں کے لئے عزم سفر کرتے ہیں اور بیشمار کشتیاں تمہارے ساحلوں کو چھوڑ کر ہر روز اپنی منزلوں کو روانہ ہوجاتی ہیں لیکن بہ ایں ہمہ تم جس طرح اس سے پہلے یکہ وتنہا جزیرے تھے اسی طرح تم اب بھی جدائی اور تنہائی کے صدمے سہتے ہو اور حقیقی مسرت وشادمانی کے لئے تڑپتے ہو۔

تمہارے بھائیوں کا تمہارے ساتھ صحیح تعارف تک بھی نہیں ہے۔تم ان کی محبت و ہمدردی سے کوسوں دور ہو۔تمہارے ساتھ اس کی کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔

اے میرے بھائی ! میں نے تمہیں وزر کی چٹانوں پر بیٹھے خوشی کے شادیانے بجاتے دیکھا ہے۔میں نے سنا تم ان خزانوں کی وجہ سے مغرور ومتکبر ہو چکے ہو اور میں نے تمہیں اس یقین میں مبتلا دیکھا ہے کہ یہ مٹھی بھر سونا جو تم نے بڑی محنت اور تند ہی سے جمع کیا ہے تمہارے اور دوسرے انسانوں کے درمیان نظر نہ آنے والی ایک کڑی ہے جو تمہارے خیالوں اور خواہشات کو ہم آہنگ کرتی ہے۔

میں نے اپنے ذہن کی آنکھوں سے تمہیں ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے بھی دیکھا ہے میں نے تمہاری افواج کی یورش بھی دیکھی ہے جو دشمن کے قلعوں کو تباہ برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے لیکن جب میں نے دوبارہ غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں سوائے ایک تنہا دل کے جو تمہارے سونے کے ڈھیروں کے پیچھے بیٹھا درد وکرب

سے کراہ رہا تھا اور کوئی شے نہ تھی ۔اس دل کی مثال اس پیاسے پرندے کی طرح تھی جو سونے کے پنجرے میں پڑا پانی کے ایک قطرے کو ترس رہا ہو لیکن پانی والی پیاس اس کے پاس خشک پڑی ہو۔

میرے بھائی ! میں نے تمہیں شاہانہ عظمت کے ساتھ تخت نشین بھی دیکھا ہے ۔ تمہارے اردگرد ایسے لوگوں کا ہجوم بھی دیکھا ہے جو تمہیں حضور اور جہاں پناہ کہہ کر پکارتے اور تمہاری عظمت و شان و شوکت کے گیت گاتے ۔تمہاری عقل و خرد اور ذہن رسا کی تعریفوں کے پل باندھتے اور جب تم اپنی رعایا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو مجھے تمہارے چہرے پر مسرت و شادمانی اور فتح و کامرانی کے نشے کے آثار نظر آئے اور تم ایسے لگتے جیسے تمہاری رعایا تمہارا جسم ہے اور تم اس جسم کی روح ہو۔

لیکن جب میں نے تمہیں ذرا غور سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنی تنہائی میں بالکل گوشہ نشین ہو۔اپنے تخت کے قریب اکیلے کھڑے ہو اور ایک ایسے جلاوطن کی طرح نظر آتے ہو جو چاروں طرف ہاتھ پھیلا کر غیر مرئی پر چھائیں سے احسان و ترحم کی بھیک مانگ رہا ہو اور پناہ کی درخواست کر رہا ہو۔

اے میرے بھائی ! میں نے تمہیں ایک خوبصورت عورت کے عشوہ کے جال میں پھنسے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ تم نے اپنا دل اس کے قدموں میں ڈال دیا ہے پھر جب میں نے اسے تمہاری طرف محبت بھری اور مامتا سے معمور نگاہوں سے تکتے ہوئے دیکھا تو میں نے وہ کو مخاطب کر کے کہا۔ زندہ باد محبت جس نے اس شخص کی تنہائی اور گوشہ نشینی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کے دل کو ایک دوسرے دل کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا۔''

لیکن پھر بھی جب میں نے ذرا اور غور کیا تو مجھے تمہارے محبت کرنے والے دل کے اندر ایک اور تنہا سا دل نظر آیا جو کسی عورت کے پاس اپنے اسرار منکشف کرنے کے لئے بے قرار تھا اور تمہاری محبت سے معمور روح کے پیچھے مجھے ایک تنہا سی روح

نظر آئی جو ایک آوارہ بادل کی طرح تھی اور وہ اس کوشش میں تھی کہ تمہاری محبوبہ کے آنسوؤں میں منتقل ہو سکے۔

اے میرے دوست! تمہاری زندگی ایک الگ تھلگ گھر کی مانند ہے جو دوسرے لوگوں کے گھروں سے بالکل علیحدہ آباد ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں کوئی ہمسایہ اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔

اگر یہ گھر تاریکیوں میں گھر گیا ہو تو تمہارے ہمسائے کا چراغ اس میں روشنی نہیں پھیلا سکتا۔ اگر اس گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے تو تمہارا ہمسایہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ اگر یہ گھر صحرا میں واقع ہے تو تم اس کو دوسرے لوگوں کے باغ میں نہیں لے جا سکتے۔ اگر یہ گھر کسی پہاڑ کی چوٹی پر آباد ہے تو تم اسے اس وادی میں آباد نہیں کر سکتے جہاں اور لوگ بھی آباد ہیں۔

اے میرے بھائی! تمہاری روح کی زندگی تنہائی اور گوشہ نشینی میں ہے اور اگر اس گوشہ نشینی کا وجود نہ ہوتا تو تم تم نہ ہوتے اور میں میں نہ ہوتا۔ ہم بالکل مختلف ہوتے اگر یہ تنہائی اور گوشہ تنہائی نہ ہوتی تو تمہاری آواز مجھے اپنی معلوم ہوتی اور جب میں تمہیں دیکھتا تو مجھے معلوم ہوتا جیسے میں آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شہید قانون

کیا تم نے اس دنیا میں رنج وغم کے گہوارے میں آنکھ کھولی ہے اور کیا تمہاری پرورش بدنصیبوں کی گود میں ظلم وتشدد کی چار دیواری کے اندر ہوئی ہے؟ کیا آج تم نے سوکھی روٹی پر گزارہ کیا ہے؟ اور وہ سوکھی روٹی تم نے اپنے آنسوؤں میں بھگو کر کھائی ہے؟ اور کیا تم نے ہمیشہ ایسے گدلے پانی سے اپنی پیاس بجھائی ہے جس میں خون اور آنسوؤں کی آمیزش ہے؟

کیا تم ایک سپاہی ہو جس کو انسان کے وضع کردہ قوانین نے اس امر پر مجبور کر دیا ہو کہ تم اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر حرص وآز کے میدان جنگ میں چلے جاؤ جس کو تمہارے قائدین نام نہاد فرض سے تعبیر کرتے ہیں؟

کیا تم ایک شاعر ہو جو زندگی کے ٹکڑوں پر قانع ہو کر کاغذ اور رشنائی کی ملکیت میں مسرت محسوس کرتے ہو؟ اور تمہارا اپنے لوگوں سے بھی تعارف نہیں ہے؟

کیا تم ایک قیدی ہو جس کی ایک معمولی سی لغزش کی وجہ سے ان لوگوں نے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا ہو جو انسان کو بداطوار بنا کر اس کی اصلاح کے درپے ہیں؟

کیا تم ایک عورت ہو جس جس کو خدا نے دولت حسن سے مالا مال کیا ہو لیکن تم بدقسمتی سے اہل زر کی ہوسنا کیوں کا شکار بن گئی ہو۔ جنہوں نے تمہارا دل تو نہیں مگر جسم ضرور خرید لیا اور بعد میں تمہیں رنج والم کے حوالے کر دیا؟

اگر ان لوگوں میں تم بھی شامل ہو تو یقین جانو تک شہید قانون ہو۔ اس قانون کے شہید جس کو صرف انسان نے وضع کیا ہے۔ تم ذلیل خوار ہو اور تمہاری ذلت و خواری طاقتوروں کی بداطوای اور ظالموں کی بے انصافی کی وجہ سے ہے۔ تمہاری یہ حالت زر کی بہیمت اور بوالہوسوں کی خودغرضی کی وجہ سے ہے۔

اے میرے کمزور بھائی! صبر سے کام لو اور خود کو تسلی دیتے رہو کیونکہ اس مادی دنیا

کے ماورا ایک عظیم ترین قوت ہے جو تمام تر انصاف، ترحم اور محبت ہے۔

اے میرے بھائی! تم ایک برہنہ درخت کی طرح ہو جس کی کمر سرما کی برف کے بوجھ نے جھکا دی ہو۔ یقیناً ایک دن موسم بہار آئے گا اور تمہیں سبز پوشاک پہنائے گا۔ ایک دن سچائی کی فتح ضرور ہوگی آج تمہارے تبسم پر آنسوؤں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کل سچائی ان پردوں کو چاک کر دے گی۔

اے میرے زخم خوردہ بھائی! آ میرے سینے سے لگ جا مجھے تم سے محبت ہے اور تم پر ظلم کرنے والوں سے نفرت ہے۔

☆☆☆☆☆

مہمان

ٹھہرو..... ہاں ذرا ٹھہرہ..... میرے مشتاق دوست..... میں بہت جلد اس فانی جسم کو تمہارے حوالے کردوں گا۔

جس کا دود و کرب میرے رگ و ریشہ میں سما کر بیکار ہو چکا ہے اور جسے دیکھ کر تمہارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ ان لمحوں میں میں تمہاری سچی خوہش کو منتظر رکھوں۔

اگر چہ زنجیر حیات سانس کی بنی ہوئی ہے لیکن مشکل سے توڑی جا سکتی ہے۔

اور مرنے کی تمنا

جو تمام مضبوط ترین چیزوں سے مضبوط ہے۔

زندہ رہنے کی تمنا سے قائم رہتی ہے جو تمام کمزور ترین چیزوں سے کمزور ہے مجھے معاف کرنا میرے رفیق میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔

یہ میری یاد ہے جو میری روح کو روکے ہوئے ہے۔

میرے گزرے ہوئے دنوں کا ہجوم

خواب میں گزری ہوئی جوانی کی جھلک

ایک چہرہ جو میری پلکوں کو محو خواب ہونے سے روکتا ہے۔

ایک آواز جو میرے کانوں میں مسلسل گونج رہی ہے۔

ایک ہاتھ جو میرے ہاتھ کو چھو رہا ہے۔

مجھے معاف کرنا میرے دوست تمہیں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

اب یہ قصہ پاک ہوا اور تمام چیزیں مجھ سے روپوش ہو چکیں۔

چہرہ..... آواز..... اور وہ دھند جو انہیں یہاں لائی تھی۔

گرہ کھل گئی ہے۔

اور ڈوری بکھر چکی ہے۔

اور وہ جو نہ غذا ہے اور نہ پانی واپس لی جا چکی ہے۔

آؤ.....ہاں میرے قریب آؤ میرے بھوکے رفیق کھانا حاضر ہے۔

اور یہ کنایت شعارانہ تقریب، محبت سے دی گئی ہے۔

آؤ.....اور میرے بائیں پہلو میں ہاں یہاں چونچ گاڑ دو۔

اس چھوٹے سے پرندے کو اس کے قفس سے آزاد کر دو!

جس کے پر اب کبھی پھڑ پھڑا نہیں سکتے۔

میری خواہش ہے کہ یہ تمہارے ساتھ آسمانی بلند پر اڑ جائے۔

اب آؤ.....ہاں آؤ میرے دوست میں آج کی رات تمہارا میزبان ہوں اور تم میرے معزز مہمان۔

جسم اور جان

اور دیوتاؤں کے پروردگار نے روح پیدا کی،

اس نے اسے نسیم صبح کی لطافت..... پھولوں کی باس اور چاندنی راتوں کی رعنائی سے حسن و جمال بخشا۔

اس نے اسے مسرت کا ایک جام بھی عطا کی اور کہا۔

''تم اس جام کو اس وقت تک اپنے ہونٹوں سے نہ چھوؤ جب تک کہ تم ماضی کو بالکل نہ بھول جاؤ اور مستقبل سے بے نیاز نہ جاؤ۔''

اس نے اسے غم کا پیالہ بھی دیا اور کہا۔

''اسے پیو: تا کہ تم مسرت کی حقیقت سے روشناس ہوسکو۔''

پھر خدا نے روح میں محبت پیدا کی، جو اطمینان کے پہلے لمحے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اور مٹھاس پیدا کی، جو غرور کے پہلے کلمہ کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔

اس نے راہ حق پر چلنے کے لئے اسے آسمان سے اشارہ کیا اور اس کی پہناؤں میں ایسی چشم بینا رکھی جس سے وہ مستقبل کے پردے چاک کر سکے۔

اس نے اس میں قوت فکر پیدا کی تا کہ وہ دریا کی طرح موہوم اصوار اور متحرک شکلوں کے ساتھ رواں رہے۔

اس نے اسے تمناؤں کی پوشاک بخشی، جو فرشتوں نے قوس وقزح سے تیار کی۔

اس نے روح کے اندر اندر ایک حیرت کی تاریکی بھی پیدا کی جو تو رکا سایہ ہے۔

اس نے قہر وغضب کی بھٹی سے آگ، جہالت کے صحرا میں چلتی ہوا اور خود غرضی کے ساحل سے ریت لے کر زمانہ کی خال پا کے ساتھ ملائی اور ان سے انسان کا پتلا بنایا۔

اس نے انسان کو وہ بے پناہ قوت عطا کی جو ہیجان جذبات کے عالم میں کود پڑتی ہے مگر آرزوؤں کے سامنے ڈال دیتی ہے۔

اس نے اسے زندگی بخشی جو موت کا سایہ ہے۔

تب دیوتاؤں کا پروردگار مسکرایا کیونکہ اسے ایک غیر محبت کا احساس تھا۔

اس طرح اس نے انسان اور اس کی روح میں ملاپ پیدا کیا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عظمت شب

اے رات! شاعروں، عاشقوں اور مغنیو کی مونس،

اے رات! جس میں سائے سپنوں کے ساتھ آباد ہیں!

اے رات! جو ہماری آرزوؤں، امنگوں اور یادوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے

۔

اے رات! تو ایک عظیم الجثہ دیو ہے۔ جو شام کے چھوٹے چھوٹے بادلوں اور صبح کی دلہنوں کے مابین خوف وہشت کی تلوار لگائے، چاند کا تاج اور خاموشی کا لباس پہنے کھڑا ہے اور جو ہزار ہا آنکھوں سے زندگی کی گہرائیوں کو دیکھتا ہے اور ہزار ہا کانوں سے فنا اور بایوسیوں کی آہوں اور سسکیوں کو سنتا ہے۔

یہ تیری ہی تاریکی ہے اور رات! جو ہماری بصیرت کو ابدیت سے روشناس کرتا ہے کیونکہ دن کی نمود ہمیں زمان ومکان کی رسعت میں اندھوں کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔

اے رات! یہ تیری ہی پرسکون خاموشی ہے جو ہمیشہ بیدار اور بے چین رہنے والی روحوں کا بھید ظاہر کرتی ہے کیونکہ دن ایک ہیجان خیز غوغا آرائی ہے جس میں روحیں ہوا وہوس کے تیز سموں کے نیچے دب کر رہ جاتی ہیں!

اے رات! تو وہ ساحرہ ہے جو اپنی پراسرار انگلیوں سے تباہ حال انسانوں کی پلکیں بند کرتی ہے اور ان کے دلوں کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جو اس دنیا سے زیادہ مہربان ہے۔

اے رات! تیرے سیاہ لبادے کی شکنوں میں عشاق کو پناہ ملتی ہے اور تیرے ان پاؤں میں جو شبنم سے تر ہیں! فرقت زدہ لوگوں نے آنسو بہائے ہیں اور تیری ہتھیلیاں جو کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کی مہک سے معطر ہیں اجنبیوں نے اپنی بے چینیوں اور مایوسیوں کو دفن کیا ہے۔

تو عاشقوں کی مونس، تنہا لوگوں کی رفیق اور خانماں برباد انسانوں کی میزبان ہے

۔

تیرے گہرے سائے میں شاعر کے افکار مچلتے ہیں۔ تیرے دامن میں پیغمبروں کا دل بیدار رہوتا ہے اور تیری پیشانی پر تخیل کے نقوش ابھرے ہوئے ہیں کیونکہ تو شاعر کے لئے شہنشاہ، پیغمبر کے لئے ایک رویا، اور مفکر کے لئے ایک دساز ہے اے رات

!

جب میری روح لوگوں سے اکتا گئی اور میری آنکھیں دن کے چہرے کو تکتے تکتے تھک گئیں تو میں دور دراز کھیتوں کی طرف نکل گیا جہاں ازمنہ قدیم کے سائے خوابیدہ تھے۔

میں وہاں ایک تاریک اور خاموش ہستی کے سامنے کھڑا رہا جو ہزار ہا پاؤں کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں محوخرام تھی۔

میں تاریکی کی آنکھوں میں نظریں گاڑے دیکھتا رہا اور غیر مرئی پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنتا رہا۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسا کہ میں ایک غیر متشکل پیرہن کو چھو رہا ہوں اور میرے دل پر نادیدہ ہستیوں کا خوف طاری ہوا۔

☆☆☆☆☆

اے مہیب، خوبصورت اور پرجلال رات! میں نے تجھے آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا لبادہ اور کہر کا کمربند پہنے دیکھا، تو سورج کی روشنی پر قہقہے لگا رہی تھی اور دن کی عظمت کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

میں نے تجھے ان بے شمار غلاموں پر نفرت کا اظہار کرتے دیکھا۔

اے رات! جو بتوں سامنے رات بھر گھٹنے ٹیکے پڑے رہتے ہیں اور ان بادشاہوں کے حقارت کی نظر سے دیکھتے پایا۔ جو اطلس و کمخواب کے بستر میں پڑ کر سو رہتے ہیں اور شب بھر سنہری خواب دیکھتے ہیں۔

میں نے تجھے چوروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے اور سوئے ہوئے بچوں کی پاسبانی کرتے پایا۔

فاحشہ عورتوں کے تبسم پر روتے، عاشقوں کے آنسوؤں پر مسکراتے، اور اپنے واہنے ہاتھ سے حوصلہ مند انسان کو اوپر اٹھاتے اور کم ظرف انسانوں کو پاؤں تلے روندتے دیکھا۔

☆☆☆☆☆

اے رات میں نے تجھے اور تو نے مجھے دیکھا۔ تو اپنے اس پر رعب حسن میں بھی میرے لئے مثل باپ کے تھی اور میں اپنے خوابوں میں ایک بیٹا تھا کیونکہ وجود کے نقاب ہٹا لئے گئے تھے اور شکوک کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔

تو نے مجھ پر اپنے اسرار کا انکشاف کیا اور میں نے تم پر اپنی تمام امیدیں اور تمنائیں ظاہر کر دیں۔ تب تیری عظمت ایک لطیف گیت بن گئی جو پھولوں کی سرگرشیوں سے زیادہ خوبصورت تھی، اور میرے اندیشے پرندوں کے اعتماد سے بھی زیادہ بھروسے میں بدل گئے"

تو نے مجھے اٹھالیا اور اپنے کندھوں پر جگہ دی اور میری آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سننے۔ ہونٹوں کو بولنے اور دل کو محبت کرنے کا راز بتایا۔

تو نے اپنی جادو بھری انگلیوں سے میرے تخیل کو چھوا اور میرے افکار ایک گاتی ہوئی ندی کی طرح بہہ نکلے اور خس و خاشاک کو اپنی رو میں بہا کر لے گئے۔

تو نے اپنے ہونٹوں سے میری روح کو بوسہ دیا اور وہ بھڑک اٹھی اور اس کے شعلوں نے تمام بیجان اور دم توڑتی ہوئی چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆☆☆☆☆

اے رات، میں تیرا برابر پیچھا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ رہا۔

میری حیثیت تیرے رفیق کی سی ہوگئی۔ یہاں تک کہ تیری تمنائیں میری تمنائیں بن گئیں۔

میں نے تجھ سے محبت کی۔ یہاں تک کہ میری ہستی ایک ادنیٰ پیمانے پر تیری ہستی بن گئی۔

میرے تاریک وجود میں بھی دہکتے ہوئے ستارے ہیں جنہیں جذبات شام کے وقت بکھیر دیتے ہیں اور شبہات کے نور کے تڑکے میں جمع کر لیتے ہیں۔

اور میرے سینے میں ایک چاند ہے جو کبھی گہرے بادلوں سیدست و گریباں ہوتا ہے اور کبھی خوابوں کے ہجوم سے جو تمام دنیا پر چھا جاتے ہیں۔

اب میری بیدار روح میں ایک سکون خلوت گزیں ہے جو عاشقوں کے بھید اور عابدوں کی دعاؤں کو واضح کرتا ہے اور میری ہستی پر رازو اور اسرار کا ایک نقاب ہے جسے جانکنی کا عذاب تار تار کر دے گا لیکن شباب کے گیت اسے پھر رفو کریں گے۔

اے رات میں تیری طرح ہوں۔ اگر انسان مجھے برخود غلط خیال کرتا ہے تو کیا وہ خود کو دن سے تشبیہ دے کر مغرور نہیں!

میں تیرے جیسا ہوں اور رات! مجھ پر بھی ایسی باتوں کا الزام لگایا جاتا ہے جن کا میں مطلقاً قصوروار نہیں۔

میں اپنی امیدوں، خوابوں اور اپنی وجودی کیفیتوں میں تجھ جیسا ہوں اور رات! میں تیری طرح ہوں اور رات اگرچہ شام مجھے اپنی پراسرار سنہری اون کا تاج نہیں پہناتی۔

میں تیری طرح ہوں اور رات! اگرچہ نمود صبح موتیوں اور پھولوں سے سجا ہوا لباس نہیں پہناتی۔

میں تیرے جیسا ہوں اے رات! اگرچہ مجھے کہکشاں کم بند میسر نہیں،

میں بھی ایک رات ہوں اور رات! وسیع اور خاموش اگرچہ میں پابجولاں بھی ہوں

اور باغی بھی، میں تیری طرح ہوں رات! اگر چہ مجھے کہکشاں کم کمر بند میسر نہیں، میں بھی ایک رات ہوں اور رات! اگر چہ نمود صبح موتیوں اور پھولوں سے سجا ہوا لباس نہیں پہناتی۔

میری تاریکیوں کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ میری گہرائیوں کی کوئی انتہاء ہے۔

جب مردہ انسانوں کی روحیں عدم سے اٹھ کر مسرت کے نور پر نازاں ہوگی تو میری شب آشنا روح اپنے غموں کی تاریکی سے پیکر جلال بن کر عالم برزخ کی طرف پرواز کرے گی۔

میں تیری طرح ہوں اور رات! اور جب صبح طلوع ہوگی تو پھر تیری طرح میری زندگی بھی تمام ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆

تین چہرے

جب رات کافی گزر چکی اور نیند نے اپنا دامن دنیا پر پھیلا دیا۔

میں اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اٹھا۔

''سمندر کبھی نہیں سوتا اور اس کی بیداری بے چین روحوں کو تسکین بخشتی ہے۔''

جب میں ساحل پر پہنچا تو کہر پہلے ہی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے اتر چکی تھی اور دنیا کو اس طرح ڈھانپ چکی تھی جس طرح نقاب کسی دوشیزہ کے چہرے کو زیبائش بخشتا ہے۔

میں وہاں کھڑا موجوں کا نظارہ کرتا رہا ان کے گیتوں کا سنتا رہا۔

اور اس قوت پر غور کرتا رہا جو ان کے پس پردہ کام کر رہی ہے۔

وہ قوت جو طوفان کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔

کوہ آتش فشاں میں غیض و غضب کا اظہار کرتی ہے۔

پھولوں کے ساتھ ہنستی ہے اور گنگناتی ہوئی ندیوں کے ساتھ گاتی ہے۔

کچھ دیر بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے قریب کی چٹان کی طرف بڑھا جس پر وہ بیٹھے تھے۔

چند قدم دور کھڑے ہو کر میں نے ان پر اپنی نگاہیں جما دیں کیونکہ اس مقام میں کچھ عیب جادو سا تھا جس میں میرے تصورات کھو چکے تھے اور میرے تخیل میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔

ان میں سے ایک اٹھا اور ایک ایسی آواز کے ساتھ جو سمندر کی گہرائیوں میں سے بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس نے کہا۔

''زندگی محبت کے بغیر ایک درخت ہے جس میں کوئی پھول یا پھل نہ ہو۔''

محبت حسن کے بغیر ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

اور وہ پھل ہے جس میں کوئی بیج نہ ہو۔

زندگی، محبت اور حسن ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں۔

آزاد اور لامحدود

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہے۔ اس نے یہ کہا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

پھر دوسرا اٹھا اور ایسی آواز کے ساتھ جس میں پرشور موجوں کی گرج تھی اس نے کہا۔

''زندگی انقلاب کے بغیر ان موسموں کی طرح ہے جن میں کبھی بہار نہ آئے۔

انقلاب صداقت کے بغیر وہ ندی ہے جو ایک خشک اور بنجر صحرا ہو۔

زندگی، انقلاب اور صداقت ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں۔

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔

اس نے کہا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

پھر تیسرا اٹھا اور بجلی کی کڑکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''زندگی آزادی کے بغیر ایک جسم بے روح ہے۔

آزادی حکمت و دانش کے بغیر ایک پریشان روح ہے۔

زندگی، آزادی اور حکمت ای ابدی عنصر کی تین ماہیتیں ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوتیں ''۔

پھر وہ تینوں اٹھے اور نہایت رعب و جلال سے گویا ہوئے۔

''محبت اور جو کچھ اس سے صادر ہو۔

انقلاب اور جو کچھ وہ پیدا کرے۔

آزادی اور جو کچھ اس سے معرض وجود میں آئے۔

یہ ذات کبریائی کے تین مظاہر ہیں۔

ذات کبریائی وہ لامحدود ہستی ہے جو تعینات اور کون و مکان کو محیط ہے۔''

پھر سناٹا چھا گیا۔ جس میں صرف نادیدہ پروں کی جنبش اور موہوم جسموں کی لرزش محسوس ہوتی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس آواز کی صدائے بازگشت کو سننے لگا جو میں نے ابھی سنی تھی۔

پھر جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کہر کے دامن میں لپٹے ہوئے سمندر کے سوا مجھے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

میں اس چٹان کے اور بھی قریب گیا لیکن مجھے آسمان کی طرف اڑتے ہوئے دھوئیں کے ستون کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔

☆☆☆☆☆

روح کے بیٹے

تو میرا بھائی ہے اور ہم دونوں ایک پاکیزہ روح کے بیٹے ہیں۔

تو مجھ جیسا ہے کیونکہ ہم دونوں ایک ہی طبیعت کے دو جسموں میں مقید ہیں۔

تو زندگی کی شاہراہ پر میرا ساتھی ہے اور بدلیوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو پالینے میں میرا دوست ہے۔

تو انسان ہے اے بھائی میں نے تجھ سے محبت کی اور کرتا ہوں۔

میرے متعلق جو چاہے کہہ لے

کیونکہ کل تجھ پر بیتے گی اور تیرا قول اس کے حکم کے سامنے ایک ظاہری قرینہ ہوگا اور اس کے انصاف کے لئے ایک روشن دلیل.....،

مجھ سے جو چاہے لے لے۔ کیونکہ تو اس مال کے سوا اور کچھ نہیں لے رہا۔ جس کے متعلق تجھے تقسیم کر لینے کا حق ہ اور تو ایسا سامان لے رہا ہے جو میں اپنے لالچ کے لئے جمع کیا۔ جو کچھ اس میں سے تجھے کچھ پسند تو اس کے ساتھ گھل مل جا۔

مجھ سے جو چاہتا ہے سلوک کر۔ کیونکہ میں اپنی حقیقت کو چھو لینے پر قادر ہوں۔

میرا خون بہالے اور جسم کو جلا دے کیونکہ تو میری خودی کو ایذا نہ پہنچا سکے گا نہ مار سکے گا۔

میرے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ میرے ساتھ زندان کی تاریکیوں میں اتر،

تو میری فکر کو قید نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ فضاؤں میں تیرتی ہوئی بادنسیم کے جھونکوں کی طرح آزاد ہے اور نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ انتہاء

تو میرا بھائی ہے اور میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ تیری مسجد میں سجدہ کرتے ہوئے۔ تیرے گرجوں میں جھکتے ہوئے اور تیرے کلیساؤں میں دعا کرتے ہوئے میں اور تو..... ہم دونوں ایک ہی دین کے بیٹے ہیں۔

اور وہ روح ہے،

ہم دونوں اس دین کو شکلوں میں پیش کرتے ہیں، جس کی مختلف شاخیں وہ انگلیاں ہیں جو خودی کے کمال کی طرف اشارہ کرنے والی الوہیت کے ہاتھ سے ملی ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرے بھائیو

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم ..... اے میری ماں کے بیٹو؟

کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے بے کار وعدوں کے ایسے محل کروں جو صرف خوبصورت باتوں سے آراستہ ہوں اور جن پر محض خوابوں کے چھتیں ڈالی گئی ہوں۔

یا تم یہ چاہتے ہو کہ اس عمارت کو پیوند خاک کر کے رکھ دوں جو جھوٹے اور بزدل انسانوں نے تعمیر کیا اور میناروں کو نیست نابود کر دوں جنہیں بدفطرت اور خبیث لوگوں نے بنایا۔

کیا چاہتے ہو تم ..... آخری میں کیا کروں ..... میری ماں کے بیٹو کیا میں تمہیں خوش رکھنے کے لئے شیروں کی طرح دھاڑوں۔

میں نے تمہارے سامنے گیت گائے ..... تم نہ ناچے

میں نے تمہارے سامنے نوحہ خوانی کی تم نہ روئے۔

تو کیا تم چاہتے ہو کہ بیک وقت میں خوشی کے گیت گاؤں اور نوحہ خوانی کروں۔

تمہارے نفس بھوک سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں اور معرفت کی روٹی وادیوں کے پتھروں سے بھی زیادہ ہے لیکن تم نہیں کھاتے۔

تمہارے دل پیاس سے نڈھال ہیں اور زندگی کی رو تمہارے گھروں کے آس پاس ندیوں کی طرح بہہ رہی ہے لیکن تم پیتے کیوں نہیں؟

سمندر میں مدوجزر ہے۔ دل میں اتار چڑھاؤ ہے۔ موسم میں گرمی سردی ہے لیکن سچائی نہ مرتی ہے نہ وہ زوال پذیر ہوتی ہے اور نہ بدلتی ہے تم سچائی کے چہرے بگاڑتے کیوں ہو۔

میں نے تمہیں رات کی خاموشیوں میں پکارا تا کہ تمہیں چاند کا حسن اور ستاروں کی عظمت دکھاؤں تم اپنے بستروں سے بڑبڑا کر کھڑے ہوئے۔ تم نے تلواروں کو تھام لیا اور تیر سنبھال لیا اور تم چیخے کہاں ہے دشمن ..... تا کہ ہم اس کے

ٹکڑے اڑا دیں مگر جب صبح ہوئی دشمن لاؤلشکر سمیت آدھمکا۔ میں نے تمہیں پکارا مگر تم نے اپنے تکیوں سے سر بھی نہ اٹھائے بلکہ خوابوں کی افواج سے مغلوب ہو کر رہ گئے۔

میں نے تم سے کہا کہ آؤ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں تا کہ میں تمہیں دنیا کے ملک دکھاؤں۔تو تم نے جواب دیا کہ تمہارے باپ دادا نے اسی وادی کے نشیب وفراز میں زندگیاں بسر کیں اور اسی دامن کے سائے میں مر گئے اور یہیں غاروں میں انہیں سپرد خاک کیا گیا پھر ہم کس طرح اس وادی کی گہرائیوں کو چھوڑ کر وہاں جائیں۔جہاں ہمارے باپ دادا نہ گئے۔''

میں نے تم سے کہا کہ آؤ میدانوں کی طرف چلیں تا کہ میں تمہیں سونے کی کانیں اور زمین کے خزانے دکھادوں۔تو تم نے جواب دیا کہ ''میدانوں میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ درپیش ہے۔''

میں نے کہا کہ '' آؤ ساحل کی طرف چلیں جہاں سمندر اپنی خیرات بانٹتا ہے'' تو تم نے کہا کہ ''موجوں کے تھپیڑے ہماری روحوں کو خوف زدہ کر دیتے ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کی ہنگامے ہمارے جسموں کو مردہ کر دیتے ہیں۔''

میں تم سے محبت کرتا تھا۔میری ماں کے بیٹو..... مگر محبت نے مجھے نقصان پہنچایا اور تمہیں کوئی نفع نہ دیا۔

لیکن آج میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔نفرت وہ سیلاب ہے جو سوکھی ٹہنیوں کے سوا سب کچھ بہا کر نہیں لے جاتا۔اور بوسیدہ مکانوں کے سوا کسی کو منہدم نہیں کرتا۔

میں تمہاری کمزوری پر ترس کھاتا ہوں۔میری ماں کے بیٹوں۔شفقت ضعیفوں میں اضافہ کرتی ہے اور کمزوریوں کی تعداد بڑھاتی ہے اور زندگی میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتی۔

آج جب میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں تو میرا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے اور تمہیں

دیکھکر میرا دل تھم تھم جاتا ہے۔

میں تمہاری ذلت اور انکساری پر روتا تھا اور میرے آنسو بلور کی طرح صاف شفاف تھے لیکن وہ تمہارے میلے کچیلے داغوں کو نہ دھو سکے۔ انہوں نے میری آنکھوں سے اٹھا دیا۔ تمہارے پتھروں ایسے سینے نرم نہ ہوئے۔ البتہ میرے دل سے دردمندی کو بھی لے گئے..... اور آج میں تمہارے دردوں پر ہنستا ہوں اور ہنسی وہ دندناتی ہوئی گرج ہے جو آندھیوں سے پہلے آتی ہے لیکن بعد میں نہیں،

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم..... میری ماں کے بیٹو۔

کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے چہروں کے نقوش پانی کے حوضوں میں دکھاؤں ..... آؤ دوڑتے ہوئے آؤ اور دیکھو کہ تمہارے چہرے کتنے بھدے ہیں آؤ ..... اور سوچو، خوف نے تمہارے سر کے بالوں کو را کھ ایسا بنا دیا ہے۔ شب بیداریوں نے تمہاری آنکھوں کو تاریک گڑھوں جیسا بنا دیا ہے۔ کمزوری اور بزدلی نے تمہارے گالوں پر جھریاں ڈال دی ہیں اور تمہارے چہرے موت سے پہلے خزاں کے پتوں کی طرح زرد پڑ گئے ہیں۔

مجھ سے کیا مانگتے ہو میری ماں کے بیٹو..... ہاں تم زندگی سے کی چاہتے ہو۔ زندگ ہمیشہ تمہیں اپنے بیٹوں میں شمار کرتی ہے مگر تمہاری روحیں پادریوں اور شعبدہ بازوں کے پنجوں میں گرفتار ہیں۔ تمہارے جسم سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں میں تڑپ رہے ہیں اور تمہاری آبادیاں دشمنوں اور فاتحوں کے پاؤں تلے لرز رہی ہیں، تم سورج کے ..... سامنے کھڑے ہو کر کس چیز کے امیدوار ہو۔

تمہاری تلواریں صدیوں سے کند ہیں۔ اور تمہارے تیر ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے بھالے کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر تم جنگ اور خون ریزی کے میدان میں کیوں کھڑے ہو،

تمہارا دین ایک دکھاوا ہے۔

تمہاری دنیا جھوٹے دعوے ہیں۔

اور تمہاری آخرت خاک کے اڑتے ہوئے ذرے ہیں۔

تو پھر تم جیتے کیوں ہو۔موت بدبختیوں کی راحت کا سامان ہے۔

زندگی ایک اٹل ارادہ ہے جو جوانی کا رفیق ہے۔

ایک کوشش ہے جو عمر کے کمزور حصے کے ساتھ ہے۔

اور دانائی ہے جو بڑھاپے کی تابع ہے۔

لیکن تم میری ماں کے بیٹو..... تم بوڑھے اور کمزور پیدا ہوئے۔

پھر تمہارے سر چھوٹے ہوتے گئے۔اور تمہاری کھالیں سکڑتی گئیں۔یہاں تک کہ تم بچے بن گئے۔

تم مسکلت میں ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہو اور ایک دوسرے پر پتھر برساتے ہو۔

انسانیت ایک صاف شفاف ندی ہے جو اچھلتی کودتی اور گاتی ہوئی آتی ہے اور پہاڑیوں کے راز سمندروں کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو.....وہ بدبودار جوہڑ جن کی تہوں میں کیڑے مکوڑے پلتے ہیں اور ان کے کنارے پر کالے ناگ کنڈلیاں مارے بیٹھے ہیں۔

خودی.....وہ چمکدار اور اوپر کو اٹھتا ہوا پاکیزہ شعار ہے جو سوکھی لکڑیوں کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ہوا لگنے سے تیز ہو جاتا ہے اور اور دیوتاؤں کے چہروں کو منور کرتا ہے۔

لیکن تمہاری خودی اے میرے ماں کے بیٹو.....وہ راکھ ہے جسے ہوائیں اڑا کر برف کے تودوں پر ڈال دیتی ہیں اور جسے آندھیاں ویرانوں میں بکھیر دیتی ہیں۔

میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اے میری ماں کے بیٹو!

کیونکہ تم بزرگی اور عظمت سے نفرت کرتے ہو۔

میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں۔

کیونکہ تم اپنی خودی کو حقیر سمجھتے ہو۔

میں تمہارا دشمن ہوں۔

کیونکہ تم اللہ کے دشمن ہو۔

لیکن..... تم نہیں جانتے،

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

قانون

آدم کے تین بیٹے کل زندگی کی شاخوں پر جھول رہے تھے لیکن آج وہ موت کے آغوش میں ہیں۔

تینوں نے انسانوں کو ناموس سیروشناس کرنے کی غلطی کی۔ اندھے قانون نے ہاتھ لمبا کیا اور انہیں بے رحمی سے کچل کر رکھ دیا۔

تینوں کو جہالت نے مجرم گردانا کیونکہ وہ کمزور تھے۔ قانون نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا کیونکہ وہ طاقتور ہے۔

ایک شخص نے ایک اور شخص کو قتل کر دیا۔ لوگوں کے کہا ''یہ قاتل ہے خونی ہے۔''

قاضی نے اسے موت کی سزا دیدی۔

تو لوگوں نے کہا ''انصاف پسند قاضی''

ایک شخص نے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی لوگوں نے کہا یہ چور ہے۔

قاضی نے اسے قید کی سزا دی۔

لوگوں نے کہا ''نیک کردار قاضی''

ایک عورت نے خاوند کی خیانت کی۔

لوگوں نے کہا ''یہ بد بخت زانیہ ہے۔''

قاضی نے اسے سب کے سامنے برہنہ کر کے پتھر برسوائے،

لوگوں نے کہا ''شرافت کا پتلا قاضی''

خونریزی حرام ہے، لیکن قاضی کے لئے کس نے حلال کر دی۔

مال لینا جرم ہے لیکن آزادی چھین لینے کو بزرگی کس نے کہا۔

عورت کے لئے زنا برا ہے لیکن کو پتھر مارنا کس نے نیکی کہا ہے۔

برائی کا مقابلہ اس سے زیادہ برائی کے ساتھ ہو اور کہتے ہو کہ یہ قانون ہے۔

بدی کے ساتھ اس سے زیادہ بدی سے لڑتے ہو اور اسے ناموس کا نام دیتے ہو۔

جرم کو اس سے بڑے جرم کے ساتھ مغلوب کرنیکی کوشش کرتے ہو۔ اور اسے انصاف بتاتے ہو۔

کیا قاضی نے اپنی زندگی میں کسی سے دشمنی نہیں کی؟

کیا اس نے اپنے کمزور پیروؤں سے کبھی پیشہ نہیں چھینا؟

کیا اس نے ایک حسین عورت سے اپنی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل نہیں چاہی؟

کیا وہ خطاؤں سے پاک تھا کہ اس لئے قاتل کو پھانسی دینا، چور کو سزا دینا اور زانیہ پر پتھر برسوانا جائز ہو گیا۔

کون ہیں وہ جنہوں نے اس قاتل کو سولی پر لٹکایا؟

کیا وہ فرشتے تھے جو آسمانوں سے اتر کر آئے؟ یا وہ انسان تھے جو ہر ہاتھ آنے والی چیز کو غصب کرتے اور چراتے ہیں۔

اس قاتل کا سر کس نے قلم کیا؟ کیا فرشتے آسمانوں سے اتر آئے تھے یا وہ سپاہی تھے جو ہر اچھی چیز کے لئے خون کی ندیاں بہاتے ہیں۔

اس زانیہ کو سنگسار کس نے کیا؟ کیا وہ راہب تھے؟ جو عبادت خانوں سے نکل کر آئے یا وہ انسان جن کی بزرگی کے پردوں میں تمام تر کمینہ حرکتیں چھپی ہوتی ہیں۔

قانون.....؟ قانون کیا چیز ہے.....؟

کس نے اسے سورج کی روشنی کے ساتھ آسمان سے نیچے اترتے دیکھا تا کہ انسان کے متعلق اس کی مشیت کو معلوم کرے۔

کس آواز میں فرشتے لوگوں میں پکارتے پھرے کہ کمزوروں پر زندگی کا تو رحرام کر دو،

گرتوں کو تلواروں کے واروں سے فنا کر دو اور خطا کاروں کو لوہے کی تیز دھاروں سے تہس نہس کر کے رکھ دو۔

☆☆☆☆☆

خواب

خاموش اے دل.....پو پھٹنے تک خاموش رہ

جو شخص صبح کا صبر اور تحمل سے انتظار کرتا ہے وہ اس نہایت اطمینان سے خیر مقدم بھی کرتا ہے۔

اور جو شخص روشنی سے محبت کرتا ہے روشنی بھی اس کی دل دادہ ہوتی ہے۔

اے دل خاموش، ہاں اے میرے دل خاموش رہ۔ اور میرے الفاظ کو سن

میں نے خواب میں ایک سیاہ پرندے کو ایک بھڑکتے ہوئے آتش فشاں کے دھانے پر گاتے دیکھا۔

میں نے ایک سوسن کا پھول دیکھا جس نے اپنا سر برف سے اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

میں نے ایک برہنہ حور کو قبروں کے کتبوں کے بابین ناچتے دیکھا اور ایک بچے کو کھوپڑیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسرور پایا۔

یہ سب کچھ میں نے خواب میں دیکھا۔

جب میں بیدار ہوا اور اپنے گرد و پیش نظر ڈالی تو میں نے کوہ آتش فشاں کو اپنے قہر و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے پایا لیکن سیاہ پرندے کو گاتے ہوئے نہ سن سکا۔

میں نے آسمانوں کو پہاڑوں اور وادیوں پر برف برساتے ہوئے دیکھا۔ جس سے خاموش سوسن کا پھول سفید کفن سے ڈھک گیا۔

میں نے قبروں کی قطاریں دیکھیں جو زمانہ کے سکوت کے سامنے کھڑی تھیں۔

لیکن میں نے کسی کو ان پر ناچتے یا دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

پھر میں نے کھوپڑیوں کا ایک بہت بڑا انبار دیکھا لیکن ان میں ہوا کے قہقہوں کے سوا کسی کے قہقہے نہ سن سکا۔

جب میں بیدار ہوا تو مجھے رنج و غم کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

تو پھر خوابوں کی مسرتیں کہاں کھو گئی ہیں۔

ہماری نیندوں کی شوکت کہاں مستور ہے اور اس کی چمک دمک کہاں روپوش ہوگئی

۔

جب تک انسان کی تمنائیں اور امنگیں عالم خواب میں واپس نہ آجائیں اس کی روح کیسے صبر کرسکتی ہے۔

اے دل خاموش اور میرے الفاظ پر توجہ فرما۔

ابھی کل ہی میری روح ایک پرانا اور مضبوط درخت تھی جس کی جڑیں زمین کی سینے میں دور تک دھنسی ہوئی تھیں۔اور اس کی شاخیں فضا میں جھومتی تھیں۔فصل بہار میں شگوفے پیدا کرتی تھیں اور موسم گرما میں پھل لاتی تھیں۔

جب خزاں کا موسم آیا تو میں نے چاندی کے طشت میں پھل جمع کئے اور انہیں چوراہے میں رکھ دیا۔

راہ گیر اس پھل کے پاس آئے اسے اٹھا کر کھایا اور چلتے بنے۔

جب خزاں کا موسم گزر گیا اور اس کا راگ رنگ فریاد اور ماتم میں بدل گیا۔

تو میں نے طشتوں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ لوگوں نے ایک کے سوا باقی تمام پھل کھا لئے ہیں۔

جب میں نے اسے چکھا تو یہ ایلوے کی طرح کڑوا اور کچے انار کی طرح کھٹا تھا۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

تف ہے مجھ پر .....

میں لوگوں کے ہونٹوں کے لئے لعنت بنا۔

اور میں نے ان کے پیٹ میں بیماری پیدا کی۔

اے میری روح تیری وہ خوشبو کیا ہوئی جو تیری شاخوں نے سورج کی روشنی سے حاصل کی تھی۔

☆☆☆☆☆

تب میں نے اپنی روح کا پرانا..... مگر مضبوط درخت ماضی کے تنے سے کاٹ دیا اور اپنا سکچسم سے بہار اور خزاں کے ہزار ہا یادوں کا لبادہ لیا۔

اور میں نے اپنی روح کا درخت دوسری جگہ لگایا۔

میں نے اسے وقت کی سڑکوں سیدور بویا اور راتوں کو اس کی نگہبانی کی اور اسے اپنے آنسوؤں اور خون سے سینچا اور کہا۔

''خون میں ایک خاص لذت اور آنسوؤں میں ایک خاص حلاوت ہے۔''

جب فصل بہار واپس آئی تو میری روح کے درخت میں پھر شگوفے پھوٹے اور گرمیوں میں پھل لگا اور جب خزاں آئی تو میں نے پکے پھل توڑے اور سونے کے کشتوں میں اسے سجا کر چوراہے میں رکھا۔

لوگ پھر آئے اور گزر گئے اور کسی نے بھی پھل کو ہاتھ نہ لگایا۔

تب میں نے پھل کو اٹھا کر کھایا تو وہ شہد کی طرح میٹھا امرت کی طرح رسیلا اور چنبیلی کی طرح خوشبودار اور بابل کی شراب کی طرح خوش ذائقہ تھا۔

اور میں نے بلند آواز میں چلا کر کہا۔

''لوگ اپنے ہونٹوں پر رحمت نہیں چاہتے اور نہ پیٹ میں صداقت کے خواہاں ہیں۔''

کیونکہ رحمت آنسوؤں کی بیٹی ہے اور صداقت درد کا لخت جگر ہے۔''

تب میں واپس آیا اور اپنی روح کے الگ تھلگ درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور اس کا کھیت وقت کی سڑکوں سے پرے ہے۔

☆☆☆☆☆

اے دل خاموش..... پو پھٹنے تک خاموش رہ

فضا مردہ جسموں کی عفونت سے لبریز ہے وہ تمہارے زندہ سانس کو قبول نہیں کرتی

اے دل خاموش رہ اور میری آواز سن۔

ابھی کل ہی میرا تخیل اکی جہاز کی طرح سمندر کی موجوں پر تیر رہا تھا اور ہوا کے ساتھ ساحل بہ ساحل کوچ کرتا تھا اور میرے تخیل کے جہاز میں سات شیشوں کے سوا جو قوس وقزح کے سات رنگوں کی طرح تھیں اور کچھ نہ تھا۔

ایک دن جب میں سمندر کے پانیوں پر سفر کرتے کرتے تنگ آ گیا۔

تو میں نے کہا

میں اپنے تخیل کے خالی جہاز کے ساتھ اپنی جنم بھومی کی بندرگاہ کو واپس جاؤں گا۔

اور جب میں واپس لوٹنے لگا تو میں نے اپنے جہاز کے دونوں پہلوؤں پر سات رنگوں سے روغن کیا۔

یہ شام کی شفق کی طرح زرد ..... آسمانوں کی طرح لاجوردی اور ترنج کی طرح خونی رنگ بن گیا۔

میں نے اس کے بادبانوں اور چپوؤں پر ایسی تصویریں کھینچیں جو آنکھوں کو مسحور کر کے فریب نظر بن جائیں۔

جب یہ کام پورا ہو چکا تو میرے تخیل کا جہاز ایک پیغمبر کا رویا معلوم ہوتا تھا جو دو نا پیدا کنار وسعتوں کے درمیان بہ رہا ہو۔

جب میرا جہاز واپس بندگاہ میں پہنچا تو تمام لوگ مجھ سے ملنے آئے۔

انہوں نے مسرت کے نعروں سے میرا استقبال کیا اور طنبورے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے مجھے نہایت تعظیم وتکریم سے شہر میں لے گئے۔

انہوں نے سب کچھ اس لئے کیا کیونکہ میرے تخیل کا جہاز ان کے لئے دلفریب تھا

۔

لیکن کوئی شخص اس پر سوار نہ ہوا اور نہ کسی نے یہ دیکھا کہ میرا جہاز بالکل خالی ہے۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

میں نے لوگوں کو دھوکا دیا ہے اور رنگ کے ساتھ شیشوں سے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو فریب میں مبتلا کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

جب ایک سال گزر گیا میں پھر اپنے تخیل کے جہاز پر سوار ہوا اور سمندر پر چل نکلا۔

پھر میں جنوبی جزیروں کی طرف گیا اور وہاں سے سونا یاقوت زمرد اور ہر قسم کے قیمتی پتھر لایا۔

میں شمال کی طرف بھی گیا اور وہاں سے نایاب قسم کا ریشم اور مخمل اور ہر قسم کے فیتے اور جھالریں حاصل کیں۔

وہاں سے میں مغرب کی طرف گیا اور زرہ بکتر، نیزے اور تلواریں اور انواع و اقسام کے ہتھیار مہیا کئے۔

اس طرح میں نے اپنے تخیل کے جہاز کو دنیا بھر کی بیش قیمت اور نادر اشیاء سے بھر لیا اور اپنے دیس کی طرف واپس لوٹا۔ اور دل میں کہا۔

اب میرے وطن کے لوگ میری بہت آؤ بھگت کریں گے اور مجھے گیتوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔

لیکن دیکھو جب میں اپنے وطن کے لوگ میری بہت آؤ کریں گے اور مجھے گیتوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔

لیکن دیکھو جب میں اپنے وطن کی بندرگاہ میں پہنچا تو کوئی شخص میری پیشوائی کو نہ آیا اور نہ کسی نے میرا خیر مقدم کیا۔

میں اپنے شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہوا لیکن کسی نے میری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

میں بازار کے چوکوں میں بھی کھڑا ہو کر بلند آواز سے کہتا رہا کہ میں تمہارے لئے

دنیا بھر کے تحفے لایا ہوں لیکن لوگ مجھے تمسخر سے دیکھتے رہے اور ان کے چہروں پر حقارت کے آثار نمایاں تھے۔

وہ سب مجھ سے منہ موڑ کر چل دیے۔

اس طرح میں برگشتہ کھڑا رہا اور بالآخر بندرگاہ کی طرف چلا گیا۔

جونہی میری نظر جہاز پر پڑی، میں نے ایک ایسی بات دیکھی جس کی طرف میں نے سفر میں کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

اس لئے میں شرمسار ہو کر کہا۔

دیکھوں موجوں نے میرے جہاز کے ساتوں رنگ مٹا دیئے ہیں اور اب یہ ہڈیوں کا ایک پنجر معلوم ہوتا ہے۔

تند ہواؤں، طوفانی کی بپھری موجوں اور سورج کی شعاعوں نے اس کے بادبانوں سے وہ حیرت انگیز اور دلفریب تصویریں محو کر دی تھیں جو میں نے ان پر کھینچی تھیں اور اب یہ بالکل بے رنگ اور حقیر چیتھڑے معلوم ہوتے تھے۔

یہ درست ہے کہ میں نے دنیا بھر کے خزانے صندوقچہ میں جو سمندر کی سطح پر تیرتا پھرتا ہے،

اکھٹے کئے اور اپنے دیس کو واپس آیا۔ لیکن میرے ہم وطن مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کی آنکھیں ظاہری آب تاب کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔

میں نے اس وقت اپنے تخیل کا جہاز چھوڑ دیا اور شہر خموشاں کی طرف چل نکلا۔

وہاں میں سفید قبروں کے درمیان بیٹھ گیا اور ان کے بھیدوں پر غور خوض کرنے لگا۔

اے دل خاموش! تو صبح تک خاموش رہ۔ خواہ طوفان تیری گہراؤں کی ہلکی ہلکی آوازوں پر خندہ زن ہوں کیونکہ جو کوئی صبح کے لئے صبر اور تحمل سے انتظار کرتا ہے صبح اس کے ساتھ محبت اور شفقت سے ہم کنار ہوتی ہے۔

اے میرے دل دیکھ صبح نمودار ہو گئی ہے۔ اگر تجھ میں تاب گویائی ہے تو بول۔

اے میرے دل۔

صبح کا جلوس دیکھ،

کیا رات کے سکوت نے تیری گہرائیوں کی تہ میں ایک گیت نہیں پیدا کیا تا کہ تو اس سے صبح کا خیر مقدم کرے۔

وادی پر فاختاؤں اور سیاہ پرندوں کی پرواز دیکھ

کیا رات کے جلال نے تیرے پروں میں اتنی توانائی نہیں پیدا کی کہ تو ان کے ساتھ محو پرواز ہو۔

میرا دل

میرے دل نے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں جس سے دوسرے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی پیدا کروں جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے۔

میرے دل نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کردی کہ محبت صرف عاشق کا مرتبہ نہیں بڑھاتی بلکہ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کرتی ہے۔ اس سے پہلے محبت میرے لئے ایک دھاگا تھا جو دو کیلوں کے درمیان کس دیا گیا ہو مگر اب یہ ایک ہالہ بن چکا ہے۔ جس کی ابتداء اس کی انتہاء ہے اور اس کی ابتداء تمام موجودات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور پھیل کر مستقبل کی ہر ایک چیز کو لپیٹ میں لینے والی ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی کہ صورت و رنگ کے پردوں میں حسن کو تلاش کروں۔ ہاں میرے دل نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ ہر اس چیز پر اپنی نگاہیں جمادوں جو بدنما خیال کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ خوبصورت نظر آنے لگیں۔ اس سے پہلے مجھے حسن دھوئیں کے ستونوں کے مابین ایک جھلملاتی ہوئی شمع دکھائی دیتا تھا مگر اب دھواں غائب ہو چکا ہے اور اب میں شمع کی لو کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا میں ان آوازوں کو سنوں جو نہ حلق سے بلند ہوتی ہیں اور نہ زبان سے۔ اس سے پہلے میری سماعت مجھ پر گراں تھی اور مجھے شور و غل کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن اب مجھے سکوت میں جذب ہونے کا شعور پیدا ہو گیا ہے اور اب میں اس کے مقدس مغنیوں کے وہ نغمے سن سکتا ہوں جو وہ ازمنہ ماضیہ کی یاد میں گاتے ہیں اور بدیت کے راز بے نقاب کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی کہ میں اپنی پیاس' اس شراب سے

بجھاؤں جو پیمانوں میں نہ ڈالی جائے اور جسے ہاتھوں سے نہ اٹھایا جائے اور نہ ہونٹو ں سے چھوا جائے۔

اس دن تک میری پیاس راکھ میں چھپی ہوئی ایک چنگاری کی طرح تھی جسے کسی چشمہ کے ذرا سے چھینٹے سے بجھایا جاسکتا ہو۔لیکن اب والہانہ جذبہ ایک پیالہ بن چکا ہے۔محبت میری شراب بن چکی ہے اور تنہائی میرا سامان نشاط۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا کہ میں اک نا دیدہ چیز کی تلاش کروں اور اس نے مجھے بتایا کہ ہم جس چیز کو اپنے قبضے میں لانا چاہتے ہیں اس ہم محبت کرتے ہیں۔

اس سے پہلے میں جاڑے کے موسم میں گرمی اور گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک سے مطمئن تھا لیکن اب میری انگلیاں لہر کے مانند بن چکی ہیں اور ان چیزوں کو جوان کی گرفت میں ہیں، نیچے گرنے دیتی ہیں اور نا دیدہ چیز کے ساتھ ملنے دیتی ہیں جس کا میں اب متمنی ہوں۔

میرے دل نے کہا کہ میں ایک ایسے پودے کی خوشبو سونگھوں جس کے نہ جڑے ہے نہ پھول اور نہ ڈالی اور جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔اس سے پہلے میں سرسبز باغوں میں بھینی بھینی خوشبو رکھنے والے پودوں کے گلاب دانوں اور عطریات کے ظروف میں نکہت تلاش کیا کرتا تھا لیکن اب میں صرف اس لوبان سے واقف ہوں جسے شاید نہ جلایا جا سکے اور اب میں اس سے کہیں زیادہ نکہت سونگھتا ہوں جو دنیا بھر کے باغوں اور خوشبوں سے لدی ہوئی ہواؤں سے زیادہ تیز ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ جب کہیں سے انجانی اور من چلی پکار آئے تو اس پر لبیک کہوں اس سے پہلے میں نے صرف منڈی میں آواز لگانے والے بساطیوں کی آواز کے سوا کسی کو جواب نہیں دیا تھا اور پامال راستوں کے سوا کسی اور راستے پر نہ

چلا تھا لیکن اب جانی بوجھی چیز مجھے سواری کا کام دیتی ہے تا کہ میں ان بوجھی دنیا کی طرف روانہ ہو جاؤں اور راستہ ایکز تہہن چکا ہے جس سے میں ایک پرخطر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہوں۔

میرے دل نے کہا کہ میں وقت کو اس مقولہ سے جانچوں کہ ''اس سے پہلے کا زمانہ دیروز تھا اور مستقبل ایک فردا ہوگا'' اس وقت تک میں ماضی کو ایک گزرا ہوز مانہ خیال کیا کرتا تھا۔ جو بالکل بھلایا جا چکا ہے اور مستقبل کو ایک ایسا دور خیال کرتا تھا جس تک میں کبھی نہ پہنچ سکوں گا لیکن اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ دور حاضر کی قلیل مدت میں کل وقت اور اسکا ماحصل جمع ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ میں زمان و مکان کا اسیر نہیں۔ اب تک میں اپنے پہاڑ پر کھڑا تھا اور دوسرے پہاڑ مجھے بہت ہی دور معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اب میں جانتا ہوں کہ میں جس پہاڑ پر کھڑا ہوں اس میں تمام پہاڑ شامل ہیں اور جس وادی سے میں گزرتا ہوں وہ تمام وادیوں پر مشتمل ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھ سے کہا کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں تو میں پہرا دوں اور جب وہ جاگتے ہوں تب میں محو خواب ہو جاؤں کیونکہ میں عمر بھر ان لوگوں کے خواب نہ دیکھ سکا اور نہ انہوں نے میرے خواب دیکھے۔ لیکن اب میرے خواب دن کے وقت پیدا ہوتے اور جب وہ سوتے ہیں تو میں انہیں رات کی فضا میں آزاد دیکھتا ہوں اور ان کی آزادی پر خوش ہوتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا میں زیادہ تعریف سے خود پسند اور ملامت کے خوف سے آزردہ خاطر نہ ہوں اس دن تک مجھے اپنی صنعت گری کے متعلق شبہ تھا لیکن اب

مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ درخت موسم بہار میں شگوفے پیدا کرتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں پھل لاتے ہیں اور خزاں میں اپنے پتے گرا کر سردیوں میں بالکل عریاں ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں نہ مسرت پیدا ہوتی ہے اور نہ خوف اور شرم۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے کہ نہ میں یونوں سیز یادہ قدآور ہوں اور نہ دیوؤں سے زیادہ پست۔ اس سے پہلے مجھے نوح انسانی دو گرہوں میں دکھائی دیتی تھی۔ ایک ناتواں جسے میں حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان پر ترس کھاتا تھا اور دوسرے طاقتور انسان جن کی یا تو اطاعت کرتا تھا یا پھر ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا تھا۔ لیکن اس میں جانتا ہوں کہ میں بھی اسی مٹی سے بنا ہوں جس سے دوسرے لوگ بنے ہیں اور میرے جسم کے ترکیبی عناصر ان کے ترکیبی عناصر ہیں اور میرا ضمیر ان کا ضمیر ہے۔ میری کشمکش اور میری روشن اور روشن ہے۔ اور اگر وہ نیکی کے کام کرتے ہیں تو میں بھی اس نیکی میں ان کا شریک ہوں۔ اگر وہ اٹھتے ہیں تو میں اٹھتا ہوں اور اگر وہ پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ جو روشنی میرے اندر ہے وہ میری روشنی نہیں اور میرے گیتوں کی پیدائش میرے سینے میں نہیں ہوئی اگر چہ میں مشعل لے کر سفر کر رہا ہوں۔ لیکن میں روشنی نہیں ہوں اور اگر چہ میں کسے ہوئے تاروں کا ایک بریط ہوں لیکن میں تو ازنہیں ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے ہدایت دی اور روشنی عطا کی اور اکثر اوقات تمہارے دل نے بھی تمہیں ہدایت کی ہوگی اور تمہارے سینوں میں اجالا پیدا کیا ہوگا۔ کیونکہ تم بھی میری روح ہو اور مجھ میں اور تم میں کوئی میں نے خاموشی کے عالم میں سنا ہے اور تمہارے سینوں میں ضبط رکھتے ہو اور تمہارا ضبط اتنا ہی اچھا ہے جتنی میری گویائی

محبت کی پہچان

سکوت ہی میں غرق ہو کر رہ گئے۔

اس سے پہلے اگر تم مجھے محبت کے اسرار و رموز کے متعلق سوال کرتے تو میں تمہیں پورے یقین کے ساتھ جواب دیتا۔

مگر اب جب کہ محبت نے مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیا ہے میں تمہارے سامنے آتا ہوں تا کہ تم سے محبت کے طور طریق اور اس کے اسرار کے متعلق استفار کروں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے سوال کا جواب دے؟

میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے، پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے سوال کا جواب دے؟

میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے، پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے ماضی الضمیر کو میرے دل اور میرے نفس کو میرے شعور پر ظاہر کرے۔

اب مجھے بتاؤ کہ میرے سینے میں یہ کیسی آگ جل رہی ہے جس نے میری قوت زائل کر دی ہے اور میری اور آرزوؤں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے؟

یہ کس کے نرم و نازک پیارے اور خوشنما ہاتھ ہیں جو میری روح کو تنہائی کے لمحوں میں اپنے قبضے میں لیتے ہیں اور میرے دل کے ساغر میں مسرت کی تلخی اور درد کی مٹھاس کی ملی جلی شراب انڈیل دیتے ہیں۔

یہ کیسے شاہ پر ہیں۔ جو رات کے بے پایاں سکوت میں میرے بستر کے گرد پھڑ پھڑا رہے ہیں جن کی جنبش سے میں رات بھر بیدار رہتا ہوں اور معلوم نہیں کس کا انتظار کرتا ہوں۔

میں اس آواز کی طرف دھیان دیتا ہوں جسے میں سننے سے قاصر ہوں اور جو نظر

نہیں آتا۔ اسے دیکھ رہا ہوں اور جسے ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق غور و فکر کرتا ہوں۔

رات ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔ میں لمبی آہیں بھرتا ہوں کیونکہ میرے لئے آہیں اور نالے..... مسکراہٹوں اور قہقہوں سے کہیں زیادہ خوش آئندہ ہیں۔

میں ایک نامعلوم قوت کی گرفت میں ہوں جو مجھے ہر لمحہ ذبح کرتی ہے اور پھر جلاتی ہے یہاں تک کہ صبح افق مشرق پر طلوع ہوتی ہے اور میرے زین بسیرے کو نور سے بھر دیتی ہے پھر میں سو جاتا ہوں لیکن میری تھکی ہوئی پلکوں میں شب بیداری کے سائے لہراتے رہتے ہیں اور میرے سنگین بستر کے گرد ایک سپنا گھر متا رہتا ہے۔

تو پھر بتاؤ..... ہماری اس پر چھائیں سی زندگی کی تہ میں کیا راز ہے جو انسانی وجود کے قلب و روح میں جاگزیں ہے؟

یہ عظیم الشان آزادی کیا ہے جو تمام اسباب کی علت اور علل کا سبب ہے؟

یہ قوت کیا ہے جو موت اور زندگی کو آپس میں مجتمع کرتی ہے اور ان سے ایسا خواب پیدا کرتی ہے جو زندگی سے بھی زیادہ عجیب اور مرت سے بھی زیادہ عمیق ہے؟

میرے بھائیو..... بتاؤ جب محبت کی سفید انگلیاں تمہاری روح کو مس کریں گی تو تم میں سے کون ہے جو زندگی کے اس رنگین خواب سے جاگ نہ اٹھے گا؟

تم میں سے کون ہے جو زندگی کو اپنے ماں باپ اور وطن کو خیر باد نہ کہے گا جب تمہاری محبوبہ تمہیں اپنی طرف بلائے.....؟

تم میں سے کون ہے جو اس محبوب کی تلاش میں جس کے لئے تمہاری روح بیقرار ہے صحراؤں کو عبور نہ کرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گزر جائے۔ اور سمندروں کی طوفانی موجوں کے سامنے سینہ سپر نہ ہو!

وہ کونسا نوجوان ہے جو دنیا کے انتہائی کنارے تک نہ پہنچے جب وہاں ایک ایسی ساحرہ اس کی منتظر ہو جس کی سانس..... آواز اور لمس میں ایک لطیف رس اور

روح افروز کیفیت مضمر ہے۔

کون ہے جو اپنی روح کو اس دیوی کے آسمانی شعلے پر لوبان کے طور پر نہ جلائے جو اس یک دعاؤں کو مستجاب اور اس کی آرزوؤں کو پورا کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ابھی کل ہی میں ایک معبد کے دروازے پر کھڑا تھا اور تمام راہ گیروں سے محبت کے بھیدوں اور اسرار کے متعلق سوال کر رہا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص گزرا اور اس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر کہا۔

''محبت کا یک جبلی کمزوری ہے جسے ہم نے ابو البشر سے وراثت کے طور پر حاصل کیا۔''

پھر ایک مضبوط اور وجیہہ جوان جس کے بازوؤں میں دیوتاؤں کی سی توانائی تھی یہ ترانہ گاتا ہوا گزرا۔

''محبت ایک عزم ہے جو ہماری زندگی کی ہم رکاب ہے اور ماضی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔''

اور اس کے بعد ایک غمگین عورت آہیں بھرتی ہوئی گزری اور اس نے کہا۔

''محبت وہ زہر ہے جسے خوفناک سانپ جہنم کی گہرائیوں سے اس فضا میں اگلتے اور زہر پیاسی روحوں پر برس کر انہیں کچھ دیر کے لئے مخمور بنا دیتا ہے اور پھر وہ کچھ دیر سنبھل کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔''

لیکن اک نوجوان لڑکی جس کا چہرہ پھول کی طرح سرخ تھا۔ مسکراتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔

دیکھو محبت ایک امرت ہے جسے صبح کی دلہنیں شہ زور مردوں کے لئے برساتی ہیں تا کہ رات کو ستارے ان کے سامنے سرنگوں ہوں اور دن کا آفتاب انہیں شاداں رکھے۔

اس کے بعد ایک شخص آیا جو سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور اس کی لمبی داڑھی اس کی چھاتی پر بکھری ہوئی تھی اس نے بے حد متانت آمیز لہجہ میں کہا۔

''محبت اک ندانی ہے جو شباب کی صبح کے ساتھ نمودار ہوتی ہے اور شام کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔''

اس کے پیچھے ایک اور شخص آیا جس کا نکھرا ہوا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے بہت سکون اور اطمینان کے مبعد یہ ترانہ بلند کیا۔

محبت ایک آسمانی حکمت ہے جو ظاہر کی آنکھ اور دل کی آنکھ اور دل کی آنکھ کو زندگی بخشتی ہے تا کہ ہم ہر چیز کو دیوتاؤں کی طرح دیکھنے لگ جائیں۔''

پھر ایک اندھا زمین پر اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا۔ اس نے اس طرح آواز بلند کی گویا فریاد کر رہا ہو۔

محبت ایک کثیف دھند ہے جو روح کو ڈھانپ لیتی ہے اور زندگی کے مناظر کو اس کی نظروں سے چھپا دیتی ہے جس کے سبب وہ پتھریلی چٹانوں میں گم ہو کر اپنی آرزوؤں کے سایوں کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھتی اور وحشت و بربادی کی وادیوں سے اپنی آواز کے سوائے اور کسی چیز کی صدائے بازگشت نہیں سنتی۔''

پھر ایک نوجوان رباب بجاتا ہوا گزرا اور اس کے ہونٹوں پر یہ گیت تھا۔

''محبت ایک آسمانی نور ہے جو دل کی نہ سے بلند ہو کر گردو پیش کی تمام چیزوں کو منور کرتا ہے تا کہ روح تمام دنیاؤں کا اس طرح نظارہ کرے گویا اس کے سامنے رنگین سبزہ زاروں اور دوسری بیداری کے مابین حسن و جمال کا ایک سہانا خواب ہے ''۔

اور اس نوجوانوں کے بعد ایک ضعیف انسان لڑکھڑاتا اور کانپتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

''جو اسے ایک خاموش مرقد میں حاصل ہوتا ہے وہ پناہ ہے جو اسے حیات بعد الموت کے حصار میں نصیب ہوتی ہے۔''

پھر ایک پانچ سال کا بچہ آیا اور اس نے تیزی سے دوڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا

۔

''محبت میری ماں ہے اور محبت میرا باپ ہے اور میرے ماں باپ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ محبت کیا ہے''

اب دن ختم ہو چکا تھا اور تمام لوگ معبد کے سامنے سے گزر چکے تھے۔ان لوگوں نے محبت کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا۔

انہوں نے اپنی اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا ذکر کیا اور زندگی کے سربستہ راز آشکار کئے۔

شام کا دھندلکا چھا جانے پر تمام لوگ اپنی اپنی راہ پر چلے گئے اور ہر طرف سناٹا چھا گیا تو میں نے معبد میں سے ایک آواز سنی۔

زندگی منجمد دریا اور دوسری بھڑکتا ہوا شعلہ بھڑکتا ہوا شعلہ محبت ہے۔''

اس وقت میں تھی معبد میں داخل ہوا اور جھک کر زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے اپنے دلکی گہرائیوں سے دعا بلند کی۔

''اے پروردگار مجھے اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کی خوراک بنا اے کارساز مجھے اس مقدس آگ کے ایندھن بنا۔''

☆☆☆☆☆

وضاحت

تم اپنے پیش رو خود ہو اور یہ جو اونچے اونچے مینار تم نے بنائے ہیں یہ دراصل بنیادیں ہیں تمہاری خود اپنی پر عظمت شخصیت کی اور تمہاری یہ پر عظمت شخصیت بھی آگے چل کر اساس بنے گی اور بلندیوں کی۔

میں بھی اپنا پیش رو خود ہی ہوں۔ لمبا سایہ جو طلوع آفتاب کے وقت میرے سامنے پھیل جاتا ہے دوپہر کے وقت سمٹ کر میرے پاؤں کے نیچے آجائے گا اور پھر دوسرا طلوع آفتاب میرے سامنے ایک دوسرا سایہ پھیلا دے گا اور وہ سایہ بھی ایک دوسری دوپہر کے وقت سکڑ کر میرے پاؤں کے نیچے آجائیگا۔

ہم ہمیشہ سے اپنے پیش رو آپ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور آج تک جو کچھ ہم نے بٹورا اور بٹوریں گے وہ بنجر کھیتوں کے بیج ہوں گے ہم ہی کھیت ہیں اور ہالی بھی، بٹورنے والے اور بٹورے ہوئے۔

جب تک کہر میں اک آوارہ تمنا کی صورت میں سرگرداں تھے۔ میں خود بھی وہاں ایک آوارہ تمنا کی شکل میں تھا تب ہم نے ایک دوسرے کی تلاش کی اور ہمارے ایک دوسرے کے اس شوق نے خوابوں کو جنم دیا اور یہ خواب کیا ہیں ایسا وقت جولا انتہا ہے اور ایسی وسعت جولا محدود ہے۔

اور جب تم زندگی کے کانپتے ہوئے پر ایک خاموش لفظ تھے، میں خود بھی وہاں تھا ایک دوسرا خاموش لفظ..... پھر زندگی نے ہمیں اگل دیا اور ہم سالوں پر دیر وز کی دھڑکتی یاد اور فردا کے ارمان لئے نیچے اترے کیونکہ دیروز موت پر فتح تھی اور فردا پیدائش کا تعاقب۔

اور اب ہم خدا کے ہاتھوں میں ہیں۔ تم اس کے دائیں ہاتھ میں ایک سورج اور میں اس کے بائیں ہاتھ میں ایک زمین ہوں۔ پھر بھی تم زیادہ روشن نہیں ہو، جتنا کہ میں منور ہوں۔

اور ہم سورج اور زمین ..... ایک بڑے سورج اور بڑی زمین کا آغاز اور ہمیشہ آغاز رہیں گے۔

تم اپنے پیش رو آپ ہو..... تم جو میرے باغ کے سامنے سے گزرنے والے ایک اجنبی ہو۔

اور میں خود بھی اپنا پیش رو آپ ہوں گو میں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھا ہوں اور بے حس حرکت دکھائی دیتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

معصوم آدمی

ایک دفعہ جنگل سے سریا کے پر رونق شہر میں آدمی آیا۔ وہ اپنے حال میں مست رہتا تھا اور ہمیشہ خوابوں کی دنیا میں کھویا رہتا تھا۔ اس کے پاس تن کے کپڑوں اور اعصا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

جب وہ گلی کوچوں میں سے گزرتا تو وہ حیرت و استعجاب سے سریا کے کلیساؤں میناروں اور محلوں کو دیکھتا۔ سریا ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اس نے بار بار راہ چلتے لوگوں سے ان کے شہر کے متعلق پوچھا۔ لیکن وہ اس کی زبان نہ سمجھے تھے۔ اور نہ وہ ان کی زبان سے واقف تھا۔

دوپہر کے وقت وہ ایک وسیع ہوٹل کے سامنے ٹھہر گیا جو سنہرے پتھر کا بنا ہوا تھا لوگ اس میں بلا تکلف آ جا رہے تھے۔

''یہ ضرور کوئی زیارت گاہ ہے'' اس نے اپنے آپ سے کہا اور اس کے اندر چلا گیا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ ایک وسیع کمرہ میں ہے اور بہت سے مرد اور عورتیں میزوں کے گرد بیٹھے کھا پی رہے ہیں اور مغنیوں سے نغمے سن رہے ہیں۔

''نہیں۔ نہیں'' اس نے اپنے دل میں کہا۔ یہ پوجا نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور کوئی دعوت ہے جو شہزادے نے کسی خاص تقریب پر اپنے احباب کو دی ہے۔

اتنے میں ایک آدمی جسے اس نے شہزادہ کا غلام سمجھا۔ اس کے قریب آیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے شراب کباب اور لذیز مٹھائیاں اس کے سامنے رکھیں

۔

جب وہ سیر ہو چکا تو وہ جانے کے خیال سے اٹھا مگر دروازے پر ایک خوش پوش لانبے آدمی نے اسے روک لیا۔

''یہ ضرور شہزادہ ہے'' اس نے اپنے دل میں کہا اور اس کے سامنے جھک کر اظہار

تشکر کیا۔ پھر اس لانبے آدمی نے اپنی شہری زبان میں کہا۔

''جناب آپ نے کھانے کی قیمت ادا نہیں کی۔''

وہ اس کی بات نہ سمجھ سکا اور دوبارہ پرزور الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

اس پر اس لانبے آدمی نے قریب سے تیز نگاہ ڈالی اور غور سے دیکھا کہ وہ ایک نادار اجنبی ہے اور کھانے کا بل چکانے کے نا قابل ہے۔ پھر اس نے تالی بجائی اور شہر کے چار آدمی گئے۔ انہوں نے توجہ سے لانبے آدمی کی بات سنی اور پھر اس کو اپنے درمیان گھیر لیا۔ دو اس کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ تب اس نے پر تکلف لباس اور ان کے طور طریق پر غور کیا اور ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

اس نے کہا ''شاید شہر کے معزز لوگ ہیں۔''

پھر وہ چلتے چلتے عدالت میں پہنچے اور اس نے اپنے سامنے ایک لمبی داڑھی والے معزز آدمی کو شاہانہ لباس زیب تن کئے تخت پر بیٹھے دیکھا۔ اس نے سمجھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ وہ اس بات پر بہت خوش ہوا کہ مجھے بادشاہ کے حضور لایا گیا۔

سپاہیوں نے جج کے سامنے جو ایک معزز آدمی دکھائی دیتا تھا، استغاثہ پیش کی اور جج نے مدعی اور مدعا علیہ کے لئے دو وکیل مقرر کئے وہ ایک دوسرے کے بعد اٹھے اور اپنے اپنے موکل کے حق میں دلائل پیش کئے۔ یہ شخص سمجھا کہ میری شان میں قصیدے کہے جا رہے ہیں چنانچہ اس کے دل میں بادشاہ اور شہزادے کی عزت افزائی کے لئے جذبات تشکر پیدا ہوئے۔

اسے سزا کا حکم سنا دیا گیا تھا۔ سزا یہ تھی کہ اشک تختی پر اس کے جرم کی نوعیت لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دی جائے اور ایک برہنہ پیٹھ گھوڑے پر بٹھا کر اسے شہر میں پھرایا جائے اور اس کے آگے آگے ترئی اور ڈھول سے منادی کی جا رہی تھی۔ شہر کے باشندے شور غوغا سن کر دوڑے ہوئے آئے اور اسے دیکھ کر سب کے سب ہنس

دیئے ۔ بچے بالے ان کے پیچھے پیچھے گلیوں اور کوچوں میں بھاگتے اور شور مچاتے پھرتے۔

اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا اور آنکھوں میں فرط مسرت سے ایک خاص چمک پیدا ہوگئی کیونکہ اس نے اپنے جرم کی تختی کو بادشاہ کی قدر و منزلت کا نشان جانا اور ہجوم کو عزت افزائی کے طور پر ایک جلوس سمجھا۔

اس حال میں جب وہ جا رہا تھا تو اس نے ہجوم میں اپنے ایک صحرا نشین ہم وطن کو دیکھا۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اور اس نے چلا چلا کر کہا ''دوست! دوست! ہم کہاں ہیں، یہ کیسا دل لبھانے والا شہر ہے۔ یہاں کے میزبان کتنے اچھے ہیں جو ایک غیر متوقع مہمان کی اپنے محلوں میں دعوت کرتے ہیں۔ شہزادے اس کے ہم جلیس ہوتے ہیں اور بادشاہ اسے اپنی شنودی کا نشان عطا کرتا ہے اور اس شہر کی مہمان نوازی سے شرف یاب کرتا ہے جس کا نزول آسمان سے ہوا ہے۔''

اس کے ہم وطن نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ مسکرایا اور اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور جلوس آگے نکل گیا۔

اس نے بڑی شان سے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں روشنی چمک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

نفس اعلیٰ

واقعہ یوں ہوا کہ بادشاہ بابل نفسی بال تاج پوشی کے بعد اپنی خواب گاہ میں گیا۔ جو تین لاماؤں نے اس کے لئے خاص طور پر تیار کی تھی۔ اس نے اپنا تاج اور شاہ لباس اتارا اور کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے متعلق خیال آرائیوں میں محو ہو گیا کہ اب وہ بابل کا زبردست حکمران تھا۔

یکا یک اس نے رخ پھیرا اور دیکھا کہ اس نقرئی آئینے میں سے جو اس کی ماں نے اسے دیا تھا، ایک ننگا انسان باہر نکل رہا ہے۔

بادشاہ چونکا اور با آواز بلند اس شخص سے پوچھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو۔''؟

اس ننگے آدمی نے جواب دیا ''صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لوگوں نے تجھے شاہی تاج کیوں پہنایا؟''

بادشاہ نے کہا ..... ''کیونکہ میں ملک میں سب سے زیادہ شہ زور آدمی ہوں۔ اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا۔ ''اگر تم اس سے بھی زیادہ شہ زور ہوتے تو بھی تم بادشاہ نہ بنتے۔''

پھر بادشاہ نے کہا کہ ''کیونکہ میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا۔ ''اگر تم اس سے بھی زیادہ شہ زور ہوتے تو بھی بادشاہ نہ بنتے۔''

پھر بادشاہ نے کہا کہ ''کیونکہ میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا کہ اگر تم اس سے بھی زیادہ عقلمند ہوتے تو تمہیں بادشاہ نہیں بننا چاہیئے تھا۔''

پھر بادشاہ فرش پر گر پڑا۔اور زاروقطار رونے لگا۔

ننگے انسان نے اس کی طرف نیچی نگاہ سے دیکھا۔پھر اس نے تاج اٹھایا.....

اور شفقت سے بادشاہ کے جھکے ہوئے سر پر رکھ دیا۔

اور بادشاہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا آئینہ میں داخل ہو گیا۔

بادشاہ اٹھا اور آئینے میں دیکھا اور اب کی بار وہ اپنے آپ کو پہنے ہوئے دیکھ رہا تھا

☆☆☆☆☆

All rights reserved. ©2002-2006

جنگ اور چھوٹی قومیں

ایک دفعہ ایک مرغزار میں جہاں ایک بھیڑ اور اس کا بچہ چر چگ رہے تھے ایک عقاب بچے پر بھوکی نظریں جمائے فضا میں منڈلا رہا تھا اور جب وہ اپنے شکار پر جھپٹنے اور اسے پکڑنے لگا تو ایک دوسرا عقاب نمودار ہوا۔ اس نے بھی بھیڑ اور اس کے بچے پر حریصانہ نگاہیں ڈالیں۔ اب دونوں حریف آپس میں لڑنے لگے اور انہوں نے اپنی خوفناک چیخوں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔

بھیڑ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بہت حیران ہوئی اور مڑ کر بچے سے کہا۔

''میرے بچے کتنی عجیب بات ہے کہ یہ دو نجیب پرندے ایک دوسرے سے دست گریبان ہیں۔ کیا ان دونوں کے لئے یہ آسمان کی وسعت کم ہے۔ میرے ننھے بچے ..... میرے پیارے بچے دعا کر ..... ہاں خلوص دل سے دیا کر کہ خدا تیرے پرواز بھائیوں میں صلح و آشتی جذبہ پیدا کرے۔''

اور بچے نے اپنے دل میں دعا کی۔

☆☆☆☆☆

ناقد

ایک رات کا ذکر ہے کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار سمندر کی طرف سفر کرتا ہوا سڑک کے کنارے ایک سرائے میں پہنچا۔ وہ اترا اور سمندر کی جانب سفر کرنے والے سواروں کی طرح رات اور انسانیت پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سرائے کے دروازے کے قریب درخت سے باندھا اور سرائے میں چلا گیا۔

آدمی رات کے وقت جب تمام لوگ سو رہے تھے ایک چور آیا اور مسافر کا گھوڑا چرا لے گیا۔

صبح وہ آدمی اٹھا اور دیکھا کہ اس کا گھوڑا چوری وہ گیا ہے۔ وہ گھوڑا چرائے جانے پر بیحد غمگین ہوا اور نیز اس بات پر اسے بے حد افسوس ہوا کہ ایک انسان نے اپنے دل گھوڑا چرانے کے خیال سے ملوث کیا۔

تب سرائے کے دوسرے مسافر آئے اور اس کے گرد کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

پہلے آدمی نے کہا ''کیا یہ تمہاری حماقت نہیں کہ تم نے گھوڑے کو اصطبل سے باہر باندھا۔''

دوسرے نے کہا ''اور یہ اس سے بڑھ کر حماقت ہے کہ گھوڑے کو چھنال نہیں لگائی۔''

تیسرے نے کہا ''اور یہ حماقت کی انتہا ہے کہ سمندر کی طرف گھوڑے پر سفر کیا جائے۔''

چوتھے نے کہا ''صرف سست اور کاہل لوگ ہی گھوڑے رکھتے ہیں۔''

تب مسافر بے حد حیران ہوا آخر کار چلایا۔ ''میرے دوستو! کیا تم اس لئے میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو گنوا رہے ہو کہ میرا گھوڑا چوری ہو گیا لیکن عجوبہ یہ ہے کہ تم نے ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہیں کہا جس نے میرا چرایا۔''

☆☆☆☆☆

کورا کاغذ

کاغذ کے ایک سفید ورق نے کہا۔ ''میں بے داغ بنایا گیا ہوں اور ہمیشہ بے داغ ہی رہوں گا۔ اور میں جل کر سفید راکھ میں تبدیل ہونا زیادہ پسند کروں گا بجائے اس کے سیاہی مجھے جھوٹے اور داغ میرے قریب آئے''

جو کچھ سفید کاغذ نے کہا دوات نے سنا اور اپنے تاریک دل میں ہنس دی لیکن اس کے قریب جانے کی جرات نہ کی۔

رنگ برنگی پنسلوں نے بھی سنا، وہ بھی اس کے نزدیک نہ پہنچ سکیں اور کاغذ کا سفید روق اسی طرح بے داغ رہا، بے داغ اور صاف..... لیکن کورا۔

☆☆☆☆☆

شاعر اور عالم

ایک سانپ نے ایک چنڈول سے کہا ''تم اڑتے ہو، لیکن تم زمین کے ان گوشوں کو نہیں دیکھ سکتے جہاں زندگی کا رس مکمل خاموشی میں حرکت کرتا ہے اور چنڈول نے جواب دیا۔

''بیشک تم بہت سی باتیں جانتے ہو تم تمام عقلمند سے زیادہ عقلمند ہو، لیکن افسوس کہ تم اڑ نہیں سکتے''

سانپ نے جیسے اسے سنا ہی نہیں اور وہ کہنے لگا ''تم سمندر کے اسرار تک نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ان دیکھی مملک کے خزانوں میں گھوم سکتے ہو ابھی کل کی بات ہے کہ میں ہیروں بھری غار میں لیٹا رہا تھا۔ وہ پکے ہوئے انار کے دانوں کے طرح سرخ تھے، اور روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن انہیں آتشیں گلاب میں بدل دیتی تھی۔ میرے سوا ان ہیروں کو کون دیکھ سکتا ہے۔''

چنڈول نے کہا ''کوئی نہیں۔ واقعی تمہارے سوا کوئی ہستی از منہ قدیم کی بلوریں یادگاروں میں لیٹ نہیں سکتی پر افسوس کہ تم گا نہیں سکتے۔''

سانپ نے کہا ''مجھے ایک ایسے پودے کا علم ہے جس کی جڑیں زمین میں پاتال تک جاتی ہیں اور جو اس جڑ کو کھائے، وہ عشرت سے بھی زیادہ حسین بن جاتا ہے۔

چنڈول نے کہا ''کوئی نہیں واقع کوئی دوسرا جاندار تمہارے سوا زمین کے طلسمی خیال کو بے نقاب نہیں کر سکتا پر افسوس کہ اڑ نہیں سکتے''

سانپ نے کہا ''قرمزی رنگ کی ایک ندی ہے جو پہاڑ کی تہ میں بہتی ہے اور کوئی اس کا پانی پی لے وہ لافانی بن جائے یقیناً کوئی پرندہ یا حیوان اس قرمزی کو پا نہیں سکتا۔''

چنڈول نے کہا ''ہاں اگر تم چاہو تو دیوتاؤں کی طرح لافانی بن سکتے ہو لیکن افسوس تم گا نہیں سکتے۔''

سانپ نے کہا ''مجھے ایک مدفون مندر کا علم ہے جسے میں دن میں ایک بار ضرور دیکھتا ہوں۔ اسے دیوتاؤں کی ایک معدوم نسل نے تعمیر کیا تھا اور اس کی دیواروں پر زمان و مکان کے اسرار لکھے ہوئے ہیں اور جو کوئی اسے پڑھ لے وہ تمام رازوں کا سمجھ لے گا۔

چنڈول نے کہا ''سچ مچ اگر تم چاہو تو زمان و مکاں کے سارے عالم اپنے جسم کے ساتھ لپیٹ سکتے ہو پر اس کا کیا ہو کہ تم اڑ نہیں سکتے۔''

اس پر سانپ کو بہت غصہ آیا جب وہ مڑا اور سوراخ میں داخل ہوا تو اس نے بڑبڑا کر کہا۔

''خالی الذہن گانے والا پرندہ۔''

اور چنڈول یہ نغمہ سرائی کرتا ہوا پرواز ہو گیا۔ ''افسوس افسوس میرے عقلمند دوست تم اڑ نہیں سکتے۔''

☆☆☆☆☆

سوچ

ایک دفعہ ایک شخص اپنے کھیت میں سے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت مجسمہ ملا۔وہ اسے کباڑی کے پاس لے گیا۔جسے تمام نادر اور پرانی چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس شخص نے مجسمہ کو فروخت کیلئے پیش کیا۔کباڑی نے اسے بھاری رقم پر خرید لیا۔وہ شخص رقم لے کر چلا گیا۔

جب وہ رقم لے کر گھر واپس جارہا تھا تو اس نے سوچا اور اپنے آپ سے کہا،اس دولت میں کیسی زندگی مضمر ہے اور ایک پتھر کے بے جان مجسمہ کے عوض جو ہزاروں سالوں سے زمین کے نیچے دبا پڑا رہا اور جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہو۔ کوئی اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتا ہے۔

اب کباڑی اس خوبصورت مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس نے اپنے سے کہا کیا زندگی بھر دی ہے اور کوئی شخص ایسی خوبصورت چیز کو بے جان اور بے حس دولت کے عوض کیونکر فروخت کرسکتا۔

☆☆☆☆☆

وہم

ایک مچھلی نے دوسری مچھلی سے کہا ''ہمارے اس سمندر کے اوپر ایک اور سمندر ہے جس میں اور جاندار بھی رہتے ہیں اور وہ بالکل اسی طرح ہی رہتے ہیں جس طرح کہ ہم یہاں زندگی گزار رہے ہیں۔''

دوسری مچھلی نے جواب دیا۔'' یہ تمہارا وہم ہے۔تم جانتی ہو کہ جو چیز ہمارے سمندر سے ذرا سا بھی پرے ہٹ جاتی ہے اور وہیں ٹھہر جاتی ہے تو وہ مر جاتی ہے تمہارے پاس دوسرے سمندروں میں زندہ رہنے کا کیا ثبوت ہے۔''



ضمیر کی بیداری

ایک اندھیری رات میں ایک شخص اپنے ہمسائے کے باغ میں داخل ہوا اور اپنی سمجھ میں سب سے بڑا تربوز چرایا اور اسے لے کر آیا۔

جب اس نے اسے چیرا تو دیکھا کہ وہ ابھی کچا ہی تھا۔

تب ایک معجزہ رونما ہوا۔

اس ضمیر بیدار ہوا اور اسے ندامت سے جلانے لگا اور وہ تربوز چرانے پر پچھتایا۔''



مکمل اور نامکمل علم

دریا کے کنارے ایک شہتیر تیر رہا تھا۔ اس پر چار مینڈک بیٹھے تھے۔ یکا یک پانی کا ریلا آیا اور شہتیر کو بہا کر منجدھار میں لے گیا۔ مینڈک خوش تھے اور مطمئن کیونکہ آج تک انہوں نے ایسا لطف نہ اٹھایا تھا۔

آخر پہلا مینڈک بولا۔ ''درحقیقت یہ نہایت ہی عجیب وغریب شہتیر ہے اور یوں تیرتا ہے گویا زندہ ہے آج تک ایسا شہتیر دیکھنے میں نہیں آیا۔''

پھر دوسرا مینڈک بولا۔ ''نہیں میرے دوست! یہ شہتیر بھی دوسرے گھٹوں کی طرح ہے اور یہ حرکت نہیں کرتا۔ یہ دریا ہے جو سمندر کی طرف بہہ رہا ہے اور اپنے بہاؤ کے ساتھ ہمیں اور اس گھٹے کو لے جا رہا ہے۔''

اور تیسرا مینڈک بولا۔ ''نہ تو شہتیر تیر رہا ہے اور نہ دریا بہہ رہا ہے حرکت تو ہمارے خیال میں ہے کیونکہ خیال کے بغیر کوئی شے حرکت نہیں کر سکتی۔''

اور تینوں مینڈک آپس میں جھگڑنے لگ گئے کہ فی الحقیقت حرکت کرنے والی چیز کونسی ہے نزاع بڑھتی گئی اور بات میں جوش وخروش پیدا ہوتا گیا لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے۔

پھر انہوں نے چوتھے مینڈک سے پوچھا جو اس وقت تک ساری بحث توجہ سے سنتا رہا تھا مگر چپ چاپ بیٹھا تھا اور انہوں نے اس کی رائے دریافت کی اور چوتھے مینڈک نے کہا تم میں سے ہر ایک راستی پر ہے اور تم میں سے کوئی غلطی پر نہیں، حرکت شہتیر میں بھی ہے پانی میں بھی ہے اور ہمارے خیال میں بھی ہے۔''

اور تینوں مینڈک غضبناک ہو گئے کیونکہ ان میں کوئی بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ اس کا دعویٰ سراسر صداقت پر مبنی نہیں اور دوسرے دونوں پورے طور پر غلط نہیں۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی، تینوں مینڈک مل گئے اور انہوں نے چوتھے مینڈک کو شہتیر پر سے دھکا دے کر دریا میں گرا دیا۔

☆☆☆☆☆

دشمن حاکم

اسحانہ کی ملکہ دردزہ میں مبتلا تھی اور بادشاہ اور اس کے باوقار ارکان سلطنت پردادسانڈوں کے بڑے ایوان میں دم بخود منتظر تھے۔

دوپہر کے وقت یکا یک ایک ایلچی آیا اور بادشاہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوکر بولا ۔''غلام! حضور بادشاہ سلامت اور غلامان بادشاہ کے لئے خوشخبری لایا ہے، بے رحم محراب، ملک معظم کا دیرینہ دشمن بتھروں مرگیا۔''

جب بادشاہ اور پرجلال ارکان نے یہ خوشخبری سنی وہ سب اچھل پڑے اور مسرت کے نعرے بلند کئے، کیونکہ بات یہ تھی کہ اگر بادشاہ محراب زندہ رہتا تو وہ یقیناً اسحانہ کو تخت وتاراج کرڈالتا اور اس کے باشندوں کو غلام بنالیتا۔

اس موقعہ پر شاہی طبیب بھی اس پردادسانڈوں والے ہال میں داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے شاہی دایہ تھیں۔ یہ بادشاہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوا اور بولا۔میرا آقائے نامدار تا ابد سلامت رہے اور ان گنت نسلوں تک اسحانہ کے لوگوں پر اس کی حکومت قائم و دائم رہے۔اے آقائے نامدار تیرے مشکوئے معلی میں عین اسی وقت بیٹا ہوا ہے جو تیرا وارث ہوگا۔''

یہ سن کر بادشاہ کی روح نشہ شادمانی سے سرشار ہوگئی کہ ایک ہی وقت پر اس کا دشمن مرگیا اور اس کا جانشین بھی پیدا ہوگیا۔اسی شہر اسحانہ میں ایک شچا پیشن گور رہتا تھا۔ پیشن گو نوجوان اور حوصلہ مند تھا اور بادشاہ نے اسی رات حکم دیا کہ پیشن گو کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے اور جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس سے کہا'' اب پیشنگوئی کرو، ہاں بتاؤ کہ میرے بیٹے کا مستقبل کیسا ہوگا۔جس نے آج شاہی محل میں جنم لیا ہے۔'' پیشن گو بالکل نہ جھجکا اور اس نے کہا۔سن اے بادشاہ!

میں ضرور تیرے بیٹے کے مستقبل پیشن گوئی کروں گا جو آج ہی تیرے ہاں پیدا ہوا ہے۔تمہارے دشمن کی روح..... ہاں تمہارے دشمن شاہ محراب کی روح جو

کل شام مرا ہے، ایک دن کے لئے فضا میں منڈلاتی رہی اور پھر اس نے اپنے لئے ایک جسم تلاش کیا اور جس جسم میں وہ داخل ہوئی وہ تمہارے ..... اس بیٹے کا جسم ہے، جو تیرے ہاں ابھی پیدا ہوا ہے۔''

اس پر بادشاہ غضبناک ہو گیا اور اس نے اپنی تلوار سے پیشن گو کا سر قلم کر دیا۔ اور اس دن سے لے کے آج تک اسحانہ کے عقلمند لوگ ایک دوسرے سے خفیہ طور پر کہا کرتے ہیں۔ ''کیا یہ حقیقت نہیں۔ کیا مدت سے یہ بات مشہور نہیں کہ اسحانہ پر ایک دشمن حکومت کرتا ہے۔''

☆☆☆☆☆

ریحانہ

باپ مرا، تو وہ دودھ پیتی بچی تھی۔ اور ماں مری تو آٹھ نو برس کی بھولی بھالی لڑکی، جسے بے چارگی و کسمپرسی نے مفلس ہمسائے کے ٹکڑوں پر لا ڈالا، جو لبنان کی دل کش وادیوں میں کھیتی باڑی کرتا تھا، اور وہیں ایک تنہا جھونپڑے میں، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اناج اور پھلوں پر زندگی بسر کرتا تھا۔

باپ کی طرف سے اس غریب کو اخروٹ اور شفتالو کے درختوں سے گھری ہوئی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ورثہ میں ملی اور ماں کی طرف سے رنج و غم کے آنسو اور یتیمی کی ذلت! اب وہ اپنے وطن میں غریب الوطن تھی اور ان بلند چٹانوں اور گھنے درختوں میں اکیلی!!

اس کا معمول تھا کہ طبح سویرے، ننگے پاؤں، بدن پر لیبرے لگائے گائے بھینسوں کا ریوڑ ہانکتی، ہری بھری چراگاہ میں جاتی اور درختوں کی چھاؤں تلے بیٹھ کر، چڑیوں کے ساتھ گاتی، نہر کے ساتھ چرتی، گائے بھینسوں کو۔۔۔۔ ان کے چارہ کی بہتات پر۔۔۔۔ رشک کی نگاہ سے دیکھتی، پھولوں کی شگفتگی اور تتلیوں کی پرواز کا نظارہ، شام ہوتے، کڑاکے کی بھوک لگتی تو گھر واپس آتی اور اپنے آقا کی چھوٹی لڑکی کنگلوں کی طرح کھاتی۔ اس کے بعد خشک پھل اور روغن زیتون اور سرکہ میں ڈوبی ہوئی ترکاریوں سے جوار کی روٹی کنگلوں کی طرح کھاتی۔ اس کے بعد خشک گھاس کے بستر پر اپنے بازوؤں کو تکیہ بنا کر لیٹ جاتی اور اپنی بدقسمتی پر ٹھنڈے سانس بھرتی، اس تمنا میں سو جاتی کہ ''زندگی'' کاش! ایک گہری نیند ہوتی، جسے خواب منقطع کر سکتے، نہ بیداری چھو سکتی۔'' صبح جب اس کا آقا، اسے بیدار کرتا، تو گھبرا کر اٹھ بیٹھتی۔۔۔۔ اس کے غضب سے کانپتی اور اکھڑپن سے ڈرتی ہوئی!

سال پر سال گزرتے گئے اور غریب ریحانہ اسی طرح ان ٹیلوں اور وادیوں میں پلتی بڑھتی رہی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی مصیبتیں بھی بڑھ رہی تھیں۔ اس کے دل

میں، غیر محسوس طور پر جذبات پیدا ہو رہے تھے، جیسے پھول کلیوں کی گہرائیوں میں خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ دھڑکے اور وسوسے اسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے، جس طرح مویشی چشمے کو گھیر لیتے ہیں۔

اب وہ سوجھ بوجھ والی لڑکی تھی، اس عمدہ اور اچھوتی زمین کی مانند، جو معرفت کے بیج اور تجربہ کے قدم سے نا آشنا ہو!

اب وہ ایک مقدس روح کی حامل تھی، جسے مشیت الٰہی نے اس طلسمی سبزہ زار میں پھینک دیا تھا، جہاں زندگی موسموں کے تغیر کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اپنی ان لطافتوں کی بنا پر وہ ایسی معلوم ہوتی تھی، گویا انجانے خدا کا پرتو، زمین اور آفتاب کے درمیان جلوہ فرما ہے۔

ہم کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ، متمدن شہروں میں گزرتا ہے، لبنان کی دیہاتی زندگی کے متعلق تقریباً کچھ نہیں جانتے۔ ہم جدید تمدن کے دھارے پر بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سیدھی سادی، صاف ستھری اور حسین و جمیل زندگی کے فلسفہ کو بھول جاتے ہیں، یا جان بوجھ کر بھلا دیتے ہیں۔۔۔۔ وہ زندگی، جو غور کرنے پر ہمیں بہار میں متبسم، گرمیوں میں گراں بار، خزاں میں زر آفریں، جاڑوں میں سکون پذیر اور اپنے ہر دور میں فطرت کے عطیوں کی تصویر نظر آتی ہے۔ مادی حیثیت سے ہمیں دیہاتیوں پر امتیاز حاصل ہے لیکن روحانی اعتبار سے وہ ہمارے مقابلہ میں کہیں بہتر ہیں۔ ہم بوتے بہت کچھ ہیں، لیکن کاٹتے کچھ نہیں، لیکن وہ جو کچھ بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔ ہم غرض کے بندے ہیں اور وہ قناعت کے پتلے۔ ہم ناامیدی، خوف اور اسی سے تلخ زندگی کی شراب پیتے ہیں اور وہ پاک و صاف نتھری ستھری!

ریحانہ اب سولہ برس کی تھی۔ اس کا نفس ایک شفاف آئینہ کی مثال تھا، جس میں سبزہ و گل کی رعنائیوں کا عکس پڑتا، اور دل وادی کی خلاؤں سے مشابہ، جس میں ہر آواز گونجتی۔

فطرت کی آہو بکا کے دن تھے۔ ریحانہ ایک چشمہ کے قریب بیٹھی، جو زمین پر ہوتے ہوئے بھی اس سے اس طرح الگ تھا، جیسے شاعر کے افکار اس کے خیال و تصور سے، ذرد پتوں کے نظارہ میں محو تھی، جن سے ہوا کی موجیں کھیل رہی تھیں، جس طرح موت انسانی روح کے ساتھ کھیلتی ہے اس نے ان مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرف نگاہ کی، جو شاخ سے گرا کر اپنے بیجوں کو زمین کے حوالے کر رہے تھے، جس طرح افراتفری کے زمانہ میں عورتیں اپنے جواہرات وزیورات مٹی میں دبا دیتی ہیں۔

وہ پھولوں اور درختوں کو دیکھ رہی تھی اور موسم گرما کی جدائی کا المناک احساس اس کے دل کو برما رہا تھا کہ اس نے سنا، وادی گھوڑے کی ٹاپوں سے گونج رہی ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک گھڑسوار آہستہ آہستہ اس کی طرف آ رہا تھا۔ چشمہ کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے لباس اور خدوخال سے آسودگی اور ذہانت آشکار تھی۔ اس نے نہایت تکلف سے، جو صرف مرد کا حصہ ہے، ریحانہ کو سلام کیا اور کہا:

''میں ساحل کا راستہ بھول گیا ہوں، کیا تم میری رہنماء کر سکتی ہو؟''

وہ ایک دم کھڑی ہوگئی، جسے چشمہ کے کنارے درخت کی شاخ، اور جواب دیا:

''مجھے ساحل کا رستہ معلوم نہیں! لیکن میں ابھی جا کر اپنے آقا سے پوچھے لیتی ہوں، وہ جانتا ہے۔''

یہ الفاظ اس نے دل کڑا کر کے ادا کئے۔ حیا نے اس کے حسن و دلکشی میں اضافہ کر دیا۔ لیکن جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو اجنبی نے اسے روک لیا، جوانی کی شراب اس کی رگوں میں موجزن تھی اور اس کی آنکھیں ایک نا قابل بیان کیفیت سے چمک رہی تھیں۔ وہ کہنے لگا:

''نہیں! نہیں!! تم نہ جاؤ!!!''

ریحانہ نے اجنبی کی آواز میں ایک ایسی قوت محسوس کی، جس نے اسے حرکت سے روک دیا اور وہ جہاں کھڑی تھی، متحیر و مبہوت وہیں کھڑی رہی۔ اس نے حیا سے اچٹتی ہوئی نگاہ اجنبی پر ڈالی وہ اسے گھور رہا تھا، ایک ایسے اہتمام کے ساتھ، جس کے معنی اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ وہ مسکرا رہا تھا، ایک ایسے طلسمی شغف کے ساتھ، جس کی شیرینی قریب تھا کہ ریحانہ کو رلا دیتی۔ وہ لطف و محبت کی نگاہ سے اس کے ننگے پاؤں، خوبصورت بازوؤں، چمک دار گردن اور کثیف لیکن نرم و نازک بالوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شوق اور تعجب کے ساتھ اس امر پر غور کر رہا تھا کہ آفتاب نے کس طرح اس کے چہرہ کو تابناک بنایا ہے اور فطرت نے کیسے اس کے بازوؤں کو طاقت بخشی ہے؟

لیکن ریحانہ؟۔۔۔۔ وہ شرم سے نیچی نگاہ کئے کھڑی تھی نامعلوم اسباب کی بنا پر وہ نہ وہاں سے ہلنا چاہتی تھی، نہ اس سے گفتگو کرنے پر قادر تھی۔

اس دن شام کو وہ وھیل گائے بھینسیں، تنہا اپنی باڑ میں واپس آئیں۔ شام کو جب ریحانہ کا آقا کھیت سے لوٹا، تو اسے تلاش کے لئے نکلا، لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے ''ریحانہ'' کہہ کر اسے پکارنا شروع کیا، لیکن درختوں میں سنسناتی ہوئی ہوا اور غاروں کے سوا کسی نے جواب نہ دیا۔ مجبور و مایوس وہ جھونپڑی میں واپس آیا اور اپنی بیوی کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ وہ اس غیر متوقع خبر کو سن کر حیران رہ گئی۔ اس غم میں وہ غریب ساری رات چپکے چپکے روتی رہی اور اپنے دل میں کہتی رہی:

''میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا تھا کہ وہ ایک وحشی درندہ کے چنگل میں پھنسی ہے۔ درندہ اسے پھاڑ رہا ہے اور وہ ہنس بھی رہی ہے رو بھی رہی ہے۔''

☆☆☆☆☆

اس چھوٹے سے خربصورت گاؤں میں لوگوں کو ریحانہ کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم تھا۔ مجھے اس کی اطلاع گاؤں کے ایک بوڑھے آدمی سے ملی، جس کے سامنے

ریحانہ چھوٹی سے بڑی ہوئی اور یکا یک لاپتہ ہوگئی، اس طرح کہ اپنی یادگار کے طور پر کچھ چھوڑا بھی، تو اپنی مالکہ کی آنکھ میں چند آنسو، یا وہ لطیف وہ موثر یاد، جو اس وادی میں نسیم سحر کی نرم و نازک موجوں کے ساتھ بہتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے، گویا کھڑکی کے شیشہ پر بچہ کے منہ کی بھاپ ہے۔

(2)

1900ء کا ذکر ہے، خزاں کا موسم تھا کہ میں اپنی تعطیلات کا زمانہ شمالی لبنان میں گزار کر بیروت واپس آیا اور کالج کھلنے سے پہلے مسلسل ایک ہفتہ تک اپنے دوستوں کے ساتھ پھرتا پھراتا اور آزادی کیاس مسرت سے لطف اندوز ہوتا رہا، جس سے جوانی کو بے انتہائی محبت ہے اور جس کا احترام وہ ماں باپ اور عزیز و اقربا کے گھروں میں بھی کرتی ہے اور مدرسہ کی چار دیواری میں بھی۔ ہم سب کی حالت اس وقت ان پرندوں کی سی تھی، جو پنجرہ کا دروازہ کھلا دیکھیں اور ان کا دل پرواز کی لذت اور چہچہانے کی مسرت سے لبریز ہو جائے۔

جوانی ایک حسین خواب ہے، جس کی شیرینی، کتابوں کے باریک اور پوشیدہ مسائل کو اپنا غلام بنا کر، ایک الم کار بیداری سے بدل دیتی ہے۔ تو کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا۔ جب اہل فکر و نظر، جوانی کے تصوارت اور معرفت کی لذتوں کو سمو دیں گے، جس طرح ملامت وہ متنفر دلوں کو آپس میں ملا دیتی ہے؟ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا، جب فطرت انسانی کی معلّمہ، انسانیت اس کی کتاب اور زندگی اس کا مدرسہ ہوگی؟ کوئی مجھے بتا دے! کیا میری یہ تمنا پوری ہوگی؟

گو ہم جانتے نہیں، لیکن محسوس کرتے ہیں کہ ہم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ''روحانی ارتقاء'' کی طرف جا رہے ہیں۔ اور یہ ارتقاء جمال کائنات کا ادراک ہے، جو ہمیں اپنے دل کے جذبات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور سعادت و خوش بختی کی بہتات ہے، جو نتیجہ ہے اس جمال سے ہماری محبت کا۔

ایک دن میں چوک میں کسی بلند مقام پر بیٹھا، وہ ہنگامے دیکھ رہا تھا، جو شہر کے میدانوں میں مستقل طور پر پائے جاتے ہیں۔ دکانداروں اور پھیری والوں کی چیخ پکار اور وہ آوازیں سن رہا تھا، جو وہ اپنے سامان تجارت یا کھانے پینے کی چیزوں کی تعریف میں لگا رہے تھے کہ پانچ برس کا ایک بچہ، پھٹے کپڑے پہنے، کندھوں پر چھوٹا سا چھابہ لئے، جس میں پھولوں کے ہار تھے، میرے پاس آیا اور گھٹی ہوئی آواز میں، جس سے موروثی پستی اور المناک تباہی کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگا:

''بابو جی پھول لیں گے؟''

میں نے اس کے ننھے منے سے زرد چہرے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں بدبختی اور مفلسی کی پرچھائیوں سے تاریک تھی، منہ تھوڑا سا کھلا تھا، گویا بیمار کے سینہ کا گہرا گھاؤ ہے۔ کلائیاں ننگی اور دبلی پتلی تھیں۔ چھوٹا سا نازک قد پھولوں کے بھاری بوجھ کا تھا، جیسے تروتازہ سبزیوں میں مرجھائے ہوئے زرد گلاب کی ٹہنی۔ میں نے لمحہ میں اس کا یہ دلدوز سراپا دیکھ لیا اور میری شفقت و مہربانی اس مسکراہٹ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جو آنسو سے زیادہ تلخ ہوتی ہے۔۔۔۔ وہ مسکراہٹ، جو ہمارے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر ہونٹوں پر نمودار ہوئی ہے اور اگر ہم اس سے گریز کرتے ہیں تو ہماری آنکھوں میں پہنچتی ہے اور آنسو بن کر ہمارے رخساروں پر ڈھلک آتی ہے۔

میں نے کچھ پھول خریدے اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس یک غمناک نگاہوں کے پیچھے ایک چھوٹا سا دل ہے، جس میں ازلی اور ابدی فقیروں کی المیہ کہانی کا ایک باب پوشیدہ ہے۔۔۔۔ وہ المیہ کہانی، جو شب و روز دنیا کے اسٹیج پر کھیلی جاتی ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں، جو اس کی دردآفرینیوں کے دیکھنے کی تاب لاتے ہیں۔

جب میں نے لطف و مہربانی کیا انداز میں اس سے باتیں کیں تو اس کا خوف دور ہوا اور وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگا، کیونکہ وہ بھی اپنے جیسے اور محتاجوں کی طرح ان

نوجوانوں کی جھڑکیاں گھرکیاں سننے کا عادی تھا، جو عام طور سے سڑک پر بھیک مانگنے والی نوجوان لڑکی کی اس طرح دیکھتے ہیں، گویا وہ ایک پلید و ناپاک چیز ہے جس کی کوئی ہستی نہیں۔ ان خدا کے بندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ غریب بھی ان قسمت کے ماروں میں سے ایک ہے، جن کے سینے زمانہ کے تیروں نے چھلنی کر دیئے ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا:

''تمہارا نام کیا ہے؟''

زمین سے نگاہیں اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا:

''فواد۔۔۔۔!''

''تم کس کے بیٹے ہو؟'' میں پوچھا، ''اور تمہارے رشتہ دار کہاں ہیں؟''

''میں ریحانہ کا بیٹا ہوں!'' اس نے جواب دیا۔

''اور تمہارا باپ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

جواب میں اس نے اس طرح سر ہلا دیا گویا سرے سے باپ کے معنی ہی نہیں جانتا۔

''فواد! تمہاری ماں کہاں ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''گھر میں بیمار پڑی ہے!'' اس نے جواب دیا۔

بچہ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ مختصر الفاظ میرے کانوں میں پہنچے اور میرے جذبات نے انوکھی تصویریں اور الم ناک پرچھائیاں بناتے ہوئے انہیں جذب کر لیا۔ میں اسی لمحے سمجھ گیا کہ وہ غریب ریحانہ جس کی داستان میں نے گاؤں کے اس بوڑھے سے سنی تھی، آج کل بیروت میں ہے اور بیمار ہے۔ وہ نوعمر حسینہ، جو کل تک وادی کے درختوں میں اطمینان و بے فکری کی زندگی بسر کر رہی تھی، آج شہر میں ہے اور مفلسی و بے چارگی کی مصیبتیں برداشت کر رہی ہے۔ وہ یتیم لڑکی، جس نے حسین و

جمیل چراگاہوں میں گائے بھینسیں چراتے ہوئے، اپنی جوانی کا ابتدائی دور فطرت کی ہتھیلیوں پر گزارا تھا آج فاسد تمدن کے سیلاب میں بہہ کر نا کامی و بدبختی کے خونی چنگل کا شکار ہوگئی ہے۔

میں خاموش بیٹھا، ان تمام چیزوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور بچہ ایک عجیب حیرانی کے عالم میں مجھ پر نگاہیں جمائے بے حس و حرکت کھڑا تھا، گویا اپنی پاک و معصوم روح کی آنکھوں سے میرے دل کی پامالی کا دردناک مشاہدہ کر رہا ہے۔ جب اس نے جانے کا ارادہ کیا، تو میں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

''مجھے اپنی ماں کے پاس لے چلو، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ خاموش و حیران میرے آگے آگے ہولیا۔ بار بار وہ مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں اس کے پیچھے پیچھے آ بھی رہا ہوں یا نہیں۔

میں ان ناپاک گلی کوچوں کو طے کر رہا تھا، جہاں فضا موت کے سانسوں سے گرانبار تھی۔ ان شکستہ مکانوں کے پاس سے گزر رہا تھا، جہاں تاریکی کے پردوں میں چھپ کر، بدمعاش گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس چوراہوں کو پار کر رہا تھا، جن کے دائیں بائیں کالے سانپوں کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑکیں تھیں۔ ایک نامعلوم خوف مجھ پر طاری تھا، اور وہ لڑکا میرے آگے آگے تھا، جس کے بچپن اور دل کی پاکیزگی نے اس میں بے خوفی پیدا کر دی تھی، ایک ایسی بے خوفی، جسے وہ شخص محسوس ہی نہیں کر سکتا، جو اس شہر کے بدمعاشوں اور کمینوں کی چالبازیوں سے باخبر ہو، جسے اہل مشرق ''شام کی دلہن'' اور ''بادشاہوں کے تاج کا موتی'' کہتے ہیں۔

ایک محلّہ کے آخری سرے پر پہنچ کر لڑکا ایک چھوٹے سے مکان میں داخل ہوا، جس کا صرف ایک ٹوٹا پھوٹا حصہ زمانہ کی گردشوں سے بچ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی مکان میں چلا گیا۔ ہر قدم پر میرے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں اس مرطوب کمرہ میں پہنچا، جس میں سامان کے نام کا صرف

ایک ٹوٹا خراغ تھا، جس کی زرد شعاعوں کے تیر ظلمت کا سینہ چھید رہے تھے، یا ایک جھلنگا چارپائی جو غربت و محتاجی کا آئینہ تھی۔ اس چارپائی پر ایک عورت پڑی سو رہی تھی۔ اس کا منہ صحن کی طرف تھا، گویا اس کے ذریعہ زمانہ کے ظلم و جور سے بچ رہی ہے۔ یا پھر یہ کہ اس کے پتھروں میں ایک ایسا دل پا رہی ہے جو انسان کے دل سے زیادہ نرم و گداز ہے۔

بچہ اس کے پاس گیا اور ''ماں'' کہہ کر اسے آواز دی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور یہ دیکھ کر کہ وہ میرے طرف اشارہ کر رہا ہے، اپنے بوسیدہ لحاف میں لرز اٹھی۔ ایک ایسی دردناک آواز میں، جو روحانی اذیت اور تلخ آہوں سے مرکب تھی۔ اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا:

''تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ میری زندگ کے آخری لمحے خرید کر انہیں اپنی نفسانیت سے ناپاک کر دو۔ جاؤ! میرے پاس سے چلے جاؤ! بازار ان عورتوں سے بھرا پڑا ہے، جو کوڑیوں کے مول اپنا جسم اور اپنی روح فروخت کرتی ہیں اور میرے پاس اب کچھ نہیں، جسے میں فروخت کر سکوں، سوائے ان بچے کھچے ٹوٹتے ہوئے سانسوں کے جنہیں موت عنقریب قبر کی راحت کے عوض خریدے گی۔''

میں اس کی چارپائی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کے ان الفاظ نے میرے دل کو نا قابل بیان درد سے لبریز کر دیا، اس لئے کہ وہ اس کی بدبختی کی مختصر روداد تھے۔ میں نے دردمندانہ لہجے میں کہا، اس طرح کہ میرے جذبات الفاظ کے ساتھ رواں تھے۔

''ریحانہ! مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تمہارے پاس بھوکے جانور کی حیثیت سے نہیں، دردمند انسان کی حیثیت سے آیا ہوں۔ میں لبنانی ہوں اور ایک مدت تک ان وادیوں اور اس گاؤں میں رہا ہوں، جو صنوبر کے جنگل کے قریب واقع ہے۔ قسمت کی ماری ریحانہ! مجھ سے خوف نہ کھاؤ!''

اس نے میرے یہ الفاظ سنے اور جان گئی کہ یہ اس روح کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں، جو اس کے ساتھ مبتلائے الم ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا، گویا خود کو اس یاد سے چھپانا چاہتی ہے، جو اپنی حلاوت کی بنا پر ہولناک اور اپنے حسن کی بنا پر تلخ ہے۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد جو آہوں سے لبریز تھی، لرزتے ہوئے شانوں میں سے اس کا چہرا نمودار ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی دھنسی ہوئی آنکھیں کمرہ میں کھڑی ہوئی ایک غیر محسوس شے پر جمی ہیں۔ خشک ہونٹ یاس و نومیدی سے پھڑک رہے ہیں۔ گلے میں گہری اور ٹوٹتی ہوئی کراہ کے ساتھ، موت کی خرخراہٹ ہے۔ التماس و طلب سے ابھرتی اور ضعیف و الم سے پست ہوتی ہوئی آواز میں کہا:

''تم ایک محسن و مشفق کی حیثیت سے آئے ہو۔ اگر خطا کاروں پر احسان کرنا اچھی بات ہے اور ذیلوں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا نیکی، تو خدا تمہیں اس کی جزائے خیر دے، لیکن میں گزارش کرتی ہوں کہ تم جہاں سے آئے ہو، الٹے پاؤں وہیں واپس چلے جاؤ! تمہارا یہاں ٹھہرنا تمہارے لئے ننگ و عار کا سبب ہو جائے گا اور میرے حال پر تمہاری یہ شفقت، تمہیں دنیا کی نگاہوں میں عیب زدہ بنا دے گی۔ جاؤ! اس سے گندے اور خنزیر کی ناپاکیوں سے اٹے ہوئے کمرہ میں کوئی تمہیں دیکھ لے، یہاں سے چلے جاؤ۔ اس گلی سے گزرتے وقت اپنے منہ پر کپڑا ڈال لینا، مبادا کسی آتے جاتے کی نظر تم پر پڑ جائے اور تم مفت میں بدنام ہو جاؤ۔ وہ شفقت و ہمدردی، جو تمہاری روح سے ہمکنار ہے مجھے دوبارہ پاکباز نہیں بنا سکتی، میرے عیبوں کو نہیں مٹا سکتی، میرے دل سے موت کے طاقتور ہاتھ کو نہیں ہٹا سکتی، مجھے میری بدقسمتی اور گنہگاری نے ان تاریک گہرائیوں میں پھینک دیا ہے۔ خدارا! تم اپنی دل سوزی کی وجہ سے اس چہ بچہ میں نہ گرو!!

میں اس کوڑھی کی مثال ہوں، جو قبرستان میں بیٹھا، اس لئے تمہیں چاہئے کہ

میرے قریب نہ آؤں، ورنہ سماج تمہیں ذلیل کر دے گا، اس نا قابل معافی جرم کی پاداش میں تمہارے تمام سماجی حقوق تم سے چھین لئے جائیں گے اور تم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔

جاؤ! فوراً واپس چلے جاؤ!! اور دیکھو! ان مقدس وادیوں میں میرا نام زیان پر نہ لانا، اس لئے کہ گڈریا اپنے ریوڑ خیال سے خارش زدہ بھیڑ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کوئی میرے متعلق تم سے ذکر بھی کرے، تو کہہ دیا کہ ریحانہ مر گئی۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کہنا۔''

اس نے اپنے بچہ کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اور انہیں غمگین بوسہ دیا۔ اس کے بعد ایک آہ بھری اور کہنے لگی:

''لوگ میرے بچہ کو ذلت وحقارت سے دیکھیں گے اور کہیں گے'' یہ گناہ کا پھل ہے۔ یہ ریحانہ کسی کا بیٹا ہے۔ یہ ننگ و عار کی پیداوار ہے، یہ خاکی انڈا ہے۔۔۔۔ بہت ہیں، جو اس کے متعلق یہی کچھ کہیں گے، اس لئے کہ وہ اندھے ہیں، جنہیں نظر نہیں آتا۔ جاہل ہیں، جو نہیں جانتے کہ اس کی ماں نے اپنے درد اور آنسوؤں سے اس کے بچپن کو غسل دے دیا ہے اپنی بدبختی اور کم نصیبی سے اس کی زندگی کا کنارہ ادا کر دیا ہے۔

میں مر جاؤں گی اور گلی کے بچوں میں اسے یتیم بنا کر چھوڑ جاؤں گی۔ یہ اس بے رحم زندگی میں اکیلا رہ جائے گا۔ میں اس کے لئے کچھ نہ چھوڑوں گی، سوائے ایک خوفناک یاد کے، جو اسے شرمندہ کرے گی، اگر یہ کم حوصلہ اور بزدل ہوا، اور اس کا خون اونٹائے گی، اگر یہ بہادر اور منصف ہوا۔

زمانہ نے اگر اس کا ساتھ دیا اور یہ طاقتور جوان ہو گیا تو خدا اس کرد کے خلاف اس کی مدد کرے گا، جس نے اسے اور اس کی ماں کو دنیا میں اچھوتوں سے بدتر بنا دیا اور اگر یہ مر گیا، زندگی کے جال سے اس نے خلاصی پالی تو دوسرے عالم میں مجھے اپنی

آمد کا منتظر پائے گا، جہاں ہر طرف نور ہی نور اور راحت ہی راحت ہے۔''

میں نے اپنے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''مانا کہ تم قبرستان میں بیٹھی ہو، ریحانہ! مگر پھر بھی کوڑھی نہیں ہو۔ مانا کہ زمانہ نے تمہیں کمینوں کے حوالے کر دیا ہے، مگر پھر بھی تم کمینی نہیں ہو۔ جسم کی آلودگی روحی پاکیزگی کو نہیں چھو سکتی، جس طرح تہ بہ تہ برف زندہ بیجوں کو نہیں مار سکتی۔ یہ زندگی کیا ہے؟ محض رنج و غم کا کھلیان، جسے دانہ نکالنے سے پہلے انسانی عمر کچل کچلا کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن افسوس گندم کے ان خوشوں پر ہے، جو کھلیان سے الگ پڑے ہیں۔ چیونٹیاں انہیں اٹھا کر لے جاتی ہیں، پرندے چگ لیتے ہیں اور کسان کے مٹکوں میں نہیں پہنچنے پاتے۔

تم مظلوم ہو ریحانہ! اور ظالم وہ کمینہ ہے، اور ظالم وہ کمینہ، جو مالی اعتبار سے چاہے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن ذہنی حیثیت سے انتہائی پست ہے۔ تم حقیر و مظلوم ہو، اور انسان کے لئے ہونا، ظالم ہونے سے بہتر ہے۔ مادی فطرت کی کمزوریوں کا شکار ہونا، طاقتور ہونے سے افضل ہے، اپنے ہاتھوں سے زندگی کے پھولوں کو مسل دے، اپنی ناپاک خواہشوں سے محاسن جذبات کو خاک میں ملا دے!

ریحانہ! روح ایک سنہری کڑی ہے، جو زنجیر الوہیت سے ٹوٹ کر گر پڑی ہے۔ اس کڑی کو دہکتی ہوئی آگ کے شعلے لپک لیتے ہیں اور اس کی صورت بدل دیتے ہیں، اس کے دائرہ کا سارا حسن زائل کر دیتے ہیں، لیکن اس کڑی کے سونے کو کسی دوسری دھات کی طرف منتقل نہیں کرتے بلکہ اس کی چمک میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ لیکن افسوس اس سوکھی لکڑی پر ہے، جسے آگ کے شعلے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں اور ہوا اس کی راکھ کو جنگل میں اڑا دیتی ہے۔

ریحانہ! بلاشبہ تم وہ پھول ہو، جو انسانی جسم میں چھپے ہوئے حیوان کے پاؤں تلے روندا گیا ہے۔ تمہیں فولادی جوتوں نے بے دردی سے پامال کر دیا ہے۔ لیکن خوف

کی کوئی بات نہیں! تمہاری خوشبو، بیواؤں کے نالہ و ماتم، یتیموں کی پکار اور محتاجوں کی آہ کے ساتھ آسمان کی طرف جا رہی ہے، جو رحمت و انصاف کا سرچشمہ ہے۔ ریحانہ! صبر کرو کہ تم روندا ہوا پھول ہو، پامال کرنے والا قدم نہیں۔"

میں بول رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔ میری تسکین و تشفی نے اس کے زرد چہرے کو روشن کر دیا تھا، جس طرح غروب ہوتے سورج کی لطیف شعاعیں بادلوں کو روشن کر دیتی ہیں۔ اس نے مجھے اپنے پلنگ کے پاس بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں اس کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں، جو اس کی غمگین روح کے اسرار کی ترجمانی کر رہا تھا۔۔۔۔ اس ہستی کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں، جسے معلوم تھا کہ میری موت قریب ہے۔۔۔۔ اس نوجوان عورت کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں جسے اپنے پھٹے پرانے بستر کے اردگرد موت کے خوفناک قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔ اس ٹھکرائی ہوئی عورت کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ جو کل تک لبنان کی حسین وادیوں میں قوت اور زندگی سے ہمکنار تھی، لیکن آج آج بے جان پڑی زندگی کی قیدوں سے آزاد ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر مُوثر خاموشی کے بعد اس نے اپنی بچی کھچی قوتیں جمع کیں اور کہنے لگی، اس طرح کہ آنسو اس کی زبان کے ساتھ مصروف کلام تھے اور قوتیں اس کے سانس کے ساتھ جارج ہو رہی تھیں:

"ہاں! میں مظلوم ہوں۔ اس حیوان کا شکار ہوں، جو ہر انسان میں چھپا ہوا ہے۔ میں پاؤں تلے روندا ہوا پھول ہوں۔ میں چشمہ کے کنارے بیٹھی تھی، جب ایک اجنبی گھوڑے پر سوار، وہاں سے گزرا۔ اس نے لطف و نرمی سے مجھے مخاطب کیا اور بتایا کہ میں حسین ہوں اور یہ کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور تمام عمر محبت کرتا رہے گا۔ اس نے کہا کہ جنگل وحشیوں سے بھرا پڑا ہے اور وادیاں پرندوں اور گیدڑوں کا مسکن ہیں۔۔۔۔ اس کے بعد وہ مجھ پر جھکا اور اپنے سینے سے چمٹا کر مجھے پیار کیا۔ میں

اس وقت تک بوسہ کے لطف سے نا آشنا تھی، اس لئے کہ ٹھکرائی ہوئی یتیم لڑکی تھی ۔۔۔۔اس نے مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مجھے ایک خوبصورت مگر تنہا مکان میں لے گیا۔ وہاں اس کے ساتھ رہنے لگی ۔ وہ میرے لئے طرح طرح کے تحفے لاتا، ریشمی لباس، پاکیزہ خوشبوئیں، لذیذ کھانے اور قیمتی شرابیں ۔۔۔۔ اس نے یہ سب کچھ کیا، مسکراتے ہوئے، اپنی خواہشوں کی گندگی اور مقاصد کی حیوانیت کو لطف کلام اور دل کش اشاروں میں چھپاتے ہوئے ۔۔۔۔لیکن جب میں نے اپنے جسم سے اس کی نفسانیت کا پیٹ میں ایک بھڑکتا ہوا زندہ شعلہ چھوڑ کر، جو میرے جگر سے غذا حاصل کر کے آناً فاناً نمو پا گیا۔ اس طرح میں اس ظلمت زار میں آپھنسی، جہاں ہر طرف نالہ و ماتم کا دھواں ہے اور درد وغم کی تلخیاں اور اس طرح میری زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کمزور و دردناک حصہ اور ایک چھوٹا حصہ، جو فضائے لانہایت میں اڑ جانے کے لئے رات کی خاموشیوں میں چلاتا تھا۔

وہ سنگ دل مجھے اور میرے دودھ پیتے بچہ کو اس تنہا مکان میں چھوڑ کر چلتا بنا اور ہم دونوں بھوک، سردی اور تنہائی کی تکلیفیں برداشت کرنے لگے آہ و ماتم کیسوا ہمارا کوئی مددگار تھا نہ خوف اور دھڑکوں کیسوا کوئی ہم سے بات چیت کرنے والا۔

آخر کار اس کے دوستوں کو میری حالت کا علم ہو، میری بیچارگی و مفلسی کا پتہ چلا اور وہ یکے بعد دیگرے میرے پاس آئے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی دولت سے میری عزت خریدنا چاہتا تھا، جسمانی شرافت کے عوض روٹی دینا چاہتا تھا۔

آہ! کتنی مرتبہ میں نے چاہا کہ گلا گھونٹ کر اپنا کام تمام کر دوں، لیکن نہ کر سکی کیونکہ میں تنہا نہ تھی، اب میری زندگی میں میرا بچہ بھی شریک تھا، جسے اللہ نے عدم کی عشرت گاہوں سے اس دنیا میں دھکیل دیا تھا، بالکل اسی طرح جیسے مجھے زندگی سے دور کر کے اس جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔

لیکن اب وہ گھڑی قریب آگئی ہے، جس کا مجھے دنوں سے انتظار تھا۔ میری زندگی

کا آقا۔۔۔۔فرشتہ اجل۔۔۔۔طویل جدائی کے بعد مجھے لینے آ گیا ہے تا کہ اس کے نرم و گداز بستر پر آرام کروں۔"

ایک گہری خاموشی کے بعد، جو اڑنے والی روحوں کے لمس سے مشابہ تھی، اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، جن پر موت کا سایہ پڑا تھا اور آہستہ آہستہ کہنے لگی:

"اے مخفی انصاف! جو ان خوفناک صورتوں کے پیچھے روپوش ہے، تو ہی میری چلن ہار روح کی پکار اور سست رفتار دل کی آواز کا سننے والا ہے۔ تجھ سے، صرف تجھی سے میں التجا کرتی ہوں کہ مجھ پر رحم کر، اپنے دائیں سے میرے بچہ کی دستگیری فرما اور بائیں ہاتھ سے میری روح کا تحفہ قبول کر۔۔۔۔!!"

اس کی قوتیں جواب دینے لگیں اور آہوں میں کمزوری پیدا ہوگئی اس نے غم اور دلسوزی کی نگاہیں اپنے بچہ پر ڈالیں اور اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔ ایک دلسوز آواز میں، جو خاموشی سے قریب تر تھی، اس نے کہا:

"اے آسمان پر رہنے والے! تیرا نام ہمیشہ مقدس رہے۔۔۔۔تیرا بھیجا ہوا فرشتہ اجل آ گیا ہے۔۔۔۔تیری مشیت جس طرح آسمان پر کارفرما ہے، اسی طرح زمین پر بھی رہے۔۔۔۔یا رب! ہمارے گناہوں کو۔۔۔۔معاف فرما!"

اس کی آواز منقطع ہوگئی لیکن ہونٹ تھوڑی دیر تک ہلتے رہے۔ ہونٹوں کے ساتھ اس کے جسم کی تمام حرکات ختم ہوگئیں۔ اس کے بعد اس کے جسم میں لرزش پیدا ہوئی اور منہ سے ہلکی سی آہ نکلی۔ چہرہ پر زردی کھنڈ گئی اور روح پرواز کر گئی، لیکن اس کی آنکھیں ایک موہوم شے پر جمی رہیں۔

☆☆☆☆☆

صبح کو ریحانہ کی لاش ایک لکڑی کے تابوت میں رکھی گئی اور فقیروں کے کندھوں پر شہر سے دور ایک میدان میں پہنچا کر دفن کر دی گئی۔ پادری نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار کر دیا اور لوگوں نے اس کی لاش کو اس قبرستان میں دفن کرنے کی

اجازت نہ دی، جہاں صلیب قبروں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس دور دراز میدان میں اس کے جنازہ کے ساتھ کوئی نہ گیا، سوائے اس کے بیٹے اور ایک نوجوان کے، جسے دنیا کی مصیبتوں نے ہمدری کا سبق دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شہیدانِ محبت

دولہا دلہن ہیکل سے نکلے، آگے آگے شمعیں تھیں اور پیچھے پیچھے شادوخرم باراتی۔ اردگرد نوجوان لڑکے نغمے الاپ رہے تھے اور نوخیز لڑکیاں خوشی کے راگ گا رہی تھیں۔

بارات دولہا کے مکان پر پہنچی، جو پیش قیمت غالیچوں اور زرق برق سازوسامان سے آراستہ اور نشاط آگیں خوشبوؤں سے معطر تھا۔ دولہا دلہن ایک اونچے تخت پر بیٹھ گئے اور مہمان ریشمی صوفوں اور مخملی کرسیوں پر۔ تمام وسیع کمرہ آدمیوں سے بھر گیا۔

غلام شراب کی صراحیاں لائے۔ دور چلنے لگے۔ جام و ساغر کی کھنک اور عشرت و سرور کی لہک سے ساری فضا نغمہ ریز ہوگئی۔

ارباب نشاط آئے اور اپنے سحر آفریں نغموں سے اہل محفل کو بے خود کرنے لگے۔ ان کی سریلی آوازیں عود کے سروں، لوگوں کے گہرے سانسوں اور طبلے کی تھاپ سے ہم آہنگ ہوکر سینوں کو گرمانے لگیں۔

پھر نیلی لڑکیاں ناچنے کھڑی ہوئیں۔ آواز کے زیر و بم کے ساتھ ان کے جسم اس طرح لچکتے، جیسے نسیم سحر کی ہلکی ہلکی موجوں سے نرم و نازک شاخیں۔ جب وہ ناچتیں تو ان کی زرتار پشوازوں کے گھیر میں کچھ ایسی لہریں پیدا ہوتیں، گویا چاند کی شعاعیں، سفید بادلوں سے کھیل رہی ہیں۔

نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں اور سر ان کے قدموں میں سجدہ گزار۔ البیلے نوجوانوں کی روحیں ان سے گلے مل رہی تھیں اور ہوس پیشہ بڈھوں کے پتے ان کے رخ جمال سے پھٹے جاتے تھے۔

گردش جام تیز سے تیز تر ہوگئی۔ شرابی اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی شراب میں غرق کرنے لگے۔ ہنگامہ وشورش میں اضافہ ہوگیا۔ سنجیدگی رخصت ہوگئی۔ آزادی و بیباکی نے اپنا پرچم گاڑ دیا۔ دماغ معطل ہوگئے۔ تن من بھڑک اٹھے، دل بے چین

ہو گئے اور سارے گھر کی یہ حالت ہوگئی۔ جیسے ٹوٹا ہوا ارباب، جس کے تار کسی آسیبی ہاتھ نے زور زور سے بجا کے توڑ دیئے ہوں۔ اور اس سے نغمے پیدا ہوئے جن میں آہنگ بھی ہو اور بے آہنگی بھی۔

ایک جانب مسیں بھیگتا لڑکا، عشوہ سامان الہڑ حسینہ سے اپنی محبت کا راز بیان کر رہا تھا، دوسری جانب ایک نوجوان دل کی گرمی کے ساتھ اپنی محبوبہ کے شیریں الفاظ اور دل دوز مطالب ایک ایک کر کے اپنے ذہن میں تازہ کر رہا تھا۔ ایک طرف ایک ادھیڑ عمر کا شرابی جام پر جام چڑھا رہا تھا اور گانے والیوں سے ان گیتوں کو دوبارہ سنانے کی بہ اصرار فرمائش کر رہا تھا جو اس کی جوانی کے آئینہ دار تھے۔ دوسری طرف ایک عورت کنکھیوں سے اس مرد پر نکتہ چینی کر رہی تھی جو اس کے سوا ہر عورت کی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ادھر کونے میں ایک پختہ عمر خاتون، مسکراتی نگاہوں سے نوجوان لڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھی، اس نیت سے کہ اپنے اکلوتے بچے کے لئے کوئی اچھی سے دلہن کا انتخاب کرے۔ ادھر کھڑکی کے پاس ایک شادی شدہ عورت بیٹھی تھی، جس کے خاوند کی محفل شراب وغزل کے سمندر میں غرق تھی۔ عشرت پسندوں نے اپنے تئیں کیف وسرور کی موجوں کے حوالے کر دیا تھا اور غم دیروز وفکر اسے غافل و بے پروا، حال کی سرمستیوں میں گم تھے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور حسین دلہن اس محفل نشاط کو اپنی غمگین نگاہوں سے اس طرح دیکھ رہی تھی، جیسے ایک مایوس قیدی، قید خانہ کی تاریک دیواروں کو دیکھتا ہے۔ اس کی نگاہیں بار بار اسی گوشہ کی طرف جا رہی تھیں، جہاں ایک بیس سالہ نوجوان، اس تمام ہنگامہ طرب سے بے نیاز، اس زخمی پرندہ کی طرح جو اپنے غول سے بچھڑ گیا ہو، تنہا بیٹھا تھا۔۔۔۔ دونوں کلائیوں سے اپنا سینہ دبائے، گویا ''قلب گریزاں'' پر قابو پانا چاہتا ہے۔۔۔۔ اور کمرہ کی فضا میں کسی غیر محسوس چیز پر نگاہیں جمائے، گویا اس کی روح، جسم سے الگ ہو کر خلا میں ظلمت کی چھائیوں کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی

ہے۔

رات بھیگی اور ساری مجلس ایک ہنگامہ ہائے وہو ہوگئی۔ دماغوں پر خما ایسا چھایا کہ زبانیں لڑکھڑانے لگیں۔ دولہا۔۔۔۔ وہ ادھیڑ عمر کا بدقوارہ انسان، نشہ میں چور، اپنی جگہ سے اٹھا اور از راہ مہمان نوازی مہمانوں میں چکر لگانے لگا۔

اس وقت موقع پا کر دلہن نے ایک لڑکی کو اشارہ سے بلایا۔ وہ آئی اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ دلہن نے مضطربانہ طور پر کنکھیوں سے چاروں طرف دیکھا، گویا کوئی اہم راز اس سے کہنا چاہتی ہے۔ وہ لڑکی سے اور قریب ہوگئی اور لرزتی کانپتی آواز میں چپکے چپکے اس سے کہنے لگی:

''میں تجھے اس سہلا پے کی قسم دیتی ہوں، پیاری سہیلی! جس نے بچپن ہی سے ہم دونوں میں یک دلی پیدا کر دی ہے۔ اس چیز کی قسم دیتی ہوں، جو دنیا میں تجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔ ان بھیدوں کی قسم دیتی ہوں، جو تیرے سینہ میں پوشیدہ ہیں۔ اس محبت کی قسم دیتی ہوں جس نے ہم دونوں کی روحوں کو چھو کر، انہیں ایک شعاع بنا دیا۔ تیرے دل کی راحت اور اپنے دل کے درد کی قسم دیتی ہوں کہ تو ابھی سلیم کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ وہ عام نگاہوں سے بچ کر، باغ میں چلا جائے اور وہاں بید کے درختوں میں میرا انتظار کرے۔ سوسان! تو اس سے التجا کرنا، یہاں تک کہ وہ اقرار کر لے، اسے بیتے ہوئے دنوں کی یاد دلانا، محبت کا واسطہ دینا۔ کہنا وہ بدنصیب اندھی ہے۔ کہنا وہ قسمت کی ستائی جاں بلب ہے اور اس سے پہلے کہ تاریکی اسے اپنی چادر میں لپیٹ لے، چاہتی ہے کہ تیرے سامنے اپنا سینہ چیر کر رکھ دے۔ کہنا، وہ غم کی ماری موت کے چنگل میں ہے اور اس سے پہلے کہ دوزخ کے ڈراؤنے شعلے اسے اپنی آغوش میں لپک لیں۔ چاہتی ہے کہ تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے تجھ سے معافی چاہے جا سوسان! جلدی جا، میری خاطر سلیم سے التجا کر!!! ان خنزیروں کی نگہبانی سے نہ ڈر!!! شراب نے ان کے کانوں پر بھی پردے ڈال دیئے

ہیں اور آنکھوں پر بھی۔''

سوسان دلہن کے پاس سے اٹھ کر غمزدہ تنہا سلیم کے پاس جی بیٹھی۔ اور سرگوشی کے انداز میں، اس کی محبوبہ کا پیغام اسے سنانے لگی۔ سوسان کے چہرے سے اس وقت محبت اور خلوص کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن سلیم سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ سب کہہ چکی تو سلیم نے اس کی طرف دیکھا، اس پیاسے کی طرح جو گنبد فلک پر پانی سے بھرا کٹورہ دیکھے اور نارسائی کے رنج سے اپنا مسوس کر رہ جائے۔ گھٹی ہوئی آواز میں، جو زمین کی تہوں سے آئی معلوم ہو رہی تھی، اس نے جواب دیا:

''اچھا! میں باغ میں جا رہا ہوں اور بید کے درختوں میں اس کا انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باغ کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دلہن بھی اٹھی اور سلیم کے پیچھے پیچھے، نشہ میں سرشار مردوں اور محو جمال عورتوں کے بیچ میں سے دبے پاؤں نکل گئی۔

باغ میں پہنچ کر، جہاں رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا رکھی تھی، اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس بے قرار ہرن کی طرح، جو کسی حملہ آور بھیڑیئے سے خوف زدہ ہو کر، اپنے مسکن کی طرف تیزی سے بھاگ رہا ہو، وہ بید کے درختوں کی طرف جا رہی تھی، جہاں سلیم اس کے انتظار میں تھا۔ خود کو اپنے حبیب کے پہلو میں پا کر، وہ اس سے چمٹ گئی۔ اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور کہنا شروع کیا، اس طرح کہ جتنی سرعت کے ساتھ الفاظ منہ سے نکل رہے تھے اتنی ہی سرعت کے ساتھ آنسو، آنکھوں سے جاری تھے۔

''سنو! میرے پیارے، غور سے سنو!! میں اپنی نادانی اور جلد بازی پر شرمندہ ہوں، اتنی شرمندہ کہ ندامت نے میرے کلیجے کے ٹکڑے اڑا دیئے ہیں۔ سلیم میں تمہیں

۔۔۔۔ہاں !صرف تمہیں چاہتی ہوں اور ساری عمر تم ہی کو چاہتی رہوں گی ۔لوگوں نے مجھے بہکایا کہ تم نے مجھے بھلا دیا ہے ۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور سے محبت کرنے لگے ہو۔سلیم !لوگوں نے مجھ سے بہت کچھ کہا۔ اپنی زبانوں سے میرے دل کو زہر آلود کیا ،اپنے ناخنوں سے میرا سینہ گودا اور اپنے جھوٹ سے میری روح کو گراں بار کر دیا۔ ایک ''شریف زادی'' نے مجھ سے کہا کہ تم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور اسی لئے تم نے مجھے چھوڑ کر اس سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے ۔اس غیبانی نے مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ اتوڑا مجھے ورغلایا کہ میں اس کے ایک رشتہ دار سے شادی کر لوں اور و بہکاوے میں آ کر میں راضی ہوگئی ۔لیکن سلیم !میرا شوہر تمہارے سوا کوئی نہیں اور اب ، ہاں ! اب کہ میری نگاہوں سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے ، میں اس مکان سے نکل کر تمہارے پاس آئی ہوں اور یہ ارادہ لے کر اب کبھی واپس نہ جاؤں گی ۔ میں تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں اپنی آغوش میں جذب کر لوں ۔ دنیا میں میں کوئی قوت ایسی نظر نہیں آتی ، جو مجھے دوبارہ اس مرد کے پہلو میں جا بٹھائے جسے نفرت و بے چارگی کے عالم میں میرا شوہر بنایا گیا ہے ۔سلیم ! میں اس دولہا کو چھوڑ آئی ہوں ، جسے مکر وفریب نے میری زندگی پر مسلط کر دیا تھا۔ اس باپ کو چھوڑ آئی ہوں ، جسے مشیت نے میرا ولی بنایا تھا۔ اس پھولوں کو چھوڑ آئی ہوں جن کا ہار بنا کر پادری نے میرے گلے میں ڈالا تھا۔ اور اس قانون کو چھوڑ آئی ہوں جسے رسم و رواج کی جکڑ بندیوں نے میرے پاؤں کی زنجیر بنا دیا تھا۔ ہاں ! میں ان تمام چیزوں کو اس مکان میں چھوڑ کر ، جو بدمستی و آوارگی کا مسکن بنا ہوا ہے یہاں اس لئے آئی ہوں کہ تمہارے ساتھ کہیں ۔۔۔۔بہت دور ۔۔۔۔ چلی جاؤں ، دنیا کے اس کنارہ پر چلی جاؤں ۔جنوں اور پریوں کی بستی میں چلیں ۔آؤ! سمندر کے ساحل پر چلیں اور کسی ایسی کشتی میں سوار ہو جائیں ، جو ہمیں ایک نامعلوم و دور دراز بستی میں پہنچا دے ۔سلیم ! جلدی کرو !! پو پھٹنے سے پہلے ہمیں دشمنوں کے قبضہ سے نکل جانا چاہئے !!! دیکھو سلیم ! دیکھو !! یہ

سونے کا گہنا، یہ قیمتی ہار اور انگوٹھیاں یہ عمدہ جواہر، ہمارے مستقبل کی ضمانت ہیں۔ انہیں بیچ کر ہم امیروں کی طرح ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کریں گے۔۔۔۔! ہائیں۔۔۔۔سلیم! تم بولتے کیوں نہیں؟ میری طرف دیکھتے کیوں نہیں؟ مجھے پیار کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم میرے دل کی فریاد اور میرے من کی پکار سن رہے ہو؟ ۔۔۔۔کیا تمہیں نہیں آتا کہ میں اپنے شوہر اور ماں باپ کو چھوڑ کر لباس عروسی میں تمہارے ساتھ بھاگنے آئی ہوں؟ اچھے! سلیم بولو!! آؤ جلدی کرو! یہ لمحے ہیرے کے ٹکڑوں سے زیادہ قیمتی اور شاہ تاج سے زیادہ گراں بہا رہیں!!!"

دلہن گفتگو کر رہی تھی اور اس کی آواز میں ایک نغمہ تھا۔ زندگی کی سرگوشیوں سے زیادہ شیریں اور موت کی تلخیوں سے زیادہ کڑوا، پروں کی سرسراہٹ سے زیادہ لطیف اور موجوں کے شور سے زیادہ گہرا۔ ایسا نغمہ، جو یاس و امید، لذت و الم، راحت و رنج اور ان جذبات و میلانات کے درمیان جنبش میں تھا، جو عورت کے سینہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

لیکن نوجوان خاموش کھڑا سن رہا تھا، اس کے دل میں محبت اور ناموس، جو انسانوں کو خواہشوں اور تمناؤں سے باز رکھتا ہے۔۔۔۔محبت جو خدا کی طرف سے دل پر نازل ہوتی ہے اور ناموس، جسے انسانی تقلید، دماغ کے ہر رگ و ریشہ میں پیوست کر دیتی ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد، جو اپنی خاموشی اور خوفناکی میں استاریک عہد سے مشابہ تھا، جس میں قومیں عروج و زوال کے درمیان ڈگمگاتی ہیں، نوجوان نے اپنا سر اٹھایا۔ شرافت محبت پر غالب آچکی تھی۔ اس نے منتظر و خوف زدہ لڑکی کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور نرم آواز میں بولا:

"اے عورت جا! اپنے شوہر کے پہلو آباد کر!! جا کر مشیت خداوندی یوں ہی تھی۔ خوابوں کے سارے نقوش بیداری نے محو کر دیئے ہیں۔۔۔۔جلدی جا اور مسرتوں

کی آغوش میں آسودہ ہو جا! کہیں ایسا نہ ہو کہ پہرہ دار تجھے دیکھ لیں اور دنیا کہے کہ تو نے شادی کی رات اپنے شوہر کی امانت میں خیانت کی، اسی طرح، جیسے جدائی کے زمانہ میں اپنے محبوب کے ساتھ دغا کی تھی۔''

دلہن کانپ اٹھی اور اس طرح بے چین ہوگئی جیسے کمہلایا ہوا پھول ہوا کے جھونکوں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ دردناک لہجہ میں اس نے کہا:

''جب تک میرے جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے میں اس مکان میں واپس نہیں جاؤں گی، جہاں سے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل آئی ہوں۔ میں اس مکان کو۔۔۔۔ اس مکان کی ہر چیز کو۔۔۔۔ اس طرح چھوڑ آئی ہوں، جیسے جلاوطن قیدی اس جگہ کو چھوڑتا ہے، جہاں اس نے اپنی جلاوطنی کے دن تنہائی اور بے چارگی میں گزارے ہوں۔ سلیم، مجھے دھکے نے دو، مجھے خیانت کار نہ کہو۔ اس لئے محبت کا ہاتھ، جس نے میری اور تمہاری روح کو ایک دوسرے میں جذب کر دیا ہے، پادری کے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے، جس نے میرے جسم کو، میرے شوہر کی مرضی کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ آؤ! میں اپنی بانہیں تمہاری گردن میں اس طرح ڈالوں کہ کوئی قوت انہیں چھڑا نہ سکے۔ تمہیں اس طرح بھینچ لوں کے موت بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے!''

نوجوان نے بمشکل اس کی بانہیں اپنی گردن سے چھڑائیں اور نفرت وحقارت کے لہجہ میں بولا:

''میرے پاس سے دور ہو جا! میں تجھے بھلا چکا ہوں۔ ہاں! میں تجھے بھلا چکا ہوں اور تجھ سے نفرت کرتا ہوں! لوگوں نے تجھ سے جھوٹ نہیں کہا کہ میں کسی اور سے محبت میں گرفتار ہوں۔ سنا! میں کیا کہہ رہا ہوں؟ کہہ رہا ہوں کہ میں تجھے بھلا چکا ہوں، اس حد تک کہ میں نے تیرے وجود کو بھی فراموش کر دیا۔ میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں، اتنی کہ تمہاری شکل سے بھی بیزار ہو گیا ہوں۔ چل پرے ہٹ! مجھے اپنی

راہ جانے دے! جا اپنے شوہر کے پاس واپس جا اور اس کی باوفا بیوی بن کر رہ!!

دلہن نے دردناک آواز میں کہا:

''نہیں نہیں! مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں! تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں محبت کے معنی پائے ہیں اور جب تمہارے جسم کو چھوا ہے گویا محبت کو چھوا ہے۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو!! محبت کرتے ہو!!! بالکل اسی طرح جیسے میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اس مکان کا تو ذکر ہی کیا میں یہاں سے تمہاری آغوش کے سوا کہیں نہ جاؤں گی۔ یہ میرا بختہ ارادہ ہے۔ میں آئی ہی اس لئے ہوں کہ تمہارے ساتھ کسی غیر معلوم سرزمین پر چلی جاؤں۔ اس لئے یا تو میرے ساتھ چلو یا ہاتھ اٹھاؤ اور مجھے قتل کر دو۔''

نوجوان نے پہلے سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔''

''مجھے چھوڑ دے، ورنے میں چلا کر ان تمام مہمانوں کو یہاں جمع کرلوں گا، جو تیری شادی کی خوشی میں شرکت کے لئے بلائے گئے ہیں اور انہیں تیری اس ذلت کا منظر دکھا کر تجھے ان کے منہ کا ایک کڑوا نوالہ اور ان کی زبانوں کی شرمناک کہاوت بنا دوں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں یہاں اس عورت کو بھی بلا لوں گا، جو میرے دل کی ملکہ ہے۔ وہ تجھ پر ہنسے گی اپنی کامیابی پر مسرور ہوگی اور تیری شکست کا مذاق اڑائے گی۔''

یہ کہا اور بازو پکڑ کر اسے دھکا دے دیا۔

دلہن کے تیور بگڑ گے۔ آنکھوں میں برقیت پیدا ہوگئی اور اس کی ساری محبت، امیدیں اور فریادیں، غضب اور سنگ دلی میں تبدیل ہوگئیں اس غضب ناک شیرنی کی طرح جس کا بچہ چھین لیا گیا ہو یا اس سمندر کی طرح جسے بگولے ہیجان میں لے آئے ہوں۔ وہ چیخی:

''کون ہے، جو میرے بعد تیری محبت سے آسودہ ہو؟ میرے دل کے سوا کون ہے

جو تیرے بوسوں سے کیف و سرور حاصل کرے؟''

یہ کہہ کر چپکے سے ایک آبدار خنجر، اپنے کپڑوں سے نکالا اور بجلی کی سی تیزی سے اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ وہ تیورا کے گرا، جیسے آندھی کے تھپیڑے سے ٹہنی ٹوٹ کر گر پڑتی ہے۔ دلہن اس پر جھکی، ہاتھ میں خنجر تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ سلیم نے موت کے سائے میں اپنی بوجھل آنکھیں کھولیں، ہونٹوں پر جنبش پیدا ہوئی اور کمزور تنفس کے ساتھ یہ کلمے اس کی زبان سے ادا ہوئے۔

''میری پیاری؟ اب میرے پاس آؤ! میری لیلیٰ! میرے پاس آؤ!! مجھے کبھی نہ چھوڑو۔ زندگی، موت سے زیادہ کمزور ہے اور موت، سے زیادہ کمزور ہے، سنو! سنو! خوش دل براتیوں کے قہقہے سنو!! ساغروں کی جھنکار سنو! سنو، میری پیاری!! میری لیلیٰ تم نے مجھے ان قہقہوں کی سنگدلی اور ان ساغروں کی تلخی سے نجات دلا دی۔ میری آنکھیں ان ہاتھوں کو بوسہ دیتی ہیں، جنہوں نے میری ساری قیدیں توڑ دیں۔ میرے ہونٹوں کو بوسہ دو، جنہوں نے جھوٹ بولا اور دل کی بات چھپائی۔ میرے ناتواں پپوٹوں کی اپنی انگلیوں سے، جو میرے خون میں لتھڑی ہوئی ہیں، بند کر دو۔ لیلیٰ! جب میری روح فضا میں پرواز کر جائے، تو یہ خنجر میرے پہلو میں رکھ دینا اور کہہ دینا کہ اس نے حسد اور ناامیدی کے ہجوم سے خودکشی کر لی۔ میری لیلیٰ! میں تم ہی محبت کرتا تھا۔ تمہارے سوا، میرا اور کوئی مرکز نظر نہ تھا۔ لیکن میں نے اپنے دل، اپنی شرافت اور اپنی زندگی کی قربانی کو اس سے بہتر سمجھا کہ تمہاری شادی کی رات تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں۔ میرے دل کی ملکہ! اس سے پہلے کہ لوگ میری لاش کو آ کر دیکھیں، مجھے بوسہ دو ۔۔۔۔ مجھے پیار کرو ۔۔۔۔۔ مجھے پیار کرو! میری لیلیٰ!!''

سلیم نے اپنا زخمی ہاتھ دل پر رکھا۔ منکا ڈھلا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

دلہن نے سر اٹھا کر مکان کی طرف دیکھا اور دردناک آواز میں چلا چلا کر کہنے لگی:

''آؤ لوگو! آؤ، دولہا دلہن یہاں ہیں۔ آؤ میں تمہیں اپنی سیج دکھاؤں۔ سونے والو! جاگو!!

سرمستو! ہوش میں آؤ!! آؤ! محبت، موت اور زندگی کے راز دیکھنے کے لئے جلدی آؤ!!''

دلہن کی چیخ پکار سے گھر کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ جب یہ آواز عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے شرابیوں کے کان میں پہنچی تو ان کی روح لرز گی۔ حیران و سراسیمہ ہو کر انہوں نے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا گویا ان کے کان انہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھے اور دروازوں سے نکل نکل کر ادھر ادھر متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دلہن کو مقتول کی لاش کے قریب کھڑا پایا، تو مارے خوف کے الٹے پاؤں بھاگنے لگے۔ ان میں سے کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر اصل واقعہ کا کھوج لگاتا۔ دلہن کے ہاتھ میں خنجر اور مقتول کے سینے سے ون کے فوارے چھوٹتے دیکھ کر ان کی زبانیں بند ہو گئی تھیں اور زندگی ان کے جسموں میں منجمد۔

دلہن ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کا چہرہ الم انگیز ہیبت سے روشن تھا۔ وہ زور سے چلائی:

''بزدلو! قریب آؤ!! اس خنجر سے نہ ڈرو۔ یہ ایک مقدس ہتھیار ہے، جو تمہارے ناپاک جسموں اور تاریک سینوں میں پیوست نہیں ہو سکتا۔ دیکھو! اس خوبصورت نوجوان کو دیکھو!! جو لباس نوشہی میں ملبوس ہے۔ یہ میرا دولہا ہے اور میں اس کی دلہن۔ ہم نے بہت تلاش کیا، مگر اس دنیا میں، جسے تم لوگوں نے اپنی رواجی پابندیوں سے تنگ، اپنی جہالتوں سے تاریک اور اپنی حرص و طمع سے ناکارہ بنا دیا ہے۔ ہمیں کوئی سیج ایسی نہ ملی، جو ہماری ہم آغوشی کے قابل ہوتی۔ اس لئے ہم نے یہی بہتر سمجھا کہ بادلوں سے پرے ۔۔۔۔ دوسرے عالم میں چلے جائیں۔ بزدلو! قریب آؤں

!بہت ممکن ہے تم دیکھ لو کہ ہمارے چہروں پر خدا کا نور کھیل رہا ہے اور ہمارے دلوں سے الوہیت کے شیریں نغمے ابل رہے ہیں۔ کہاں ہے وہ غیبانی؟ جس نے میرے حبیب کے متعلق مجھ سے جھوٹی باتیں لگائیں۔ مجھ سے کہا:

''وہ تجھے فراموش کر کے مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔ اس نے مجھ سے محبت ہی اس لئے کی ہے کہ تجھے فراموش کر دے۔''

کیا وہ فتنہ کار یہ سمجھتی تھی کہ میرے اور اس کے رشتہ دار کے سر پر، پادری کا ہاتھ اٹھتے ہی اس نے مجھ پر فتح پالی؟۔ کہاں ہے؟ وہ دھوکا باز شریف زادی! کہاں ہے؟ وہ جہنمی ناگن! میں اسے دعوت دیتی ہوں، آئے اور دیکھے کہ اس نے تم لوگوں کہ میرے حبیب کی شادی کی خوشیاں منانے کے لئے جمع کیا تھا، نہ کہ اس شخص کی، جسے اس نے میرے لئے انتخاب کیا تھا۔

تم میری گفتگو نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔ کہاں پریشان آوازیں اور کہاں فرشتوں کے گیت۔۔۔۔ لیکن تم اپنی اولاد کو اس عورت کا قصہ سناؤ گے جس نے شادی کی رات اپنے حبیب کو قتل کر دیا۔ تم میرا ذکر کرو گے اور اپنے گنہگار ہونٹوں سے مجھ پر لعنت بھیجو گے لیکن تمہاری اولاد مجھے مبارک باد دے گی۔ آنے والا زمانہ یقیناً سچائی اور روح کی حکومت کا زمانہ ہوگا۔

اور اے بیوقوف انسان! اپنی کمینگی، حیلے حوالوں اور کی حکومت کے ذریعے مجھے اپنی بیوی بنانے والے! تو اس بدقسمت گروہ کا نمائندہ ہے، جو تاریکی میں نور تلاش کرتا ہے، چٹان سے پانی نکالنا چاہتا ہے اور ریگستان میں پھول کھلنے کا آرزو مند ہے۔ اس ملک کا باشندہ ہے، جس نے خود کو اس طرح جہالت کے حوالے کر دیا ہے، جیسے اندھا، اپنے تئیں اندھے رہنما کے حوالے کر دے۔ تو اس جھوٹی مردانگی کا نمونہ ہے، جو ہاروں اور چوڑیوں کے لئے گردن اور بانہیں کاٹ ڈالتی ہے۔ جا! میں نے تجھے معاف کرتی ہوں۔۔۔۔ تیری ساری کمزوریوں کو معاف کرتی ہوں،

اس لئے کہ شادکام روح، کوچ کرتے وقت، دنیا کی ساری ذلتوں اور حماقتوں کو معاف کر دیتی ہے۔

دلہن نے خنجر اونچا کیا اور اس پیاسے کی طرح، جو مضطربانہ انداز میں پانی سے بھرا کٹورہ اپنے ہونٹوں سے لگاتا ہے، عزم و ہمت کے ساتھ اپنے سینہ میں پیوست کر لیا اور اپنے حبیب کے پہلوں میں پڑی ۔۔۔۔ اس پودے کی طرح، جس کی جڑیں درانتی سے کاٹ دی گئی ہوں۔ عورتوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے خوف و الم کی شدت سے چلا چلا کر رونا شروع کر دیا ان میں سے بعض تو بیہوش ہو گئیں۔ مردوں میں بھی ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ خوف و وحشت سے لرزتے کانپتے، زخمیوں کے پاس آئے۔ دلہن نے جو نزع کے عالم میں تھی اور جس کے شفاف سینہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا، اس کی طرف دیکھا اور کہا:

''ملامت کرنے والوں! خبردار، ہمارے قریب نہ آنا، ہمارے جسموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا۔ ورنہ وہ مقدس روح جو ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے، تمہاری گردنیں دبوچ لے گی اور سنگدلی و بے رحمی کے ساتھ تمہیں زمین پر دے پٹکے گی۔ ہمارے جسموں کو بھوکی زمین کے منہ کا نوالہ بننے دو! جاؤ، زمین کو موقع دو کہ وہ ہمیں اپنے سینہ میں محفوظ کر لے جس طرح وہ بیجوں کو موسم بہار کی آمد تک جاڑے کی برف سے محفوظ رکھتی ہے۔''

دلہن سلیم کی لاش سے اور قریب ہو گئی اور اپنے ہونٹ اس کے سرد ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ ٹوٹتے ہوئے یہ الفاظ آخری سانسوں کے ساتھ اس کے منہ سے نکلے:

''میرے حبیب! دیکھو!! میرے من کے دولہا! دیکھو!! حاسد کیسے ہماری سیج کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ ان کی نگاہیں کس طرح ہم پر جمی ہیں۔ سنو! ان کے دانتوں کے بجنے اور پسلیوں کے چٹخنے کی آوازیں سنو!! سلیم! تم نے مدتوں میرے انتظار کی تکلیف برداشت کی۔ دیکھو! اب میں تمہاری ہوں میرے حبیب! ہم بہت

دن تک تاریکیوں میں افسردہ وحیران رہے۔اب میں نے اپنی ساری قیدیں توڑ دی ہیں اور سلیم ! دیکھو ! ایک ایک کرکے سارے نقش مٹ چکے ہیں۔ ہر چیز میری نگاہوں سے چھپ گئی ہے۔اب مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔اف !میرے ہونٹ ،اچھے سلیم !میرے آخری سانس قبول کرو!! آؤ!! آؤ!میرے پیارے،چلیں !! محبت کا فرشتہ پر تول چکا ہے اور حلقہ ءنور کے گرد منڈلا رہا ہے۔''

دلہن نے اپنا سینہ سلیم کے سینہ پر رکھ دیا۔اس کا خون اس کے خون سے مل گیا،اس کا سر اس کی گردن پر جھک گیا اور اس کی آنکھیں اس کی آنکھوں پر جم گئیں۔

لوگ خاموش کھڑے تھے۔ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے اور ٹانگوں میں لرزش پیدا ہوگئی تھی۔گویا موت کی ہیبت نے ان کی قوت وحرکت کو سلب کرلیا تھا۔

پادری۔۔۔۔افسوں پڑھ کر،دلہن کے لئے ازدواجی ہار گوندھنے والا پادری آگے بڑھا اور ان لاشوں کی طرف اشارہ کرکے،حاضرین سے کرخت لہجہ میں بولا:

''قابل تعزیر ہیں وہ ہاتھ،جو ذلت وحرم کے خون میں لتھڑے ہوئے،ان جسموں کی طرف بڑھیں اور قابل نفرت ہیں وہ آنکھیں جو ان کی موت پر رنج وغم کے آنسو بہائیں۔شیطان ان کی ناپاک روحوں کو جہنم میں لے گیا ہے۔پڑا رہنے دو،یہاں تک کہ کتے ان کا گوشت بانٹ کھائیں اور ہوا ان کی ہڈیوں کو اڑا لے جائے۔لوگو! اپنے اپنے گھر کو واپس جاؤ!بھاگو!اس عفونت سے بھاگو!! جو انکے دلوں سے پھوٹ رہی ہے۔ان کے پتلے خطاوقصور کے خمیرے سے بنے ہیں اور انہیں خود ان کی رذالت وکمینگی نے پیس کر رکھ دیا ہے۔

کھڑے ہونے والو!ان کے پاس سے ہٹ جاؤ!!جلدی ہٹو،کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنمی آگ کے شعلے تمہیں بھی لپیٹ لیں۔

تم میں سے کوئی یہاں نہ رہے ورنہ ذلیل ومحروم ہو جائے گا۔اس کے لئے مقدس ہیکل میں باریابی ناممکن ہوگی،جہاں اہل ایمان نماز عبودیت ادا کرتے ہیں۔''

سوسان ۔۔۔۔وہ لڑکی ،جسے دلہن نے قاسد بنا کر سلیم کے پاس بھیجا تھا ۔۔۔۔ آگے بڑھی ،اس کی پلکیں آنسوؤں سے تر تھیں ۔عزم و ہمت اور جرات و شجاعت کے لہجہ میں اس نے کہا:

''اندھے کافر !ان کی حفاظت کر لئے میں یہاں موجوں ہوں ۔صبح ہونے پر،ان جھومتی ہوئی شاخوں کے نیچے میں ان کے لئے قبر کھودوں گی ۔اگر تم نے پھاوڑا میرے ہاتھ سے چھین لیا تو میں اپنی انگلیوں سے زمین کا سینہ چیر دوں گی اور اگر تم نے میرے ہاتھ بھی جکڑ دیئے تو یہ فرض میں اپنے دانتوں سے انجام دوں گی ۔

چلے جاؤ !عطر و لوبان سے بسی ہوئی اس جگہ سے فوراً چلے جاؤ !! خنزیر، پاک خوشبوؤں کو سونگھنے سے بھاگتے ہیں اور چور اچکے گھر کے مالک اور آمد صبح سے ڈرتے ہیں ۔

جاؤ !اپنی تاریک خوابگاہوں میں جاؤ !! شہیدان محبت کے سروں پر منڈلاتے ہوئے فرشتوں کے گیت ،میل کچیل سے اٹے ہوئے کانوں میں نہیں پہنچ سکتے ۔''

لوگ بوڑھے پادری کے سامنے سے ہٹ گئے اور سوسان لاشوں کے پاس کھڑی رہی ۔معلوم ہوتا تھا کہ بیوہ ماں رات کو خاموشی میں اپنے دو بچوں کی حفاظت کر رہی ہے ۔لوگوں کے چلے جانے کے بعد سوسان زار و قطار رونے لگی ۔

☆☆☆☆☆

مادام

اس آدمی پر ترس آتا ہے جو کسی عورت سے پیار کرے، اسے بیوی بنائے، اس کے قدموں میں دل و جان رکھے، ان قدموں پر اپنے بدن کا لہو پسینہ نچوڑے۔ اپنی محنتوں کا ثمر اور جفاکشی کا صلہ اس کے ہاتھ میں دھرے اور پھر جب ہولے ہولے جاگے تو دیکھے کہ جس دل کو اس نے خریدنا چاہا وہ نہایت خلوص اور آزادی سے کسی دوسرے کے حوالے کر دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کے سربستہ اسرار اور گہرے پیار سے لطف اندوز ہو۔

اس عورت پر ترس آتا ہے جو اپنی جوانی کی بیقراری اور بے نیازی سے بیدار ہو جائے اور خود کو ایسے گھر میں پائے جو اس پر چمکتے دمکتے سونے اور قیمتی تحائف کی برکھا کرے، احترام و اعزاز، نوازش اور سامان تفریح ارزاں کرے لیکن جنت کی اس شراب سے اس کی روح کو تسکین دینے سے قاصر رہے جسے خدا مرد کی آنکھ سے عورت کے دل پر ٹپکاتا ہے۔

میں بچپن ہی سے رشید بے نعمان کو جانتا ہوں۔ وہ لبنانی تھا۔ بیروت میں پیدا ہوا اور وہیں پل کر بڑا ہوا۔ وہاں کے ایک قدیم متمول خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے آباؤ اجداد کی شانوشوکت اور روایتیں سنبھال رکھی تھیں۔ اسی لئے رشید ایسے واقعات بیان کرنے کا شوقین تھا جو زیادہ تر اس کے بزرگوں کی امارت سے تعلق رکھتے۔ روزمرہ کی زندگی میں وہ ان عقیدوں اور رسموں ریتوں کی پیروی کرتا جو اس کے زمانے میں مشرق وسطیٰ میں مروج تھیں۔

وہ مخیّر اور نیک دل تھا لیکن بیشتر شامیوں کی طرح صرف سطحی چیزوں پر نظر رکھتا، حقیقت پر توجہ نہ دیتا۔ اس نے کبھی دل کی بات نہیں سنی، بس گردوپیش کی آوازوں ہی کا حکم مانا۔ اس نے ان چمکنے دمکنے والی چیزوں سے جی بہلایا جنہوں نے اس کی آنکھوں پر پردے ڈالے اور اس کے دل کو زندگی کے اسرار سے بےخبر رکھا۔ اس کی

روح فطرت کے قانون کے سوجھ بوجھ سے ہٹ گئی اور عارضی تسکین ذات پر مائل رہی ۔ وہ ان آدمیوں میں سے تھا جو فوراً ہی لوگوں کے سامنے اپنے پیار یا اپنی ناامیدی کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس سے پھر جانے کا وقت نہیں رہتا تو اپنے اضطرار پر اظہار افسوس کرتے ہیں ۔ اب معذرت یا جواز کی جگہ شرمساری اور تضحیک سے پالا پڑتا ہے۔

رشید بےنعمان کے کردار کی یہی خصوصیات تھیں جن کی بناء پر اس نے روزبہی سے اس وقت بیاہ رچایا کہ ابھی سچے پیار کے زیر سایہ ہنی کی روح نے اس کی روح سے وہ وصل نہیں کیا تھا، جنت جس ک حاصل ہوتی ہے۔

چند سال کی غیر حاضری کے بعد میں بیروت لوٹ آیا۔ رشید بےنعمان کو ملنے گیا تو میں نے اسے زرد رد اور مریل پایا۔ اس کے چہرے پر تلخ مایوسی کی پرچھائیں تھیں ۔ اس کی یاس انگیز آنکھیں اس کے خستہ دل اور غمناک روح کا افسانہ بیان کر رہی تھیں ۔ مجھے اس قابل رحم حالت کا سبب جاننے کا اشتیاق ہوا ۔ میں نے بلا تامل اسے اظہار حال کے لئے کہا۔

میں پوچھا، ''تمہیں کیا ہوا رشید؟ بچپن سے جس مسکراہٹ اور مسرت انگیز چہرے نے تمہارا ساتھ دیا تھا وہ کہاں ہے؟ کیا تم سے کالی راتوں نے سونا چھین لیا ہے جو تم نے روشن دنوں میں اکٹھا کیا تھا؟ میری خاطر دل کی غمزدگی اور بدنی نقاہت کا سبب بتاؤں!''

اس نے مجھے یاس انگیز انداز سے یوں دیکھا جیسے میں نے اس کے حسین دنوں کی چند ایسی یادیں تازہ کر دی ہوں جو اس کی خلوت سے تعلق رکھتی تھیں ۔ اس نے افسردہ اور لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا، '' آدمی اپنا دوست گنوا بیٹھے تو گردوپیش کے متعدد دوسرے دوستوں سے تسکین پالیتا ہے، سیم وزر بیٹھے تو تھوڑی سی دیر کے لئے فکرمند ہوتا اور پھر دل سے اپنی بدنصیبی کا خیال نکال دیتا ہے خصوصاً جبکہ وہ تندرست

ہو اور ہنوز اپنے اندر ولولہ پائے لیکن جب دل کا چین گنوا بیٹھے تو پھر کہاں سے راحت لائے اور اس کی خانہ پری کرے؟ کون سا ذہن اس صورت حال پر قابو پا سکے گا؟ جب رات دن گزر جائیں اور زندگی کی نرم و نازک انگلیوں کا لمس محسوس کرتے رہو تو تم مسکراؤ گے اور لطف پاؤ گے۔''

قیامت جھٹ آ جاتی اور غم لاتی ہے۔ وہ تمہیں بھیانک نگاہوں سے دیکھتی ہے، تیکھی انگلیوں سے تمہارا گلا پکڑتی ہے، تمہیں زمین پر پٹختی ہے اور آہنی جوتوں والے پاؤں سے روند ڈالتی ہے۔ پھر ہنستی ہنستی چلی جاتی ہے، لیکن بعد میں اپنے کئے پر پچھتاتی اور تمہاری نیک بختی سے معافی مانگتی ہے۔ اعتماد اور امنگ کے لئے تم میں نیا شوق پیدا کرتی ہے۔ اگر زندگی میں حسین پرندہ لکھا ہے جسے تم شدت سے پیار کرتے ہو تو تم بخوشی اسے اپنے چاؤ سے اس کی تعریف کر رہے اور اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوتے ہو تو وہ تمہارے ہاتھوں میں سے اڑ جاتا اور بڑی اونچی اڑان لیتا ہے۔ اس کے بعد نیچے اترتا، دوسرے پنجرے میں چلا جاتا اور کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

ایسے میں تم کیا کر سکتے ہو؟ صبر اور حرف تسکین کہاں پاؤ گے؟ تم اپنی امیدوں اور اپنے خوابوں میں کیونکر جان ڈالو گے؟ کون سی طاقت تمہارے دل بے قرار کو قرار بخشے گی؟''

بھرائی ہوئی آواز اور زخم خوردہ روح سے یہ الفاظ کہنے کے بعد رشید بے نعمان بدشمال اور بادجنوب کے لرزتے لرزتے ہوئے تنکے کی طرح ڈولتے ڈولتے کھڑا ہوا۔ اس نے یوں ہاتھ بڑھایا جیسے خمیدہ انگلیوں سے کچھ پکڑنا اور اسے تباہ کرنا چاہے۔ اس کا جھریالہ چہرہ بے رونق تھا۔ کچھ لمحے نظریں گاڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ایسا لگا کہ اس نے عدم سے وجود میں آنے والا کوئی بھوت دیکھ لیا ہو جو اسے دور لے جانا چاہے۔ پھر اس نے مجھ پر نظریں جما دیں۔ اس کا چہرہ ایک دم بدل گیا

۔اس کی انگلی سراسر کرب اور دل خستگی کی علامت بن گئی ۔اس نے چلا کر کہا ''یہ عورت افلاس کے پنجوں میں جکڑی تھی ۔میں نے اسے ان سے چھڑایا ۔میں نے اس کے لئے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ۔اس کے خوشنما ملبوسات، قیمتی جواہرات اور تند گھوڑوں والی گاڑیاں دیکھ کر عورتیں اس پر رشک کرتیں ۔میں نے اسے دل سے چاہا اس کے قدموں پر محبت کے پھول نچھاور کئے ۔میں اس عورت کا سچا دوست بنا، مخلص ساتھی اور وفا شعار شوہر بنا۔اس نے مجھے فریب دیا، مجھے چھوڑ کر دوسرے آدمی کے پاس چلی گئی ۔اس کے افلاس میں شریک ہوئی ، اس کے ساتھ ایسی گندھی روٹی کھانے لگی جسے بے شرمی سے گوندھا گیا اور جس میں ذلت کے ذرے شامل کئے گئے تھے۔

میں نے اس عورت سے پیار کیا ۔اس حسین پرندے کو کھلایا پلایا، دل کو پنجرہ اور روح کو اس کا آشیانہ بنایا ۔وہ میرے ہاتھوں میں سے اڑ گیا اور دوسرے پنجرے میں چلا گیا ہے ۔وہ پاکیزہ حور جو میری محبت کی جنت میں رہتی تھی اب مجھے بھوت لگتی ہے ۔وہ اپنے گناہ کی سزا بھگتنے اندھیرے میں چلی گئی ہے اور مجھے اپنے جرم کی سزا دینے زمین پر چھوڑ گئی ہے ۔''

اس نے یوں ہاتھ سے چہرہ چھپالیا جیسے خود کو اس سے بچانا چاہے اور لمحے بھر کے لئے چپ ہو گیا ۔پھر اس نے آہ بھری اور کہا، ''بس یہی کچھ تمہیں بتا سکتا ہوں ۔براہ کرم مجھ سے اور کچھ مت پوچھنا ۔میری تباہی پر چیخنا چلانا نہیں ۔بس اسے خاموش بد نصیبی سمجھ کر رہنے دو! شاید یہ خاموشی میں پنپ کر مجھے ہلاک کر ڈالے اور میں آخر کار سکون سے موت کی آغوش میں چلا جاؤں ۔''

میں آنکھوں میں آنسو لئے اٹھا، دل میں رحم کا جذبہ تھا ۔میں نے چپکے سے اسے الوداع کہا۔

میرے لفظوں میں اتنی جان نہ تھی کہ اس کے زخمی دل کو تسکین ہوتی ، اس کی

تاریک زندگی میں روشنی بکھیرنے کے لئے میرے علم میں مشعل نہ تھی۔

(2)

چند دنوں کے بعد میں پہلی بار مادام روزبنی کو ایک معمولی سے گھر سے ملا جو پھولوں اور پیڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے رشید بے نعمان سے میرا ذکر سنا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس کا دل اس نے پامال کیا، اسے روند اور زندگی کے خوفناک سموں تلے ڈال کر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس کی حسینتا بدار آنکھوں پر نظر ڈالی اور اس کی پرخلوص آواز سنی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، ''کیا یہی گندی عورت ہے؟ کیا وہ عورت ہے میں نے جس کی برائی کی تھی اور جسے میں نے خوبصورت جانور کے بھیس میں سانپ تصور کیا تھا؟''

پھر میں نے اپنے آپ سے کہا، ''کیا یہی وہ حسین مکھڑا ہے جس نے رشید بے نعمان کو تباہ حال کیا؟ کیا سنا نہیں کہ ظاہری حسن کتنی ہی پوشیدہ مایوسیوں اور شدید رنج و الم کا سبب بنتا ہے؟ کیا دلفریف چاند جو شاعروں کو مائل بہ تخلیق کرتا ہے خوفناک شور بپا کرتے ہوئے سمندر کے غضب کو پرسکون نہیں کر دیتا؟''

ہم جب بیٹھ گئے تو ایسا لگا جیسے اس نے میرے افکار سن لئے ہوں اور میرے شبہات کو طول نہ دینا چاہتی ہو۔ اس نے اپنا دل آویز سر ہاتھوں میں رکھا اور ساز سے زیادہ شیریں آواز میں بولی ''میں تم سے کبھی نہیں ملی لیکن میں نے لوگوں کی زبانی تمہارے خیالوں اور خوابوں کی بازگشت سنی ہے۔ انہوں نے مجھے باور کروایا ہے کہ تم رحم دل ہو اور ان عورتوں کے بارے میں فہم رکھتے ہو جو کھنڈر ہوئی ہوں، جن کے پوشیدہ راز تم نے دریافت کئے اور جن کے پیار کو تم جانتے ہو۔ مجھے دل کی ساری باتیں ظاہر کرنے دو تا کہ تم جان سکو کہ روزبنی ہرگز بے وفا عورت نہیں نکلی۔

میں بمشکل اٹھارہ سال کی تھی کہ تقدیر مجھے رشید بے نعمان کے پاس لے گئی جو اس وقت چالیس سال کا تھا۔ لوگوں کا کہنا کہ وہ مجھ پر فریفتہ ہوا اور مجھے بیوی بنا کر اپنے

شاندار گھر لے گیا۔ اس نے میری خدمت کے لئے غلام اور کنیزیں رکھ دیں۔ مجھے قیمتی ملبوسات اور جواہرات پہنائے۔ اس نے اپنے دوستوں اور کنبے کے سامنے مجھے نادر و نایاب شے بنا کر پیش کیا۔ جب اس کے ہمعصروں نے مجھے تحسین و حیرت کی نظروں سے دیکھا تو وہ فاتحانہ انداز سے مسکرایا۔ پھر جب خواتین نے میرے بارے میں تعریف اور پیار بھری باتیں کیں تو انہیں سن کر اس نے اپنی ٹھوڑی فخر سے اونچی کی لیکن اس نے سرگوشیاں نہیں سنیں۔ لوگ زیر لب کہتے: ''یہ رشید بے نعمان کی بیوی ہے یا لے پالک لڑکی؟''

دوسرا شخص ان الفاظ میں تبصرہ کرتا۔ ''اگر اس نے مناسب عمر میں شادی کی ہوتی تو اس کا پہلا بچہ روزبنی سے بھی بڑا ہوتا۔''

ابھی میری زندگی جوانی کی گہری نیند سے بیدار نہیں ہوئی تھی، خدا نے میرے دل کو محبت کی مشعل سے شعلہ افروز نہیں کیا تھا اور میرے پیار کے بیج پروان نہیں چڑھے تھے کہ یہ سب کچھ ہو گزرا۔۔۔۔ جی ہاں، یہ سب کچھ اس زمانے میں ہوا جب میں سمجھتی تھی کہ حقیقی مسرت خوشنما ملبوسات اور عالیشان عمارات سے حاصل ہوتی ہے۔ میں بچپن کے خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دل میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور میری جان کو روحانی بھوک کاٹ رہی ہے اور اس کی وجہ سے روگ لگ رہا ہے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے محبت کے وسیع و عریض آسمان پر اڑنے کے لئے اپنے شہپروں کو دائیں بائیں پھڑ پھڑاتے پایا۔ پھر انہیں قانون کی ان زنجیروں تلے کانپتے اور دم توڑتے پایا جس نے ایک آدمی سے مجھے باندھ دیا۔ میں نے ابھی اس قانون کے صحیح معنی نہ جانے تھے۔ میں نے یہ سب باتیں محسوس کیں اور جان لیا کہ عورت کی خوشی نہ تو مرد کی شان و شوکت اور عزت سے حاصل ہوئی ہے اور نہ اس کی سخاوت اور مہر و کرم سے بلکہ یہ تو اس پیار سے حاصل ہوئی ہے جو دونوں کے دلوں اور ان کی للکو شیر و شکر کر دے، جسم

وجان کو ایک کر دے۔ جسم و جان کو ایک کر دے اور ہونٹوں سے ایک ہی لفظ ابھرے ۔ جب صداقت نے مجھے اپنا چہرہ دکھایا تو میں نے اس چور کی طرح خود کو قانون کے تحت رشید بے نعمان کے محل میں اسیر پایا جو روٹی چرا رہا ہو اور رات کے کے مہربان تاریک گوشوں میں چھپ کر بیٹھا وہ میں جان گئی کہ اس کے ساتھ گزرنے والا ہر لمحہ خوفناک جھوٹ تھا جو میری پیشانی پر زمین و آسمان کے روبرو آتشیں حروف میں لکھا تھا۔ اس کی سخاوت اور خلوص کے عوض میں سارے پیار نہیں دے سکی۔ میں نے بیکار اسے چاہنے کی کوشش کی۔ پیار تو وہ طاقت ہے جو دل کو دل بناتی ہے لیکن ہمارے دل یہ طاقت پیدا نہیں کر سکے۔ میں رات کی خاموشی میں خدا کے حضور دعاؤں پر دعائیں مانگتی رہی کہ میرے دل کی گہرائیوں میں ایسی روحانی چاہت پیدا کر دے جو مجھے اس آدمی کے قریب تر لے جائے جس نے مجھے زندگی بھر کا ساتھی منتخب کیا ہے۔

میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں کیونکہ خدا کے حکم سے دل پر پیار کا نزول ہوتا ہے نہ کہ آدمی کے مطالبے یا استدعا سے۔ میں اس آدمی کے گھر دو سال تک رہی۔ کھیتوں میں آزادی سے اڑتے پھرتے پرندوں پر رشک کرتی رہی اور میرے دوست میری تکلیف دہ طلائی زنجیروں کو رشک کی نظر سے دیکھتے رہے۔ میں وہ عورت ہوں جو بچپن ہی سے پرزہ پرزہ کی گئی تھی، میں رونے والا ایسا دل تھی جسے پیار سے محروم رہ کر جینا پڑے، میں انسانی قانون کے تشدد کا بے گناہ شکار تھی۔ روحانی پیاس اور بھوک مجھے موت کے پہلو میں لا کھڑا کیا۔

ایک تاریک دن کی بات ہے۔ میں گہرے آسمان کے پیچھے جھانک رہی تھی کہ میں نے زمانے کی بے پروائی کے مارے ہوئے ایک آدمی کو زندگی کی ڈگر پر چلتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے روشنی کی نرم نرم کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ سے کہا ''اے روح! قبر کی تاریکی تیری تقدیر ہے، اس روشنی کی حرص نہ کر!''

پھر میں نے آسمان کی بلندیوں سے ایک دل آویز نغمہ سنا جس نے اپنی پاکیزگی سے میرے زخمی دل کو تندرست کر دیا لیکن میں نے کان بند کر لئے اور کہا، ''اے میری روح! اتھاہ سمندر کی چیخ تیری تقدیر ہے، آسمانی نغموں کی حرص نہ کر!''

میں نے پھر اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر لئے لیکن میری بند آنکھیں ہنوز وہ ملائم روشنی دیکھ رہی تھیں اور میرے کان ہنوز وہ پاکیزہ صدا سن رہے تھے۔ پہلے تو میں ڈر گئی اور میں نے اس گداگر طرح محسوس کیا، جسے امیر کے محل کے پاس ہیرا ملا ہو اور مارے خوف کے اسے اٹھا نہ سکا ہو یا افلاس کی وجہ سے اسے چھوڑ گیا ہو۔ میں چیخی۔ یہ اس پیاسی روح کی چیخ تھی جو درندوں سے گھری ہوئی ندی دیکھے اور زمین پر گر جائے۔ پھر انتظار کرے اور خوف زدہ ہو کر ندی کو دیکھے۔''

پھر اس نے مجھ سے یوں آنکھیں پھیر لیں جیسے اسے ماضی یاد آ گیا ہو اور اب وہ شرم کے مارے میرا سامنا نہ کر سکتی ہو تاہم اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ لوگ جو حقیقی زندگی کا ذائقہ چکھے بغیر ابدیت کو لوٹ جائیں عورت کے دکھ کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ پھر اس عورت کا غم کون جانے جو خدا کے حکم سے اپنی روح اس آدمی پر نچھاور کر دے جسے وہ چاہتی ہو اور اپنا بدن دوسرے کے حوالے کرے جسے وہ انسانی قاتلوں کے دباؤ تلے رہ کر پیار کرے۔ یہ ایسا المیہ ہے، جسے عورت کے لہو اور آنسوؤں سے لکھا گیا ہو لیکن آدمی اسے پڑھ کر اس کا مذاق اڑاتا ہو کیونکہ وہ اسے سمجھتا ہی نہیں۔ پھر اگر وہ سمجھ ہی لے تو اس کا ایک قہقہہ اس فعل کو ملامت اور گالی میں بدل دے گا اور یہ عورت کے دل پر آگ بن کر جلے گا۔ کالی راتیں یہ ناٹک اس عورت کی روح کے اسٹیج پر کھیلتی ہیں جس کا بدن شادی کے خدائی قانون کا مطلب سمجھنے سے قبل ایسے آدمی سے باندھ دیا گیا ہو جسے وہ اپنا شوہر سمجھتی ہو۔ وہ اپنی روح کو اس آدمی کے اردگرد منڈلاتے دیکھتی ہو جسے وہ تمام پاکیزہ اور سچے پیار اور خوبصورتی سے سراہتی ہو۔ یہ کیسا خوف ناک عذاب ہے جس کا آغاز

عورت میں کمزوری پیدا کرنے اور مرد کو طاقت بخشنے سے شروع ہو۔ اجب تک کمزور پر طاقت ور کی برتری اور حکمرانی کا دور تمام نہیں ہوتا۔ یہ دکھ دور نہیں ہوگا۔ یہ آدمی کے بگڑے ہوئے قانون اور مقدس پیار اور دل کے متبرک مقصد کے درمیان ہولناک جنگ ہے۔ کل تک میں اس محاذ جنگ پر چت پڑی تھی۔ پھر میں نے اپنی بچی کھچی طاقت جمع کی، اپنی بزدلی کی زنجیریں کھولیں، اپنے بازوں سے ناتوانی کے بندھن کھولے اور محبت اور آزادی کے فراخ آسمان پر آڑ گئی۔''

''آج میں اس آدمی کے پاس ہوں جسے میں پار کرتی ہوں۔ ہم دونوں خدا کے ہاتھ سے وہ مشعل لئے اٹھے جو دنیا کے آغاز سے قبل بھی روشن تھی۔ روئے زمین پر ایسی کوئی طاقت نہیں جو مجھ سے میری مسرت چھین سکے..... یہ مسرت دور روحوں کے وصال سے معرض وجود میں آتی ہے' باہمی سوجھ بوجھ سے پھوٹتی ہے اور پیار کی جوت سے روشن ہوئی ہے۔ آسمان اس کی حفاظت پر مامور ہے۔''

اس نے مجھے یوں دیکھا جیسے اس کی نگاہیں میرے دل میں اترنا چاہیں تاکہ مجھ پر اس کی باتوں کا جو اثر ہوا ہو وہ اسے دیکھ لیں اور وہ میرے باطن میں سے اپنی آواز کی بازگشت سن پائے' لیکن میں چپ رہا' وہ بولتی رہی۔ اس کی آواز یادوں کی تلخی، خلوص اور آزادی کی مٹھاس سے لبریز تھی جب اس نے کہا، ''لوگ تم سے کہیں گے کہ روزہنی کافر تھی۔ بے وفا بھی جو اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ کر ایسے آدمی کو چھوڑ گئی جس نے اپنی روح میں اسے رفعت بخشی اور اس سے اپنے گھر کو جمال افروز کیا۔ وہ تم سے یہ بھی کہیں گے کہ روزہنی زانیہ ہے، رنڈے ہے جس نے اپنے گندے ہاتھوں سے متبرک شادی کا ہار پامال کیا اور اس کی جگہ ایسے ناپاک وصل کو دی جسے جہنم کے کانٹوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس نے نیکی کا لباس اتار پھینکا اور گناہ ذلت کا چغہ پہن لیا۔ وہ تمہیں اس سے بھی زیادہ بتائیں گے کیونکہ ان کے جسموں میں ابھی تک ان کے آباؤ اجداد کی روحیں بھٹک رہی ہیں۔ وہ پہاڑوں کے متروکہ

غاروں کے مانند ہیں جن میں ایسی آوازیں گونجتی ہیں جن کا مطلب سمجھا نہیں جا سکتا۔ وہ نہ تو خدا کے قانون کو سمجھتے ہیں، نہ حقیقی مذہب کے صحیح معنی پا سکتے ہیں اور نہ گناہگار اور بے گناہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ چیزوں کے اسرار و موز کو جانے بغیر ان کی سطح پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ جانے بغیر فتویٰ صادر کرتے ہیں، آنکھیں بند کر کے فیصلہ دیتے ہیں۔ مجرم اور معصوم، نیک اور بد کو مساوی درجہ دیتے ہیں۔ افسوس ان پر جو لوگوں پر مقدمہ چلاتے اور تعزیر لگاتے ہیں.....''

جب میں رشید بے نعمان کے گھر میں تھی تو میں خدا کی نظروں میں بے وفا اور زانیہ تھی کیونکہ اس سے قبل کے محبت اور چاہت کے روحانی قانون کے مبابق آسمان اسے میرا بناتا۔ اس نے مروجہ رسم و رواج اور روایات کے بل بوتے پر عجلت میں مجھے اپنی بیوی بنالیا۔ جب میں اس کا کھانا کھاتی اور اس کی سخاوت کی عوض اپنا جسم پیش کرتی تو میں اپنے خدا اور اپنی نظروں میں گناہگار ہوتی لیکن اب میں بالکل پاک صاف ہوں کیونکہ محبت کے دستور نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ مجھے باوقار اور باوفا کر دیا ہے۔ میں نے پناہ لینے کے عوض اپنا جسم اور کپڑوں کے عوض اپنے ایام کی فروخ ترک کر دی ہے۔ بے شک، جب لوگ مجھے نہایت باوقار اور باوفا بیوی سمجھتے تھے تب میں زانیہ تھی، ایک مجرم عورت تھی لیکن اپنی نظر میں آج روحانی طور پر میں پاکباز اور قابل احترام ہوں، ویسے لوگوں کے خیال میں ناپاک ہوں کیونکہ وہ تو جسم سے جوعیاں ہوتا ہے اس کے لحاظ سے روحانیت کا اندازہ لگاتے ہیں اور مادی معیار سے روح کو ناپتے تولتے ہیں۔''

اس کے بعد اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا اور دائیں ہاتھ سے شہر کی جانب یوں اشارہ کیا جیسے اس نے اس کی عالیشان عمارتوں میں فساد کے بھوت اور بے حیائی کا سایہ دیکھ لیا ہو۔ اس نے رحمدلانہ انداز میں کہا ''ان پرشکوہ ایوانوں اور رفیع الشان محلات کو دیکھو جہاں ریاکاری سکوت پذیر ہے۔ ان عمارتوں اور ان کے خوشنما

اور سجیلے در و دیوار میں بساند اور سرانڈ کے علاوہ سازشوق کے گھروندے ہیں۔ پگھلے ہوئے سونے سے لپی پتی ہوئی چھتوں تلے فریب کے علاوہ جھوٹ مسکن ہے۔ ذرا جاہ جلال والے ان گھروں کو دیکھو تو سہی جو مسرت، رفعت اور فرمان روائی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں بے چارگی اور دل شکستگی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ وہ مقبرے ہیں جن پر استر کاری کی گئی ہے اور جہاں ناتواں عورت کی سرمئی آنکھوں اور ارغوانی ہونٹوں کے پیچھے سازشیں چھپی بیٹھی ہیں۔ ان حویلیوں کے گوشے گوشے میں خود غرضی کے ڈیرے ہیں۔ یہاں آدمی کی حیوانیت اس کے سیم و زر کی جھنکار میں حکمرانی کرتی ہے۔"

اگر یہ فلک بوس اور ناقابل تسخیر عمارتیں نفرت، فریب اور تخریب کا احساس کرلیں تو ان میں دراڑیں پڑ جائیں اور یہ ڈھے جائیں۔ غریب گنوار ان محلوں کو نم آلودہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ لیکن جب اسے پتہ چلتا ہے کہ یہاں رہنے والوں کے دل اس پیار کی دولت سے محروم ہیں جو اس کی شریک حیات کے دل میں ہے اور جس سے اس کی کائنات لبریز ہے تو وہ مسکرا پڑتا ہے اور اطمینان سے اپنے کھیتوں کو لوٹ جاتا ہے۔

اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے کھڑکی کے پاس لے گئی اور بولی، "آؤ، میں تمہیں ان لوگوں کے رازہائے سربستہ بتاؤں جن کی ڈگر پر چلنے سے میں نے انکار کیا۔ عظیم الشان ستونوں والے ایوان کو دیکھو! یہاں ایک رئیس رہتا ہے جسے باپ کی طرف سے ورثے میں سیم و زر ملا۔ گندی اور گھناؤنی زندگی بسر کرنے کے بعد اس نے ایسی عورت سے شادی کی جس کے بارے میں وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کا باپ سلطان کے عمائدین میں سے تھا۔ جونہی شادی کا مرحلہ طے ہوا وہ مایوس ہوا اور اس نے ان عورتوں سے تعلقات قائم کئے جو چاندی کے چند ٹکڑے لے کر اپنے جسم بیچ دیتی ہیں۔ اس کی بیوی ایوان میں یوں تنہا رہ گئی جیسے کسی شرابی کی چھوڑی ہوئی خالی

بوتل۔ وہ زندگی میں پہلی بار چیخی اور رنجیدہ ہوئی۔ پھر اس نے جان لیا کہ اس کے آنسو کے بدکار شوہر سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔ پس اب وہ ایک جوان آدمی پر محبت کے پھول نچھاور کرنے میں منہمک ہے۔ وہ اپنی زندگی کی پرمسرت ساعتیں اس کی نذر کرتی ہے اور اس کے دل میں پرخلوص پیار کا جوہر ٹپکاتی ہے۔

آؤ! اب میں تمہیں اس پرسطوت محل میں لے چلوں جو دلفریب باغات میں گھرا ہوا ہے۔ یہ ایسے شخص کا مسکن ہے جو اس خانوادے کا چشم و چراغ ہے جس نے نسلوں اس ملک پر حکمرانی کی لیکن جس کے اونچے معیار، دولت اور وقات کو پاگل پن سے روپیہ لٹانے اور کاہلی کے سبب سے زوال آیا۔ چند سال پہلے اس شخص نے ایک بدصورت عورت سے اس لئے بیاہ کیا کہ وہ دولت مند تھی۔ جب اس کا مال ہتھیا چکا تو اسے نظر انداز کر کے ایک دلکش جوان عورت سے رغبت کرنے لگا۔ آج اس کی بدنصیب بیوی اپنا وقت بال سنوارنے، ہونٹوں پر سرخی جمانے اور بدن کو خوشبوؤں میں بسانے میں صرف کرتی ہے۔ قیمتی سے قیمتی لباس زیب تن کرتی ہے اور یہ لگی امید رکھتی ہے کہ ایک دن کوئی جوان آدمی اسے دیکھ کر مسکرائے گا اور اس کے پاس آئے گا لیکن یہ سب فضول ہے۔ وہ کبھی اس میں کامیاب نہ ہوگی۔ کامیاب ہوگی تو بس اس حد تک کہ اپنی بدنما ذات کی جانب سے ائینے میں اس کا عکس پائے گی۔

اس بڑی حویلی کو دیکھو جسے ترشے ہوئے سنگ مرمر نے احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی حسین عورت کا گھر ہے جو عجیب و غریب کردار رکھتی ہے۔ جب اس کے پہلے شوہر نے وفات پائی تو اسے اس کی ساری دولت اور جائیداد ملی۔ پھر اس نے ایک کند ذہن اور نحیف و نزار مرد کا انتخاب کیا اور کالی زبان والوں سے بچنے اور اپنی قابل نفرت حرکتوں کے لئے ڈھال بنانے کی غرض سے اس کی بیوی بن گئی۔ اب وہ اپنے قدردانوں کے درمیان شہد کی مکھی کے مانند ہے جو شیریں ترین اور لذیذ ترین پھولوں کو چوستی ہے۔

اس کے برابر والے مکان کو صوبے عظیم ترین معمار نے بنایا تھا۔ یہ ایسے حریص اور تگڑے آدمی کی ملکیت ہے جو اپنا سارا وقت سیم وزر جمع کرنے اور غریبوں کو پامال کرنے میں گزارتا ہے۔ اس کی بیوی کے بدن اور روح کا جمال بہشتی حوروں سے بڑھ کر ہے لیکن وہ بھی کمسنی کی شادی کے عذاب کا شکار ہے۔ اس کے باپ نے یہ جرم کی اکہ لڑکی ابھی سن شعور کو نہ پہنچی تھی کہ اسے مرد کے حوالے کر کے خانہ خراب شادی کا بوجھل طوق اس کے گلے میں ڈال دیا۔ بے چاری مریل اور زرد رو ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اپنی مجبور محبوس محبت کے لیے راہ نجات نہیں پاتی۔ دھیرے دھیرے ڈوبتی دھنستی جا رہی ہے، غالمی کا پھندا اچھڑانے اور ایسے آدمی سے نجات پانے کے لئے مرنے کا اہتما کر رہی ہے جو اپنی زندگی سیم وزر بٹورنے اور اس ساعت کو کوسنے میں صرف کر رہا ہے، جب اس نے بانجھ عورت سے بیاہ کیا جو اس کا نام زندہ رکھنے والا اور اس کی دولت کا وارث نہ جن سکی۔

اس مکان میں ایک مثالی شاعر رہتا ہے جو بانات میں گھرا ہے۔ اس نے جاہل عورت سے بیاہ کیا۔ وہ اس کی تخلیق کا مذاق اڑاتی ہے کیونکہ یہ اس کی فہم سے بالاتر ہیں، اس کے چلن پر ہنستی ہے کیونکہ وہ اس کے ارفع اسلوب حیات سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکی۔ شاعر نے دوسری بیاہتا عورت سے پیار کر کے مایوسی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جو اس کی ذہانت کو سراہتی ہے، اس کے دل میں پیار کی شمع جلا کر اس میں جذبہ تخلیق ابھارتی ہے، اپنی دل آویزی اور خوبصورتی سے اس پر حسین ترین ابدی کلام اتارتی ہے۔''

چند لمحوں کے لئے سکوت چھا گیا۔ مادام بنی اس انداز سے کھڑکی کے پاس صوفے پر جا بیٹھی جیسے اس کی روح ان ایوانوں میں گھومتے گھومتے اکتا گئی ہو۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے کہا، ''یہی وہ گھر ہیں جن میں رہنے سے میں نے انکار کیا، یہ وہ مقبرے ہیں جن میں میری روح دفن ہو گئی تھی۔ میں نے جن لوگوں سے نجات حاصل کی وہ بدن کی طرف جاتے تھے اور روح انہیں ٹھکراتی تھی۔ محبت اور حقیقی حسن کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔ ان کے اور خدا کے

درمیان صرف ایک ثالث تھا اور وہ خدا کا تر تھا، جو خدائی قانون سے بے خبری کے باعث ان پر آتا۔ میں فیصلہ نہیں کر سکتی کیونکہ میں ان میں سے ایک تھی لیکن صدق دل سے ان سے ہمدردی کرتی ہوں۔ مجھے ان سے نفرت نہیں۔ مجھے تو ناتوانی اور جھوٹ کی اطاعت کرنے پر ان سے نفرت ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہا ہے تا کہ تم پر ان لوگوں کی اصلیت ظاہر کر دوں جن سے میں ان کی مرضی کے خلاف بھاگ کر آئی ہوں۔ میں تم پر ان لوگوں کی زندگی کی حقیقت واضح کرنا چاہتی تھی جو میرے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں کیونکہ میں ان کی دوستی ترک کر چکی اور آخر کار اپنے آپ کو پا چکی ہوں۔ میں ان کے اندھیری کوٹھڑی میں سے نکل آئی ہوں اور میں نے اپنی نظریں اس روشنی کی سمت کر لی ہیں جہاں خلوص، صاقت اور انصاف کی حکمرانی ہے۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے حلقے سے خارج کر دیا ہے۔ انسان صرف اسے جلاوطن کرتے ہیں جس کی روح مطلق العنانی اور ظلم کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ جو غلامی پر ترک وطن کو ترجیح نہیں دیتا وہ آزادی، سداقت اور فرض کے کسی پیمانے سے بھی آزاد کہلانے کا مستحق نہیں۔

کل تک میں ایسا طباق تھی جس پر ہر قسم کے لذیز کھانے چنے تھے اور رشید بے نعمان اس وقت تک میرے پاس نہیں پھٹکتا تھا جب تک اسے کھانے کی اشتہا نہ ہوتی۔ ہماری روحیں دو عزیز مگر ذیشان خدام کی طرح ہم سے دور دور ہیں۔ میں نے اس سے صلح و آشتی کی کوشش کی جسے لوگ بدقسمتی کہتے ہیں۔ لیکن میری روح نے زندگی بھر میرے ساتھ اس ہولناک بت کے سامنے جھکے رہنے سے انکار کیا جسے ازمنہ وسطیٰ کے تاریک زمانے میں تراشا گیا تھا اور جس کا نام قانون رکھ دیا تھا۔ میں زنجیریں پہنے رہی تا آنکہ میں نے محبت کو اپنی طرف آتے سنا اور اپنی روح کو پرواز کی تیاری کرتے دیکھا۔ پھر میں نے زنجیریں توڑ دیں، اس پرندے کی طرف رشید بے نعمان کا محل چھوڑ دیا جسے آہنی پنجرے سے رہائی ملی ہو۔ میں اپنے پیچھے جواہرات

،ملبوسات اور غلام چھوڑ آئی ۔ میں اپنے محبوب کے ہمراہ رہنے آ گئی کیونکہ جانتی تھی کہ جو کچھ کر رہی ہوں دیانتداری سے کر رہی ہوں ۔ فلک نہیں چاہتا کہ میں آنسو بہاؤں اور رنج سہوں ۔ بارہا رات کو میں نے صبح کے طلوع ہونے کی دعا مانگی اور جب دن چڑھا تو میں نے اس کے ختم ہونے کی دعا مانگی ۔ میرا خدا نہیں چاہتا کہ میں بیچارگی کی زندگی بسر کروں کیونکہ اس نے میرے دل کی گہرائیوں میں محبت کی آرزو رکھ دی ہے ۔ اس کی شان میری دلی مسرت سے ہے ۔

یہ داستان میری ہے اور یہی زمین و آسمان کے روبرو میری صدائے احتجاج ہے ۔ میں پیار کے گیت گاتی ہوں ، اسی کو دہراتی ہوں جبکہ لوگ اس ڈر سے کان بند کر لیتے ہیں کہ کہیں مجھے سن نہ پائیں اور ان کی روح بغاوت پر نہ اتر آئے اور پھر ان کے کانپتے لرزتے ہوئے معاشرے کی بنیادیں نہ اکھڑ جائیں ۔

یہ ناہموار راستہ ہے جسے میں نے تراشا اور میں مسرت کی چوٹی پر پہنچ گئی ۔ اب اگر موت مجھے لینے آئے تو میں خوف اور شرم کے بغیر خوشی خوشی رفیع الشان تاجدار آسمانی کے حضور خود کو پیش کر دوں گی ۔ میں یوم حساب کے لئے بالکل تیار ہوں ۔ میرا دل صاف ہے ، سفید برف کی مانند ۔ میں نے اپنے ہر عمل میں حکم ربی تسلیم کیا اور آسمانی فرشتوں کی آواز پر کان دھر کر اپنے دل کے اذن پر چلتی رہی ۔ یہ میری زندگی کا نا ٹک ہے جسے بیروت کے لوگ ''لب حیات پر ثبت کی ہوئی لعنت'' اور ''معاشرے کے جسم میں چھپی ہوئی بیماری'' کہتے ہیں ۔ ایک دن محبت ان کیت دلون کو سورج کی کرنوں کی طرح عیاں کرے گی جو گلی سڑی زمین میں سے بھی پھول اگاتی ہیں ۔ ایک دن راہ گیر میری قبر کے پاس آ کر رکیں گے اور اس مٹی کا خیر مقدم کریں گے جو میرے جسم کو ملفوف کئے ہوگی ، وہ کہیں گے ''یہاں روزینی استراحت کر رہی ہے جس نے محبت کے پاکیزہ خدائی قانون پر چلنے کی غرض سے خود کو بوسیدہ انسانی قوانین سے رہا کرایا ۔ اس نے اپنا چہرہ سورج کی جانب کر لیا تا کہ اپنے بدن کے سائے کو کھو

پڑیوں اور کانٹوں میں نہ دیکھ سکے۔''

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک آدمی داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں سحر انگیز کرنوں سے چمک رہی تھیں اور اس کے ہونٹوں سے بھرپور مسکراہٹ عیاں تھی۔ مادام ہنی کھڑی ہوئی۔ اس نے نوجوان کا بازو تھاما، مجھ سے اس کا تعارف کرایا اور تعریفی کلمات کے ساتھ اس کے سامنے میرا نام لیا۔ میں جان گیا کہ یہی وہ ہستی ہے جس کی خاطر اس نے ساری دنیا کو ٹھکرا دیا اور زمین کے قوانین و روایات سے بغاوت کی۔

ہم بیٹھ گئے۔ خاموشی چھا گئی۔ ہم میں سے ہر ایک گہری سوچ کی لپیٹ میں آ گیا۔ خاموشی و احترام کے چند لمحے گزرے تو میں نے جوڑے کو ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے دیکھا میں نے کچھ ایسی چیز دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں فوراً ہی مادام ہنی کی کہانی کا مفہوم پا گیا۔ میں نے معاشرے کے خلاف اس کے احتراج کا راز جان لیا جو بغاوت کے سبب کا تعین کرنے سے پہلے ان باغیوں کو سزا دیتا ہے جو جو رسم و رواج اور قوانین کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ میں نے اپنے سامنے آسمانی روح کو دیکھا جو دو حسین اور متحد انسانوں پر مشتمل تھی۔ درمیان میں محبت کا دیوتا انہیں کالی زبان والوں سے بچانے کے لئے اپنے شہ پر پھیلائے کھڑا تھا۔ میں نے دونوں مسکراتے ہوئے چہروں میں سے کامل طور پر ایک سوچ کو عیان ہوتے دیکھا۔ یہ چہرے خلوص سے تاباں اور خیر میں گھرے ہوئے تھے۔ مین نے زندگی میں پہلی بار مرد اور عورت کے درمیان کی پرچھائیں دیکھی جسے مذہب نے ملعون قرار دیا اور قانون نے جس کی مخالفت کی۔ میں کھڑا ہوا۔ انہیں الوداع کہا اور اس غریبانہ گھروندے سے رخصت ہوا۔ جسے پیار نے خلوص اور فہم و دانش کے دیوتا کی قربان گاہ کے طور پر استوار کیا تھا۔ میں ان ایوانوں کے پاس سے گزرا جن کی طرف مادام ہنی نے اشارہ کیا تھا۔ جب میں ان کے آخری سرے پر پہنچا تو مجھے رشید بے نعمان یاد آیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا ''وہ پامال ہوا ہے۔ اگر اس نے کبھی مادام ہنی کے بارے میں شکوہ کیا تو کیا آسمان کبھی اس کی شنوائی کرے گا؟ کیا اس عورت نے اسے چھوڑ کر اور اپنی دلی آزادی کی راہ پر چل کر کوئی غلطی کی ہے؟ یا پھر اس شخص

نے محبت کے ذریعے اس کے دل پر قابو پانے سے پہلے اس کے جسم کو زیر کر کے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ دونوں میں کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ کون مجرم ہے اور کون معصوم؟''

چند لمحوں کی گہری سوچ کے بعد میں دوبارہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ ''بار ہا عورت نے دھوکا کھایا اور دولت کے حرص میں اپنے شوہر کو چھوڑا کیونکہ سیم و زر اور خوشنما ملبوسات کے پیار نے اس کی آنکھیں اندھی کر دیں اور اسے بے حیائی تک پہنچا دیا۔ مادام ہنی اپنے مالدار شوہر کا محل چھوڑ کر مفلس کے جھونپڑے میں چلی گئی تو کیا وہ گرفتار فریب ہوئی تھی؟ بار ہا اعلیٰ عورت کے وقار کو ہلاک اور اس کی خواہش کو زندہ کر دیتی ہے۔ وہ اکتا جاتی ہے اور اپنی خواہشوں کی تحریک پر اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی اور ایسے آدمی کا پیچھا کرتی ہے جس کے سامنے وہ سرنگوں ہو جاتی ہے۔ کیا مادام ہنی ایک انجان عورت تھی جس نے جسمانی خواہشوں کو لبیک کہا، سب کے سامنے اپنی آزادی کا اعلان کیا اور اپنے محبوب نوجوان سے جا ملی؟ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر بھی رازداری سے اپنی تسلی کر سکتی تھی کیونکہ کتنے ہی لوگ اس کے حسن کا علم بننے اور اس کے پیار کی خاطر جام شہادت نوش کرنے کے لئے تیار تھے۔ مادام ہنی ستم رسیدہ عورت تھی۔ اسے صرف مسرت کی جستجو تھی جسے اس نے پالیا اور گلے سے لگا لیا۔ ''یہی اصل صداقت ہے معاشرہ جس کا احترام نہیں کرتا۔''

پھر میں نے خلاء میں سرگوشی اور اپنے آپ سے سوال، ''کیا کسی عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تباہی و بربادی کے عوج اپنی خوشی خریدے؟''

میری روح نے لقمہ دیا، ''کیا کسی مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کی محبت کو اسیر بنائے جبکہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ کبھی اسے پا نہ سکے گا؟''

☆☆☆☆☆☆

میں چلتا گیا، مادام ہنی کی آواز ہنوز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اسی عالم میں میں شہر کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ سورج چھپ رہا تھا۔ کھیتوں اور گیاہ زاں پر

خاموشی کا راج تھا۔ پرندے شام کی عبادت کے گیت گانے لگے تھے۔ میں وہاں کھڑے کھڑے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر میں نے آہ بھری اور کہا، ''پیڑ خدائے آزادی کے تخت کے روبرو کھلنڈری معطر ہوا سے مسرور اور آفتاب و ماہتاب کی شعاعوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پرندے آزادی کے دیوتا کے کانوں میں چپکے چپکے باتیں کرتے اور اس کے گردندیوں کے سازینے کی سنگت میں پھڑ پھڑاتے پھرتے ہیں۔ یہ پھول آسمان آزادی پر اپنی خوشبوئیں اڑاتے ہیں۔ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو وہ خداوند آزادی کے سامنے مسکراتے ہیں۔

روئے زمین پر ہر شے قانون فطرت کے مطابق رہتی ہے۔ اس قانون سے آزادی شان و شوکت اور مسرت پھوٹتی ہے لیکن آدمی اس خوش بختی سے محروم ہے کیونکہ وہ خدا کی عطا کردہ روح کی جگہ اپنا محدود اور ارضی قانون نافذ کرتا ہے۔ اس نے اپنے لئے قوانین تراشے، اپنے لئے تنگ اور اذیت بخش قید خانہ تعمیر کیا اور اسے اپنی خواہشوں اور پیار کا خلوت کدہ بنالیا۔ اس نے گہری قبر کھودی اور اس میں اپنا دل اور اس کے مفہوم کو دفن کر دیا۔ اگر کوئی فرد اپنے دل کی ہدایت پر معاشرے سے پیچھے ہٹ جاتا اور قانون شکنی کرتا ہے تو اس کے ہم جنس اسے ایسا باغی قرار دیں جو جلاوطنی کے لائق ہو یا پھر بدنام انسان کہتے ہیں جو سزا کا مستحق ہو۔ کیا آدمی دنیا کے خاتمے تک اپنے قید خانے کا غلام بنا رہے؟ یا وہ وقت گزرنے پر آزادی حاصل کر لے اور روح کی خاطر روح کے اندر رہے؟ کیا آدمی زمین کے نیچے یا پیچھے ہی دیکھنے پر مصر ہے؟ یا وہ سورج کی جانب نظریں کرے تاکہ کھوپڑیوں اور کانٹوں کے درمیان اپنے بدن کا سایہ نہ دیکھ پائے۔

اختتام